تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا

اَلْعَطَایَا النَّبَوِیَّۃ فِی الْفَتَاوٰی الرَّضَوِیَّۃ

فتاوٰی رضویہ

تصنیف لطیف: اعلیٰ حضرت مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

www.alahazratnetwork.org

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ

مع تخریج و ترجمہ عربی عبارات

تحقیقاتِ نادرہ پر مشتمل چودھویں صدی کا عظیم الشان

فقہی انسائیکلوپیڈیا

جلد ۲۶

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز
۱۲۷۲ھ ـــــ ۱۳۴۰ھ
۱۸۵۶ء ـــــ ۱۹۲۱ء

رضا فاؤنڈیشن ۰ جامعہ نظامیہ رضویہ
اندرون لوہاری دروازہ، لاہور ۸ پاکستان (۵۴۰۰۰)
فون ۷۲۲۵۷۷۲ ۷۶۵۷۳۱۴

نام کتاب ——— فتاوٰی رضویہ جلد ۲۶

تصنیف ——— اعلٰحضرت شیخ الاسلام امام احمد رضا قادری بریلوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

فیضانِ کرامت ——— مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ

سرپرستی ——— مولانا صاحبزادہ محمد عبدالمصطفٰی ہزاروی ناظمِ اعلٰی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور و شیخوپورہ

اہتمام ——— مولانا صاحبزادہ قاری نصیر احمد ہزاروی ناظم شعبہ نشرواشاعت 〃 〃 〃 〃 〃

ترجمہ عربی و فارسی عبارات ——— حافظ محمد عبدالستار سعیدی ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

پیش لفظ ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

تبویب جدید و ترتیب فہرست ——— 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

تخریج و تصحیح ——— مولانا نذیر احمد سعیدی، مولانا غلام حسن، مولانا محمد شہزاد ہاشمی

کتابت ——— محمد شریف گل، کڑیال کلاں (گوجرانوالہ)

پیسٹنگ ——— مولانا محمد منشا تابش قصوری صدر مدرس و انچارج شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ لاہور

صفحات ——— ۶۱۶

اشاعت ——— محرم الحرام ۱۴۲۵ھ / مارچ ۲۰۰۴ء

ناشر ——— رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

مطبع ———

قیمت ———

○

ملنے کے پتے:

○ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

۰۳۰۰/۹۴۱۵۳۰۰ ۷۶۶۵۷۷۲

○ مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور

○ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، گنج بخش روڈ، لاہور

○ شبیر برادرز، ۴۰ بی، اردو بازار، لاہور

اجمالی فہرست

فہرست رسائل

پیش لفظ

الحمدُ للہ ! اعلیٰحضرت امام المسلمین مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ کے خزائن علمیہ اور ذخائرِ فقہیہ کو جدید انداز میں عصرِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق منظرِ عام پر لانے کے لئے دار العلوم جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں رضا فاؤنڈیشن کے نام سے جو ادارہ مارچ ۱۹۸۸ء میں قائم ہوا تھا وہ انتہائی کامیابی اور برق رفتاری کے ساتھ مجوزہ منصوبہ کے ارتقائی مراحل کو طے کرتے ہوئے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہا ہے، اب یہانتک کہ یہ ادارہ امام احمد رضا کی متعدد تصانیف شائع کرچکا ہے جن میں بین الاقوامی معیار کے مطابق شائع ہونے والی مندرجہ ذیل عربی تصانیف خاص اہمیت کی حامل ہیں :

(۱) الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ	(۱۳۲۳ھ)
مع الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ	(۱۳۲۶ھ)
(۲) انباء الحی ان کلامہ المصون تبیانا لکل شیئ	(۱۳۲۶ھ)
مع التعلیقات "حاسم المفتری علی السید البری"	(۱۳۲۸ھ)
(۳) کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم	(۱۳۲۴ھ)
(۴) صیقل الرین عن احکام مجاورۃ الحرمین	(۱۳۰۵ھ)
(۵) ہادی الاضحیۃ بالشاۃ الہندیۃ	(۱۳۱۴ھ)
(۶) الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ	(۱۳۰۷ھ)

(۷) الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ (۱۳۲۴ھ)

مگر اس ادارے کا عظیم ترین کارنامہ العطایا النبویۃ فی الفتاوی الرضویۃ المعروف بہ فتاوی رضویہ کی تخریج و ترجمہ کے ساتھ عمدہ و خوبصورت انداز میں اشاعت ہے ۔ فتاوی مذکورہ کی اشاعت کا آغاز شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ/ مارچ ۱۹۹۰ء میں ہوا تھا اور بفضلہ تعالٰی جل مجدہٗ و بعنایت رسولہ الکریم تقریبًا چودہ سال کے مختصر عرصہ میں چھبیسویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے ۔ اس سے قبل شائع ہونے والی پچیس جلدوں کے مشمولات کی تفصیل سنینِ اشاعت، کُتب و ابواب، مجموعی صفحات ، تعدادِ سوالات و جوابات اور ان میں شامل رسائل کی تعداد کے اعتبار سے حسب ذیل ہے :

جلد نمبر	عنوانات	جواباتِ استفتاء	تعدادِ رسائل	سنینِ اشاعت	صفحات
۱	کتاب الطہارت	۲۲	۱۱	شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ — مارچ ۱۹۹۰ء	۸۳۸
۲	〃	۳۳	۷	ربیع الثانی ۱۴۱۲ — نومبر ۱۹۹۱	۷۱۰
۳	〃	۵۹	۶	شعبان المعظم ۱۴۱۲ — فروری ۱۹۹۲	۷۵۶
۴	〃	۱۲۵	۵	رجب المرجب ۱۴۱۳ — جنوری ۱۹۹۳	۷۶۰
۵	کتاب الصلٰوۃ	۱۴۰	۶	ربیع الاول ۱۴۱۴ — ستمبر ۱۹۹۳	۶۹۲
۶	〃	۴۵۷	۳	ربیع الاول ۱۴۱۵ — اگست ۱۹۹۴	۷۳۶
۷	〃	۲۶۹	۷	رجب المرجب ۱۴۱۵ — دسمبر ۱۹۹۴	۷۲۰
۸	〃	۳۳۷	۶	محرم الحرام ۱۴۱۶ — جون ۱۹۹۵	۶۶۴
۹	کتاب الجنائز	۲۷۳	۱۳	ذوالقعدہ ۱۴۱۶ — اپریل ۱۹۹۶	۹۴۶
۱۰	کتاب الزکٰوۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج	۳۱۶	۱۶	ربیع الاول ۱۴۱۷ — اگست ۱۹۹۶	۸۳۲
۱۱	کتاب النکاح	۴۵۹	۶	محرم الحرام ۱۴۱۸ — مئی ۱۹۹۷	۷۳۶
۱۲	کتاب النکاح ، کتاب الطلاق	۳۲۸	۳	رجب المرجب ۱۴۱۸ — نومبر ۱۹۹۷	۶۸۸
۱۳	کتاب الطلاق ، کتاب الایمان کتاب الحدود والتعزیر	۲۹۳	۲	ذوالقعدہ ۱۴۱۸ — مارچ ۱۹۹۸	۶۸۸
۱۴	کتاب السیر	۳۳۹	۷	جمادی الاخرٰی ۱۴۱۹ — ستمبر ۱۹۹۸	۷۱۲
۱۵	〃	۸۱	۱۵	محرم الحرام ۱۴۲۰ — اپریل ۱۹۹۹	۷۴۴

۱۶	کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف	۴۳۲	۳	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۰	۱۹۹۹	۶۲۲
۱۷	کتاب البیوع، کتاب الحوالہ، کتاب الکفالہ	۱۵۳	۲	ذیقعدہ ۱۴۲۰	فروری ۲۰۰۰	۷۱۶
۱۸	کتاب الشہادۃ، کتاب القضاء والدعاوی	۱۵۲	۲	ربیع الثانی ۱۴۲۱	جولائی ۲۰۰۰	۷۴۰
۱۹	کتاب الوکالہ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربہ، کتاب الامانات، کتاب العاریہ، کتاب الہبہ، کتاب الاجارہ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر	۲۹۶	۳	ذیقعدہ ۱۴۲۰	فروری ۲۰۰۱	۶۹۲
۲۰	کتاب الغصب، کتاب الشفعہ، کتاب القسمہ، کتاب المزارعہ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیہ	۲۳۴	۳	صفر المظفر ۱۴۲۲	مئی ۲۰۰۱	۶۳۲
۲۱	کتاب الحظر والاباحۃ	۲۹۱	۹	ربیع الاول ۱۴۲۳	مئی ۲۰۰۲	۶۷۶
۲۲	" " "	۲۴۱	۶	جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳	اگست ۲۰۰۲	۶۹۲
۲۳	" " "	۴۰۹	۷	ذوالحجہ ۱۴۲۳	فروری ۲۰۰۳	۷۶۸
۲۴	" " "	۲۸۴	۹	ذوالحجہ ۱۴۲۳	فروری ۲۰۰۳	۷۲۰
۲۵	کتاب المداینات، کتاب الاشربہ، کتاب الرہن، باب القسم، کتاب الوصایا	۱۸۳	۳	رجب المرجب ۱۴۲۴	ستمبر ۲۰۰۳	۶۵۸

فتاویٰ رضویہ قدیم کی پہلی آٹھ جلدوں کے ابواب کی ترتیب وہی ہے جو معروف و متداول کتبِ فقہ و فتاویٰ میں مذکور ہے۔ رضا فاؤنڈیشن کی طرف سے شائع ہونے والی بیس جلدوں میں اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے مگر فتاویٰ رضویہ قدیم کی بقیہ چار مطبوعہ جلدوں (جلد نہم، دہم، یازدہم، دوازدہم) کی ترتیب ابوابِ فقہ سے عدمِ مطابقت کی وجہ سے محلِ نظر ہے۔ چنانچہ ادارہ ہٰذا کے سرپرستِ اعلیٰ محسنِ اہلسنت مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ و دیگر اکابر علماء و مشائخ سے استشارہ و استفسار کے بعد اراکینِ ادارہ نے فیصلہ کیا تھا کہ بیسویں جلد کے بعد والی جلدوں میں فتاویٰ رضویہ قدیم کی ترتیب کے

بجائے ابواب فقہ کی معروف ترتیب کو بنیاد بنایا جائے نیز اس سلسلہ میں بحرالعلوم حضرت مولانا مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی گرانقدر تحقیقِ انیق کو بھی ہم نے پیشِ نظر رکھا اور اس سے بھرپور راہنمائی حاصل کی۔
عام طور پر فقہ و فتاوٰی کی کتب میں کتاب الاضحیہ کے بعد کتاب الحظروالاباحۃ کا عنوان ذکر کیا جاتا ہے اور ہمارے ادارے سے شائع شدہ بیسویں جلد کا اختتام چونکہ کتاب الاضحیہ پر ہوا تھا لہذا اکیسویں جلد سے مسائل حظرواباحۃ کی اشاعت کا آغاز کیا گیا۔ کتاب الحظروالاباحۃ (جو چار جلدوں ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴ پر مشتمل ہے) کی تکمیل کے بعد ابواب مداینات، اشربہ، رہن، قسم اور وصایا پر مشتمل پچیسویں جلد بھی منصۂ شہود پر آچکی ہے۔ اب ابوابِ فقہیہ میں سے صرف کتاب الفرائض باقی تھی جس کو پیشِ نظر جلد میں شامل کر دیا گیا ہے۔ باقی رہے مسائل کلامیہ و دیگر متفرق عنوانات پر مشتمل مباحث و فتاوٰئے اعلٰحضرت جو فتاوٰی رضویہ قدیم کی جلد نہم و دوازدہم میں غیر مبوب وغیر مترتب طور پر مندرج ہیں، ان کی ترتیب و تبویب اگرچہ آسان کام نہ تھا مگر رب العالمین عزوجل کی توفیق، رحمۃ العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین کی نظرِعنایت، اعلٰحضرت اور مفتیٔ اعظم رحمۃ اللہ علیہما کے روحانی تصرف وکرامت سے راقم حقیر نے یہ گھاٹی بھی عبور کرلی اور کتاب الحظروالاباحۃ کی طرح ان بکھرے ہوئے موتیوں کو ابواب کی لڑی میں پرو کر مرتبط و منضبط کر دیا ہے وللہ الحمد۔

اس سلسلہ میں ہم نے مندرجہ ذیل امور کو بطورِ خاص ملحوظ رکھا:

(ا) ان تمام مسائل کلامیہ و متفرقہ کو کتاب الشتّٰی کا مرکزی عنوان دے کر مختلف ابواب پر تقسیم کر دیا ہے۔
(ب) تبویب میں سوال و استفتاء کا اعتبار کیا گیا ہے۔
(ج) ایک ہی استفتاء میں مختلف ابواب سے متعلق سوالات مذکور ہونے کی صورت میں ہر سوال کو مستفتی کے نام سمیت متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔
(د) مذکورہ بالا دونوں جلدوں (نہم و دوازدہم قدیم) میں شامل رسائل کو ان کے عنوانات کے مطابق متعلقہ ابواب کے تحت داخل کر دیا ہے۔
(ھ) رسائل کی ابتداء و انتہاء کو ممتاز کیا ہے۔
(و) کتاب الشتّٰی کے ابواب سے متعلق اعلٰحضرت کے بعض رسائل جو فتاوٰی رضویہ قدیم میں شامل نہ ہو سکے تھے ان کو بھی موزوں و مناسب جگہ پر شامل کر دیا ہے۔
(ز) تبویب جدید کے بعد موجودہ ترتیب چونکہ سابق ترتیب سے بالکل مختلف ہوگئی ہے لہذا مسائل کی مکمل فہرست موجودہ ابواب کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا پڑی۔
(ح) کتاب الشتّٰی میں داخل تمام رسائل کے مندرجات کی مکمل و مفصل فہرستیں مرتب کی گئی ہیں۔

چھبیسویں جلد

یہ جلد ۳۲۵ سوالوں کے جوابات اور مجموعی طور پر ۶۱۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کی عربی و فارسی عبارات کا ترجمہ راقم الحروف نے کیا ہے۔ اس سے قبل گیارھویں، بارھویں، تیرھویں، سولھویں، سترھویں، اٹھارھویں، انیسویں، بیسویں اور پچیسویں جلد بھی راقم کے ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔

پیشِ نظر جلد بنیادی طور پر کتاب الفرائض اور کتاب الشتی (حصہ اول) کے چند ابواب یعنی تاریخ و تذکرہ، فوائد تفسیریہ و علوم قرآن، محافل و مجالس، تصوف و طریقت اور اوراد و وظائف کے مباحث جلیلہ پر مشتمل ہے۔

تاہم متعدد دیگر عنوانات سے متعلق کثیر مسائل ضمناً زیر بحث آئے ہیں لہذا مذکورہ بالا بنیادی عنوانات کے تحت مندرج مسائل و رسائل کی مفصل فہرست کے علاوہ مسائل ضمنیہ کی الگ فہرست بھی قارئین کرام کی سہولت کے لئے تیار کر دی گئی ہے، نیز اس جلد میں شامل مستقل ابواب سے متعلق مسائل اگر کہیں ایک دوسرے کے تحت ضمناً درج تھے تو ان کی فہرست ہم نے متعلقہ ابواب کی فہرست کے آخر میں بطور ضمیمہ ذکر کر دی ہے تاکہ ان مسائل کی تلاش میں دقت و ابہام پیدا نہ ہو۔ انتہائی وقیع اور گرانقدر تحقیقات و تدقیقات پر مشتمل مندرجہ ذیل آٹھ رسائل بھی اس جلد کی زینت ہیں:

(۱) المقصد النافع فی عصوبة الصنف الرابع (۱۳۱۵ھ)

عصبہ بنفسہ کی قسم چہارم یعنی فروع جدمیت کے بارے میں آٹھ سوالات پر مشتمل استفتاء کا مفصل و مدلل جواب۔

(۲) طیب الامعان فی تعدد الجهات والابدان (۱۳۱۷ھ)

وراثت میں تعدد جہات و ابدان کے معتبر ہونے کا روشن بیان۔

(۳) تجلیة السلم فی مسائل من نصف العلم (۱۳۲۱ھ)

بعض مسائل فرائض میں کچھ علماء معاصرین کی غلط فہمیوں کا ازالہ

(۴) نطق الهلال بارخ ولاد الحبیب والوصال (۱۳۱۷ھ)

حبیبِ خدا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادتِ مبارکہ اور وصال اقدس کی صحیح تاریخ باعتبار قمری ماہ و سال۔

(۵) جمع القرآن وبم عزوه لعثمان (۱۳۲۲ھ)

جمعِ قرآن کی تاریخ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کی طرف اس کو منسوب کرنے کا سبب۔

(۶) الصمصام علیٰ مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)
علومِ ارحام سے متعلق آیاتِ کریمہ کی تفسیر اور ڈاکٹروں کے ادعاء اور پادریوں کا رَدّ۔

(۷) اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامۃ (۱۲۹۹ھ)
محفل میلاد میں بوقت ذکر ولادت طیبہ قیام تعظیمی کا ثبوت اور اس کے منکرین کا رَدِّ بلیغ۔

(۸) کشفِ حقائق واسرارِ دقائق (۱۳۰۸ھ)
تصوف سے متعلق چند اشعار کی توضیح وتشریح۔

ضروری بات

گو مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کے وصالِ پُرملال سے جامعہ نظامیہ رضویہ کو ناقابلِ برداشت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، مگر یہ اس سراپا کرامت وجودِ باجود کا فیضان ہے کہ ان کے فرزندِ ارجمند حضرت مولانا علامہ مفتی محمد عبد المصطفیٰ ہزاروی مدظلہٗ جو علومِ دینیہ وعصریہ کے مستند فاضل اور حضرت مفتی اعظم کی علمی وتجرباتی وسعتِ فراست کے وارث وامین ہیں، نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے تمام شعبہ جات کی ترویج وترقی کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف نے جامعہ کے طلباء کی تعداد میں خاصا اضافہ ہونے کے باعث متعدد تجربہ کار مدرسین مقرر کئے ہیں اور فتاویٰ رضویہ جدید کی اشاعت وطباعت میں بھی بدستور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے نقوشِ جمیلہ پر گامزن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حسبِ معمول سالانہ دو جلدوں کی اشاعت باقاعدگی سے ہورہی ہے۔ بس آپ حضرات سے درخواست ہے کہ دعاؤں سے نوازتے رہیے تاکہ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمۃ کے مشن کو ان کے جسمانی وروحانی نائبین بحسن وخوبی ترقی سے ہمکنار کرنے میں اپنا کردار سرانجام دیتے رہیں، فقط۔

حافظ محمد عبد الستار سعیدی
ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ
لاہور، شیخوپورہ (پاکستان)

۱۰ محرم الحرام ۱۴۲۵ھ
۲ مارچ ۲۰۰۴ء

فہرست مضامین مفصّل

كتابُ الفرائض

تاریخ وتذکرہ وحکایاتِ صالحین

رسالہ نطق الہلال بارخ ولاد الحبیب والوصال (۱۳۱۷ھ)

فوائدِ تفسیریہ و علومِ قرآن

محافل ومجالس

(میلاد وگیارھویں شریف وغیرہ)

تصوف، طریقت، آدابِ بیعت، پیری مریدی

○ رسالہ کشفِ حقائق و اسرارِ دقائق (۱۳۰۸ھ)

اوراد و وظائف و عملیات

ضمیمہ تاریخ و تذکرہ

ضمیمہ تصوف و طریقت

ضمیمہ فوائدِ تفسیریہ

فہرست ضمنی مسائل

نماز

جنائز

نکاح و طلاق

محرمات

مہر

جہیز

حمل

نسب

حضانت

ولایت

فوائد فقہیہ

ضمان و تاوان

ہبہ

قرض

حظر و اباحت

وصایا

فوائدِ اصولیہ

لغت

حدود و تعزیر

ترغیب و ترہیب

افتاء و رسم المفتی

صلح

قسمت

وقف

احکامِ مسجد

تحقیق و تنقید

فلسفہ و ریاضی

عقائد و کلام و سِیَر

ردِّ بد مذہباں

رہن

صدقہ وخیرات

بیوع

شرح کلام علماء

غصب

رؤیتِ ہلال

توقیت وہیئت وفلکیات

فوائد حدیثیہ

اسماء الرجال

فضائل ومناقب

طب

علم، علماء، تعلیم

فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کتاب الفرائض

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۱ یکم ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ ایک عورت قوم طوائف سے تھی جس نے عمرو سے نکاح کیا، ہندہ کی نائکہ کے اور بھی چند رنڈیاں مختلف البطن تھیں جو اپنا پیشہ کسب اب تک کرتی ہیں ہندہ نے جس کا کوئی وارث نہ تھا شوہر کے بھتیجے کو متبنی کیا اور اپنی حیات میں اپنے کل متروکہ کی بابت جو اُسے ترکہ شوہر ہی سے پہنچا تھا زید کے لئے وصیت کی کہ میرے بعد کل ترکہ کا مالک زید ہو، اب بعد انتقال ہندہ اس کی نائکہ کی دوسری رنڈی لیلٰی بدعوی خواہری ترکہ چاہتی ہے اس صورت میں شرعاً حق لیلٰی کا ہے یا زید کا؟ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

شوہر کا بھتیجا یہ اپنا متبنی شرعاً وارث نہیں، پس اگر گواہان عادل سے جنھیں شرع قبول کرلے وصیت ثابت ہوجائے تو شک نہیں کہ زید ہر طرح موصی لہ ہوگیا خواہ لیلٰی ہندہ کی بہن ہو یا نہ ہو فرق یہ ہوگا کہ لیلٰی وہندہ ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں تو وہ اخیافی بہن ٹھہر کر چھٹے حصے کی فرضاً اور نصف کی رداً مستحق ہوگی فان الرد مقدم عندنا علی الموصی لہ لجمیع المال (کیونکہ ہمارے نزدیک رد اس شخص پر مقدم ہے جس کے لئے کل مال کی وصیت کی گئی ہے۔ ت)

صرف ایک ثلث باقی بعد ادائے دَین میں وصیت نافذ ہوگی دوثلث باقیماندہ لیلٰی کو ملیں گے۔ قضاءً و ردًّا اور اگر ثابت ہوگا کہ لیلٰی ہندہ کی بہن نہیں بلکہ صرف اس وجہ سے انھیں بہنیں کہا جاتا کہ دونوں ایک ڈیرے کی رنڈیاں تھیں تو وصیت کل مال میں جاری ہوگی اور بعد ادائے دَین اگر ذمہ ہندہ ہو کل متروکہ زید کو ملے گا مگر اس امر کا لحاظ واجب ہے کہ نسب کے ثبوت میں صرف شہرت کافی ہے کما فی الخلاصۃ والخانیۃ والھدایۃ والھندیۃ والدر وغیرھا (جیسا کہ خلاصہ، خانیہ، ہدایہ، ہندیہ اور در وغیرہ میں ہے۔ ت) پس اگر مشہور ہو کہ یہ دونوں عورتیں ایک ماں کے پیٹ سے ہیں اگرچہ اولادِ زنا ہی ہوں تو بیشک وہ بہنیں ٹھہریں گی اور لیلٰی وارثہ ہوگی کما فی الدر المختار وغیرہ (جیسا کہ درمختار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲

۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے مرتے وقت زیور اپنے بھائی کے سپرد کیا اور یہ کہا یہ زیور میری بہو متوفی کا ہے، اس تفصیل سے کہ کچھ اس کے والدین کا دیا ہوا ہے اور کچھ میرا دیا ہوا ہے اور اوّل بہو کا انتقال ہوا تو اس کی تجہیز و تکفین میں نے کی اور بعد کو اسکے خاوند کا انتقال ہُوا تو اس کی بھی تجہیز و تکفین میں نے کی اور وہ دونوں لاولد مرے ہیں اور بالعوض اس کے مال دونوں کے مرنے میں اس مال کی تعداد سے زیادہ روپیہ خرچ ہوگیا ہے اور اس مال میں کسی کا دعوٰی نہیں ہے تم بعد میرے کل مال کے میرے خیرات کر دینا اب بہو کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مال ہے ہم وارث ہیں اور خاوند کے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی اور بھاوج کا مال ہے ہم وارث ہیں، عورت کے والدین کہتے ہیں کہ ہماری دختر کا مہر بھی چاہیے، خاوند کے وارث کہتے ہیں کہ ہمارے بھائی نے کہا کہ مہر مجھ کو میری زوجہ نے بخش دیا ہے۔ اب بموجب شرع شریف کے وہ مال خیرات کیا جائے یا وارثان کو دیا جائے اور کس کس وارث کو کس تعداد سے دیا جائے؟

الجواب

اگر عورت نے اپنی بہو کی تجہیز و تکفین اپنے پاس سے بطورِ خود کی تو اس کا معاوضہ پانے کی اصلاً مستحق نہیں،

فی العقود الدریۃ عن التاتارخانیۃ عن العیون اذا کفن الوارث المیّت	عقود الدریہ میں تاتارخانیہ سے بحوالہ عیون منقول ہے کہ جب اپنے مال سے میّت کو کفن پہنائے

من مال نفسہ یرجع والاجنبی لایرجع[1] اھ وفیھا عن نھج النجاۃ لوکفن المیت غیرالوارث من مال نفسہ لیرجع فی ترکتہ بغیرامرالوارث فلیس لہ الرجوع اشھد علی الوارث او لم یشھد[2]

تو وہ ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اور اجنبی ایسا کرے تو رجوع نہیں کرسکتا اھ اور اسی میں نہج النجاۃ سے منقول ہے اگر غیر وارث اپنے مال سے وارث کی اجازت کے بغیر اس نیت سے میت کو کفن پہنائے کہ وہ میت کے ترکہ میں رجوع کرے گا تو اس کو رجوع کا حق نہیں چاہے وارث کی موجودگی میں ایسا کرے یا غیر موجودگی میں۔ (ت)

اس تقدیر پر نصف زیور خاص بہو کے ماں باپ کا ہے جس کی نسبت عورت کی وصیت محض مہمل، اور اگر شوہر متوفاۃ یعنی اپنے پسر خواہ بہو کے مادر یا پدر غرض اس کے کسی وارث کے اذن سے تجہیز وتکفین کی توجس قدر صرف کفن دفن میں صَرف ہوا بشرطیکہ اس میں قدر سنّت یعنی پانچ کپڑوں اور کفن مثل سے زیادتی نہ کی ہو اس قدر کی قیمت بہو کے ترکہ سے لے سکتی ہے

فی العقود اما الاجنبی فلا رجوع لہ مطلقا الا فی اذن لہ الوارث[3]

عقود میں ہے لیکن اجنبی کو مطلقاً رجوع کا حق نہیں سوائے اس کے کہ وارث نے اسکی اجازت دی ہو۔ (ت)

باقی کا نصف اس کے ماں باپ کا حق ہے، رہا دونوں صورتوں پر باقیماندہ آدھا وہ نصیبہ شوہر تھا، اب تجہیز وتکفین پسر میں بھی نظر کریں گے اگر قدر سنّت یا کفن مثل سے زیادت کی ہے مثلاً تین کپڑوں کی جگہ چار کپڑے دیئے یا جیسے کپڑے وہ عید کو پہنتا تھا ان سے بہتر کفن دیا تو یہاں بھی ترکہ پسری سے اس کا مطالبہ نہ کرسکیں گے بلکہ یہ ٹھہرے گا کہ وہ ایک سلوک تھا جو اس نے بطور خود کیا

فی العقود عن الانقروی عن مجمع الفتاوٰی ان کفنہ باکثر من کفن المثل لایرجع لان احد الورثۃ لایملکہ وھل لہ ان یرجع فی الترکۃ بقدر کفن المثل

عقود میں انقروی سے بحوالہ مجمع الفتاوٰی منقول ہے اگر وارث نے میّت کو کفنِ مثلی سے زائد پہنایا تو رجوع نہیں کرے گا کیونکہ کوئی ایک وارث ایسا نہیں کرسکتا، کیا صورتِ مذکورہ میں اس کو ترکہ میں کفن مثلی کی حد تک رجوع کا

---

[1] تا [3] العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار ۲/ ۳۲۷

قالوا لایرجع لان اختیارہ ذلك دلیل التبوع[1] اھ قلت مثلہ فی الخانیۃ مقتصرا معللا وبہ حکم فی الخلاصۃ والبزازیۃ والملتقط وان قالوا فیما بعد انہ ان قیل یرجع بقدر الکفن المثل فلہ وجہ کما ھو لفظ الاولین اولا یبعد کما ھو لفظ الاخیر فان ذلك لیس بروایۃ ولا فیہ دلالۃ علی الحکم بہ او الاختیار کما لا یخفی۔

مشائخ نے کہا کہ اُسے حق نہیں کیونکہ کفن مثلی سے زائد کو اختیار کرنا تبرع کی دلیل ہے اھ میں کہتا ہوں اسی کی مثل خانیہ میں ہے اقتصار کرتے ہوئے اور علت بیان کرتے ہوئے، اسی کے ساتھ حکم لگایا گیا ہے خلاصہ، بزازیہ اور ملتقط میں اگرچہ اس کے بعد مشائخ نے فرمایا کہ اگر مثلی کفن کے برابر رجوع کرنے کا قول کیا جائے تو اس کی بھی وجہ ہے جیساکہ پہلی دونوں کتابوں کی عبارت ہے یا یہ کہ ایسا کرنا بعید نہیں جیساکہ آخری کتاب کی عبارت ہے کیونکہ یہ کوئی روایت نہیں اور نہ ہی اس میں مذکور کے ساتھ حکم لگانے یا اسے اختیار کرنے پر دلالت ہے جیساکہ پوشیدہ نہیں۔ (ت)

اسی طرح کفن دفن کے علاوہ سوم، چہلم، فاتحہ، درود وغیرہا کے مصارف کہیں مجرا نہیں ملتے،

فی الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدرالمختار التجہیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذلك لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذلك ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[2]

درمختار پر حاشیہ طحطاویہ میں ہے کہ میّت کی تجہیز میں دعا و درود، لوگوں کو جمع کرنا اور کھانے کا اہتمام کرنا داخل نہیں کیونکہ یہ لازمی امور میں سے نہیں ہیں لہذا ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں شمار کیا جائے گا اور وہ متبرع ہوگا۔ اور یہی حکم ہوگا اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو۔ (ت)

ہاں اگر تجہیز و تکفین بیسر مطابق سنّت کی اور اس میں کفن مثل پر زیادت نہ کی تو بیشک ترکہ لیری

---

[1] العقود الدریۃ فی تنقیح الحامدیۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

میں اس قدر کا استحقاق سب وارثان سے پیشتر رکھتی ہے لانہ دین والدین مقدم علی الارث (کیونکہ وہ قرض ہے اور قرض میراث پر مقدم ہے۔ ت) اور یہاں کسی وارث پسر کا اذن بھی درکار نہیں کہ عورت خود اپنے پسر کی وارث تھی۔

فی العقود عن حاوی الزاھدی احد الورثۃ انفق فی تجہیز المیت من الترکۃ بغیر اذن الباقین یحسب من مال المیت ولایکون متبرعا[1]۔

عقود میں حاوی الزاہدی سے منقول ہے اگر کسی ایک وارث نے باقی وارثوں کی اجازت کے بغیر میت کے ترکہ میں سے اس کی تجہیز پر خرچ کیا تو وہ میت کے ترکہ سے شمار کیا جائیگا اور وہ خرچ کرنیوالا متبرع نہیں ہوگا۔ (ت)

مگر صرف اس کا کہنا کہ میں نے اپنے پاس سے پسر کا کفن دفن کیا حجت نہیں دیگر ورثہ بھی مانیں یا گواہان شرعی سے ثبوت ہو تو اس وقت یہ ٹھہرے گا کہ پسر پر اس قدر اس کی ماں کا دَین ہے۔ یونہی وارثانِ مرد کا یہ کہنا کہ ہمارے بھائی نے کہا تھا زوجہ نے مجھے مہر بخش دیا محض نامسموع ہے اگر وہ سچ بھی کہتے ہیں تو مدیون کا اپنی زبان سے دعوی عفو کیونکر حجت ہوسکتا ہے بلکہ گواہ درکار ہیں کہ زوجہ نے مہر بخش دیا تھا اگر بخشش ثابت ہوجائے تو اس نصف سے جو نصیبہ مرد قرار پایا تھا پہلے اس کی ماں کا دَین جو بشرائط مذکورہ (یعنی ثبوت باقرار ورثہ یا شہادت گواہان وعدم تجاوز بر قدر مسنون وکفن مثل) قابل ادا ہو ادا کرکے باقی وارثان مرد پر (جن میں اس کی ماں بھی داخل ہے) حسب فرائض منقسم ہوجائے اور اگر معافی ثابت نہ ہو تو یہ دیکھنا ہے کہ زوجہ کا نصف مہر جس کا مطالبہ شوہر پر باقی رہا اور ماں کا دَین بابت تجہیز وتکفین جو بشرط مذکور قابل ادا ثابت ہو (اور اسی طرح اور قرض بھی اگر ذمہ مرد ہوں) سب مل کر مقدار کل ترکہ مرد سے (خواہ یہ نصف حصہ زیور ہو جو اسے ترکہ زوجہ سے ملا یا اپنا اور مال ہو اس مجموع سے) زیادہ ہے یا برابر یا کم اگر برابر یا زائد ہو تو ماں یا بھائی کوئی وارث بحیثیت وراثت کچھ نہ پائے گا بلکہ اس حصہ زیور اور دیگر ترکہ مرد سے سب دائنوں کا حق حصہ رسد ادا کیا جائے گا اور اگر مجموعہ دیون مجموعہ ترکہ پسر سے کم ہے تو بعد ادائے دیون (وانفاذ وصایائے پسر اگر کی ہوں) جو بچے گا وہ وارثانِ مرد پر مع اس کی ماں کے تقسیم ہوجائے گا۔ اب ان صورتوں میں جو کچھ اس

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۷

عورت وصیت کنندہ کے حصہ میں آکر پڑے گا خواہ بہو کے ترکہ سے بذریعہ دین تجہیز وتکفین (جس حالت میں کہ وہ واجب الادا ہو) یا پسر کے حصہ سے خواہ بذریعہ مطالبۂ تجہیز وتکفین بشرط مذکور یا بطور وراثت یا دونوں وجہوں سے ان سب کو جمع کرکے مع اس کے باقی مال کے (اگر رکھتی ہو) اس مجموع کی تہائی میں اس کی وصیت خیرات بے اجازت اس کے وارثوں کے نافذ ہوگی،

فان الدین ایضا یدخل فی الوصیۃ بالمال علی ما رجحہ فی الوھبانیۃ لانہ مال حکمی واذا اخرج صار مالا حقیقۃً وثبوت حق الموصی لہ بعد الخروج ممکن کالموصی لہ فی القصاص واذا انقلب مالا یثبت فیہ حقہ لانہ مال المیت اما قولھم من حلف لا مال لہ ولہ دین لا یحنث فذٰلك لان بناء الایمان علی العرف افادہ فی معراج الدرایۃ قلت ومن الدلیل علی ما قلت جواز البیع بالدین وانما ھو مبادلۃ مال بمال فافھم۔

میت نے جو قرض لینا ہے وہ بھی مال کی وصیت میں داخل ہوگا جیسا کہ وھبانیہ میں اس کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ حکمی طور پر مال ہے اور جب وہ وصول ہو جائے تو حقیقۃً مال ہوگا اور موصٰی لہٗ کے حق کا ثبوت وصول کے بعد ہی ممکن ہے جیسا کہ قصاص میں موصٰی لہٗ اور جب وہ قرض مال بن گیا تو اس میں موصٰی لہٗ کا حق ثابت ہو جائے گا کیونکہ وہ میت کا مال ہے لیکن مشائخ کا قول کہ "جس شخص نے قسم کھائی کہ اسکا کوئی مال نہیں حالانکہ اس کا قرض کسی پر ہے تو وہ حانث نہیں ہوگا" اس کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہوتی ہے معراج الدرایہ میں اس کا فائدہ دیا ہے، میں کہتا ہوں میرے قول پر ایک دلیل قرض کے بدلے بیع کا جائز ہونا ہے کیونکہ بیع نام ہے مال کا مال کے ساتھ تبادلہ کرنے کا۔ پس سمجھ۔ (ت)

باقی جو رہے گا خاص اس کے وارثوں کا ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجۂ اولٰی جس نے نصف مہر اپنا اپنی حیات میں زید کو ہبہ کردیا تھا ایک بیٹا اسی شوہر سے اور ایک ماں اور شوہر چھوڑ کر انتقال کر گئی اس کے بعد وہ لڑکا بھی باپ اور نانی کے سامنے مرگیا، زید نے دوسری

شادی کی، زوجہ ثانیہ نے کل مہر اپنا زید کو معاف کر دیا، اب زید نے یہ زوجہ اور دو برادر حقیقی ورثہ اپنے چھوڑ کر وفات پائی، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا؟ اور بابت مہر باقیماندہ زوجہ اولٰی کے ترکہ سے کس قدر رکھ دیا جائے گا؟ بیّنوا توجروا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات ترکہ زید سے پہلے پہلے بقیہ مہر زوجہ اولٰی جو ذمہ زید واجب الاداء ہے یعنی نصف مہر باقیماندہ کے بہتّر حصوں سے انیس۱۹ حصے زوجہ اولٰی کی ماں کو دیئے جائیں کما یظھر بالتخریج (جیسا کہ مسئلہ کی تخریج سے ظاہر ہوگا۔ ت) اسی طرح اگر اور دیون و وصایائے زید ہو تو وہ بھی ادا و نافذ کئے جائیں۔ اس کے بعد جس قدر باقی بچے آٹھ سہم پر منقسم ہو دو سہم زوجہ ثانیہ اور تین تین ہر بھائی کو پہنچیں۔ واللہ اعلم و علمہ اتم وحکمہ احکم (اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور اس کا حکم مستحکم ہے۔ ت)

مسئلہ ۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص تین پسر اور ایک دختر بطن زوجہ منکوحہ ذی مہر سے چھوڑ کر فوت ہوا اور تین پسر اور تین دختر بطن دو عورتوں غیر منکوحہ سے چھوڑے بعدہٗ زوجہ منکوحہ بھی وہی اولاد مذکور چھوڑ کر فوت ہوئی، اس صورت میں ترکہ متوفیہ کا کس طرح منقسم ہوگا اور بحالتِ زندہ رہنے اور عوراتِ غیر منکوحہ اور ان کی اولاد کے کون کون مستحق وراثت کا ہے اور ادائے دین مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

جن دو۲ عورتوں کو سائل غیر منکوحہ ظاہر کرتا ہے اگر فی الواقع ان سے نکاح ہونا ثابت نہیں، نہ وہ کنیزانِ شرعی، نہ ایک مدت تک اس شخص کے پاس مثلِ ازواج رہیں، اور باہم ان میں معاملات مانند زن و شوہر جاری نہ تھے تو وہ دونوں اور ان کی اولاد سب ترکہ سے محروم ہیں۔ اس صورت میں برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمۃ علی المیراث کالاداء الدیون و اجراء الوصایا ترکہ شخص متوفی کا سات سہم پر منقسم ہو کر دو دو سہم تینوں پسر زوجہ منکوحہ اور ایک اس کی دختر کو ملے گا اور ادائے دین مہر مثل سائر دیون و وصایا تقسیم ترکہ پر بلاریب مقدم ہے ھو مصرح بہ فی کتب الفقہ (کتبِ فقہ میں اس کی تصریح

کر دی گئی ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ اگر عددین متوافقین کا مخرج جزء وفق بارہ[۱۲] ہو تو ان میں نسبت توافق بجزء من اثنی عشر (بارہ[۱۲] میں سے ایک جزء کے ساتھ۔ت) کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر قبل تقسیم ترکہ ایک یا دو[۲] یا زائد ورثہ انتقال کریں اور ان کے وارث باعیانہم وہی ورثہ میت اول ہوں اور ان کی موت سے تقسیم متغیر نہ ہو تو ان ورثہ اموات کو بین سے خارج اور کأن لم یکن (گویا کہ وہ تھا ہی نہیں۔ت) کردینا اولٰی ہے یا ان بطون کی اقامت اور ہر ایک کی علیحدہ تصحیح۔ بیّنوا توجروا (بیان کرو اجر پاؤ گے۔ت)

الجواب

واللہ الموفق والصواب (اللہ تعالٰی ہی سچائی اور درستگی کی توفیق دینے والا ہے۔ت)

صورتِ مستفسرہ میں جیسے کہ تعبیر بکسرِ منطق اور ان عددین کو متوافقین بنصف السدس یا بسدس النصف کہنا جائز ویسے ہی تعبیر بالجزء اور انھیں متوافقین بجزء من اثنی عشر کہنا بھی روا اور فرائضیوں میں شائع وذائع۔

فی السراجیہ فقی الاثنین بالنصف وفی الثلثۃ بالثلث وفی الاربعۃ بالربع ھکذا الی العشرۃ وفی ماوراء العشرۃ یتوافقان بجزء منہ اعنی فی احد عشر بجزء من احد عشر وفی خمسۃ عشر بجزء من خمسۃ عشر[۱] وفی شرحہا الشریفیۃ وبالجملۃ یمکن فیما وراء العشرۃ باسرھا ان یعبر فی التوافق بالاجزاء المضافۃ الی المخرج کجزء من احد عشر وجزء من اثنی عشر

سراجیہ میں ہے کہ دو[۲] میں آدھے کا توافق، تین[۳] میں تہائی کا اور چار[۴] میں چوتھائی کا، اور یونہی دس[۱۰] تک یعنی دس[۱۰] میں دسویں کا توافق ہوگا۔ اور دس سے اوپر جو عدد ہے اس میں توافق اُس کی ایک جزء کا ہوگا مثلاً گیارہ[۱۱] میں گیارہ کی ایک جزء کا اور پندرہ[۱۵] میں پندرہ کی ایک جزء کا۔ اس کی شرح شریفیہ میں ہے خلاصہ یہ کہ دس سے اوپر والے تمام عددوں کے توافق میں تعبیر ان اجزاء کے ساتھ ہوگی جو مخرج کی طرف منسوب ہوتے ہیں جیسے گیارہ[۱۱] میں سے

---

[۱] السراجی فی المیراث فصل فی معرفۃ التماثل والتداخل الخ مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۳ و ۲۴

وجزء من ثلثة عشر و یمکن فی بعضها ان
یعبر بالکسور المنطقة المرکبة
وللتنبیه علی ذلک خلط الشیخ
المنطق بالاصم حیث ذکر احد عشر
وخمسة معاً[1] وفی حاشیتها
للقاضی عبد النبی الاحمد نگری
رحمه الله تعالی فان قیل
لم قال المص و فیما
وراء العشرة یتوافقان بجزء
مع انه یمکن التعبیر
فی البعض بغیر لفظ
الجزء قلت غرض
المص رحمه الله تعالی
ان توافق العددین فیما وراء
العشرة بجزء حکم کلی دون التعبیر
بلفظ اخر فافهم[2] وفی رد المحتار
(تنبیه) اذا توافقا فی
عدد مرکب وهو ما یتألف
من ضرب عدد فی عدد
کخمسة عشر مع خمسة
واربعین فان شئت
قلت هما متوافقان بجزء

ایک جزء بارہ میں سے ایک جزء۔ اور تیرہ[13] میں سے
ایک جزء۔ اور ان میں سے بعض میں کسور منطقہ
مرکبہ کے ساتھ تعبیر ممکن ہے۔ اسی پر تنبیہ کرنے
کے لئے شیخ (صاحب سراجیہ) نے منطق (جس
کسر کو لفظِ جزئیت وغیر جزئیت سے تعبیر کیا
جاسکتا ہو) اور اصم (جس کسر کو فقط لفظِ
جزئیت کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہو) کو
ملا کر ذکر فرمایا کیونکہ اس نے گیارہ اور پندرہ کو
اکٹھا ذکر کیا۔ اس پر قاضی عبدالنبی احمد نگری
علیہ الرحمہ کے حاشیہ میں ہے۔ اگر کہا جائے کہ
کہ مصنف علیہ الرحمہ نے یہ کیوں کہا کہ دس[10] سے
اوپر والے اعداد میں توافق ان کی ایک جزء کے
ساتھ ہوتا ہے جبکہ بعض میں بغیر لفظ جزء کے
تعبیر ممکن ہے تو میں کہوں گا کہ مصنف علیہ الرحمہ
کی غرض یہ ہے کہ دس سے اوپر والے اعداد میں
جزء کے ساتھ توافق ایک حکم کلی ہے بخلاف کسی
دوسرے لفظ کے ساتھ تعبیر کے۔ پس سمجھ
ردالمحتار میں ہے (تنبیہ) جب دو عدد کسی عدد
مرکب میں باہم متفق ہوجائیں جو کہ ایک عدد کی
دوسرے میں ضرب سے مؤلف ہوتا ہے جیسے
پندرہ[15] پینتالیس[45] کے ساتھ۔ پس اگر تو چاہے
تو یوں کہے کہ ان دونوں میں توافق پندرہ[15] کی ایک

---

[1] الشریفیة شرح السراجیة فصل فی معرفة التماثل والتداخل الخ مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۶
[2] حاشیة شرح الشریفیة

من خمسة عشر وان شئت نسبت الواحد اليه بكسرين يضاف احدهما الى الاٰخر فتقول بينهما موافقة ثلث خمس اوخمس ثلث فيعبر عنه بالجزء وبالكسور المنطقة المضافة بخلاف غير المركب فانه لا يعبر عنه الا بالجزء[۱] وفى الفتاوى العالمگيرية ان كان الجزء المفنى للعددين اكثر من عشرة فانظر فان كان المفنى فردا اولا وهو الذى ليس له جزء صحيح اى لا يتركب من ضرب عدد فى عدد كاحد عشر فقل الموافقة بينهما بجزء من احد عشر لانه لا يمكن التعبير عنه صحيحا بشئ اٰخر وان كان العدد المفنى زوجا كالثمانية عشر اوفردا مركبا وهو الذى له جزءان صحيحان او اكثر كخمسة عشر، فان شئت ان تقول كما قلت فى الفرد الاول

ایک جزء کے ساتھ ہے اور اگر تُو چاہے تو واحد کی پندرہ کی طرف ایسی دو کسروں کے ساتھ نسبت کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہے، اور تُو یوں کہے ان دونوں کے درمیان موافقت پانچویں کے تہائی کے ساتھ ہے یا تہائی کے پانچویں کے ساتھ۔ چنانچہ اس کو جزء کے ساتھ اور کسور منطقہ جو کہ ایک دوسرے کی طرف مضاف ہوتی ہیں کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے بخلاف غیر مرکب کے کہ اس کو سوائے جزء کے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ اور فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد دس سے زائد ہو تو پھر نظر کر اگر وہ عدد فردِ مفرد ہو، اور فردِ مفرد وہ ہے جس کی کوئی جزء صحیح نہ ہو یعنی وہ ایک عدد کی دوسرے میں ضرب سے مرکب نہ ہو جیسے گیارہ، تو اب کہے کہ ان دونوں میں موافقت گیارھویں جزء کی ہے اس لئے کہ کسی دوسری شئی کے ساتھ اس کی صحیح تعبیر ممکن نہیں، اور اگر دو عددوں کو فنا کرنے والا عدد زوج ہو جیسے اٹھارہ یا فردِ مرکب ہو، اور فردِ مرکب وہ ہوتا ہے جس کی دو یا دو سے زائد جزئیں صحیح ہوں جیسے پندرہ ۱۵، تو اس صورت میں اگر تُو چاہے تو ایسے ہی کہے جیسا کہ تو نے

---

[۱] ردالمحتار کتاب الفرائض باب المخارج دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۱۶

هو موافق بجزء من خمسة
عشر و بجزء من ثمانية
عشر وان شئت ان تنسب
الواحد اليه بكسرين يضاف
احدهما الى الأخر فتقول فى
خمسة عشر بينهما موافقة بثلث
الخمس وفى ثمانية عشر بثلث
السدس وقس عليه نظائره[1]
وفى مختصر الفرائض فان اتفقا فى
الاثنين فهما متوافقان
بالنصف وفى الثلثة بالثلث وهكذا
فى العشرة بالعشر وان توافقا فى
احد عشر او اكثر منه يعبر
بالجزء مثلا فى احد عشر بجزء من احد عشر
وفى اثنى عشر بجزء من اثنى
عشر وهكذا[2] الخ وفى زبدة
الفرائض مولانا عماد الدين
البكنى رحمة الله تعالى عليه
واگر در دوازده متفق شوند توافق بجزء
من اثنى عشر گويند يعنى توافق بحصه
دوازدهم چنانچه بست وچهار و سی وشش

فردِ مفرد میں کہا کہ اس میں توافق پندرھویں جزء
کا ہے یا اٹھارھویں جزء کا۔ اگر چاہے تو
واحد کو اس کی طرف ایسی دو کسروں سے منسوب
کرے جن میں سے ایک دوسرے کی طرف
مضاف ہوتی ہے، چنانچہ تُو پندرہ میں یوں
کہے کہ یہ پانچویں کے تہائی میں موافق ہے اور
اٹھارہ ۱۸ میں یوں کہے کہ یہ چھٹے کے تہائی میں موافق
ہے اور اسی پر دیگر نظائر کو قیاس کرلے۔
مختصر الفرائض میں ہے کہ اگر دو عدد، دو میں
متفق ہوجائیں تو ان میں آدھے کا توافق ہے
اور تین میں متفق ہوں تو تہائی کا توافق ہے
یونہی دس تک کہ اس میں دسویں کا توافق ہے۔
اور اگر وہ دونوں گیارہ ۱۱ یا اس سے زائد
میں متفق ہوں تو اس کو لفظ جزء کے ساتھ
تعبیر کیا جائے گا مثلاً گیارہ ۱۱ میں گیارھویں
جزء اور بارہ ۱۲ میں بارھویں جزء، اور اسی
طرح آخر تک۔ اور مولانا عماد الدین رحمۃ اللہ
تعالٰی علیہ کی تصنیف زبدۃ الفرائض میں ہے
کہ اگر دو عدد بارہ ۱۲ میں متفق ہوں تو کہیں گے
کہ ان میں توافق بارہ ۱۲ کی ایک جزء میں ہے
یعنی توافق بارھویں حصہ میں ہے چنانچہ چوبیس ۲۴ اور

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الثانی عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۶۷
[2] مختصر الفرائض

وعلیٰ هذا القیاس در جمیع مراتب[1]
وفی زبدۃ الفرائض مولانا عبد الباسط القنوجی
رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ در ما فوق العشرۃ بجزوے
کہ مضاف بسوئے عاد باشد تعبیر کنند
پس در احد عشر بجزوے از احد عشر و اثنی عشر
بجزوے از اثنی عشر وھکذا تا غیر نہایت[2]۔

چھتیس کی صورت میں توافق چوبیسویں اور چھتیسویں حصے میں ہوگا اور اسی پر قیاس
ہوگا تمام مراتب میں۔ اور مولانا عبد الباسط
قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف زبدۃ الفرائض
میں ہے کہ دس سے زائد عددوں میں اس عدد
کی ایسی جزء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو جزء
عددِ مفنی کی طرف مضاف ہوتی ہے چنانچہ گیارہ
میں اس کی گیارھویں جزء اور بارہ میں اس کی
بارھویں جزء، اسی تک غیر نہایت تک۔ (ت)

اور جب انتقال بعض ورثہ قبل از تقسیم کیفیت مذکورہ سے ہو تو انھیں خارج من البین
وکان لم یکن کرنا ہی اولیٰ ہے نہ اقامت بطون و افراز تصحیحات۔

فی الفرائض الشریفیۃ (لو صار بعض
الانصباء میراثا قبل القسمۃ) فنقول
ان کانت ورثۃ المیت الثانی من
عداہ من ورثۃ المیت الاول
ولم یقع فی القسمۃ تغییر
فانہ یقسم المال حینئذ قسمۃ
واحدۃ اذ لا فائدۃ فی تکرارھا
کما اذا ترک بنین و بنات من
امرأۃ واحدۃ ثم مات احدی
البنات ولا وارث لہا سوی تلک
الاخوۃ والاخوات لاب وام فانہ
یقسم مجموع الترکۃ بین الباقین
للذکر مثل حظ الانثیین قسمۃ
واحدۃ کما کانت
تقسم بین الجمیع

فرائض شریفیہ میں ہے (اگر بعض حصے تقسیم
سے پہلے میراث ہو جائیں) تو ہم کہتے ہیں
کہ اگر میتِ ثانی کے ورثاء سوائے میت ثانی
کے وہی ہیں جو میت اوّل کے ورثاء ہیں
اور تقسیم میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی
تو اس صورت میں مال کو ایک ہی تقسیم کے
ساتھ بانٹ دیا جائے گا کیونکہ تقسیم کی تکرار
کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسے کسی شخص نے ایک
ہی بیوی سے کچھ بیٹے اور کچھ بیٹیاں چھوڑی ہوں
پھر ایک بیٹی مرگئی جس کا ان حقیقی بہن بھائیوں
کے سوا کوئی وارث نہیں تو اس صورت میں
تمام ترکہ باقی بیٹوں اور بیٹیوں میں ایک ہی
تقسیم کے ساتھ للذکر مثل حظ
الانثیین کے مطابق اُسی طرح تقسیم کرینگے
جیسا کہ ان تمام بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتا تھا

[1] وعلیہ زبدۃ الفرائض

كذلك فكان الميت الثاني لم يكن في البين[1]، وفي الدر المختار (مات بعض الورثة قبل القسمة للتركة صححت المسئلة الاولى) واعطيت سهام كل وارث (ثم الثانية) الا اذا اتحد كأن مات عن عشرة بنين ثم مات احدهم عنهم[2]، وفي الفتاوى الهندية ان كانت ورثة الميت الثاني هم ورثة الميت الاول ولا تغير في القسمة تقسم قسمة واحدة لانه لا فائدة في تكرار القسمة[3]، في مستخلص الحقائق شرح كنز الدقائق (ان مات البعض قبل القسمة فصحح مسئلة الميت الاول واعط سهام كل وارث ثم صحح مسئلة الميت الثاني) هذا اذا كانت ورثة يرثون خلاف مايرثون من الميت الاول اما اذا كانوا يرثونه بعينهم فلا حاجة الى التصحيحين كما لو مات عن عشرة ابناء ثم مات احد البنين ولم يترك وارثا سواهم كذا في الزاهدي

گویا کہ میت ثانی درمیان میں تھا ہی نہیں۔ درمختار میں ہے ترکہ کی تقسیم سے پہلے وارثوں میں سے کوئی مرگیا تو پہلے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کے حصے دئے جائیں گے پھر دوسرے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی سوائے اس کے کہ دونوں مسئلے متحد ہوں، جیسے کوئی شخص دس بیٹے چھوڑ کر مرگیا پھر ان میں سے ایک باقی نو بھائی چھوڑ کر مرگیا۔ فتاوٰی ہندیہ میں ہے اگر میت ثانی کے ورثاء وہی ہوں جو میت اول کے ورثاء ہیں اور تقسیم میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو تو ایک ہی تقسیم کی جائے گی کیونکہ تقسیم کی تکرار میں کوئی فائدہ نہیں۔ مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق میں ہے اگر وارثوں میں سے کوئی ترکہ کی تقسیم سے پہلے مرگیا تو پہلے میت اول کے مسئلہ کی تصحیح کرکے ہر وارث کو حصے دئے جائیں گے پھر مسئلہ ثانی کے مسئلہ کی تصحیح کی جائے گی، یہ اسوقت ہوگا جب میت ثانی کے ورثاء میت اول کے ورثاء سے مختلف ہوں۔ لیکن اگر میت ثانی کے ورثاء بعینہٖ میت اول کے ورثاء ہوں تو پھر دو تصحیحوں کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کوئی شخص دس بیٹے چھوڑ کر فوت ہوا پھر بیٹوں میں سے ایک مرگیا اور اس نے سوائے اپنے مذکورہ نو بھائیوں کے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ یونہی زاہدی اور زبدۃ باسطیہ

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب المناسخۃ مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۹۱

[2] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی المناسخۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۶

[3] الفتاوی الہندیہ " الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۷۰

وفی الزبدۃ الباسطیۃ[1] بدانکہ اگر ورثہ
میت ثانی عین ورثہ میت اول باشند
ونیز قسمت تغیر نباید بجہت آنکہ از یک
جنس بودند پس بنا بر اختصار میت ثانی
را کالعدم شمار کردہ بر تصحیح واحد اکتفا
نمایند وفی مختصر الفرائض اعلم
ان ورثۃ المیت الثانی ان
کانوا ھم الوارثین للمیت
الاول سوی المیت الثانی ولا یتغیر
التقسیم بموتہ تقسم الترکۃ علی
الورثۃ الباقیۃ تقسیما واحدا
ویجعل المیت الثانی کأن لم یکن
فی البین مثلا ترک اربعۃ ابناء و
ثلاث بنات کلھم من زوجۃ واحدۃ
ثم مات ابن واحد قبل القسمۃ
وترک ثلثۃ اخوۃ وثلث اخوات
لاب وام ثم ماتت
اخت وترکت ثلثۃ اخوۃ واختین
کانت المسئلۃ من الثمانیۃ لکل من
الابناء الثلثۃ اثنان ولکل من
البنتین واحد ویجعل الابن
والبنت کأن لم یکونا فی البین[2]
انتھت معھذا مطمح نظر علمائے

میں ہے: تُو جان لے کہ اگر میّتِ ثانی کے
ورثا، میّتِ اول کے ورثا کا عین ہوں
اور تقسیم میں بھی کوئی تبدیلی نہ آتی ہو اس
لحاظ سے کہ وہ ایک ہی جنس سے تعلق
رکھتے ہوں تو اختصار کی بنیاد پر میّتِ ثانی
کو کالعدم شمار کرتے ہوئے ایک ہی تصحیح پر
اکتفاء کرتے ہیں۔ مختصر الفرائض میں ہے:
تُو جان لے کہ میّتِ ثانی کے ورثاء اگر وہی ہوں جو میت اول کے
وارث بنتے ہیں سوائے میّتِ ثانی کے اور میّتِ ثانی کی موت کی وجہ سے
تقسیم میں کوئی تبدیلی آتی ہو تو اس صورت میں ترکہ کو ایک ہی تقسیم کے
ساتھ باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائے گا اور
میّتِ ثانی کو درمیان سے کالعدم قرار
دے دیا جائیگا مثلاً کوئی شخص چار بیٹے اور
تین بیٹیاں چھوڑ کر مرگیا جو کہ تمام ایک ہی
بیوی سے ہیں پھر تقسیم سے پہلے ایک بیٹا
مرگیا جس نے تین حقیقی بھائی اور تین بہنیں چھوڑی ہیں پھر ایک بہن
مرگئی جس نے تین بھائی اور دو بہنیں چھوڑی ہیں تو مسئلہ آٹھ سے
بنے گا تین بیٹوں میں سے ہر ایک کو دو دو حصے ملیں گے
اور دو بیٹیوں میں سے ہر ایک کو ایک ایک
حصہ ملے گا۔ اور مرجانے والے بیٹے اور بیٹی
کو ایسا سمجھا جائے گا گویا کہ وہ درمیان میں
تھے ہی نہیں انتہت، اسکے باوجود ہمیشہ علمائے
فرائض کا مطمحِ نظر سہام کو کم کرنا اور حساب کو

---

[1] مستخلص الحقائق شرح کنز الدقائق

[2] مختصر الفرائض

فرائض دواما تقلیل سہام وتسہیل حساب کما لیس بخاف علی من لہ ادنیٰ مرور فی زقاق ھذا الفن۔ آسان کرنا ہوتا ہے جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جس کا اس فن کی گلیوں میں تھوڑا سا گزر ہوا ہے۔ (ت)

ولہذا درصورت تعدد عاد اکثر الاعداد کا اعتبار فرماتے ہیں تاجزء وفق اقل ہو اور حساب اہون واسہل اور اصول ثلثہ تصحیح سے کہ بین السہام والرؤس مقرر ہیں نسبت تداخل کو محض روماً للاختصار خارج اور اگر سہام رؤس پر تقسیم ہو جائیں تو تماثل ورنہ توافق کی طرف راجع کرتے ہیں ونظائر ذٰلک کثیرۃ وفی اسفار الفن مسطورۃ (اس کی نظیریں بہت ہیں جو اس فن کی بڑی بڑی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ ت) اور پر ظاہر کہ ورثہ مذکورین کو کأن لم یکن (گویا کہ وہ نہیں تھا۔ ت) کرنے میں اختصار قسمت اور خفت مؤنت اور حساب کی ہے اور اسی مقصود فن سے کمال مناسبت، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

مسئلہ ۶

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مرا اور وارثوں میں اپنی دو زوجہ اور زوجۂ اولٰے کا مہر سوا لاکھ روپیہ کا اور ایک دختر بھی ہے اور زوجۂ ثانی لاولد اور مہر اس کا دس ہزار روپیہ تک ہے، اور ایک بھائی، کتنے سہام پر جائداد تقسیم ہوگی؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ جائداد بقدر دیث کے ہے اور حکم شرع میں ادائے مہر و دیگر دیون تقسیم ترکہ پر مقدم اس صورت میں کہ مقدار دونوں مہروں کی حیثیت جائداد سے زائد ہے، کسی وارث کو جائداد میں استحقاق مالکانہ نہیں، لہذا کل جائداد متروکہ سے جو بعد تجہیز وتکفین کے باقی رہا دونوں زوجہ کے مہر اور ان کے سوا اگر کوئی اور دین ہو تو ان کے ساتھ وہ بھی سب بطور حصہ رسد ادا کر دیئے جائیں اور کسی وارث کو کچھ نہ ملے گا مگر یہ کہ مہر معاف ہو جائے یا کوئی وارث جائداد کے خالص کر لینے کو اپنے پاس سے ادا کر دے تو بعد ادائے دین و اجرائے وصیت جو بچے گا سولہ سہام پر منقسم ہو کر ایک سہم ہر زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور چھ برادر

کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ

۸ ربیع الثانی ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک جائداد کے مالک زید وعمرو وبکر سہ برادران حقیقی تھے، اول زید فوت ہوا، خالد وعمدہ والدین چھوڑے۔ پھر عمدہ نے عمرو وبکر پسر ہندہ سعیدہ دختر خالد شوہر چھوڑے پھر خالد نے وارثان مذکور سے انتقال کیا پھر عمرو نے زوجہ خدیجہ چھوڑ کر لاولد وفات پائی پھر ہندہ شوہر عبداللہ پسر حامد محمود دختر فاطمہ چھوڑ کر مرگئی، ترکہ کیونکر منقسم ہوگا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم ما یقدم کالمہر والدین والوصیۃ ایک ثلث جائداد کہ حصہ زید ہے نوسوساٹھ سہام پر منقسم ہوکر ورثاء احیاء پر جس حساب سے بٹ جائے۔

المبلغ ۹۶۰

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۴۴۰	۲۲۰	۸۰	۵۵	۶۶	۶۶	۳۳

وذٰلک لان التصحیح یبلغ الفین وثمانمائۃ وثمانین وکأن ینقسم ھٰکذا۔

اور یہ اس لئے ہے کہ تصحیح دوہزار آٹھ سواسی تک پہنچتی ہے گویا اس طرح تقسیم ہوتی ہے۔ (ت)

بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۱۳۲۰	۶۶۰	۲۴۰	۱۶۵	۱۹۸	۱۹۸	۹۹

کما یظھر بالتخریج فوجدنا فی السھام کلھا موافقۃ بالثلث فرددنا المسئلۃ للاختصار الی ما تری۔

جیسا کہ تخریج سے ظاہر ہوتا ہے، پس ہم نے تمام حصوں میں تہائی کا توافق پایا تو ہم نے مسئلہ کو اختصار کے لئے تہائی کی طرف لوٹا دیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ (ت)

اور ثلث دوم کہ حصہ عمرو ہے تین سوبیس سہام پر انقسام پاکر یوں ہر وارث کو ملے گے۔

المبلغ ۳۲۰						
بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۸۰	۱۲۰	۶۰	۱۵	۱۸	۱۸	۹

کما یظهر بالمناسخة (جیسا کہ مناسخہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ت)

اور ثلث سوم خاص بکر کا ہے اور اگر ساری جائداد ملاکر دفعۃً تقسیم کرلینا چاہیں تو بہت اختصار ہوجائے گا کُل جائداد کے ایک سو چوالیس حصے کرکے اس طرح تقسیم کریں ہر ایک اپنے تمام حقوق کو پہنچ جائے گا۔

المبلغ ۱۴۴						
بکر	سعیدہ	خدیجہ	عبداللہ	حامد	محمود	فاطمہ
۸۸	۲۰	۱۶	۵	۶	۶	۳

یہ اختصار قابل امتحان طلبہ ہے کہ کیونکر ان سہام میں بکر کا ثلث الگ ہوکر دونوں ترکے پورے پورے تقسیم ہوگئے من دون ان یمکن فرض باطل کجعل المورث الاعلی واحدا او یستعان بقاعدۃ فوق التقسیم المفردۃ علی ضوابطہا المقررۃ عند الحساب (بغیر اس کے کہ کسی باطل کو فرض کیا جائے مثلاً صورتِ اعلیٰ کو ایک قرار دیا جائے یا تقسیم مفرد کے اوپر والے قاعدے سے ان ضوابط کے مطابق مدد لی جائے جو حساب میں طے شدہ ہیں۔ ت) مگر یہ جبھی ممکن کہ وقت تقسیم تینوں بھائی جائداد میں بحصّہ مساوی شریک ہوں عام ازیں کہ اوّل ہی سے برابر تھے اور زید و عمرو کے ترکہ پر دین وصیت کچھ نہ تھا یا تھا اور اس جائداد کے غیر سے ادا کردیا گیا یا اوّل سے مختلف تھے اور دیون ووصایائے زید وعمرو اس ترکہ سے ادا ہوکر اب تینوں حصے برابر آگئے اور اگر وقتِ تقسیم کمی بیشی ہے خواہ ابتداءً سے تھی یا اب بوجہ ادائے دَین ووصیت ہوگئی تو تقسیم کی وہی پہلی صورت رہے گی کہ ہر ایک کا جُدا بٹے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید لڑکا بعمر ڈھائی برس اور زوجہ اور والدہ اپنی اور برادر حقیقی چھوڑ کر فوت ہوگیا بعدہٗ بلا اجازت زوجہ زید کے چچا زید متوفی نے مال متروکہ زید و نیز مال جہیزی زوجہ زید کا پسر زید کے نام قائم کرکے تابلوغ پسر مذکور سپرد برادر حقیقی زید کے کردیا وقت سپردگی مال مذکور کے نانا لڑکے اور نیز اہل برادری نے سپردگی مال میں رضامندی ظاہر کی

پس اس صورت میں جو رضامندی اور اجازت زوجۂ زید سے نہیں لی گئی مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر حقیقی زید کے سپرد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور مال زید کے سہام پر تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

مال جہیز تو خاص ملک زوجۂ زید ہے نہ وہ زید کا ترکہ نہ زید کے کسی وارث کا اس میں کوئی حق۔ ردالمحتار میں ہے:

كل احد يعلم ان الجهاز ملك المرأة لاحق لاحد فيه[1] ہر ایک جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ (ت)

اور متروکہ زید بر تقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر و دیگر دیون و تنفیذ وصایا، چوبیس سہام پر منقسم ہوکر تین سہم زوجہ اور چار والدہ اور سترہ پسر کو ملیں گے تو متروکہ زید میں بھی چوبیس سہام سے سترہ کا استحقاق پسر کو تھا کل ترکہ زید بنام پسر زید کر دینا ظلم و جہالت ہے اور اس کے ساتھ زوجۂ زید کا جہیز بھی ملا دینا اور ظلم بر ظلم اور نانا یا اہل برادری کی رضامندی کوئی چیز نہیں کہ وہ غیر مالک ہیں۔

قال الله تعالٰی یٰایها الذین اٰمنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل[2] اللہ تعالٰی نے فرمایا: اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ (ت)

پس کل مال لڑکے کے نام قائم کرنا اور برادر زید کی سپردگی میں دینا سب بیہودہ و باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹ ماہ صفر ۱۳۰۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مذہب اہل تسنن پر فوت ہوا اور اس نے ایک دختر سُنّی زوجہ اولٰی متوفیہ کے بطن سے اور ایک زوجہ مدخولہ نومسلم شیعہ اور ایک برادر خالہ زاد کہ زید کا بہنوئی ہے اور دو بھانجی حقیقی مذہب سُنّی اور ایک بھائی چچا زاد شیعہ اور ایک نواسہ شیعہ اور داماد شیعہ یعنی باپ اس نواسہ کا کہ جس کی ماں حیات میں زید متوفی کی مرگئی تھی وارث چھوڑے جائداد مقبوضہ مملوکہ زید متوفی جمیع ورثہ پر از روئے فرائض کس طرح

---

[1] ردالمحتار باب النفقہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۵۳

[2] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

تقسیم ہونا چاہئے اور کون کون ذی حق جائداد مذکور میں ہوسکتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

تحریرات مجتہد لکھنؤ و تجربہ خواص و عوام شیعہ سے ثابت کہ اس زمانے کے شیعہ ضروریات دین کے منکر ہیں تو ہرگز نہ اُن سے مناکحت جائز، نہ وہ نکاح شرعًا نکاح، نہ وہ اہلسنت کا ترکہ پاسکیں، نہ اہل سنّت کو ان کا مورث کہہ سکیں۔ عالمگیری میں ہے:

یجب اکفار الروافض فی قولھم برجعۃ الاموات الی الدنیا وبقولھم فی خروج امام باطن (الٰی من قال) وھؤلاء القوم خارجون عن ملۃ الاسلام واحکامھم احکام المرتدین کذا فی الظھیریۃ۔[1]

رافضیوں کو کافر قرار دینا واجب ہے ان کے اس قول کی وجہ سے کہ مُردے دنیا کی طرف لوٹ آتے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ امام باطن کا ظہور ہونا ہے (یہاں تک کہ کہا) اور یہ قوم ملتِ اسلام سے خارج ہے اور ان کے احکام مرتدوں جیسے ہیں۔ یونہی ظہیریہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

اختلاف الدین ایضا یمنع الارث۔[2] دین کا اختلاف بھی میراث سے مانع ہے۔ (ت)

پس کل ترکہ زید بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و عدم وارث اُخر و تقدیم مایتقدم کالدین والوصیۃ صرف اس کی دختر سنیہ کو ملے گا۔ اور یہ مدخولہ اور چچازاد بھائی کہ شیعہ ہیں کچھ نہ پائیں گے نہ خالہ زاد بھائی بھانجوں نواسے داماد کا کوئی حق ہے ہاں اگر یہ مدخولہ یا چچازاد بھائی دونوں کسی ضروریِ دین کا انکار نہ کرتے ہوں تو بشرائط مذکورہ ترکہ آٹھ سہم پر منقسم ہوگا ایک زوجہ اور چار دختر اور تین ابن العم کو ملیں گے اور صرف ابن العم منکر نہ ہو تو دو حصے ہوکر دختر و ابن العم کو نصفا نصف پہنچے گا زوجہ کچھ نہ پائے گی، اور صرف زوجہ منکر نہ ہو تو آٹھ پر تقسیم ہوکر ایک سہم زوجہ اور سات دختر کو پہنچیں گے ابن العم محروم رہے گا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] " " کتاب الفرائض الباب الخامس " " ۶/ ۴۵۴

مسئلہ ۱ از اوجین علاقہ گوالیار مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ
مرسلہ محمد یعقوب علی خاں ۲۰ صفر ۱۳۰۸ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ زید با برادر خورد حقیقی شریک حال بودہ مکان و زیور و نقد و ظروف و اشیائے خانہ داری تعدادی تخمیناً پانزدہ صد روپیہ ہر دو بشرکت بزور بازوئے خود فراہم کردند و در خور دو نوش معیشت ہیچ امتیازے نداشتند و علاوہ اموال مذکورہ صد بیگھہ زمین از سرکار خاص بنام زید معاف شد الّا درستی آبادی زمین مزبورہ و تیاری چاہ بزر مشترک شد و آمدنی سالیانہ بشرکت صرف می نور حالا زید زوجہ ثانیہ لاولد، زوجہ ثالثہ و یک پسر و سہ دختر از بطن زوجہ اولٰے کہ پیش از زید مردہ بود و شادی اینہا زید بحیات خود ش کردہ و سہ پسر از بطن زوجہ ثالثہ کہ ہر سہ بحیات زید ناکتخدا ماندند و ہمیں یک برادر وارث گذاشتہ وفات یافت پس ترکہ زید چسان انقسام یابد و زمینے کہ تنہا بنام زید معاف ست دراں برادر دیگر را ہم حصہ است یا نہ و در اولاد زوجہ اولٰی و ثالثہ بوجہ کتخدا شدن بحیات زید از صرف زید و ناکتخدا ماندن فرقے در ارث خواہد بود یا نے۔ بیّنوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید اپنے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ تھا اور دونوں نے شراکت میں اپنے زور بازو سے مکان، زیور، نقدی، برتن اور خانہ داری کی دیگر اشیاء جن کی مالیت تقریباً پندرہ سو [۱۵۰۰] روپے ہے جمع کیں اور کھانے پینے میں وہ دونوں آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے، احوال مذکورہ کے علاوہ سو بیگھہ زمین حکومت نے خاص زید کے نام الاٹ کی مگر مذکورہ زمین کی آبادی اور کنوئیں کی تیاری مشترکہ مال سے ہوئی اور اس کی سالانہ آمدنی مشترکہ طور پر صرف ہوتی رہی، اب زید مرگیا اور اس نے اپنی دوسری بیوی بے اولاد چھوڑی اور پہلی بیوی جو زید سے پہلے مرگئی سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں چھوڑیں جن کی شادی زید نے اپنی زندگی میں کردی اور تیسری بیوی چھوڑی جس سے زید کے تین بیٹے ہیں جو زید کی زندگی میں کنوارے رہے اور ایک یہ بھائی چھوڑا ہے، تو اب زید کا ترکہ کیسے تقسیم ہوگا اور جو زمین تنہا زید کے نام پر الاٹ ہوئی اس میں دوسرے بھائی کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟ اور اس کی پہلی اور تیسری بیویوں کی اولاد میں اس وجہ سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں کہ پہلی بیوی کی اولاد زید کی زندگی میں زید کے خرچ سے شادی شدہ ہوئی جبکہ تیسری بیوی کی اولاد کنواری رہی۔ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے (ت)

الجواب

زمینے کہ تنہا بنام زید معاف شد خاص ملک اوست برادر دیگر را دران استحقاقے نیست فان الاقطاع انما یکون لمن اقطع لہ کما ان الموھوب لایملکہ الا من وھب لہ و در آبادی وتیاری چاہ صرف زر مشترک مستلزم ملک برادر در عین زمین نیست کما لایخفی اما آنچہ بحالت اتحاد ویکجائی بزور بازوئے خود پیدا کردند اگر ہر دو بکسب واحد بروجہ شرکت اشتغال میداشتند گو یکے عمل بیش می کرد و دیگرے کم یا آنچہ بر مکاسب جداگانہ خود ہا می اندوختند خلط می کردند ویکجا صرف می نمودند کہ در ملک ہر دو تفاوت معلوم نیست پس ہمہ آنچہ بہم حاصل کردہ اند نصفاً نصف علی السویہ ملک ہر دو برادر باشد فی الفتاوی الخیریۃ سئل فی اخوین سعیھما واحد وعائلتھما واحدۃ حصلا بسعیھما اموالا من مواش وغیرھا فھل جمیع ما حصلاہ بسعیھما وکسبھما مشترک بینھما تجب

جو زمین تنہا زید کے نام الاٹ ہوئی وہ خاص اسی کی ملکیت ہے۔ دوسرے بھائی کا اس میں کوئی حق نہیں، اس لئے کہ زمین کے قطعات اسی کے لئے ہوتے ہیں جس کے لئے الاٹ کئے جائیں۔ جیسا کہ موہوب کا مالک سوائے اس کے کوئی نہیں ہوتا جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور زمین کی آبادی اور کنویں کی تیاری میں مشترکہ مال کا خرچ ہونا عین زمین میں بھائی کی ملکیت کا مقتضی نہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں، لیکن جو کچھ انھوں نے اتحاد و اتفاق کی حالت میں اپنے زور بازو کے ساتھ کمایا اگر دونوں ایک ہی کسب میں بطور شرکت مشغولیت رکھتے تھے اگرچہ ایک کام زیادہ کرتا ہو اور دوسرا کم یا وہ الگ الگ کسب کرکے جو کچھ جمع کرتے اس کو اکٹھا کرلیتے اور اکٹھا خرچ کرتے اس طور پر کہ دونوں کی ملکیت میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ پس جو کچھ انھوں نے حاصل کیا ہے وہ ان دونوں بھائیوں میں مساوی طور پر نصف نصف ہوگا۔ فتاوی خیریہ میں ہے دو بھائیوں کے بارے میں سوال کیا گیا جن کا کاروبار ایک ہے اور ان دونوں کا کنبہ بھی ایک ہے ان دونوں نے اپنی محنت سے مولیشی وغیرہ کی صورت میں کچھ مال جمع کیا، تو کیا جو کچھ انھوں نے اپنی محنت اور کسب سے

قسمته بینهما مناصفة
ام لا اجاب نعم[1] اھ ملخصا
فی ردالمحتار یؤخذ من
هذا ما افتی به فی
الخیریة فی زوج امرأة
وابنها اجتمعا فی دار
واحدة واخذ کل
منهما یکتسب علی حدة
ویجمعان کسبهما ولا یعلم
التفاوت ولا التساوی و
لا التمییز فاجاب بانه بینهما
سویة وکذلک لو اجتمع
اخوة یعملون فی
ترکة ابیهم ونما المال
فهو بینهم سویة ولو اختلفوا
فی العمل والرای[2] اھ وکتخدا
ماندن بعض اولاد درحیات مورث موجب
زیادت حصۂ ایشاں بر کتخدایان نیست
فان الارث انما یکون بعد الموت او عنده
علی اختلاف العلماء لا قبله
بالاجماع فما وصل الی بعضهم
من قبل علی جهة تبرع

حاصل کیا وہ ان دونوں کے درمیان مشترک ہے
اس کی تقسیم ان دونوں کے درمیان نصف نصف
واجب ہوگی یا نہیں؟ جواب دیا کہ ہاں اھ تلخیص۔
ردالمحتار میں ہے اس سے اخذ کیا جائے گا وہ
جو خیریہ میں ایک عورت کے شوہر اور ان کے
بیٹے کے بارے میں فتوی دیا ہے جو دونوں ایک
گھر میں اکٹھے رہتے ہیں ہر ایک ان میں سے
الگ کمائی کرتا ہے پھر وہ دونوں اپنی کمائی یکجا
کرلیتے ہیں اور اس میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا
اور نہ ہی اس میں برابری اور کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے
تو جواب دیا کہ وہ ان دونوں کے درمیان برابر
ہوگا۔ اسی طرح کچھ بھائی اکٹھے ہوکر اپنے باپ
کے ترکہ میں کام کرتے ہیں اور مال بڑھ جاتا ہے
تو وہ ان کے درمیان برابر برابر ہوگا اگرچہ وہ
عمل اور رائے میں مختلف ہوں، اور بعض اولاد
کا باپ کی زندگی میں کنوارہ رہ جانا اس بات کا
سبب نہیں بنتا کہ ان کا حصہ شادی شدگان پر
زیادہ ہو جائے کیونکہ میراث موت کے بعد
یا موت کے وقت ثابت ہوتی ہے جیسا کہ
علماء کے مختلف قول ہیں، موت سے پہلے میراث
بالاجماع ثابت نہیں ہوتی۔ اور جو کچھ بعض اولاد
کو مورث کی طرف سے موت سے قبل بطور تبرع موصول ہوا

---

[1] الفتاوی الخیریة کتاب الشرکة دار المعرفة بیروت ۱/ ۱۱۲
[2] ردالمحتار فصل فی الشرکة الفاسدة دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۴۹

من المورث لایمکن ان یحسب من الارث وسببه ھی الوصلة المعلومة وھم فیھا سواء پس دریں صورت کل زمین معافی ونیمہ ایں اموال کہ در آنہا شرکت ہر دو برادر ست بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ہر سہ زوجہ و دیگر دیون وانفاذ وصایا بریک صد وہفتاد وشش سہام انقسام یافتہ یازدہ سہم بہر زن موجودہ وبست وہشت بہر پسر و چاردہ بہر دختر رسد و برادر را در ترکہ زید حظے نیست واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔

اس کو میراث میں سے شمار کرنا ممکن نہیں اور اس کا سبب وہی ملاپ اور تعلق ہے جو معلوم ہے اور وہ سارے اس میں برابر ہیں، چنانچہ اس صورت میں الاٹ شدہ تمام زمین اور دونوں بھائیوں کے درمیان مشترکہ اموال میں سے نصف اس تقدیر پر کہ میراث کے موانع میں سے کوئی موجود نہ ہو اور زید کے ورثاء صرف یہی مذکورہ افراد ہوں اور جن امور کو میراث سے مقدم کرنا لازم ہے مثلاً تینوں بیویوں کا مہر، دیگر قرضوں کی ادائیگی اور وصیتوں کے نفاذ کے بعد جو مال بچے اس کے ایک سو چھہتر حصے کرکے گیارہ گیارہ حصے ہر موجودہ بیوی کو اٹھائیس[۲۸] حصے ہر بیٹے کو اور چودہ[۱۴] حصے ہر بیٹی کو پہنچیں گے بھائی کے لئے زید کے ترکہ میں کوئی حصہ نہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۸ ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ مہر مسماۃ ریاست النساء مرحومہ کا ذمہ احمد شاہ خاں شوہر کے واجب الادا ہے اور ترکہ مسماۃ سے نصف حصہ اس کے شوہر کا ہے مہر بتعداد پانچہزار (۵۰۰۰) روپیہ ہے اور ترکہ بمقدار قلیل مسماۃ کی والدہ اور بھائی دعویدار مہر ہیں۔ اس صورت میں ترکہ اس کے شوہر کو ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

بیشک ملے گا،

فان الدین المحیط علی المیت تمنع تقسیم الترکة بین الورثة لادین

اس لئے کہ ترکہ کا احاطہ کرنے والا قرض اگر میت پر ہو تو وہ ورثاء میں ترکہ کی تقسیم سے مانع ہوتا اور اگر میت کا قرض دوسروں پر ہو

المیت ۔ تو وہ مانع نہیں ہوتا ۔ (ت)

وہ ترکہ سے اپنا حصہ لے اور باقی وارث اس سے نصف مہر لیں اگر نہ دے دعوٰی کرلیں فان الدین قد حل بالموت (کیونکہ موت کے سبب سے قرض کی ادائیگی کا وقت آپہنچا ہے۔ت) یہ خیال کہ اس پر مہر کثیر ہے اور جائداد قلیل اگر ترکہ سے حصہ دے دیا جائے گا شاید کسی کے نام منتقل کردے اور مہر مارا جائے ہرگز اسے ترکہ ملنے سے مانع نہ ہوگا نہ یہ روکنا کچھ مفید کہ وہ بلا تقسیم بھی بیع کرسکتا ہے جو قطعاً نافذ ہوگی کہ یہ حجر بالدین امام کے نزدیک مطلقاً اور بے حکم قاضی اجماعاً جائز نہیں ۔ ہندیہ میں محیط سے ہے :

ثم لاخلاف عندھما ان الحجر بسبب الدین لایثبت الا بقضاء القاضی[1]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

پھر صاحبین کے نزدیک اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ قرض کی وجہ سے پابندی قضاءِ قاضی کے بغیر ثابت نہیں ہوتی ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے ۔ (ت)

مسئلہ ۱۲ ۲۸ ربیع الاول شریف ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک مرد مذہب اہلسنت وجماعت نے عورت مذہب شیعہ تبرائی سے حسب طریقہ رافض صیغہ پڑھایا اور اپنی زوجیت میں لایا وہ عورت زوجہ شرعی ہوسکتی ہے یا نہیں اور ترکہ اس مرد کی مستحق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر پاؤ گے ۔ ت)

الجواب

وہ ہرگز زوجہ شرعیہ نہیں، نہ اصلاً ترکہ کی مستحق ۔ رافضی تبرائی ہمارے فقہائے کرام اصحاب فتاوٰی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کے نزدیک مطلقاً کافر ہے ، عامہ کتب فتاوٰی میں اس مسئلہ کی جا بجا تصریح ہے اور فقہائے ممدوحین کے نزدیک ان کا کفر بوجوہ کثیرہ ثابت :

اولاً خود یہی تبرائے ملعون والعیاذ باللہ تعالٰی فقہائے کرام فرماتے ہیں حضرات شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کی شان میں ان کلمات ملعون کا بکنے والا کافر ہے ۔ فتاوٰی عالمگیری میں فتاوٰی خلاصہ سے ہے :

---

[1] الفتاوٰی الہندیۃ کتاب الحجر الباب الثانی الفصل الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۵۵

الرافضی اذاکان یسب الشیخین و یلعنهما والعیاذ باللّٰه فهو کافر[1]

رافضی جب شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دے اور ان پر لعنت بھیجے العیاذ باللہ تو وہ کافر ہوگا۔ (ت)

بحرالرائق میں ہے: امام ابوزید دبوسی و امام ابواللیث سمرقندی و امام ابوعبداللہ حاکم شہید وغیرہم ائمہ کبار نے رافضی تبرائی کے مطلقاً کافر ہونے کی تصریح فرمائی اور اسی پر اشباہ والنظائر و تنویر الابصار و منح الغفار و درمختار وغیرہا کتب معتمدہ میں جزم کیا۔ درمختار میں ہے:

فی البحرعن الجوھرة معزیا للشھید من سب الشیخین اوطعن فیھما کفر ولاتقبل توبتہ وبہ اخذ الدبوسی وابواللیث وھو المختار للفتوی انتھی وجزم بہ فی الاشباہ واقرہ المصنف الخ[2]

بحر میں بحوالہ جوہرہ شہید کی طرف منسوب ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما کو گالی دی یا ان پر طعن کیا تو وہ کافر ہوگیا اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی اسی سے دبوسی اور ابواللیث نے اخذ کیا اور وہی فتوٰی کے لئے مختار ہے انتہی۔ اشباہ میں اسی پر جزم کیا ہے اور مصنف علیہ الرحمہ نے اس کو مسلم رکھا ہے الخ۔ (ت)

ثانیاً حضرت افضل الاولیاء المحمدیین امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت برحق سے انکار کرنا، فقہائے کرام فرماتے ہیں: صحیح مذہب پر اس کا منکر کافر ہے۔ فتاوٰی ظہیریہ پھر طریقہ محمدیہ اور اس کی شرح حدیقہ ندیہ میں ہے:

من انکر امامة ابی بکر الصدیق رضی اللّٰه تعالٰی عنہ ای خلافتہ بعد رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالٰی علیہ وسلم علی الامة فھو کافر فی القول الصحیح لاجماع الامة علٰی ذٰلک من غیر خلاف احد یعتد بہ[3]

جس نے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی امامت یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بعد امت پر آپ کی خلافت کا انکار کیا تو صحیح قول میں وہ کافر ہے، کیونکہ اس پر اجماعِ امت ہے اور کسی قابلِ اعتبار شخص نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ (ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۳۵۷

[3] الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ الباب الثانی الفصل الاول نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۳۲۱

اسی طرح فتاوٰی عالمگیری میں ہے: الصحیح انہ کافر[1] (صحیح یہ ہے کہ وہ کافر ہے۔ت)

ثالثاً حضرت امیر المومنین امام العادلین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافتِ برحق سے منکر ہونا، فقہائے کرام فرماتے ہیں: اصح مذہب پر یہ بھی کفر ہے۔ ظہیریہ و عالمگیریہ و سیرتِ احمدیہ وغیرہا میں ہے:

کذلک من انکر خلافۃ عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ فی اصح الاقوال[2]

اسی طرح جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی خلافت کا منکر ہے اصح قول میں وہ کافر ہے۔ (ت)

فتاوٰی خلاصہ و فتح القدیر شرح ہدایہ میں ہے:

ان انکر خلافۃ الصدیق او عمر فھو کافر[3]

اگر کسی نے صدیق اکبر یا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کی خلافت کا انکار کیا تو وہ کافر ہے (ت)

اور کتبِ فقہ کا تتبع کیجئے تو ان کے سوا اور وجوہ کفر بھی روافض تبرائی میں پیدا ہوں گی اور حق یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بر رافضی قطعاً یقیناً بالاجماع کافر مرتد ہیں کہ ان کا منکر ضروریاتِ دین ہونا تحریرات مطبوعہ مجتہد لکھنؤ وغیرہ سے ثابت۔

وقد فصلنا ذلک فی بعض فتاوٰنا ولن تجد احدا منھم الا وھو یقول بنقصان القراٰن العظیم الموجود بایدی المسلمین الیوم عن القدر المنزل علی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقد افصح بذلک کبارھم وصغارھم وعلماؤھم وجھالھم تحریرا

ہم نے اپنے بعض فتووں میں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے۔ ان میں سے ہرگز تجھے کوئی ایسا نہ ملے گا کہ جو اس بات کا قائل نہ ہو کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں جو موجودہ قرآن مجید ہے وہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل شدہ قرآن مجید سے کم ہے۔ اس بات کی تصریح ان کے بڑوں، چھوٹوں، عالموں اور جاہلوں نے تحریر و تقریر میں کی ہے۔ اسی

---

[1] الفتاوی الھندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴

[2] " " " " " "

[3] فتح القدیر کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۱/۳۰۴

6

وتقریرا وکذلك بتفضیل سیدنا علی المرتضٰی وسائر الائمۃ الاطہار کرم اللہ تعالٰی وجوھھم علٰی جمیع الانبیاء السابقین صلوات اللہ وسلامہ علیھم اجمعین فلا یجوز لمسلم ان یرتاب فی کفر ھؤلاء الانجاس الارجاس والعیاذ باللہ تعالٰی من شر کل وسواس خناس۔

طرح وہ سیدنا علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور باقی ائمہ اطہار کی تمام سابقہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات پر افضلیت کے قائل ہیں لہذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پلید غلیظ لوگوں کے کفر میں شک کرے، ہر چھپ کر پھسلانے والے وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے اللہ تعالٰی کی پناہ۔ (ت)

پس بلاشبہہ رافضیہ ہرگز اہلسنت کی زوجہ شرعیہ نہیں ہوسکتی اور ان سے مناکحت محض باطل اور اولاد اولادِ زنا اور وہ ہرگز ترکہ اہلسنت کا استحقاق نہیں رکھتی۔ عالمگیری میں ہے:

اختلاف الدین یمنع الارث[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳ ۱۹ جمادی الآخرہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میر حسین علی نے نوکری سے روپیہ پیدا کیا اور اپنے مکان پر جمع کرکے بھیجا اس کی زوجہ معصومہ نے بعد انتقال میر حسین علی کے اس روپے سے اپنے نابالغ بیٹے میر فضل علی کے نام جائداد خرید دی میر علی حسین نے یہی زوجہ و پسر اور دو دختر مستین و بسم اللہ وارث چھوڑے پھر فضل علی نے یہی وارث اور حیدر علی چچا پھر بسم اللہ نے شوہر علی جان اور یہی ورثہ پھر معصومہ نے دختر مستین وارث چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں وہ جائداد میر حسین علی کی قرار پائے گی یا فضل علی کی؟ اور ہر وارث کو کس قدر پہنچے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں مالکِ جائداد فضل علی ہے۔ عقود الدریۃ میں ہے:

ذکر فی الذخیرۃ والتجنیس امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر

ذخیرہ اور تجنیس میں ہے ایک عورت نے اپنے مال سے اپنے نابالغ بیٹے کے لئے جائداد خریدی

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۴

من مالها وقع الشراء للام لانها لا تملك الشراء للولد وتکون الضیعة للولد لان الام تصیر واھبة والام تملك ذٰلك ویقع قبضا عنه احکام الصغار من البیوع[1]

تو خریداری ماں کی طرف سے واقع ہوگی کیونکہ وہ نابالغ اولاد کے لئے خریداری کی مالک نہیں اور جائداد بیٹے کے لئے ہوگی کیونکہ ماں ہبہ کرنے والی ہوگئی اور اس کی وہ مالک ہے اور ماں کا مبیع پر قبضہ بیٹے کی طرف سے واقع ہوگا (احکام الصغار، کتاب البیوع)۔ (ت)

پس جائداد مذکورہ بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ چوبیس۲۴ سہام پر منقسم ہوکر اس حساب سے ورثہ فضل علی کو دی جائے گی۔

علی جان	حیدر علی	مستین
۳	۴	۱۷

البتہ جبکہ وہ روپیہ جس کے عوض یہ جائداد خریدی گئی ملک میر حسین علی تھا اور اس میں تمام وارثان میر حسین علی کا حق تھا جسے معصومہ نے بے اجازت دیگر ورثہ خرچ کرڈالا تو باقی وارثوں کے حصص کا تاوان معصومہ پر آیا کہ وہ اس کے متروکہ سے (خواہ اسی جائداد فضل علی کا حصہ ہو یا اس کے سوا اور کوئی چیز ہو) وصول کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ردالمحتار میں ہے:

ما اشتراہ احدھم لنفسہ یکون لہ ویضمن حصة شرکائه من ثمنه اذا دفعه من المال المشترك[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

شرکاء میں سے ایک نے جو کچھ اپنی ذات کیلئے خریدا وہ اسی کا ہوگا اور اس کے ثمن میں دیگر شرکاء کے حصہ کا تاوان دے گا اگر اس نے مشترکہ مال سے ثمن ادا کیا ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴: از ریاست رامپور مرسلہ جناب سید مظہر حسن صاحب خادم حجہ مقدسہ ۱۶ ذیقعدہ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین خاں لاولد مرا اور اس نے نکاح

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الوصایا باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۳۴

[2] ردالمحتار کتاب الشرکۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۳۳۸

بھی نہ کیا تھا اس کا وارث سوا خیراتی خاں اس کے پھوپھی زادہ بھائی کے اور کوئی نہ تھا مگر خیراتی خاں اُس کے سامنے مرگیا۔ خیراتی خاں نے اپنی زوجہ سے کہ اس کے سامنے مرچکی تھی ایک دختر پھپھی اور زوجہ ثانیہ سے کہ زندہ ہے دو پسر بندہ حسن و محبت حسین چھوڑے، اس صورت میں یہ وارثان خیراتی خاں غلام حسین خاں کے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اگر ہوں گے تو کس کس کو کتنا کتنا پہنچے گا؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات و تقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء الدین واجراء الوصیۃ، ترکہ غلام حسین خاں کا پانچ سہام پر منقسم ہوکر دو دو سہم بندہ حسن و محبت حسین اور ایک سہم پھپھی کو ملے گا اور زوجہ خیراتی خاں کچھ نہ پائیگی عالمگیریہ میں ہے:

ان اجتمعوا وکان حیز قرابتھم متحدا فالاقوی اولی، ثم ولد الوارث اولی، وان استوت قرابتھم فللذکر مثل حظ الانثیین، فان ترک ابن عمۃ وابنۃ عمۃ فالمال بینھما للذکر مثل حظ الانثیین، والکلام فی اولاد ھؤلاء بمنزلۃ الکلام فی اٰبائھم عند انعدام الاصول[1] اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر ذوی الارحام کی صنف رابع کے چند رشتہ دار جمع ہوں اور ان کی قرابت متحد ہو تو ان میں سے جو قوی ہوگا وہ اولٰی ہوگا۔ پھر وارث کی اولاد اولٰی ہوگی، اور اگر ان کی قرابت برابر ہے تو مذکر کے لئے مؤنث سے دُگنا ہوگا۔ اگر ایک پھوپھی کا بیٹا اور ایک پھوپھی کی بیٹی چھوڑ کر مرگیا تو ترکہ کا مال ان کے درمیان یوں تقسیم ہوگا کہ مذکر کو مؤنث سے دُگنا ملے گا۔ ان کی اولاد میں کلام ایسے ہی ہے جیسا اُن کے آباء میں ہے جبکہ اصول معدوم ہوں اھ التقاط۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۵: از ٹونک دروازہ کلاں مرسلہ احمد حسن خاں محرر تھانہ جھندوا پرگنہ سرونج ریاست ٹونک ۱۰ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی لوہار خاں نے ایک عورت مسلمان کی تھی

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب العاشر الصنف الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۶۳ تا ۴۶۴

اس سے تین لڑکے بوہار خاں کے پیدا ہوئے مگر نکاح نہ کیا تھا اب بوہار خاں کے ترکہ میں یہ لڑکے وارث ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر فی الواقع ثبوت شرعی سے ثابت ہو کہ بوہار خاں اس عورت کو بے نکاح تصرف میں لایا اور یہ لڑکے معاذ اللہ محض زنا سے پیدا ہوئے غرض حالت وہ ہو کہ شرع ان کا نسب بوہار خاں سے اصلاً نہ ثابت کرے تو بیشک ترکہ بوہار خاں میں ان کا کوئی حق نہیں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجہۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لااب لھما[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

زنا اور لعان کی صورت میں اولاد فقط ماں کی طرف سے وارث ہوگی جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۶ ۲۴ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب زید پیدا ہوا اس کی خالہ نے اپنی بہن سے اسے لے کر اپنا بیٹا کرکے پالا اور بعد انتقال ہمشیرہ یہ عورت پدر زید کے نکاح میں آئی اس صورت میں کچھ ترکہ اسے ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مراد سائل کی یہ ہے کہ اس صورت میں زید کو اپنی اس خالہ کے ترکہ سے بوجہ متبنی یا سوتیلے بیٹے ہونے کے کچھ پہنچے گا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ کچھ نہیں کہ متبنی یا سوتیلا بیٹا ہونا شرعاً ترکہ میں کوئی استحقاق نہیں پیدا کرتا۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ اس صورت میں زید اپنی حقیقی والدہ یا والد کے ترکہ سے حصہ پائیگا یا نہیں، تو جواب یہ ہے کہ بیشک پائے گا کسی کا اسے اپنا بیٹا بنالینا اپنے حقیقی والدین کے بیٹے ہونے سے خارج نہیں کرتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷ از مارہرہ شریف باغ پختہ مرسلہ مولوی نبی بخش صاحب ۲۰ شوال المکرم ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے فرزند سے

---

[1] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

جوکہ عورت منکوحہ سے ہے بسبب اس کے اعمال زبون (یعنی فرزند اپنے باپ کی عزت کا خواہاں نہ ہے اور سخن نازیبا باپ کو کہتا ہے اور قصد کرتا ہے کہ اگر موقع ہو تو باپ کو مار ڈالوں) کے سخت ناخوش ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو عاق کردے اور اپنی جائداد کو دو اور لڑکوں کو جو عورت غیر منکوحہ سے ہیں دے دے تو اس شخص کا اپنے فرزند کے ان افعال پر عاق کرنا اور اپنی جائداد کو غیر منکوحہ کے لڑکوں کو دینا کیسا ہے اور عاق ہونے کے واسطے کون سے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

بے علموں کے ذہن میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کا علاقۂ زوجیت قطع کرنے کے لئے شرع مطہر نے طلاق رکھی ہے کہ اس کا اختیار بدست شوہر ہے اور اس کے لئے کچھ الفاظ ہیں کہ جب شوہر سے صادر ہوں طلاق واقع ہو یوں ہی اولاد کا علاقۂ ولدیت قطع کرنے کے لئے عاق کرنا بھی کوئی شرعی چیز ہے جس کا اختیار بدست والدین ہے اور اس کے لئے بھی کچھ الفاظ مقرر ہیں کہ والدین ان کا استعمال کریں تو اولاد عاق ہوکر ترکہ سے محروم ہوجائے۔ مگر یہ محض تراشیدہ خیال ہیں جس کی اصل شرع مطہر میں اصلاً نہیں، نہ علاقۂ ولدیت وہ چیز ہے کہ کسی کے قطع کئے منقطع ہوسکے، مگر معاذ اللہ بحالت ارتداد والعیاذ باللہ تعالٰی۔ شرع میں عقوق ناحق نافرمانی والدین کو کہتے ہیں کہ یہ کار اولاد ہے، جو شخص اپنے ماں باپ کا حکم بے عذر شرعی نہ مانے گا یا معاذ اللہ انہیں آزار پہنچائیگا وہی عاق ہے اگرچہ والدین اُسے عاق نہ کریں بلکہ اپنی فرط محبت سے دل میں ناراض بھی نہ ہوں مگر کوئی شخص عاق ہونے کے سبب ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتا اور جو فرمانبرداری والدین میں مصروف رہے اور وہ بے وجہ اس سے ناراض رہیں یا بحکم لاطاعۃ لاحد فی معصیۃ اللہ تعالٰی[1] (اللہ تعالٰی کی نافرمانی میں کسی کی بات نہیں مانی جائے گی۔ ت) کسی مخالف شرع بات میں ان کا کہا نہ مانے اور وہ اس سبب سے ناخوش ہوں تو ہرگز عاق نہیں۔ اور اگر کوئی شخص لاکھ بار اپنے فرمانبردار خواہ نافرمان بیٹے کو کہے کہ میں نے تجھے عاق کیا یا اپنے ترکہ سے محروم کردیا تو نہ اس کا یہ کہنا کوئی نیا اثر پیدا کرسکتا ہے نہ وہ بدیں وجہ ترکہ سے محروم ہوسکے۔ یہ شخص اگر اپنی جائداد اپنے بیٹے کو محروم کرنے کے لئے ان بے نکاحی عورت کے لڑکوں کو دے دے گا تو دنیا میں یہ کارروائی اس کی اگرچہ چل جائے مگر عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ

---

[1] کنز العمال برمز ق۔ د۔ ن عن علی حدیث ۱۴۸۷۴ موسسۃ الرسالہ بیروت ۶/۶۷

وسلم فرماتے ہیں :

من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ ۔ رواہ ابن[1] ماجہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم ۔

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی اس کی میراث جنت سے قطع کر دے (اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸ از صاحب گنج گیا مکان سید محمد ابو صالح خان بہادر رئیس کڑہ مرسلہ شیخ وزارت حسین خاں
۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اور دو ماموں ایک بھتیجا یعنی پھوپھی زادہ بھائی کا لڑکا جس کا باپ اس عورت کے سامنے مرچکا تھا اور ایک پھوپھی زادہ بہن کو چھوڑا ، اس صورت میں ترکہ اس کا کس کس کو کس کس قدر ملے گا ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب

برتقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم مایقدم کالدین والوصیۃ ، کُل ترکہ دونوں ماموں نصفًا نصف پائیں گے ۔ بھتیجی کی اولاد کو کچھ نہیں ملے گا ۔ علامہ ابو عبداللہ محمد غزی تنویر میں ذوی الارحام کے احکام عامہ میں فرماتے ہیں :

یحجب اقربہم الابعد[2] اھ ، واللہ تعالٰی اعلم ۔

ان میں سے جو اقرب ہے وہ دور والے کیلئے حاجب (رکاوٹ) بن جاتا ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹ از بدایوں مرسلہ مولانا مولوی عبدالرسول محب احمد سلمہ اللہ تعالٰی
۲۳ جمادی الاولٰی ۱۳۱۰ھ

مولانا المجد زاد مجدکم باداے مایجب مستسعد بودہ شرف انداز معروضات ام

ہمارے مولانا بزرگوار آپ کی بزرگی میں اضافہ ہو آداب واجبہ کی ادائیگی کے ساتھ سعادتمندی

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸
[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۳

استفتاء بدست حاملِ ابلاغ والا خدمت ست۔

حاصل کرنے کے بعد آپ کی خدمت میں عرض پیش کرنے سے مشرف ہو رہا ہوں کہ حامل ہذا کے ہاتھ خدمتِ اقدس میں استفتاء ارسال ہے جس کی صورت اس طرح ہے:

صورت ھٰــــکذا — اصل المسئلة زید

مادر	خواہر	ابن ابن ابن عم جد الاب
۲	۳	۱

قال فی الدر ثم العصبات بانفسھم اربعة اصناف جزء المیت ثم اصله ثم جزء ابیه ثم جزء جدہ[1] الخ قال العلامة الشامی قوله ثم جزء جدہ اراد بالجد ما یشمل اب الاب ومن فوقه[2] الٰی اٰخرھا واللہ اعلم الساطر السوار محب احمد عبدالرسول عفی عنہ فریق مخالف را دریں مسئلہ مخالفتے است میگوید کہ مراد از جزء جدہ فقط عمِ اب وعمِ جد است نہ آنہا کہ فوق ایشاں اند و نزد شامی علیہ الرحمۃ از من فوقہ صرف ہمیں دو اہل قرابت مراد اند

دُر میں کہا پھر عصبہ بنفسہ کی چار قسمیں ہیں: میت کی جزء، پھر میت کی اصل، پھر میت کے باپ کی جزء، پھر میت کے دادا کی جزء الخ۔ علامہ شامی نے کہا کہ مصنف کے قول "پھر میت کے دادا کی جزء" میں دادا سے مراد وہ ہے جو باپ کے باپ اور اس سے اوپر والے کو شامل ہو الخ اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ راقم السطور محب احمد عبدالرسول اس کی مغفرت ہوجائے۔ مخالف فریق اس مسئلہ کی مخالفت رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ دادا کی جزء سے مراد فقط باپ کا چچا اور دادا کا چچا ہے نہ کہ اس سے اوپر والے۔ اور شامی علیہ الرحمہ کے نزدیک بھی اوپر والوں سے مراد یہی دو اہل قرابت ہیں

---

[1] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۶

[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۹۳

چنانکہ از مثال پُر ظاہر ست بو الیسی حال جواب مطلوب والسلام بخیر از خدم افقر البرایا عبدالرسول محب احمد عفی عنہ۔

جیسا کہ مثال سے خوب ظاہر ہے حامل ہذا کے ہاتھ جواب مطلوب ہے۔ آپ کا مخلص خادم مخلوق میں سب سے زیادہ محتاج عبدالرسول محب احمد اسکی مغفرت ہوجائے۔ (ت)

الجواب

مولانا المکرم اکرمکم الاکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جواب جناب حق وصواب ست فی الواقع درصورت مستفسرہ بکر عصبہ زید و مستحق باقی و در قول در جزء جد ہ داخل است کہ در فرائض بلکہ ہمہ ابواب فقہ از جد ہمیں پدرِ پدر یا جد قریب پدر مراد نباشد بلکہ از نسبِ پدر جملہ ذکور کہ در نسبت بالیشان زن نیاید بذلك عرفوہ قاطبۃ وھو المراد حیث اطلق سراجیہ درہمیں بیان تقسیم عصبات فرمود ثم الجد ای اب الاب وان علا[1] خود درہمیں عبارت درمختار است ثم الجد الصحیح وھو اب الاب وان علا[2] در شریفیہ است ھو الذی لاتدخل فی نسبتہ الی المیت ام

مولانا مکرم رب کریم آپ کو اکرام بخشے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، جناب کا جواب حق اور درست ہے۔ فی الواقع صورت مسئولہ میں بکر زید کا عصبہ اور بچے ہوئے مال کا مستحق ہے اور در کے قول "میت کے دادا کی جزء" میں داخل ہے کیونکہ فرائض بلکہ فقہ کے تمام ابواب میں دادا سے فقط باپ کا باپ یا باپ کا جد قریب ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ باپ کے نسب کے تمام مذکر جن کی میت کی طرف نسبت میں کوئی عورت واسطہ نہ آتی ہو۔ تمام نے دادا کی یہی تعریف کی ہے اور جب اس کا اطلاق کیا جائے تو یہی مراد ہوتا ہے۔ صاحبِ سراجیہ نے تقسیم عصبات کے اسی بیان میں فرمایا پھر جد یعنی باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔ خود درمختار کی اسی عبارت میں ہے پھر جد صحیح اور وہ باپ کا باپ ہے اگرچہ اوپر تک ہو۔ شریفیہ میں جد صحیح وہ ہے جس کی میت کی طرف نسبت میں ماں داخل نہ ہو جیسے

---

[1] السراجی فی المیراث باب العصبات مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۲

[2] الدر المختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۶

كاب الاب وان علا[1] در زبدة الفرائض ست
یعنی اب الاب ہرچند بالا رود مسئلہ واضح
ست و شک درآن از ہیچ ذی علم معقول نے
تاہم نص جزئیہ خاصہ بشنوید در زبدہ است عصبہ
بنفسہ چار قسم است (الیٰ قولہ) چہارم
جزء جدمیت مانند عم اعیانی و علاتی و ابنائے
ایشاں ہرچند بالا و پایان روند ہمہ رانست
بعد ازاں جزء جدمیت یعنی اعمام او و بعد
ازاں ابناء ایشاں ہرچند پایاں روند بعد
ازاں جزء جد اب میت یعنی اعمام اب او
بعد ازاں ابنائے ایشاں ہرچند پایان روند
بعد ازاں اعمام جد میت و ابناء ایشاں ہرچند
بالا و پایان روند تا غیر نہایت ۔ واللہ سبحٰنہ
وتعالیٰ اعلم۔

باپ کا باپ اگرچہ اوپر تک ہو۔ زبدۃ الفرائض
میں ہے یعنی باپ کا باپ جہاں تک اوپر چلا جائے۔
مسئلہ واضح ہے اس میں کسی علم والے کی طرف
سے شک کا تصور نہیں ہوسکتا تاہم خاص جزئیہ
کی نص سماعت فرمائیں، زبدہ میں ہے عصبہ
بنفسہ چار قسم پر ہے (اس کے اس قول
تک) چوتھی قسم میت کے دادا کی جزء ہے جیسے
اعیانی اور علاتی چچے جہاں تک اوپر چلے جائیں
اور ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں اسی
قسم میں داخل ہیں۔ اس کے بعد میت کے
باپ کے دادا کی جزء یعنی باپ کے چچے اس کے بعد
ان کے بیٹے جہاں تک نیچے چلے جائیں، اس
کے بعد میت کے دادا کے چچے پھر ان کے بیٹے
جہاں تک اوپر یا نیچے چلے جائیں غیر نہایت
تک۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰: از واجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ محمد یعقوب علی خاں
آخر شعبان ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے شرعیہ ومفتیان طریقہ نبویہ اس مسئلہ میں کہ مسمی حافظ فتح محمد صاحب
کے تین فرزند حمید الدین اور رحیم الدین اور نور الدین، ان تینوں برادران حقیقی کی اولاد سے کوئی
ورثہ شرعیہ باقی نہیں مگر زوجہ رحیم الدین فقط باقی ہے لیکن نور الدین کی عورت مطلقہ کے نطفہ زنا
سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکی تو بحین حیات نور الدین فوت
ہوئی اور زوجہ مطلقہ باقی ہے، اب وہ لڑکا جو نطفہ زنا دختر سے نور الدین کے پیدا ہوا زوجہ رحیم الدین
سے حصہ چاہتا ہے تو فرزند زنا زادہ ازروئے شرعی حقدار حصہ ہے یا محروم؟ اور زوجہ رحیم الدین

---

[1] الشریفیہ شرح السراجیہ باب معرفۃ الفروض ومستحقیہا مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۹

مرحوم نے اپنے برادر زادہ کو اس حصہ اپنے کا ترکہ شوہری سے حسب القاعدہ شرعیہ پایا تھا مالک و متبنّا و مختار کر کے ہبہ نامہ نمودہ قاضی صاحب لکھ کر قبضہ کرواکے چند روز کے بعد منتقل سوئے جنان ہوئی تو اس جائداد و ہبہ شدہ حصہ ترکہ شوہری سے بنام برادر زادہ زوجہ رحیم الدین و زوجہ حمید الدین موسومہ عظیم خاں خلف محبوب خانصاحب سے وہ لڑکا زنازادہ حصہ چاہتا ہے۔ درست یا ممنوع اور خط تمنگی اور وہ ہبہ نامہ جو زوجہ رحیم الدین اور حمید الدین نے جائداد منقولہ و غیر منقولہ اور مقبوضہ و غیر مقبوضہ حصہ یافتہ کیا تھا جائز ہے یا منسوخ؟ اس مسئلہ میں جو حکم بالتحقیق ہو بیان فرمائیں بحوالۃ الکتاب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم اجمعین۔

الجواب

شرع مطہر کو اثباتِ نسب میں نہایت احتیاط منظور، جہاں ادنٰی گنجائش پائی ہے نسب ثابت فرمائی ہے اور حتی الامکان ہرگز ولد الزنا نہیں ٹھہراتی۔ صدہا صورتیں نکلیں گی کہ عوام اپنی بے علمی سے بچہ کو ولد الزنا سمجھیں اور شرعًا وہ ثابت النسل ہو مثلًا یہی مطلقہ کی صورت ہے اگر عورت کو طلاق رجعی دے اور اس نے ہنوز انقضائے عدت کا اقرار نہ کیا تو اگرچہ طلاق سے بیس برس بعد بچہ پیدا ہو شوہر کا ہی قرار پائے گا یونہی اگر طلاق بائن یا مغلظ تھی اور ہنوز دو برس نہ گزرے کہ بچہ ہو گیا یا دو برس کے بعد ہوا اور شوہر نے اقرار کیا کہ یہ میرا بچہ ہے تو بھی اس ہی کا ٹھہرے گا۔ یوں ہی بہت صورتیں ہیں جن میں زعمِ جہال مخالفِ شرع مطہر ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی وان ولدت لاکثر من سنتین ولو لعشرین سنۃ فاکثر لاحتمال امتداد طھرھا وعلوقھا فی العدۃ مالم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ کما یثبت بلا دعوۃ احتیاطا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز

طلاقِ رجعی کی عدت گزارنے والی عورت کے بچے کا نسب ثابت ہوگا اگرچہ وہ دو سال سے زائد عرصہ میں بچہ جنے، چاہے بیس سال یا اس سے زیادہ گزر جائیں کیونکہ طہر کے دراز ہونے اور عدت کے دوران حمل ٹھہرنے کا احتمال موجود ہے جب تک عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو اور وہ مدت بھی عدت کے گزر جانے کا احتمال رکھتی ہو جیسا کہ بغیر دعوٰی کے احتیاطًا بائنہ طلاق والی کے بچے کا نسب ثابت ہوتا ہے جبکہ وہ طلاق کے وقت سے

وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیہا وان لتمامہما لایثبت النسب و قیل یثبت و زعم فی الجوھرۃ انہ الصواب الا بدعوتہ لانہ التزمہ[1] الخ ملخصًا۔

دو سال سے کم مدت میں بچہ جنے کیونکہ بوقتِ طلاق حمل کے موجود ہونے کا امکان ہے اور عورت نے عدت کے گزرنے کا اقرار نہیں کیا اور اگر وہ پورے دو سال پر بچہ جنے تو نسب ثابت نہیں ہوگا اور کہا گیا ہے کہ ثابت ہوجائے گا، جوھرہ میں گمان کیا کہ یہی درست ہے مگر جب شوہر دعوٰی کرے تو نسب ثابت ہوجائے گا کیونکہ شوہر نے اس کا التزام اپنے اوپر کرلیا الخ ملخصا۔ (ت)

پس اگر زنِ مطلقہ نور الدین کی وہ لڑکی جسے سائل نطفہ زنا سے بتاتا ہے کسی ایسی ہی صورت پر پیدا ہوئی تھی جس میں شرعًا وہ دختر نور الدین قرار پائی اگرچہ جہال دختر زنا کہیں تو بیشک اس دختر کا بچہ اگرچہ وہ اس کے بطن سے معاذ اللہ بذریعہ زنا ہی پیدا ہوا ہو نور الدین کا نواسا اور اس کے ذوی الارحام سے ہے کہ اگر نور الدین کا کوئی وارث اہل فرض وعصبات سے نہ تھا تو وہ مستحق ترکہ نور الدین ہے اور اگر نور الدین اپنے کسی بھائی سے پہلے مرا تو ان بھائیوں میں جو سب سے پیچھے مرا ہو کہ نہ اس کا کوئی عصبہ ہو نہ سوائے زوجہ کے کوئی ذی فرض تو اس کا ترکہ اس لڑکے کو پہنچے گا کہ یہ اس کے بھائی کا نواسا ہے، ولد الزنا کا نسب اگرچہ باپ سے نہیں ہوتا شرعًا اس کا کوئی باپ ہی نہیں وللعاھر الحجر[2] (اور زانی کے لئے پتھر۔ ت) مگر ماں سے یقینًا ثابت اور اس کی طرف سے ضرور وارث ہوتا ہے اور نانا یا نانا کے بھائی کی قرابت قرابتِ مادری ہے تو اس ذریعہ سے اس کی وراثت میں شک نہیں۔

فی الھندیۃ ولد الزنا لااب لہ فترثہ قرابۃ امہ ویرثہم[3] اھ ملخصا۔

ہندیہ میں ہے کہ ولد الزنا کا کوئی باپ نہیں ہوتا چنانچہ اس کی ماں کے قرابتدار اس کے وارث بنیں گے اور وہ انکا وارث بنے گا اھ تلخیص (ت)

ہاں اگر مطلقہ نور الدین کی دختر کا نسب شرعًا نور الدین سے نہ ٹھہرے تو اس کا یہ بیٹا

---

[1] الدر المختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۱

[2] الصحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۹

[3] الفتاوی الھندیۃ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۵۲

نورالدین کا کوئی نہیں، اگرچہ یہ پسر ولد الحلال ہے کہ دخترِ زنا شرعًا در بارۂ میراث دختر نہیں تو وہ لڑکی خود ہی نورالدین کی بیٹی نہ تھی اس کا بیٹا نواسا کیونکر ہوسکتا ہے، پھر جس حال پر ہم اسے وارث کہہ آئے اس تقدیر پر بھی زوجہ رحیم الدین کے مال میں اس کا کوئی حق نہیں کہ نانا کی بھاوج ہونا شرعًا ذریعۂ توریث نہیں خصوصًا جو مال کہ وہ اپنے بھتیجے کو ہبہ شرعیہ کرکے قابض کراچکی اس سے اسے بھی کچھ تعلق نہ رہا وہ خاص اس موہوب لہٗ کا مال ہوچکا اس میں اس شخص کا دعوٰی اور بھی بے جا ہے اور ہبہ جس قدر اشیائے منقسمہ جُداگانہ بلاشرکت وشیوع تھا اور واہبہ نے موہوب لہٗ کو اس پر قبضہ کاملہ دلادیا اس قدر میں تمام وکامل ہوگیا اور جن اشیائے موہوب لہٗ کو قبضہ کاملہ نہ دلایا خواہ یوں کہ سرے سے قبضہ ہی نہ ہوا یا ہوا تو شیئ موہوب جدا ومنقسم ہوکر قبضہ میں نہ آئی اس قدر میں باطل ہوگیا۔ درمختار میں ہے:

المیم موت احد العاقدین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل[1]۔

میم سے مراد سپردگی کے بعد واھب یا موہوب لہٗ میں سے کسی ایک کا مرجانا ہے اور سپردگی سے پہلے مرگیا تو ہبہ باطل ہوگا۔ (ت)

اس صورت میں یہ اشیاء جن کا ہبہ نا تمام رہا بعد موت واہبہ وارثانِ واہبہ کو وراثۃً پہنچے گی، رہا متبنٰی کرنا وہ شرعًا کوئی چیز نہیں،

قال اللہ تعالٰی ان امھٰتھم الا الّٰئی ولدنھم[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان کی مائیں نہیں مگر وہ جنھوں نے ان کو جنا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ محمد علی نے زوجہ رحمو ابنِ غلام محمد دو بنت بجو، منیرن اور ایک مکان خام جس میں دو سو گز زمین بھی چھوڑ کر انتقال کیا پھر بجو مادرِ رحمو اور شوہر و پسر و دختر چھوڑ کر فوت ہوئی پھر رحمو نے پسر غلام محمد دختر منیرن چھوڑ کر وفات پائی غلام محمد نے بعد پدر اس مکان خام کا ایک حصہ کچے گمے اور ایک حصہ بیرونی پختہ اینٹ سے بصرف خویش

---

[1] الدرالمختار کتاب الھبۃ باب الرجوع فی الھبۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۱

[2] القرآن الکریم ۵۸/ ۲

تعمیر کیا اور تین سو ساٹھ ۳۶۰ روپے اپنے اوپر قرضہ اور صرف اسی مکان کا حصہ متروکہ اور زوجہ تیاری بی بی ۲ دو پسر علی محمد، ولی محمد، دختر آبادی بیگم چھوڑ کر رحلت کی۔ علی محمد، ولی محمد نے باپ کی تجہیز و تکفین کی اور کل قرضہ ادا کیا۔ اس صورت میں حصہ غلام محمد کس قدر ہوا اور وارثان آبادی بیگم ترکہ غلام محمد سے اپنی موروثہ کا حصہ علی محمد ولی محمد سے بے ادائے قرضہ پانے کے مستحق ہیں یا اب ترکہ علی محمد کہ صرف یہی حصہ ہے اور اس کی مقدار دین مذکور سے بہت کم ہے علی محمد و ولی محمد کا مدیون ہوگیا کہ جب تک یہ دین ادا نہ ہو کوئی وارث حصہ پانے کا مستحق نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات و تقدیم ما یقدم کالمہر والوصیۃ ترکہ شیخ محمد علی سے حصہ غلام محمد $\frac{۱۵۷}{۲۸۸}$ ہے کما یظہر بالتخریج ورد الکسر الی اقل المخارج (جیساکہ تخریج اور کسر کو اقل مخرج کی طرف لوٹانے سے ظاہر ہے۔ ت) یعنی اگر اس جائداد کے ۲۸۸ دو سو اٹھاسی حصے کئے جائیں تو ان میں سے ایک سو ستاون ۱۵۷ غلام محمد کے ہوں گے باقی وارثان منیرن وشوہر واولاد بجو کے، اور جب کہ حسب بیان سائل ترکہ غلام محمد صرف یہی ہے اور وہ مقدار دین سے بہت کم تو جب تک دین ادا نہ کرلیا جائے کوئی وارث غلام محمد بذریعہ وراثت اس سے کچھ نہیں پا سکتا۔ جائداد جیسے پہلے اور شخص کے دین میں مستغرق تھی اب علی محمد و ولی محمد کا دین اس پر محیط ہے جبکہ انھوں نے صراحۃً یہ نہ کہہ دیا ہو کہ ہم یہ قرضہ محض بطور تبرع واحسان ادا کرتے ہیں ترکہ پدری سے واپس نہ لیں گے۔ اشباہ میں ہے:

والدین المستغرق للترکۃ یمنع ملك الوارث، فی جامع الفصولین لواستغرقھا دین لا یملکھا بارث الا اذا ابرأہ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء، امالو اداہ من مال نفسہ مطلقا یجب لہ دین علی المیت فتصیر مشغولۃ بدین

جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملکیت سے مانع ہے۔ جامع الفصولین میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو بطور میراث اس ترکہ کا کوئی مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ جب قرض خواہ میت کو بری کردے یا اس میت کا کوئی وارث وہ قرض ادا کرے اس طور پر کہ وہ ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرے۔ اور اگر اس نے اپنے مال سے قرض ادا کیا مطلقاً بغیر شرط تبرع ورجوع کے تو اس وارث

فلا یملکہا[1] اھ ملخصًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

کا قرض میت پر ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ ترکہ قرض میں مشغول ہوگا لہذا وارث اس کا مالک نہیں بنے گا اھ ملخصًا، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲

۶ ذیقعدہ ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ تاج محمد کا اس کے ورثہ احیا پر چار لاکھ تین ہزار دو سو سہام ہوکر یوں منقسم ہوا:

ظہوراں	ننھی بنت کلن	زوجہ چمو	اجبہ	بجھو	سعد اللہ جیا	چھٹن برادر زادہ عمہ
۲۳۰۴۰	۳۰۷۲۰	۲۸۸۰۰	۵۷۶۰	۱۱۷۱۶۸	۱۱۷۱۶۸ (۸۰۶۴)	۱۶۲۰۰

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ نتھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
۱۶۲۰۰	۱۶۲۰۰	۲۰۲۵	۱۴۱۷۵	۵۱۲۰	۲۵۶۰

پس ایک سو ساٹھ گز زمین متروکہ مورث سے ہر وارث مذکور کو کس کس قدر پہنچے گا؟ بینوا توجروا (بیان کیجئے اجر پائیے۔ ت)

الجواب

ظہوراں	ننھی بنت کلن	زوجہ چمو	اجبہ	بجھو	سعد اللہ جیا	چھٹن برادر زادہ عمہ
لعہ ۹ ز	علہ ۱۲ گز	لعہ ۱۱ گز	درعان	للعہ ۴۶ گز	للغہ ۴۶ گز ے گز	ے ۶ گز
۲ $\frac{2}{7}$ گرہ	۳ $\frac{1}{21}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ	۴ $\frac{4}{7}$ گرہ	۷ $\frac{97}{105}$ گرہ	۷ $\frac{97}{105}$، ۳ $\frac{1}{5}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ

ننھے برادر چھٹن	تلن	زوجہ نتھو	منا	چھٹن برادر بندا	مستین
ے ۶ گز	ے ۶ گز	۱۲ $\frac{6}{7}$ گرہ	صہ گز	درعان	درعہ
۶ $\frac{6}{7}$ گرہ	۶ $\frac{6}{7}$ گرہ		۱۰ گرہ	$\frac{32}{93}$ گرہ	$\frac{16}{93}$ گرہ

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو لڑکے عمرو بکر ہیں جس میں سے عمر بڑا لڑکا اور بکر چھوٹا لڑکا ہے۔ زید نے دونوں لڑکوں کی شادی کرا کر

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴

اپنی جائداد کو نصف نصف دونوں بہوؤں پر یعنی زوجۂ بکر و زوجۂ عمر پر تقسیم کرکے بیع کردی بعد کو بکر کی زوجہ نے انتقال کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر مدعی اب تک وہاں موجود نہ تھا یا بوجہ نابالغی وغیرہ معذور تھا یا بکر کو اقرار ہو کہ یہ جائداد بذریعہ میراث زوجہ اس نے پائی ہے تو ان صورتوں میں دعوئ مدعی قابلِ سماعت ہے ورنہ نہیں کما فصلہ العلماء فی کتبھم مثل الفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

جیسا کہ علماء نے اپنی کتابوں میں اسکی تفصیل بیان کی ہے، مثلاً فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۴   ۳۰ صفر ۱۳۱۱ھ

ترکہ خالصہ زمین — للعصبہ ۴۸ / ۱۱ گرہ

مسئلہ — مشرف

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
عبدالجلیل	عبدالخلیل	اسمٰعیل	عباسی جان	زابی جان	چھوٹی جان
ع درعہ	ع درعہ	ع درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ	صہ درعہ
۱۳ ۱/۹ گرہ	۱۳ ۱/۹ گرہ	۱۳ ۱/۹ گرہ	۶ ۵/۹ گرہ	۶ ۵/۹ گرہ	۶ ۵/۹ گرہ

مسئلہ — چھوٹی جان — مف صہ درعہ ۶ ۵/۹ گرہ

زوج غلام محی الدین خاں	ابن امین الدین خاں	ابن امام الدین خاں	بنت
۱ درعہ	۱ درعہ	۱ درعہ	
۵ ۲۳/۳۶ گرہ	۹ ۲۹/۳۰ گرہ	۹ ۲۹/۳۰ گرہ	۱۲ ۵۹/۶۰ گرہ

مسئلہ — اسمٰعیل — مف ۱۳ ع ۱/۹ گرہ

زوجہ	ابن	بنت
۱ درعہ	ے درعہ	ے درعہ
۵ ۲۳/۳۶ گرہ	۴ ۵۳/۵۴ گرہ	۲ ۵۳/۱۰۸

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵

علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کیا فرماتے ہیں اس بارے میں کہ مسمی زید فوت ہوا ایک زوجہ اور چند اولاد بیٹا و بیٹی متوفی کے وارث ہیں، زوجہ چاہتی ہے کہ ترکہ متوفی کا بعوض دین مہر کے کہ ادا نہیں ہوا ہے مجھ کو ملنا چاہئے۔ دین مہر کثیر ترکہ قلیل، دین مہر کو کافی نہیں ہوسکتا ہے۔ دیگر ورثاء کہتے ہیں کہ بموجب فرائض کے ترکہ میں سے وراثتاً سب کو حصہ ملنا چاہئے، اب اول ادائے دین مہر ہونا چاہئے یا ترکہ وارث کل ورثاء پر تقسیم ہوئے۔

الجواب

ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے جب تک مہر ادا یا معاف نہ ہولے کوئی وارث کچھ نہیں پاسکتا جبکہ اس کی مقدار ترکہ سے زائد ہے۔

قال تعالٰی من بعد وصیۃ توصون بہا او دین[1] ۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا: اس وصیت کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کے بعد۔ (ت)

مگر عین جائداد کا مہر میں دیا جانا ضروری نہیں ورثہ کو اختیار ہے کہ مہر اپنے پاس سے ادا کریں اور جائداد تقسیم ترکہ کے لئے بچالیں یا جائداد بیچ کر ادائے مہر میں صرف کی جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶ صفر المظفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بلاوصیت انتقال کیا اور چھوڑی جائداد منقولہ مکسوبہ ومتفرقہ خود از قسم زرنقد و زیور طلائی وغیرہا اور اثاث البیت خانگی، ایک مکان مع حصہ اراضی موروثی اور وارثان شرعی زید کے حسب ذیل، یک برادر حقیقی بکر حیات، یک زوجہ ہندہ جو تخمیناً یک ماہ بعد زید کے مرگئی اور اپنا مہر شرعی روبروشاہدین شوہر زید کو معاف کردیا تھا اور خورد ونوش یکجائی ہندہ کے بعد وفات شوہر کے بہمراہی بکر مکان مذکور میں تھی چنانچہ تجہیز وتکفین ورسومات موتہ زید ونیز ہندہ کی زید کے روپے سے ہوئی۔ بعد وفات کے مسمیان خالد ومحمود، حامد، احمد برادران ہندہ متوفیہ زرنقد مع زیور مذکورہ بالا جس پر کہ زید بحیات خود باختیار تصرف مثل رہن وبیع وغیرہ وقتاً فوقتاً مالکانہ متصرف تھا اس کو برادران ہندہ باخفائے ورثائے زید مکان موروثی سے لے گئے، لہذا اب تنازع بابت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

7 متروکہ زید کے درمیان ورثاء زید یعنی بکر و خالد و حامد و محمود و احمد کے ہے، پس صورت مذکورہ بالا تقسیم متروکہ کے کس طور پر ہونا چاہیے اور تجہیز و تکفین و سوم وغیرہا زید کی بکر نے زید کے روپے سے اور ہندہ کی تجہیز و تکفین وغیرہ برادران ہندہ نے زید کے روپے سے کی۔ بینوا توجروا۔

الجواب

جو زیور ملک زید تھا (یعنی نہ جہیز ہندہ کا تھا نہ زید نے ہندہ کو تملیک کر دیا تھا اگرچہ پہننے کو دیا ہو) وہ متروکہ زید ہے خاص ورثاء اس کے مستحق نہیں۔ برادر زید نے تجہیز و تکفین زید بقدر سنت میں جو خرچ کیا وہ مجرا پائے گا کہ اسے نکال کر باقی ترکہ وارثان زید پر تقسیم ہوگا، اور جو کچھ صدقہ خیرات روز وفات و وقت دفن و سوم وغیرہا میں اٹھایا وہ خاص برادر زید کے حصہ پر پڑے گا باقی ورثہ کو اس سے سروکار نہیں۔ پس بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات خرچ تجہیز و تکفین زید بقدر سنت اور نیز اگر کوئی دین ذمہ زید ہو وہ ادا کر کے جو باقی بچے مع اس روپے کے جو برادر زید و برادران ہندہ نے خرچ فاتحہ و صدقہ وغیرہا میں اٹھایا سب کے ۱۶ سہام کریں ان میں سے چار سہم کامل خواہر زید کو دیں اور آٹھ سہم میں خرچ فاتحہ و صدقات زید شامل کر کے برادر زید کو دیں یعنی جو کچھ برادر زید نے فاتحہ میں اٹھایا وہ اسے وصول پایا ہوا تصور کریں باقی چار سہام میں کل خرچ تجہیز و تکفین ہندہ بقدر سنت و خرچ فاتحہ ہندہ کہ برادران ہندہ نے کیا سب شامل کر کے برادران ہندہ کو دیں یعنی موت ہندہ کا کل خرچ انھیں چار سہام پر ڈالیں پھر اس میں سے خرچ مسنون ترکہ ہندہ پر پڑے گا اور خرچ زائد صرف ان برادران کے حصہ پر جنھوں نے اٹھایا اور سب نے اٹھایا تو سب پر۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷ از شہر کہنہ ۹ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کے بیٹے نے انتقال کیا پوتا اور بھتیجے موجود ہیں، بھتیجے اس پر زور ڈالتے ہیں کہ اپنا مال ہمیں لکھ دے اس لئے کہ ہمیں تیرے وارث ہیں پوتا محجوب الارث ہو چکا ہے اس صورت میں پوتے کو محروم کر کے بھتیجوں کو لکھ دینا جائز ہے یا نہیں؛ اور ان کی درخواست قابل سماعت ہے یا نہیں؛ بینوا توجروا۔

الجواب

ان کی یہ درخواست مہمل و ناقابلِ سماعت ہے، اول تو حیاتِ مالک میں اس کے مال کا کوئی وارث نہیں اور بعد موت کب معلوم کون زندہ ہوگا کون مردہ، اور اگر عورت کے بعد پوتا اور بھتیجے سب باقی رہے تو پوتا ہی وارث ہوگا۔ بھتیجے اس کے ہوتے کچھ نہ پائیں گے تو محجوب الارث خود بھتیجے ہوں گے نہ کہ پوتا۔ پوتا اپنے دادی دادا کا خود وارث ہے نہ بواسطہ پدر کہ ان کے پہلے مرجانے سے یہ محجوب الارث ہوجائے، یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ عورت کو ہرگز جائز نہیں کہ پوتے کو محروم کرنے کے لئے اپنا مال بھتیجوں کو لکھ دے۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرّ من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیٰمۃ، والعیاذ باللہ تعالٰی، رواہ ابن ماجۃ[1] عن انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰے روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے۔ (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اس کو ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰے عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸ از لکھنؤ محلہ محمود نگر مطبع مصطفائی مرسلہ مولوی ابوالخیر محمد جان صاحب ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۲ھ

علمائے دین رحمہم اللہ تعالٰے اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً زید کے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکا بحیاتِ والدین بالکل مفقود الخبر ہوگیا پچیس تیس برس سے اس کا کہیں پتا نہیں، اس درمیان میں پہلے اس کے والد نے پھر اس کی والدہ نے انتقال کیا اب زید متوفی کے لڑکے اپنے والدین متوفیین کے متروکہ کو حسبِ ہدایت شرع شریف تقسیم کرنا چاہتے بلکہ ماں کے متروکہ کو کیونکہ جائداد ماں کے نام ہے لیکن اس مفقود الخبر لڑکے کی زوجہ جو ہنوز زندہ ہے عذر کرتی ہے کہ میرے زوج مفقود الخبر کا بھی حصہ لگاؤ اور چونکہ وہ نہیں ہے لہذا حصہ وہ مجھے دو، پس استفسار کیا جاتا ہے کہ ابن مفقود الخبر کی زوجہ عند الشرع زوج

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

مفقود کا حصہ پا سکتی ہے یا نہیں؟ اگر پا سکتی ہے تو کس قدر؟ اور لڑکیوں کا حصہ کیا ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

وہ لڑکا کہ حیاتِ مادر میں مفقود الخبر ہوگیا ترکۂ مادر میں مثلِ میت ہے۔

فی التنویر میت فی حق غیرہ فلا یرث من غیرہ[۱]

تنویر میں ہے مفقود الخبر غیر کے حق میں مُردہ ہوتا ہے لہٰذا وہ غیر کا وارث نہیں بنے گا۔ (ت)

توجب تک بعد وفاتِ مادر اس کا زندہ رہنا شرعاً ثابت نہ ہو جائے اس کی زوجہ وغیرہ مدعیانِ ارثِ مفقود کو ترکۂ مادری سے اس کے حصہ کا مطالبہ ہرگز نہیں پہنچتا کہ بے اس ثبوت کے شرعاً خود اسے ترکۂ مذکورہ سے کچھ نہ ملے گا اس کے ورثہ کو بذریعۂ توریث بالواسطہ پہنچنا کیا معنیٰ، بلکہ وُہ ترکہ بر تقدیرِ عدمِ موانعِ ارث و وارثِ آخر و تقدمِ مقدم کالدین و الوصیۃ، چوبیس[۲۴] سہام پر منقسم کریں ہر پسرِ موجود کو چھ[۶] ہر دختر کو تین[۳] دے کر چھ[۶] موقوف رکھیں یہاں تک کہ عمرِ مفقود سے ستّر[۷۰] سال کامل گزر جائیں یعنی وہ مدت منقضی ہو کہ اگر زندہ ہوتا تو ستّر برس کا ہو جاتا مثلاً وقتِ فقدان بیس[۲۰] سالہ تھا اور مفقود ہوئے تیس[۳۰] برس ہوئے تو بیس[۲۰] برس اور انتظار کریں یا پینتیس[۳۵] سال کی عمر میں گُما اب پچیس[۲۵] گزرے تو دس[۱۰] برس۔

هذا احسن ما یصار الیہ ویعول علیہ فانہ المؤید بالحدیث و شاھد حال الزمان للحدیث ان المرمٰی ھٰھنا ھو حصول الظن لیس الا فانہ لاسبیل الی الیقین فتقدیر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خیر من تقدیر غیرہ وقد نص العلماء کشارحی المنیۃ العلامۃ المحقق محمد بن

اور یہ بہترین قول ہے جس کی طرف رجوع کیا جائے اور اس پر بھروسا کیا جائے کیونکہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے اور حالِ زمانہ حدیث کا شاہد ہے کیونکہ یہاں عمر کی حد مقرر کرنا محض گمان غالب کی بنیاد پر ہے کیونکہ یہاں یقین کی کوئی صورت نہیں۔ پس رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا اندازہ مقرر فرمانا غیر کے اندازے سے بہتر ہے۔ اور علماء نے نص فرمائی ہے جیسا کہ منیہ کے دو[۲] شارحین علامہ محقق محمد بن امیر الحاج نے

[۱] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

امیرالحاج فی الحلیۃ والعلامۃ ابراھیم الحلبی فی الغنیۃ وغیرھما فی غیرھما انہ لایعدل عن درایۃ ما وافقتھا روایۃ[1] لاسیما وھو الارفق بالناس والاوفق بالزمان فقد تقاصرت الاعمار وتعجلت المنون وحسبنا اللہ و نعم الوکیل فلذا اعولنا علیہ فی جمیع فتاوٰنا و باللہ التوفیق اخرج الترمذی عن ابی ھریرۃ و ابویعلی عن انس بن مالك رضی اللہ تعالٰی عنہما قالا قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعمار امتی ما بین الستین الی السبعین واقلھم من یجوز ذٰلك[2] سندہ حسن کما نص علیہ الحافظ فی فتح الباری،

حلیہ میں اور علامہ ابراہیم حلبی نے غنیہ میں، اور ان دونوں کے علاوہ دیگر علماء نے دیگر کتابوں میں تصریح فرمائی کہ اس دِرایت سے عدول نہیں کیا جائے گا جس کی موافقت روایت کرے خصوصًا جبکہ اس میں لوگوں کیلئے زیادہ نرمی اور زمانے کے ساتھ زیادہ موافقت موجود ہو۔ تحقیق عمریں کم ہوگئیں اور موتیں جلدی واقع ہونے لگیں۔ اللہ تعالٰی ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔ اسی لئے ہم نے اپنے تمام فتاوٰی میں اسی پر اعتماد کیا۔ اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی ہے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ابویعلی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی، ان دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کی عمریں ساٹھ اور ستّر سال کے درمیان ہونگی بہت کم ان میں سے ایسے ہونگے جو اس سے آگے بڑھیں۔ اس کی سند حسن ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ نے اس پر نص کی ہے۔ (ت)

امام محقق علی الاطلاق مالک ازمۃ الترجیح والفتیا فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

عندی الاحسن سبعون لقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام اعمار امتی ما بین الستین الی

میرے نزدیک سب سے بہتر ستّر سال والا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس فرمان کی وجہ سے کہ میری اُمت کی عمریں

---

[1] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فرائض الصلوٰۃ الثامن تعدیل الارکان سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۹۵
[2] جامع الترمذی ابواب الدعوات باب منہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۹۴
کنز العمال برمز ت عن ابی ہریرہ حدیث ۴۲۶۹۷ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵/ ۶۷۷

السبعین فکانت المنتہی غالبًا[1] ساٹھ سے ستر سال تک کے درمیان ہوں گی۔ چنانچہ غالبًا ستر پر زندگی کی انتہا ہوتی ہے(ت)

جواہر اخلاطی میں ہے: انہ احوط واقیس[2] (بے شک وہ زیادہ احتیاط والا اور زیادہ قرینِ قیاس ہے۔ت) اسی میں ہے: وعلیہ الفتوٰی[3] (اور اسی پر فتوٰی ہے۔ت)
اس مدت میں اگر ظاہر ہو کہ مفقود زندہ ہے یا بعد موتِ مادر زندہ تھا اگرچہ ایک آن بعد مرگیا تو یہ چھ سہام بحالتِ حیات خود اسے، ورنہ بحسب احکامِ فرائض اس کی زوجہ وغیرہ ان کے ورثہ کو کہ اسکی موت کے وقت زندہ تھے اگرچہ اب مرچکے ہوں دے دیئے جائیں اور اگر ثابت ہو کہ مفقود پیش از مادر مرگیا تھا یا مدتِ مذکورہ گزرجائے اور کچھ ثبوت نہ ہو یہاں تک کہ روزِ فقدان سے اس کی موت کا حکم کردیا جائے تو ان سہام میں اس کے ورثہ کا کچھ حق نہیں بلکہ انھیں چار اولاد موجود کو دیئے جائیں ہر پسر کو دو ہر دختر کو ایک۔

فی التنویر یوقف قسطہ فان ظہر حیا فلہ ذٰلک وبعدہ یحکم بموتہ فی مال غیرہ من حین فقد فیرد الموقوف لہ الٰی من یرث مورثہ عند موتہ[4] اھ ملخصًا۔

تنویر میں ہے مفقود الخبر کا حصہ موقوف رکھیں گے اگر وہ زندہ ظاہر ہوگیا تو یہ حصہ اس کا ہے اس کے بعد (یعنی اس کے ہم عمروں کے مرنے کے بعد) اس کے گم ہونے کے وقت سے غیر کے مال میں اس کی موت کا حکم دیا جائے گا چنانچہ جو کچھ اس کے لئے موقوف رکھا گیا تھا وہ ان کی طرف لوٹادیں گے جو اس کے مورث کی موت کے وقت وارث بنے تھے اھ ملخصًا(ت)

یہ چھ سہام تا انفصالِ احکام اس کے پاس امانۃً رہیں گے جس کے قبضہ میں متروکہ مذکورہ اس وقت یعنی بعد موت مورثہ ہے خواہ وہ کوئی پسر موجود ہو یا دختر یا زن پسر یا کوئی اجنبی

---

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۵/۳۷۴
[2] جواھر اخلاطی مسائل المفقود قلمی نسخہ ص ۱۲۰
[3] " " "
[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب المفقود مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۹

جس میں حفظ و اصلاح ضروری کے سوا کسی تصرف مالکانہ کا اسے اصلاً اختیار نہ ہوگا جب تک اس سے کوئی خیانت ظاہر نہ ہو ورنہ اس کے قبضہ سے نکال کر کسی عادل ثقہ امین متقی خدا ترس کو سپرد کریں گے، فتح میں ہے:

رجل مات عن ابنتین وابن مفقود وابن ابن والمال فی ید اجنبی لاینزع من ید الاجنبی الا اذا ظہرت خیانتہ فیوخذ منہ ویوضع علی ید عدل ولو کان فی ید البنتین لایحول المال من موضعہ ولو کان فی ید ولد المفقود یوقف فی ید من کان فی یدہ[1] اھ ملتقطاً۔

کوئی شخص دو بیٹیاں ایک مفقود بیٹا اور ایک پوتا چھوڑ کر مرگیا جبکہ اس کا مال کسی اجنبی کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اجنبی کے ہاتھ سے واپس نہیں لیا جائے گا مگر اس وقت جب اس کی خیانت ظاہر ہو جائے اس صورت میں اس سے مال لے کر کسی عادل کے قبضہ میں دے دیا جائے گا، اور اگر مال دونوں بیٹیوں کے قبضہ میں ہے تو وہ مال اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور اگر وہ مفقود کی اولاد کے قبضہ میں ہے تو مفقود کا حصہ اسی کے ہاتھ میں موقوف رکھا جائے گا جس کے ہاتھ میں وہ ہے اھ ملتقطاً (ت)

فقیر کہتا ہے غفر اللہ تعالٰی لہ امین نہ کریں گے اس پر مگر جو مالِ غیر کو نارِ سوزاں جانتا ہو اور قبول نہ کرے گا اسے مگر فاسق افسق یا غافل احمق یا عادل مرفق قلیل ما ھم ہیہات ہیہات کہاں علم اور کہاں عدالت، لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ط واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۹: از تھانہ کچھا علاقہ خام ۲۳ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام غوث نے اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد دوسری شادی کی، پھر دوسری کے انتقال ہو جانے کے بعد تیسری شادی کی، پہلی کا حقیقی بھائی اور دوسری کی ایک لڑکی جو اس کے ساتھ آئی تھی اور تیسری مع اپنے لڑکے کے جو ہمراہ آیا تھا زندہ ہے، تینوں عورتوں کا مہر پینسٹھ پینسٹھ روپیہ کا بندھا تھا اب شرع شریف کے نزدیک کتنا مہر کس کس وارث کو پہنچے گا؟ بینوا توجروا۔

---

[1] فتح القدیر کتاب المفقود المکتبۃ النوریۃ الرضویۃ سکھر ۵/۳۷۴-۷۵

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں پہلی بیوی لاولد کے بھائی یا اس کے سوا اور جو وارث ہو انھیں ترکۂ غلام غوث سے مہر کے تینتیس ۳۳ روپے آٹھ آنے دیئے جائیں اور دوسری کی بیٹی وغیرہ ورثہ کو اس کے مہر کے اڑتالیس ۴۸ روپے بارہ ۱۲ آنے، اور تیسری کہ زندہ ہے اسے اس کے مہر کے پورے پینسٹھ (۶۵) روپے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳ ازمیرٹھ چھتہ شیخاں مرسلہ حافظ محمد اکبر صاحب ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

زید مع اپنے کل خاندان کے کافر ہے، ہندہ زید کی بیٹی اور جہندہ زید کی بیوی، بعد مرنے زید کے دونوں مسلمان ہوگئیں۔ ہندہ رنڈی بن کر کسب کرانے لگی اپنی ذاتی جائداد پیدا کی اور نکاح کرلیا اب وہ مرگئی اور سوائے خاوند کے کوئی وارث نہیں، ہندہ کے ماموں زاد بھائی کی جو اس وقت تک کافر ہے ۲ دو بیٹیاں مسلمان ہوگئیں ان کا باپ یعنی ہندہ کا ماموں زاد بھائی کافر ہے کیا یہ دونوں وارث شرعی ہندہ کے ترکہ کی ہوسکتی ہیں؟ اور ان کا باپ حاجب ہے اور مانع اختلاف دینین کا اس پر اثر ہے اور یہ دونوں ذوی الارحام ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

ہندہ کی ماں اگر اس سے پہلے مرگئی بعد اس کے صرف شوہر اور یہ دو عورتیں اس کے ماموں زاد بھائی کی بیٹیاں رہیں اس کا کوئی رشتہ دار مسلمان کہ درجہ وراثت میں ان کے ہمسر یا ان سے مقدم ہو، نہیں، تو متروکہ ہندہ بعد ادائے دیون و وصایا چار سہام پر منقسم ہوکر دو سہم شوہر اور ایک ایک ان دونوں عورتوں کو ملے گا اور ان کے کافر باپ کا زندہ ہونا انھیں محروم نہ کرسکے کہ کافر ترکۂ مسلم میں مردہ ہے اور مردہ نہ خود وارث ہو نہ دوسرے وارث کو محروم کرسکے۔ شریفیہ میں ہے:

المحروم عن المیراث بالکلیۃ لایحجب عندنا غیرہ اصلا لاحجب حرمان ولا حجب نقصان ھو قول عامۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم روی ان امرأۃ مسلمۃ ترکت زوجا مسلما

جو شخص کلی طور پر میراث سے محروم ہو ہمارے نزدیک وہ کسی غیر کے لئے بالکل حاجب نہیں بنتا، نہ حجبِ حرمان کے ساتھ اور نہ ہی حجبِ نقصان کے ساتھ۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ مروی ہے کہ ایک مسلمان عورت نے مسلمان خاوند اور

واخوین من امها مسلمین و ابنا کافرا فقضی فیها علی و زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما بان للزوج النصف ولاخویها الثلث و ما بقی فھو للعصبۃ اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

دو مسلمان اخیافی بھائی اور ایک کافر بیٹا چھوڑا۔ تو اس کے بارے میں حضرت علی مرتضٰی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے فیصلہ دیا کہ اس کے خاوند کیلئے نصف اور دونوں بھائیوں کے لئے ایک تہائی ہے اور جو باقی بچا وہ عصبہ کے لئے ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۱

۲۵ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، ایک عورت اور بیٹی اس کی مسلمان ہوئی اور ایک میں سے اس نے نکاح کر لیا اور اپنی بیٹی کا بھی نکاح کر دیا۔ اور جس مرے مال لیا تھا اس کی پہلی بی بی سے اولاد ہے اور اس نومسلم عورت اور شوہر ثانی سے کوئی اولاد نہ ہوئی بجز اس لڑکی کے اور کوئی اولاد نہیں، ماں باپ فوت ہو گئے، اب یہ عورت جو رہی اس کا خاوند مرا، موافق شرع شریف کے اس کے خاوند کا جو کچھ ترکہ تھا تقسیم ہو گیا، اب یہ عورت مری، اس کی کوئی اولاد نہیں دو بھائی اس کے ہیں ماں میں شریک نہیں ماں باپ الگ ہیں، اب اس عورت کا ترکہ کس طرح تقسیم ہو؟ بیان کرو اللہ تعالٰی اجر دے گا۔

الجواب

شوہر مادر کے بیٹے جو نہ اپنے باپ کے نطفے نہ اپنی ماں کے پیٹ سے ہوں وارث نہیں، پس اگر عورت مذکورہ کا کوئی وارث شرعی مسلمان موجود نہیں نہ اس نے کسی کے لئے اپنے مال کی وصیت کر دی تو اس کا کل مال بعد ادائے دین (اگر اس کے ذمہ ہو) محتاج بیکس مسلمانوں کو دے دیا جائے یا ان دوا دارو کفن میں صرف کیا جائے اگر یہ پسران شوہر مادر بیکس محتاج ہیں تو انھیں بھی دیں یا انھیں کو دے دیں، غرض یہ محتاج ہوں تو بوجہ محتاجی مستحق ہو سکتے ہیں نہ بوجہ وراثت۔

درمختار میں ہے:

ترکۃ بلا وارث مصرفها لقیط فقیر وفقیر بلا ولی

وہ ایسا ترکہ ہے جس کا کوئی وارث نہیں، اس کا مصرف وہ گرا پڑا بچا ہے جس کو

لے الاشباہ شرح السراجیۃ باب الحجب

اھ[1] ملخصا۔

کسی فقیر نے اٹھالیا یا ایسا فقیر ہے جس کا کوئی ولی نہیں اھ ملخصا (ت)

ردالمحتار میں ہے:

قولہ وفقیر بلا ولی ای لیس لہ من تجب نفقتہ علیہ قال فی البحر یعطی منہ نفقتھم وادویتھم ویکفن بہ موتاھم ویعقل بہ جنایتھم[2] اھ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

مصنّف کا قول کہ "ایسا فقیر جس کا ولی نہیں" اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسا شخص موجود نہیں جس پر اس فقیر کا نفقہ واجب ہو۔ بحر میں فرمایا کہ اُس مال میں سے فقراء کا نفقہ، دوائیاں، ان کے مردوں کا کفن اور اُن کی جنایتوں کی دیت دی جائے گی اھ، واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۲: از کلکتہ مدرسہ عالیہ مرسلہ مولوی سیّد عبدالرؤف صاحب طالبعلم ساکن ڈھاکہ عشرہ شعبان المعظم ۱۳۱۴ھ

چہ می فرمایند علماء دین متین اندریں کہ شخصے زن ہنگام تقسیم زوجہ و اموال خود را بحین حیات خود درمیان ورثہ کرد ورائے او چہار پسر و یک دختر بودند ہیچک اعتراض نکردہ واظہار انکار بر عدم شمار او درمیان ورثہ نمودہ با ہتمام خود حصہ یک پسر را کہ بر تقدیر عدم شمار او درمیان ورثہ دو بہرہ از نُہ سہام می شدی بر زوجہ پسر کلاں وے در عوض کابین نوشتہ داد و باختیار خود رجسٹری نمود بعد از وفات زن بوقت اخذ پسران دیگر بہرہائے خود را دعوٰی نماید ومیگویند کہ ربع از اموال متروکہ زن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی نے اپنی زندگی میں شوہر کے سوا دیگر ورثاء میں جو کہ چار بیٹے اور ایک بیٹی ہیں اپنا مال تقسیم کردیا، اور شوہر نے تقسیم کے وقت کوئی اعتراض نہیں کیا اور وارثوں میں اسے شمار نہ کئے جانے پر انکار ظاہر نہیں کیا بلکہ ورثاء کے درمیان اس کا شمار نہ ہونے کی صورت میں ہر ایک بیٹے کو نَو میں سے جو دو۲ حصے ملتے ہیں ان کو بڑے بیٹے کی بیوی کے مہر کے عوض تحریر کرتے ہوئے اپنے

---

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد فصل فی الجزیۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۴

[2] ردالمحتار ؍؍ ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/۲۸۲

بمن میرسد پس اگر ربع از مابقی بعد از اخذ زوجہ پسر بکہ دو بہرہ از نہ برضائے او یافتہ گرفتہ آید حیف علی الارث پسران دیگر لازم آید کہ زن درحین حیات خود بریں راضی ناشدہ زوج را اجمالاً چیزے از اموال خود دادہ راضی برعدم اخذ نہ کہ وے نمودہ بود تا حیف علی الارث درحقوق فرزندان دیگر کہ ورائے پسر کلاں او بودند لازم نیاید بینوا توجروا۔

اختیار سے رجسٹری کرانے کا اہتمام کیا۔ اب بیوی کی وفات کے بعد دوسرے بیٹوں کے اپنا حصہ لینے کے وقت خاوند دعوٰی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ بیوی کے متروکہ مال میں سے چوتھا حصہ مجھے ملتا ہے۔ چنانچہ خاوند کی رضامندی سے بڑے بیٹے کی بیوی کے نو میں سے دو حصے وصول کرنے کے بعد باقی میں سے خاوند کو اگر چوتھا حصہ دیا جائے تو دوسرے بیٹوں کی میراث پر ظلم لازم آتا ہے کیونکہ عورت نے اپنی زندگی میں اس صورتِ حال پر راضی نہ ہوتے ہوئے شوہر کو اپنے مال میں سے کوئی چیز دے کر ترکہ میں سے کچھ نہ لینے پر اس کو راضی کیا تاکہ دوسرے بیٹوں کے حقوق میں میراث پر ظلم لازم نہ آئے جو کہ اس کے بڑے بیٹے کے علاوہ ہیں۔ بیان کرو اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب

اگرچہ مسئلہ پس غریبہ کہ از اغرب مسائل توان گفت بعض علماء صورتے آوردہ اند تا بصورت تخارج بحیات مورث کما ذکرہ فی الاشباہ عن طبقات الشیخ عبدالقادر عن خزانۃ الجرجانی عن ابی العباس الناطفی عن بعض مشائخہ وفی جامع الرموز عن الناطفی ثم اعقبہ عن الجواہر بما ھو اوفق واقرب وفی جامع الفصولین عن جامع الفتاوٰی حکی قولین کما فی ردالمحتار

اگرچہ مسئلہ بہت انوکھا ہے کہ اس کو سب سے انوکھا مسئلہ کہا جاسکتا ہے بعض علماء نے اس کو مورث کی زندگی میں تخارج کی صورت قرار دیا ہے جیسا کہ اشباہ میں طبقات شیخ عبدالقادر سے بحوالہ خزانۃ الجرجانی نقل کیا ہے، اور جرجانی نے ابوالعباس ناطفی سے اس کے بعض مشائخ کے حوالے سے ذکر کیا، اور جامع الرموز میں ناطفی سے نقل کیا پھر اس کے بعد جواہر کے حوالے سے ذکر کیا جو کہ اوفق واقرب ہے۔ اور جامع الفصولین میں جامع الفتاوٰی کے حوالے سے منقول ہے کہ انھوں نے دو قول نقل کئے جیسا کہ ردالمحتار

قلت و رأیت فی جامع الفصولین قدم قبله عن السیر الکبیر للامام محمد ما ھو الموافق للاصول والموافق للمعقول والمنقول کما اشرنا الی کل ذٰلك فیما علقنا علی رد المحتار اما آں نیز بایں طورست کہ مورث ہر یکے از ورثہ اما لے دہد برآں شرط کہ پس از مرگ بہرہ از میراثش نباشد اینجا بعد استقصا حالے ظاہر شد کہ زن شوہر خود را چیزے نداده است بلکہ مالے بنام پسر پنجمین او کہ از ہمخوابہ پیشین بودہ ہمراہ پسران خودش تعین نمود و شوہرش ہمیں معنی راضی باسقاط حقش از میراث شد پس ایں نماند جز وعدہ بترك ارث و وعدہ مجردہ جز قضار النسزد فی الظھیریة والخانیة والھندیة لا یلزمه الوفا بالمواعید[1] وفی الذخیرة والھندیة ھذا وعد منه ولا یلزمه بذٰلك شیٔ[2] خاصه درامر میراث کہ ھم باختیار وارث نیست بلکہ بناچار رسد فی الاشباہ

میں ہے میں کہتا ہوں میں نے جامع الفصولین میں دیکھا کہ انھوں نے اس سے ماقبل امام محمد کی سیر کبیر سے وہ قول نقل فرمایا جو اصول کے موافق اور معقول و منقول کے مناسب ہے جیساکہ ہم نے ردالمحتار پر اپنی تعلیق میں اس تمام کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن وہ بھی اس طور پر ہے کہ مورث وارثوں میں سے ہر ایک کو اس شرط پر کچھ مال دے کہ اس کے مرنے کے بعد میراث میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا جبکہ اس جگہ تفتیش کے بعد یہ حالت ظاہر ہوئی کہ عورت نے اپنے شوہر کو کوئی چیز نہیں دی بلکہ کچھ مال اپنے پانچویں بیٹے کے لئے جو کہ پہلے خاوند سے ہے اپنے دوسرے بیٹوں کے ساتھ مختص کیا۔ اور شوہر اس صورت پر میراث میں سے اپنا حق ساقط کرنے پر راضی ہوا، چنانچہ یہ میراث چھوڑنے کے وعدہ کے سوا کچھ نہیں اور محض وعدہ سوائے قاضی کی قضا کے کسی شئی کے لائق نہیں۔ ظہیریہ، خانیہ اور ہندیہ میں ہے کہ وعدوں کی وفا اس پر لازم نہیں۔ ذخیرہ اور ہندیہ میں ہے یہ اس کی طرف سے وعدہ ہوا جس سے اس پر کچھ لازم نہیں آتا خصوصاً میراث کے معاملے میں جو وارث کے اختیار سے نہیں بلکہ جبری طور پر اُسے پہنچتی ہے۔

[1] الفتاوی الھندیة کتاب الاجارہ الباب السابع نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۴۲۷

[2] ”

من القول فی الملك لایدخل
فی ملك الانسان شیئ بغیر
اختیارہ الا الارث اتفاقا و
کذا الوصیة فی مسألة[1] الخ
خاصہ بجائے آں وعدہ پیش از ثبوت ارث
ہم درحیات مورث صورت بست و پیداست
کہ سقوط پیش از ثبوت معنی ندارد الا تری
ان المرأة لو اسقطت حقہا
من القسم کان لہا الرجوع
قال فی غمز العیون
انما جاز لہا الرجوع
لان حقہا لم یکن
ثابتا بعد فیکون مجرد
وعد فلا یلزم کالمعیر[2] الخ
و لہذا اگر مورث برائے وارثے وصیتے کرد
و دیگران بحیاتش رضا دادند ایں اجازت
بکارے نیرزد و ایشاں راپس از مرگ
مورث رجوع میرسد فی الدر المختار
لاتعتبر اجازتہم حال
حیاتہ اصلا بل بعد
وفاتہ[3] فی رد المحتار
لانہا قبل ثبوت الحق

اشباہ کے اندر ملکیت کے قول میں ہے کہ
انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر
کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق
اس کی ملکیت میں داخل ہوتی ہے اور اسی طرح
وصیت ایک مسئلہ میں الخ خاص طور پر اس
حال میں کہ وہ وعدہ بھی میراث کے ثبوت سے
پہلے مورث کی زندگی میں رونما ہوا۔ پس ظاہر
ہے کہ کسی چیز کے ثبوت سے پہلے اس کا ساقط
ہونا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ عورت
اگر اپنی باری کا حق ساقط کردے تو اسے رجوع
کا حق ہوتا ہے۔ غمز العیون میں کہا کہ اس کو
رجوع کا حق اس لئے ہوتا ہے کہ اس کا حق
ابھی تک ثابت نہیں ہوا تو یہ محض ایک وعدہ
ہوگا جو لازم نہیں ہوتا جیسا کہ عاریت پر دینے
والا الخ اور یہی وجہ ہے کہ اگر مورث نے کسی
وارث کے لئے وصیت کی اور دوسروں نے
اس کی زندگی میں رضامندی ظاہر کردی تو یہ
اجازت وجوب کے لائق نہیں اور ان وارثوں
کو مورث کے مرنے کے بعد رجوع کا حق حاصل
ہے۔ درمختار میں ہے مورث کی زندگی میں وارثوں
کی اجازت بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات
کے بعد معتبر ہے۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۲
[2] غمز عیون البصائر الفن الثالث احکام النقد وما یتعین فیہ الخ ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۶۲
[3] الدر المختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۷

لھم لان ثبوتہ عند الموت فکان لھم ان یردوہ بعد وفاتہ بخلاف الاجازۃ بعد الموت لانہ بعد ثبوت الحق وتمامہ فی المنح[1] پس دعوٰی شوہر بجائے خود ست آنچہ ہنگام مرگ زن در ملک زن بودہ ربع او بشرط عدم موانع ارث وتقدیم ما تقدم کالدین والوصیۃ بشوہرش می رسد وہیچ حیف در میراث لازم نیست کہ آنچہ پسر کلاں پیش از موت مورثہ یافت اگر مالکہ بروجہ صحیح شرعی تملیک او کردہ بود آں مقدار از ارث خود بیروں رفت کہ ارث متعلق نہ شود جز بترکہ وترکہ نیست جز آنکہ ہنگام موت مورث در ملک اوست۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کہ وہ اجازت ان کا حق ثابت ہونے سے پہلے واقع ہوئی ہے کیونکہ ان کا حق موت کے وقت ثابت ہوتا ہے تو ان کے لئے جائز ہے کہ وہ مورث کی وفات کے بعد اس کو رَد کردیں بخلاف مورث کی موت کے بعد ہونیوالی اجازت کے کیونکہ وہ حق کے ثبوت اور اس کی تمامیت کے بعد واقع ہوئی ہے (المنح)، چنانچہ شوہر کا دعوٰی برمحل ہے، جوکچھ بوقتِ موت عورت کی ملکیت میں تھا اس کا چوتھا حصہ شوہر کو ملے گا بشرطیکہ میراث سے روکنے والی کوئی چیز نہ پائی جائے اور جو چیزیں میراث سے مقدم ہیں انھیں مقدم کردیا گیا ہو جیسے قرض اور وصیت۔ اور میراث میں کوئی ظلم لازم نہیں آتا کیونکہ عورت کی موت سے پہلے جوکچھ اس کے بڑے بیٹے نے پایا اگر مالکہ نے شرعی طریقے پر اس کو مالک بنادیا تھا تو اتنی مقدار خود میراث سے خارج ہوگئی کیونکہ میراث کا تعلق ترکہ کے ماسوا کے ساتھ نہیں ہوتا اور ترکہ سوائے اس شیئ کے نہیں جو مورث کی موت کے وقت اس کی ملکیت میں ہو۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۳: از ٹانگہ مرسلہ حامد حسین خاں ۱۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ماں اور تین حقیقی چچا وارث چھوڑے اور اس کی ماں کے، انتقالِ ہندہ سے سال بھر بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، پس ترکہ ہندہ کا کس طرح منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

غیر میّت سے جو حمل ہو وہ صرف تین صورتوں میں وارث ہوسکتا ہے، یا تو وقت موت میت

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۷

سے ٹھیک چھ مہینے پر یا چھ مہینے کے اندر پیدا ہو یا اس کی ماں موت یا طلاق کی عدت میں ہو اور اس کے پیدا ہوتے تک عدت گزر جانے کا اقرار نہ کرے یا باقی وارث اقرار کرتے ہوں کہ یہ بچہ وقت موت میت اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔ سائل مظہر کہ یہاں یہ صورتیں نہ تھیں کہ لڑکا موت ہندہ سے سال بھر بعد پیدا ہوا اور اس کا باپ زندہ رہا اور ماں کو طلاق بھی نہ ہوئی کہ عدت میں ہوتی اور دیگر ورثہ کو تسلیم بھی نہیں کہ یہ وقت موت ہندہ اپنی ماں کے حمل میں تھا۔ پس صورتِ مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا تو سہام پر منقسم ہو کر تین سہم اس کی ماں اور دو دو ہر حقیقی چچا کو ملیں گے۔

فی ردالمحتار وان کان (ای الحمل) من غیرہ فانما یرث لو ولد لستۃ اشہر او اقل والا فلا الا اذا کانت معتدۃ ولم تقر بانقضائہا او اقر الورثۃ بوجودہ کما یعلم من سکب الانہر مع شرح ابن کمال وحاشیۃ یعقوب[1]۔ واللہ تعالٰی اعلم

ردالمحتار میں ہے اگر حمل میت کے غیر کا ہے تو وہ اس صورت میں وارث بنے گا اگر وہ پورے چھ ماہ کی مدت میں یا اس سے کم تر مدت میں پیدا ہو، ورنہ نہیں بنے گا سوائے اس کے کہ اس کی ماں معتدہ ہو اور اس نے عدت گزرجانے کا اقرار نہ کیا ہو یا وارث اقرار کریں کہ یہ مورث کی موت کے وقت موجود تھا جیسا کہ سکب الانہر مع شرح ابن کمال اور حاشیہ یعقوب سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۴: از پیلی بھیت ۵ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شادی ہندہ سے کی اور بہ سبب ناچاقی طرفین کے ہندہ اپنے باپ کے یہاں چلی آئی اور بعد کو اسی زید نے ایک شادی ایک طوائف سے کی، بعدہ زید فوت ہوگیا، اور بعد فوت ہونے زید کے طوائف بھی فوت ہوگئی اور اس طوائف نے اپنی کچھ ملکیت چھوڑی، تو اس ملکیت کا مالک کون ہوگا جبکہ طوائف لاولد ہے آیا زید کا بھائی بہن یا ہندہ یا کون ہوگا؟

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض فصل فی الغرقٰی والحرقٰی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۱۱

الجواب

زنِ فاحشہ اگر ولد الزنا ہو تو اس کا ترکہ اس کے مادری اقربا مثل مادر و مادرِ مادر و برادر و خواہرِ مادری یا خالہ ماموں وغیرہم کو ملے گا اور اگر ولد الزنا نہ تھی تو اس کا ترکہ مثل تمام لوگوں کے اقربائے پدری و مادری سب کو حسبِ فرائض پہنچے گا اور اگر اس کا کوئی وارث اصلاً نہ ہو گا تو فقرائے مسلمین پر تقسیم کردیا جائے گا کما ھو حکم سائر الضوائع (جیسا کہ تمام لاوارث چیزوں کا حکم ہے) بہرحال زید کے بہن بھائی یا ہندہ کا اس میں کوئی حق نہیں مگر جب کہ ثابت ہو کہ اس کا کوئی وارث شرعی نہیں اور ترکہ فقراء کو دینا ٹھہرے تو ان میں جو فقیر ہو بحکمِ فقر مثل اور فقراء کے پاسکتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۵ از مارہرہ مطہرہ مرسلہ حضرت میاں صاحب قبلہ دام ظلہم العالی
۱۴ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ترکہ حرامیوں کا کیسے تقسیم ہو، باپ کی سمت تو مفقود محض ہو گئے ماں کی سمت کو پہنچے گا یا اس کو بھی نہیں، مثلاً ایک عورت کی دو بیٹیاں ہیں اور دونوں حرام سے، تو بعد فوت ایک اخت کے دوسری اخت وارثہ ہو گی یا نہیں، اور اگر ایک اخت عقد کرکے پردہ نشین ہو گئی دوسری بدستور بے پردہ اور پیشہ کسب کا رکھتی ہے تو اس اختِ تائبہ کا ترکہ اس غیر تائبہ کو ملے گا یا نہیں؟ اور اگر ملتا ہو اور یہ تائبہ اس خیال سے کہ میرا ترکہ فاحشہ کو نہ ملے کہ اس کے فسق و فجور میں مدد پہنچے گی اپنا مال امورِ خیر میں صرف کردے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اولادِ زنا صرف مادری رشتوں سے وارث و مورِث ہوتی ہے مثلاً صورتِ مسئولہ میں ایک بہن دوسری کا ترکہ اُختِ مادری ہو کر پائے گی نہ اختِ عینیہ، اگرچہ دونوں ایک ہی شخص کے نطفہ سے ہوں۔ درمختار میں ہے:

یرث ولد الزنا واللعان بجھۃ الام فقط لما قدمناہ فی العصبات انہ لا اب لھما[1]

زنا اور لعان کی اولاد فقط ماں کی جہت سے وارث بنتی ہے جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کرچکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔ (ت)

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۵

اور جس طرح اُختِ تائبہ غیر تائبہ کی وارث ہوتی یونہی غیر تائبہ تائبہ کی وارث ہوگی کہ زانیہ ہونا موانع میراث سے نہیں، ہاں بخیال مذکور تائبہ کا اپنے مال کو وجوہ خیر میں صرف کر دینا اور فاحشہ کیلئے میراث نہ چھوڑنا بتصریح علماء جائز بلکہ یہی افضل و بہتر ہے۔ خلاصہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا فاراد ان یصرف الی وجوہ الخیرہ و یحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]

اگر کسی شخص کی اولاد فاسق ہو اور وہ شخص چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کرے اور فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے تو یہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑنے سے بہتر ہے۔ (ت)

بزازیہ میں ہے:

ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر کسی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنا مال نیک کام میں خرچ کرے اس حال میں کہ اس کا بیٹا فاسق ہو۔ اس بیٹے کے لئے مال چھوڑنے سے نیک کام میں خرچ کرنا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد کرنا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۳۷: از لکھنؤ محمود نگر اصح المطابع مرسلہ مولوی محمد عبدالعلی صاحب مدراسی ۱۷ صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین مسائل مصرحۂ ذیل میں:

سوال اوّل

شاہ محمد علیے و شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت ہر ۳ برادران حقیقی ایک جائداد مشترک پر قابض و دخیل تھے، شاہ محمد علیے نے انتقال کیا، ۲ لڑکے تین لڑکیاں چھوڑیں، لڑکے نے ۲ لڑکیوں کا نکاح مختلف جگہوں پر کردیا، وہ دونوں چند روز کے بعد مرگئیں۔ اب تقسیم ترکہ کے

---

[1] خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الھبۃ الفصل الاول الجنس الثانی مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۰
[2] فتاوٰی بزازیہ علی ہامش الفتاوی الھندیۃ کتاب الھبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

وقت ترکہ میں وہ حصہ جائداد بھی شامل کیا جائے جو لڑکیوں کے باپ کی جائداد متروکہ مشترکہ میں سے ہوتا یا نہیں، اور واضح رہے کہ وہ جائداد اولاً شاہ محمد عیسٰی، شاہ محمد فصاحت میں مشترک تھی۔ پھر بعد انتقال شاہ محمد عیسٰی کے ان کے لڑکے اور شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت میں مشترک رہی اور آج تک بدستور مشترک ہے صرف نام تینوں آدمیوں کا کاغذات سرکاری میں داخل ہے لیکن تحصیل وصول انتظام وغیرہ سب ایک جا بالاشتراک ہوتا ہے آپس میں بقدر حصہ کے لوگ تقسیم کرلیتے ہیں۔ لڑکیوں نے اپنی حیات میں اپنا حصہ بھی نہیں مانگا اور نہ دینے کا عرف ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس جائداد میں جو مشترک در مشترک ہے (یعنی پہلا اشتراک ابن شاہ محمد عیسٰی و شاہ محمد یعقوب و شاہ محمد فصاحت میں اور دوسرا اشتراک شاہ محمد عیسٰی کے لڑکے اور لڑکیوں میں) ان لڑکیوں کے شوہروں کا کچھ حق ہوتا ہے کہ نہیں؛ تفصیل سے حوالہ قلم فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

الجواب

ارث جبری ہے کہ موت مورث پر ہر وارث خواہ مخواہ اپنے حصہ شرعی کا مالک ہوتا ہے مانگے خواہ نہ مانگے، لے یا نہ لے، دینے کا عرف ہو یا نہ ہو، اگرچہ کتنی ہی مدت ترک کو گزر جائے، کتنے ہی اشتراک در اشتراک کی نوبت آئے اصلاً کوئی بات میراث ثابت کو ساقط نہ کرے گی، نہ کوئی عرف فرائض اللہ کو تغیر کرسکتا ہے، یہاں تک کہ نہ مانگنا درکنار اگر وارث صراحۃً کہدے کہ میں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا جب بھی اس کی ملک زائل نہ ہوگی تو شاہ محمد عیسٰی کے ترکہ میں بشرط عدم مانع ارث و وارث آخر و تقدیم دین و وصیت، ہر دختر سات سہام سے ایک سہم کی مالک ہوئی اور ہر دختر کے متروکہ سے بشرائط مذکورہ اگر لاولد تھی شوہر نصف ورنہ ربع کا جس کے ثبوت میں دو آیۂ قرآنیہ:

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[1]

اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

وقولہ تعالٰی ولکم نصف ما ترک

اور اس کا فرمان ہے اور تمھاری بیبیاں جو

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

الزواجكم ان لم يكن لهن ولد فان كان لهن ولد فلكم الربع مما تركن من بعد وصية يوصين بها او دين[1] کافی ہیں۔

چھوڑ جائیں اس میں سے تمھیں آدھا ہے اگر انکی اولاد نہ ہو، پھر اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے ترکہ میں سے چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر۔ (ت)

اشباہ میں ہے:

لایدخل فی ملك الانسان شیئ بغیر اختیارہ الا الارث اتفاقا[2] الخ۔

انسان کی ملکیت میں اس کے اختیار کے بغیر کوئی شیئ داخل نہیں ہوتی مگر میراث بالاتفاق داخل ہوتی ہے الخ (ت)

اسی میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه اذ الملك لایبطل بالترك[3]

اگر وارث نے کہا کہ میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا کیونکہ ملک چھوڑ دینے سے باطل نہیں ہوتا۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانه لازم لایترك بالترك بل ان کان عینا فلابد من التملیك وان کان دینا فلابد من الابراء[4]

اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے میراث میں سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا، کیونکہ وہ حصہ لازم ہے جو چھوڑ دینے سے متروک نہیں ہوتا بلکہ اگر وہ عین ہو تو اس کے لئے تملیک ضروری ہے، اور اگر دین ہو تو اس سے برارت کرنا ضروری ہے الخ (ت)

اشباہ میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۲

[3] " " " احکام النقد " " " ۲/ ۱۶۰

[4] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر " " " " ۲/ ۱۶۰

الحق لایسقط بتقادم الزمان[1] | زیادہ زمانے کے گزرجانے کی وجہ سے حق ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ظہیریہ سے ہے:

التعامل بخلاف النص لایعتبر[2] | نص کے خلاف لوگوں کا تعامل معتبر نہیں ہوتا۔

واللہ تعالٰی اعلم۔ | واللہ تعالٰی اعلم (ت)

سوال دوم

احمدی بی بی نے انتقال کیا ماں اور شوہر اور ایک بھائی اور دو بہنوں کو چھوڑا، چونکہ تقسیم ترکہ کا رواج نہ تھا اور نہ کسی نے اپنے حصہ کا اس وقت مطالبہ کیا اس وجہ سے احمدی بی بی کے زیورات اور برتن وغیرہ اسباب جہیز میں سے (جو کل شوہر کے قبضہ میں تھے) شوہر نے بہت کچھ اپنی دوسری منکوحہ کو پہنا کر سسرال سے میکے رخصت کردیا اور برتن میں سے بھی کچھ اپنے عزیز کو بوقتِ ضرورت دے دیا اور خود یعنی وہ شوہر بھی تھوڑے دنوں کے بعد انتقال کرگیا، اب یہاں چند باتیں دریافت طلب ہیں:

ایک یہ کہ احمدی بی بی کے ترکہ میں سے شوہر کا کتنا ہوتا تھا؟

دوسرے جو زیور وغیرہ کہ شوہر نے اپنی پہلی بیوی مسماۃ احمدی کے ترکہ مشترکہ میں سے بلا اجازت دیگر ورثہ کے دوسری منکوحہ کو پہنا دیا وہ اس کا یعنی دوسری منکوحہ کا ہوا یا شوہر کے مرنے کے بعد پھر شوہر کی طرف عود کر آئیگا اور شوہر ہی کی ملک سمجھا جائے گا؟

تیسرے یہ کہ اب احمدی بی بی کے باقی ورثہ یعنی ماں باپ بھائی وغیرہ اپنا حصہ لینے پر مستعد ہوئے ہیں تو اب ان ورثہ کا حق ان زیورات اور برتن وغیرہ میں بھی ہوتا ہے یا نہیں جو شوہر متوفی نے اپنی دوسری منکوحہ کو بلا اجازت پہنا دیئے تھے اور عزیز کو دے دیئے تھے اگر ہوتا ہے تو یہ حق اب کس طرح لیا جائے، آیا ان زیورات اور برتنوں کو دوسری منکوحہ اور عزیز سے واپس لے کر ہر شخص بقدر حصے کے تقسیم کرے یا ان زیورات وغیرہ دے دی ہوئی چیزوں سے دستبردار ہوکر شوہر متوفی کے علاقہ سے بقدر اپنے حصہ کے نقد روپیہ وصول کریں۔

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب القضاء ادارۃ القرآن کراچی ۱/۳۵۳

[2] " " الفن الاول القاعدۃ السادسۃ " " ۱/۱۲۹

چوتھے اس کی تصریح فرمائیے کہ شوہر اپنی حین حیات میں جو زیورات اور کپڑے کہ اپنی زوجہ کو پہنا دیئے یا پہننے کو دے دیئے تو وہ زوجہ کا ہوجاتا ہے یا نہیں یعنی اگر شوہر مرجائے تو وہ زیورات اور کپڑے زوجہ سے واپس لے کر شاملِ ترکہ کریں گے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

بحالتِ صحت و انحصار وراثت و تقدیم دین و وصیت ترکہ احمدی بی بی بارہ[۱۲] سہم پر تقسیم ہوکر دو[۲] سہم مادر، چھ[۶] شوہر، دو[۲] برادر، ایک ایک ہر خواہر کا ہوا۔ شوہر جو زیور اپنی عورت کو پہنائے اگر صراحۃً دلالۃً لفظاً عرفاً کسی طرح ثابت ہو کہ اس سے مقصود زوجہ کو مالک کر دینا ہے تو عورت بعد قبضہ مالک ہوجاتی ہے ورنہ نہیں۔ یہی حال ثیاب و نفقہ کے سوا ان بھاری گرانبہا جوڑوں کا ہے جو شادی براتوں میں آنے جانے کے لئے پہنتے ہیں عورت کا صرف پہننا برتنا دلیل ملک نہیں کہ زن وشوہر اپنے اپنے باہمی انبساط کے باعث ایک دوسرے کے ملک سے تمتع کیا ہی کرتے ہیں۔ بحر الرائق و عقود الدریہ میں ہے:

لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذلک دلیلا علی انہ ملکھا ذلک کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذلک مرارا[۱]۔

عورت کا شوہر کی خواہش اور رضامندی سے زیور وغیرہ سے نفع اٹھانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ عورت کی ملک ہے جیسا کہ عورتیں اور عوام سمجھتے ہیں حالانکہ میں کئی بار یہ فتوٰی دے چکا ہوں۔ (ت)

پس وہ زیور کہ شوہرِ احمدی بی بی نے اپنی زوجہ ثانیہ کو پہنایا اور وہ برتن کہ عزیزہ کو دیئے اگر ان میں دلیلِ ہبہ و تملیک ثابت نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ وہ زوجہ ثانیہ و عزیزِ مذکور سے واپس لے کر وارثانِ شوہر و بقیہ ورثہ احمدی بی بی پر نصفا نصف منقسم ہوں گے۔ ہر چیز کا نصف کہ حقِ شوہر تھا زوجۂ ثانیہ و دیگر ورثہ شوہر کو حسبِ فرائض پہنچے گا اور نصف باقی انھیں چھ سہام مذکورہ پر مادر و برادر و خواہران احمدی بی بی کو اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے یہ زیور، برتن زوجہ و عزیزہ کو ہبہ کر دیئے تھے تاہم وہ ہبہ ہر شے کے نصف میں کہ مملوک بقیہ ورثہ احمدی بی بی تھا بوجہ ناراضی مالکان باطل و

---

[۱] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی لایکون استمتاع المرأۃ بما اشتراہ زوجہا الخ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۵

بے اثر ہوا وہ ہر چیز کا نصف زوجہ و عزیزہ سے بڑا سکتے ہیں، باوصف بقائے عین متروکہ خواہی نخواہی اخذ قیمت پر مجبور نہ کئے جائیں گے کہ ہر عدد کا نصف ان موہوب لہما کے ہاتھ میں بطور غصب تھا اور مغصوب جب تک بعینہٖ قائم ہو حکم اس کا ردِ عین ہے نہ کہ ایجاب ضمان۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی[1]۔ رواہ احمد والاربعۃ والحاکم عن سمرۃ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ بسند حسن۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاتھ پر لازم ہے جو کچھ اس نے لیا یہاں تک کہ وہ اس کو ادا کرے۔ اس کو امام احمد بن حنبل اور اصحاب سنن اربعہ اور امام حاکم نے سمرہ بن جندب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (ت)

ہاں نصف دیگر کہ حقِ شوہر تھا بوجہ ہبۂ شوہر و قبضۂ موہوب لہما وازا تھا کہ زیور و برتن دونوں ایسی چیزیں ہیں جن کا ایک ایک عدد جُدا گانہ قابلِ تبعیض نہیں،

ولا یضر الشیوع فیما یضرہ التبعض لکونہ مما لایحتمل القسمۃ ولذا جاز ہبۃ درھم صحیح من رجلین علی الصحیح کما فی الخانیۃ[2] وغیرھا وقال فی الحادی والثلثین من جامع الفصولین الشائع ینقسم علی قسمین شائع یحتمل القسمۃ کنصف الدار و نصف البیت الکبیر وشائع لا یحتملھا کنصف قن ورحی وحمام و ثوب وبیت صغیر فالفاصل بینھما

غیر منقسم ہونا اس چیز میں نقصان دہ نہیں جس میں تقسیم نقصان دہ ہے اس وجہ سے کہ وہ ان چیزوں میں سے ہے جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتیں اسی لئے دو شخصوں کو ایک درھم کا ہبہ صحیح قول کے مطابق درست ہے جیسا کہ خانیہ وغیرہ میں ہے۔ اور جامع الفصولین کی اکتیسویں فصل میں کہا کہ غیر منقسم جو تقسیم ہوتا ہے وہ دو قسم پر ہے (۱) وہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال رکھتا ہے جیسے گھر کا نصف اور بڑے مکان کا نصف (۲) وہ غیر منقسم جو تقسیم کا احتمال نہیں رکھتا جیسے غلام، چکی، حمام، کپڑے اور

---

[1] جامع الترمذی ۲/ ۱۵۲ وسنن ابی داؤد ۲/ ۱۴۵ وسنن ابن ماجہ ص ۱۷۵ ومسند احمد بن حنبل ۵/ ۸

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الہبۃ فصل فی ہبۃ المشاع نولکشور لکھنؤ ۴/ ۶۹۹

حرف واحد وھو ان القاضی لو اجبر احد الشریکین علی القسمۃ بطلب الاٰخر فھو من القسم الاول ولو لم یجبر فھو من الثانی اذ الجبر اٰیۃ القبول[1] اھ وفی القسمۃ الھندیۃ الاوانی المتخذۃ من اصل واحد کالاجانۃ والقمقمۃ والطست المتخذۃ من صفر ملحقۃ بمختلفۃ الجنس فلا یقسمھا القاضی جبرا کذا فی العنایۃ ویقسم تبر الفضۃ والذھب وما اشبہ ذٰلک مما لیس بمصوغ الخ[2]۔

چھوٹے مکان کا نصف۔ ان دونوں قسموں کے درمیان فرق ایک لفظ کے ساتھ ہے اور وہ یہ کہ اگر قاضی نے دو شریکوں میں سے ایک کو دوسرے کے مطالبے کی وجہ سے تقسیم پر مجبور کیا تو وُہ پہلی قسم سے ہے اور اگر مجبور نہیں کیا تو وہ دوسری قسم سے ہے کیونکہ جبر قبول کرنے کی نشانی ہے الخ ہندیہ کی کتاب القسمۃ میں ہے کہ ایک ہی مادہ سے بنائے جانے والے برتن جیسے ٹب، دیگچہ اور تھال جو کہ پیتل سے بنائے گئے ہوں وہ ان چیزوں کے ساتھ ملحق ہوتے ہیں جن کی جنسیں مختلف ہوں، چنانچہ قاضی ان کو جبراً تقسیم نہیں کرے گا۔ عنایہ میں یونہی ہے۔ اور سونے چاندی کے ٹکڑوں اور جو ان کے مشابہ ہے جسے پگھلایا نہ گیا ہو کو قاضی جبراً تقسیم کریگا الخ (ت)

وہ برتن اور زیور زوجۂ ثانیہ وعزیز مذکور کی ملک ہوگیا جن سے اب واپسی ممکن نہیں لمکان الزوجیۃ وموت الواھب وکلاھما یمنع الرجوع (زوجیت کی موجودگی اور واہب کی موت کے سبب سے اور وہ دونوں رجوع سے مانع ہیں۔ت) اس بیان سے تمام مراتب مسئولہ کا جواب واضح ہوگیا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک دکان اپنے نبیرہ کے نام اپنے روپے سے خرید کردی اور اسے بولایت اس کے باپ کے اس دکان پر قبضہ کرادیا اب زید نے انتقال کیا، اس صورت میں وہ دکان حسب فرائض ورثہ زید پر منقسم ہوجائے گی یا صرف نبیرہ کو ملے گی؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] جامع الفصولین الفصل الحادی والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۲

[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب القسمۃ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۰۹

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں جب کہ زید نے وہ دکان اسی کے نام خریدی اور بولایت اس کے پدر کے اسے قابض کردیا تو وُہ نبیرہ اس کا مالک ہوگیا اور وہ دکان متروکہ زید نہ قرار پائیگی کہ حسبِ فرائض اس کے ورثہ پر تقسیم ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی وارث چھوڑ کر انتقال کیا اور ہندہ نے اپنے پوتوں میں سے ایک پوتے کو جسے اپنا متبنیٰ کیا تھا نسبت اپنی جائداد کے وصیت کیا بعد انتقال ہندہ اس کے ورثہ مذکورین اور نبیرہ موصی لہ میں پنچایت ہوئی سرپنچ و پنچان مقبولہ فریقین نے فیصلہ کردیا کہ تین لبسوہ جائداد ہندہ سے بابت وصیت نافذہ فی الثلث نبیرہ موصی لہ کو دیئے اور باقی مال ورثہ پر تقسیم کردیا۔ اب پسر ہندہ نے انتقال کیا اس کے اور بیٹے اپنے بھائی پر دعوٰی کرتے ہیں کہ وہ تین لبسوہ حسبِ فرائض ہم پر منقسم ہوجائیں، اس صورت میں حکمِ شرع کیا ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں وہ تین لبسوہ کہ نبیرہ موصی لہ نے بابت وصیت حسبِ فیصلہ پنچایت پائے ان کا مالک صرف یہی موصی لہ ہے۔ اس کے اور بھائیوں کا اس میں کچھ حق دعوٰی نہیں، نہ وہ حسبِ فرائض ان پر تقسیم ہوسکیں کہ یہ متروکہ ان کے باپ کا نہیں بلکہ اسے مال جدہ سے از روئے وصیت پہنچے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۰

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام محمد فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور ایک پسر اور ۳ دختران وارث اپنے چھوڑے، ذی مہر قابض جائداد ہے ترکہ مورث کا تقسیم نہیں ہونے دیتی اور کہتی ہے پانچ ہزار روپیہ دین مہر میرے کا بموجب وصیت مورث کے ادا کردو، بعد ادا کرنے دین مہر کے جائداد تقسیم کرلو۔ اس صورت میں ترکہ مورث کا بدوں ادائے دین مہر کے تقسیم ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ادائے دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پس جب تک مہر اور دیگر دیون بھی اگر ہوں ادا نہ ہولیں

تقسیم نہ کرنا چاہئے مگر ہاں تعین مقدار پنج ہزار روپیہ میں تفصیل ہے اگر یہ مقدار سوا اقرار مورث کے دوسرے طریقہ سے بھی ثابت ہے یا مورث کا وہ مرض جس میں اس نے انتقال کیا مرض موت یعنی ایسا مرض نہ تھا جس میں غالب ہلاک ہوتا یا اس کے سبب سے وہ صاحب فراش یا کارہائے بیرون خانہ سے عاجز ہوگیا ہو یا ورثہ نے بعد اقرار حیات مورث میں خواہ اس کے بعد تصدیق اس مقدار کے کئے تھے گو اب مجیز نہ ہوں یا یہ مقدار مہر مثل زوجہ سے زائد نہیں تو ان سب صورتوں میں پورے پانچ ہزار دینا لازم ہیں ورنہ بقدر مہر مثل دلایا جائے گا اور قدر زائد میں اقرار مورث کا اعتبار نہ کیا جائے گا۔

فی الھندیۃ اقر فی مرض موتہ بدین من مھر لامرأۃ یصدق الی تمام مھر مثلھا وتحاص غرماء الصحۃ کذا فی خزانۃ المفتین ولو اقرلھا بزیادۃ علی مھر مثلھا فالزیادۃ باطلۃ کذا فی المبسوط[1]

ہندیہ میں ہے کسی شخص نے مرض الموت میں اپنی بیوی کے لئے دین مہر کا اقرار کیا تو تمام مہر مثل تک اُس کے اقرار کی تصدیق کی جائے گی اور وہ بیوی صحت کے قرضخواہوں میں شامل ہوجائے گی۔ خزانۃ المفتین میں یونہی ہے۔ اور اگر بیوی کیلئے مہر مثل سے زائد کا اقرار کیا تو زیادتی باطل ہے، مبسوط میں یونہی ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۱

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ فوت ہوئی زید پسر، عائشہ دختر، خالد زوج وارث چھوڑے۔ زیور و اسباب متروکہ ہندہ، خالد اپنے تصرف میں لایا بعدہٗ خالد بھی فوت ہوا۔ فاطمہ زوجہ اور زید و عائشہ پسر و دختر وارث چھوڑے۔ مہر ہندہ کا ذمہ خالد ہے آیا زید و عائشہ کو ترکہ خالد سے مطالبہ اس زیور و اسباب کا پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مہر ہندہ تقسیم ترکہ پر مقدم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی زید و عائشہ کو مطالبہ اپنے سہام شرعیہ کا اس زیور و اسباب کے متروکہ خالد سے پہنچتا ہے اور ان سہام اور نیز مہر ہندہ اور مہر فاطمہ بھی اگر ہو تقسیم ترکہ پر مقدم ہے۔

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الاقرار الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۱۷۶

مسئلہ ۴۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حیات خاتون ایک دختر سارہ اور ایک شوہر امیر الدین وارث اپنے چھوڑ کر فوت ہوئی بعدہٗ شوہر کا زوجہ فتح خاتون اور مریم اور تین پسر علاء الدین بطن فتح خاتون سے اور حمید الدین، بشیر الدین بطن مریم سے اور تین دختر سارہ بطن حیات خاتون اور سکینہ و ہندہ بطن مریم سے وارث اپنے چھوڑ کر مرگیا اور امیر الدین نے اپنی حیات میں بحالت نفاذ تصرفات ایک حصہ اپنی جائداد کا فتح خاتون اور علاء الدین کو دے کر الگ کردیا تھا اس صورت میں امیر الدین کو متروکہ حیات خاتون سے کیا ملے گا اور وہ ورثہ امیر الدین پر کیونکر تقسیم ہوگا اور فتح خاتون و علاء الدین بھی ترکہ امیر الدین سے حصہ پائیں گے یا بسبب اس کے کہ وہ بقدر اپنے حصص کے حیات مورث میں لے کر جدا ہوگئے تھے اب نہ پائیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی الخ متروکہ حیات خاتون سے چہارم امیر الدین کو ملے گا اور وہ مثل اس کے اور متروکات کے بشرط عدم موانع ارث و وارث اخر وتقدیم دیون و مہور زنان و وصایا ۱۴۴ سہام پر منقسم ہوکر ۹، ۹ سہام فتح خاتون و مریم اور ۲۸، ۲۸، ۲۸ علاء الدین و حمید الدین و بشیر الدین اور ۱۴، ۱۴، ۱۴ سارہ و سکینہ و ہندہ کو ملیں گے اور امیر الدین کے فتح خاتون و علاء الدین کو ایک پارہ جائداد دے کر الگ کردینا مانع ارث نہیں مگر ہاں اگر یہ دینا بطریق تصالح و تخارج تھا یعنی امیر الدین نے وہ جائداد ان دونوں کو اس شرط سے دی تھی کہ یہ میں تمہارے اس حصہ میں دیتا ہوں جو تمہیں بعد میرے پہنچے اب تمہیں میرے بعد میری جائداد میں استحقاق میراث نہیں اور انہوں نے اس معنی کو قبول کرلیا اور اس پر راضی ہوگئے تو اب انہیں دعوٰی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنا حصہ برضائے خود پہلے ہی لے چکے صرح بذلك الشيخ العلامة عبد القادر في الطبقات (شیخ علامہ عبدالقادر نے طبقات میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۴۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور جائداد پر قبضہ چھوڑا اور دین مہر للعہ سار روپیہ چھوڑا کچھ جائداد وصی وارثوں نے اپنے قبضہ میں لے لی بقیہ جائداد مسماۃ نے یعنی زوجہ متوفی نے بہ مجبوری بہ خوف کمی قیمت تصفیہ دین مہر فروخت کرکے قرضہ شوہر ادا کیا اور آپ کچھ نہ لیا۔ اب ورثہ دعوٰی کرتے ہیں پس بلا ادائے مہر اور قرضہ یہ دعوٰی صحیح ہے یا نہیں؟ اور

شرعًا ایسی بیع درست ہے یا نہیں؟ اور دعوٰی تقسیم بلاتصفیہ مہر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

تقریر سوال سے ظاہر کہ دین ترکہ کو محیط تھا اور درصورت احاطہ دین ورثہ کے لئے ترکہ میں ملک ثابت نہیں ہوتی نہ بے فراغ ذمہ بادا یا ابرا باہم تقسیم کرسکیں۔

فی الاشباہ والنظائر الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث قال فی جامع الفصولین من الفصل الثامن و العشرین لو استغرقہا الدین لا یملکہا بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء الخ[1]

الاشباہ والنظائر میں ہے جو قرض ترکہ کا احاطہ کرنے والا ہو وُہ ملک وارث سے مانع ہے۔ جامع الفصولین کی اٹھائیسویں[۲۸] فصل میں ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرے تو بطور میراث کوئی اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ قرضخواہ میت کو بری الذمہ قرار دے دے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس کو ادا کرے الخ (ت)

پس زوجہ زید نے کہ جائداد متروکہ بیچ کر زید کو باردیون سے سبکدوش کیا اور ان قرضخواہوں میں ایک خود وُہ بھی جس نے آپ کچھ نہ لیا اور باقی واثوں نے جنھیں اختیار نقض بیع حاصل تھا ثمن مبیعہ سے اپنا اپنا قرض لیا اور بیع پر کچھ اعتراض نہ کیا تو اب ورثہ زید کہ بغرض تقسیم وتصرف بیجا بے قصد استخلاص ترکہ باداے مہر و دیگر دیون دعوٰی کرتے ہیں یہ دعوٰی ان کا محض نامقبول اور شرعًا قابل سماعت سے معزول۔

فی فتاوی الفاضل العلامۃ خیرالدین الرملی رحمۃ اللہ علیہ سُئل فی رجل مات وعلیہ دین فباع بعض ورثتہ شیئا من عقارہ فی وفاء دینہ ہل لبقیۃ ورثتہ نقضہ

فاضل علامہ خیرالدین رملی علیہ الرحمہ کے فتاوٰی میں ہے کہ اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس پر قرض تھا اور وہ مرگیا تو اس کے بعض وارثوں نے اس کا قرض ادا کرنے کیلئے میت کی جائداد کا کچھ حصہ فروخت کردیا، کیا باقی وارثوں

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/۲۰۴

امّا اجاب ان لم تکن الترکۃ مستغرقۃ بالدین لاینفذ بیعہ الا فی حصتہ فلبقیۃ الورثۃ نقضہ فی حصصھم و ان کانت مستغرقۃ بہ لاینفذ بیعہ فی حصتہ اذا کان بغیر اذن الغرماء او بغیر اذن القاضی فللغرماء نقضہ والحال ھذہ واللہ اعلم[1] اھ واللہ تعالٰی اعلم۔

کو یہ بیع توڑنے کا حق ہے یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ نہیں کیا ہوا تو بیع فقط فروخت کرنیوالے کے حصہ میں نافذ ہوگی باقی وارثوں کو اپنے حصوں میں بیع کے توڑنے کا حق ہوگا اور اگر قرض نے ترکہ کا احاطہ کیا ہوا ہے تو خود بائع کے حصہ میں بھی بیع نافذ نہ ہوگی جبکہ وہ بیع قرضخواہوں اور قاضی کی اجازت کے بغیر ہو اور قرضخواہوں کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بیع کو توڑ دیں۔ یہاں صورتِ حال ایسی ہی ہے اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اھ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ (مسئلہ مذکور نہیں غالباً یُوں ہونا چاہیے، کوئی شخص فوت ہوا جس کا قرض ترکہ کو محیط ہے۔ ایک بیٹا زید اور دو بیٹیاں کُبرٰی اور صغرٰی اس کی وارث ہیں، قرض کی ادائیگی کے لئے زید اور صغرٰی جائداد بیچنا چاہتے ہیں جبکہ کبرٰی اس سے منع کرتی ہے، کیا وہ قرض کی ادائیگی کے لئے ترکہ کی جائداد فروخت کرسکتے ہیں، اور کیا کبرٰی کو منع کا حق ہے؟)

الجواب

زید و صغرٰی کو بے رضائے اربابِ دیون بیع ترکہ کا اختیار نہیں اور اگر بیع کرینگے تو نافذ نہ ہوگی کہ دین ترکہ کو مستغرق ہے۔

فی الاشباہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین و انما یبیعہ القاضی[2] قال الحموی قولہ ولاینفذ بیع الوارث الخ یعنی ان بیعہ موقوف

الاشباہ میں ہے: وارث کا ایسے ترکہ کی بیع کرنا نافذ نہ ہوگا جو قرض میں گھرا ہوا ہے، فقط قاضی اس کی بیع کرسکتا ہے۔ حموی نے فرمایا کہ صاحبِ اشباہ کے قول "وارث کی بیع نافذ نہ ہوگی" سے مراد یہ ہے کہ اس کی بیع

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب البیوع دارالمعرفۃ بیروت ۱/ ۲۲۳ و ۲۲۴
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵

علیٰ رضاء الغرماء قال فی البزازیۃ فی السابع من کتاب الوصایا لا یملک الوارث بیع الترکۃ المستغرقۃ بالدین المحیط الا برضاء الغرماء[1] اھ۔

قرضخواہوں کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ بزازیہ کتاب الوصایا کی ساتویں فصل میں ہے وارث قرضخواہوں کی اجازت کے بغیر ایسے ترکہ کی بیع کا مالک نہیں جو قرض سے گھرا ہوا ہو اھ (ت)

اور کبریٰ اگر اپنے مال سے ادائے دین چاہے تو زید و صغریٰ کو اگرچہ غرما بیع پر راضی ہوں بلکہ خود حاکم کو بیچنے سے روک سکتی ہے ورنہ مجرد منع اس کا کچھ بکار آمد نہ ہوگا کہ ورثہ کو بوجہ استغراق دین کوئی استحقاق ملکیت اس ترکہ میں نہیں۔

قال الحموی قولہ وانما یبیع القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا و قضاء الدین من مالھم[2] اھ ملخصا، و فی الاشباہ والدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث[3]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حموی نے کہا صاحب الاشباہ کا قول کہ "فقط قاضی اس کو بیع کر سکتا ہے" میں کہتا ہوں کہ بیع وارثوں کی موجودگی میں ہونی چاہئے کیونکہ انھیں حق حاصل ہے کہ وہ ترکہ کے مال کو روک لیں اور میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردیں اھ تلخیص۔ اور الاشباہ میں ہے جو قرض ترکہ کو محیط ہو وہ وارث کی ملک سے مانع ہے، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۵: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چند اولاد اور متروکہ میں جائداد چھوڑ کر انتقال کیا اس کا کفن و دفن اس کے مال سے کیا گیا اور اس کی عورت نے اس کی فاتحہ و درود و سوم و چہلم وغیرہ میں بہت روپیہ اس کے مال سے اٹھایا اب وہ دعویٰ کرتی ہے کہ میں نے ان امور میں تین سو روپے اپنے مال سے اٹھائے میں ان کے پانے کی مستحق ہوں۔ اس صورت میں یہ دعویٰ اس کا مسموع ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵
[2] " " " " " " ۲/ ۲۰۵
[3] الاشباہ والنظائر " " " " ۲/ ۲۰۴

الجواب

دعویٰ اس کا باطل ہے اور امور مذکورہ اگرچہ اس نے اپنے روپے سے کئے ہوں تبرع واحسان قرار پائیں گے اور اُن کا صرف اس کے ترکہ سے واپس نہ ملے گا اور مال میت سے اٹھایا تو اسی قدر اس کے حصّہ سے مجرا ہوجائے گا۔

فی الطحطاوی التجہیز لایدخل فیہ السبح والصمدیۃ والجمع والموائد لان ذٰلک لیس من الامور اللازمۃ فالفاعل لذٰلک ان کان من الورثۃ یحسب علیہ من نصیبہ ویکون متبرعا وکذا ان کان اجنبیا[1] اھ۔

طحطاوی میں ہے فاتحہ و درود، لوگوں کا اجتماع اور ان کے لئے کھانے کا اہتمام کرنا تجہیز میں داخل نہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور میں سے نہیں، یہ کام کرنیوالا اگر وارثوں میں سے ہے تو اسکے حصہ میں سے شمار ہوگا اور وہ تبرع واحسان کرنے والا قرار پائیگا، اور یونہی اگر ایسا کرنے والا اجنبی ہو اھ۔ (ت)

ہاں اگر کفن ودفن بطریق سنّت اس نے اپنے مال خاص سے کیا ہو تو بیشک بقدر قیمت کفن و خرچ قبر ترکہ سے واپس لے سکتی ہے۔

فی الخانیۃ من باب الوصی بعض الورثۃ اذا قضی دین المیت اوکفن المیت من مال نفسہ لایکون متطوعا وکان لہ الرجوع فی مال المیت والترکۃ[2] اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

خانیہ کے باب الوصی میں ہے اگر کوئی وارث میت کا قرض اپنے مال سے ادا کردے یا میت کو اپنے مال سے کفن پہنادے تو وہ اس میں تبرع واحسان کرنے والا قرار نہیں پائے گا بلکہ وہ مالِ میت اور ترکہ میں رجوع کرسکتا ہے اھ ملخصا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۶ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور اس نے زوجہ ہندہ کو بالعوض دین مہر کے اپنی جائداد پر قابض کرادیا بعدہٗ منجملہ وارثان ایک وارث عمرو نے کل دین مہر زوجہ اپنے پاس سے ادا کرکے جائداد کو اس کے قبضہ سے مستخلص کرایا۔ اب سب وارثان اور زوجہ اپنے حصہ شرعی کے خواستگار ہیں اس صورت میں زوجہ اور جملہ وارثان کو

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

[2] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوصایا باب الوصی فصل فی تصرفات الوصی نولکشور لکھنؤ ۴/ ۸۵۴

بقدر حصہ رسدی دین مہر کے عمرو کو دینا چاہئے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

سائل مظہر کہ یہ قبضہ زوجہ کا بذریعہ ہبہ بالعوض نہ تھا بلکہ جائداد دین مہر میں صرف مکفول تھی پس صورت مستفسرہ میں اگر عمرو نے دین مہر زوجہ اس شرط پر ادا کیا تھا کہ یہ میں اپنے پاس سے بطریق تبرع دیتا ہوں اور ترکہ میت سے واپس نہ لوں گا تو ذمہ میت دین سے بری ہوا اور عمرو اس کا مطالبہ ترکہ میت خواہ ورثہ باقین سے نہیں کرسکتا اور جو یہ شرط نہ لگائی تھی تو اس قدر دین عمرو کا ذمہ میت عائد رہا تاوقتیکہ اس ترکہ مشترکہ سے ادا نہ کر دیا جائے تقسیم نہ ہونے پائیگی مگر یہ باقی ورثہ دین عمرو کو حصہ رسد اپنے پاس سے اپنے مال خاص سے ادا کریں اگرچہ یہ امران پر لازم نہیں کہ مدیون عمرو میت ہے " نہ ورثہ یا دین مذکور ترکہ سے کم ہے اور اس جائداد کے سوا جس کی تقسیم مطلوب ہے اور مال بھی متوفی نے چھوڑا ہو جو ادائے دین مسطور کے لئے کفایت کرے تو اس صورت میں بھی اس قدر جائداد کی تقسیم جائز ہو گی اور دین عمرو مال باقی غیر مقسوم سے ادا کیا جائے گا۔

فی الاشباہ عن جامع الفصولین من الفصل الثامن والعشرین لو استغرقها دین لا یملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمہ او اداہ وارثہ بشرط التبرع وقت الاداء اما لو اداہ من مال نفسہ مطلقا بشرط التبرع او الرجوع یجب لہ دین علی المیت فتصیر مشغولۃ بدین[1] الخ وفیہ بعد سطور للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا[2] وفی العقود الدریۃ عن الفصول العمادیۃ عن قسمۃ

اشباہ میں جامع الفصولین کی اٹھائیسویں فصل سے منقول ہے اگر قرض ترکہ کا احاطہ کر لے تو بطور میراث اس کا کوئی وارث نہیں ہوگا جبکہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری کر دے یا کوئی وارث ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط کرتے ہوئے اس قرض کو ادا کر دے لیکن جب وارث نے تبرع اور رجوع کی شرط کئے بغیر مطلقاً اپنے مال سے قرض ادا کیا تو میت پر اس وارث کا قرض واجب ہو جائیگا۔ اسی طرح وہ ترکہ وارث کے قرض میں مشغول ہو جائیگا الخ اور اسی میں چند سطروں کے بعد ہے وارث کے لئے جائز ہے کہ وہ قرض ادا کرکے ترکہ کو واگزار کرالے اگرچہ وہ قرض ترکہ کو محیط ہو الخ۔ عقود الدریۃ میں فصول العمادیۃ

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۵-۲۰۴

[2] " " " " " " " ۲/ ۲۰۵

الھدایۃ ان القسمۃ مؤخرۃ عن قضاء الدین لحق المیت الا اذا بقی من الترکۃ مایفی بالدین فاذا قسمت جاز اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم

ہدایہ کی کتاب القسمۃ سے بحوالہ قسمۃ الھدایۃ منقول ہے کہ حق میت کی وجہ سے میراث کی تقسیم قرض کی ادائیگی سے مؤخر ہوگی مگر جبکہ تقسیم کے بعد ترکہ میں سے اتنا مال باقی بچتا ہو جو قرض کی ادائیگی کے لئے کافی ہے تو ایسی صورت میں اگر ترکہ تقسیم کردیا گیا تو جائز ہے اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۴: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ اس کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ مکفول تھا، عمرو وارث نے نالش انفکاک رہن کرکے بادائے ایک سو تریسٹھ روپیہ دین مہر کے وارثوں کے ڈگری حاصل کی اور کل دین مہر زوجہ ہندہ کو بلا تبرع ادا کردیا، بعدہٗ ہندہ نے اپنا حصہ بدست مسماۃ حسینی دختر اپنی کے بیع کردیا۔ اب حسینی بلا ادائے دین کے ترکہ مورث تقسیم کرنا چاہتی ہے، اس صورت میں بلا ادائے دین مہر رسدی کے حسینی حصہ اپنی ماں کا تقسیم کراسکتی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

جبکہ عمرو نے اپنے زر خاص سے دین مہر ہندہ بلا تبرع ادا کیا تو وہ ترکہ جس طرح پہلے دین ہندہ کے لئے محبوس تھا اب دین عمرو کے لئے محبوس ہوگیا،

ذکر ذٰلک فی الحموی ان الوارث لولم یشترط التبرع لم تخلص الترکۃ من الدین لانہ صار محبوسا من حق الوارث[2]

اس کو حموی میں ذکر کیا ہے کہ اگر وارث تبرع کی شرط نہ کرے تو ترکہ قرض سے واگزار نہیں ہوگا کیونکہ وہ وارث کے حق میں محبوس ہوجائے گا۔ (ت)

حتی کہ جب تک دین عمرو متروکہ زید سے ادا نہ کیا جائے یا ورثہ اپنے مال خاص سے بطریق تبرع قضا نہ کردیں اس ترکہ میں کوئی تصرف ورثہ کا مثل بیع وہبہ وغیرہما کے بلا اجازت عمرو مذہب راجح پر نافذ نہیں ہوسکتا۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب القسمۃ ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۱۹۵-۱۹۶

[2] غمز عیون البصائر

فی الطحطاویۃ حکم الترکۃ قبل قضاء الدین کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثۃ فیھا ھذا اذا کانت الترکۃ اقل من الدین او مساویۃ لہ واما اذا کان فیھا زیادۃ علیہ ففی نفوذ تصرفات الورثۃ وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون[1] اھ

طحطاویہ میں ہے قرض کی ادائیگی سے پہلے ترکہ کا حکم میت پر قرض کے بدلے رہن رکھی ہوئی شئے کے حکم کی مثل ہے۔ چنانچہ اگر ترکہ قرض سے کم ہو یا اس کے برابر ہو تو ترکہ میں وارثوں کے تصرفات نافذ نہیں ہونگے۔ لیکن اگر ترکہ میں قرض سے زیادتی موجود ہو تو وارثوں کے تصرفات نافذ ہونے میں دو وجہیں ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ تصرفات نافذ ہوں گے جب تک ترکہ بقدرِ قرض باقی رہے اور ان میں سے زیادہ ظاہر وجہ مرہون پر قیاس کرتے ہوئے تصرفات کا عدم نفاذ ہے اھ(ت)

پس اگر عمرو نے بیع ہندہ کو اجازت نہ دی تو حسینی کو اختیار ہے چاہے اس وقت صبر کرے کہ ترکہ دین سے فارغ ہوجائے یا حاکم شرع کی طرف رجوع کرکے بیع فسخ کرالے کما ھو حکم المرھون المصرح بہ فی المتون (جیسا کہ مرہون کا حکم ہے جس کی تصریح متون میں کر دی گئی ہے۔ت)

رہی تقسیم ترکہ پس اگر اس ترکہ کے سوا زید متوفی کا اور کوئی مال ایسا ہے جو ادائے دین کے لئے وفا کرے یا ورثہ اس جائداد سے بقدر کفایت دین جدا کردیں تو باقی ماندہ کو باہم حسبِ فرائض تقسیم کرسکتے ہیں ورنہ جب تک ترکہ دین سے فارغ نہ ہوجائے خواہ یوں طور کہ اسی جائداد سے دیا جائے یا ورثہ اپنے پاس سے تبرعًا دیں یا عمرو دین معاف کردے، بے اس کے تقسیم ترکہ سے ممنوع رہیں گے کما فی القسمۃ الھندیۃ وغیرھا من کتب الفقہ (جیسا کہ ہندیہ وغیرہ کتبِ فقہ کی کتاب القسمۃ میں ہے۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں مادر زید زمینداری تھا وہ ایک پسر تین دختر چھوڑ کر فوت ہوئی۔ ایک دختر نے اپنا حصہ زید کو دے دیا باقی دختران کو زید نے دو حصہ بموجب شرع شریف گاؤں میں دے دیئے، اس گاؤں میں چار قطعہ باغ زید نے اپنی ماں کی حیات میں اس کے رضامندی سے غرس کئے تھے۔ اب بعد فوت مادران باغوں میں بہنوں کا بھی کچھ حق

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

ہے یا وہ فقط غارس کے لئے ہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

اگر زید نے تعیین کی تھی کہ یہ باغ میں اپنے واسطے لگاتا ہوں یا اس کی والدہ نے اس سے کہا تھا کہ تُو اپنے لئے باغ لگالے تو درختوں کا مالک زید ہی ہے نہ دیگر ورثہ۔ اور اگر نہ اس نے اپنے لئے تعیین کی نہ مورثہ کے کلام میں خاص اس کے لئے اجازت تھی بلکہ صرف باغ لگانے کی رضامندی ظاہر کی تو وہ باغ بھی مادرِ زید کی ملک ٹھہر کر اس کے سب وارثوں پر حسبِ فرائض منقسم ہوجائیں گے۔

فی شتی الدر المختار عمر دار زوجتہ بمالہ باذنہا فالعمارۃ لہا والنفقۃ دین علیہا لصحۃ امرہا ولو عمر لنفسہ فالعمارۃ لہ[1] اھ ملتقطا۔ قال الشامی فلو باذنہا تکون عاریۃ[2] اھ وفی وقف الاشباہ کل من بنی فی ارض غیرہ بامرہ فالبناء لمالکہا[3] قال الحموی قیل ھذا اذا اطلق او عینہ للمالک فلو عینہ لنفسہ فہو لہ ویکون مستعیرا للارض الخ، وذیلہ بقولہ

درمختار کے مسائل شتی میں ہے مرد نے بیوی کی اجازت سے اس کا مکان اپنے مال سے تعمیر کیا تو وہ عمارت بیوی کی ہوگی اور خرچ اس بیوی پر قرض ہوگا کیونکہ بیوی کا امر صحیح ہے اور اگر مرد نے اپنے لئے تعمیر کرائی تو وہ عمارت مرد کی ہوگی اھ التقاط۔ شامی نے کہا اگر عورت کی اجازت سے تعمیر کرائی تو وہ عاریت ہوگی اھ الاشباہ کی کتاب الوقف میں ہے جس شخص نے غیر کی زمین میں اس کے حکم کے ساتھ عمارت بنائی تو وہ عمارت زمین کے مالک کی ہوگی۔ حموی نے کہا: کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب عمارت بنانے والا تعیین نہ کرے یا مالک کے لئے تعیین کرے۔ چنانچہ اگر اس نے اپنی ذات کے لئے تعیین کی تو عمارت اس کی ہوگی اور وہ

---

[1] الدر المختار | مسائل شتی | مطبع مجتبائی دہلی | ۲/ ۳۴۸

[2] رد المحتار | " | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۵/ ۴۷۶

[3] الاشباہ والنظائر | کتاب الوقف | ادارۃ القرآن کراچی | ۱/ ۳۰۲

فاغتنمہ[1] اھ، وفی متفرقات غصب الھندیۃ اذا غزلت المرأۃ قطن زوجھا فان اذن لھا بالغزل وقال اغزلیہ لنفسک کان الغزل لھا ولو قال اغزلیہ ولم یذکر شیئا کان الغزل للزوج[2] اھ بالالتقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

زمین کو عاریت پر لینے والا اقرار پائے گا الخ اور اس کے آخر میں یہ قول لکھا کہ تو اس کو غنیمت جان اھ۔ ہندیہ میں کتاب الغصب کے متفرقات میں ہے ایک عورت نے اپنے شوہر کی روئی سے سُوت کاتا، اگر شوہر نے اس کو کاتنے کی اجازت دی اور کہا کہ تو اس کو اپنے لئے کات لے (صاحبِ ہندیہ نے کہا) تو وہ سُوت عورت کا ہوگا، اور اگر کہا کہ تُو اس کو کات لے، اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا تو سُوت شوہر کا ہوگا اھ التقاط۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۴۹: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور چار پسر دو نابالغ اور ایک دختر بالغہ چھوڑ کر انتقال کیا اور کچھ روپیہ زید کا لوگوں پر قرض اور کچھ نقد تھا اس میں نقد سے تین سو روپے والدہ و دو برادران بالغ کی رضامندی سے دختر کی شادی اور کچھ روپے زید کی فاتحہ و درود میں صرف ہوئے اور دوسرے برادران بالغ نے بطورِ خود تجارت کی اور اس کے نفع کا قدرے روپیہ بھی فاتحہ زید میں اٹھایا۔ اس صورت میں ترکہ زید مکان و قرض و نقد کیونکر تقسیم ہوگا اور صرف شادی و فاتحہ کس کس پر پڑے گا اور کل مصارف شادی یہ ورثہ اس دختر سے مجرا لے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور نفع تجارت کا صرف انھیں دو برادران کو استحقاق ہے یا کل وارث اس میں بھی شریک ہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

برتقدیرِ صدقِ مستفتی وعدمِ موانعِ ارث و انحصارِ ورثہ فی المذکورین وتقدیمِ امورِ مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ، کل متروکہ زید مکان و قرض و نقد بہتّر ۷۲ سہام پر منقسم ہوکر ۹ نو سہام اس کی زوجہ اور چودہ چودہ ہر پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور صرف فاتحہ کا خواہ ترکہ میں سے ہوا ہو یا جدا مال سے جس جس نے کیا انھیں کے ذمہ پڑے گا اور جس کی اجازت

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر کتاب الوقف ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۳۰۲
[2] الفتاوی الہندیۃ کتاب الغصب الباب الرابع عشر نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۱۵۲-۵۳

نہ تھی وہ اس سے بری رہے گا والمسئلۃ فی الفرائض من الحاشیۃ الطحطاویۃ علی الدر المختار (یہ مسئلہ درمختار پر حاشیۂ طحطاویہ کے فرائض میں سے ہے۔ ت) علی الخصوص دونوں نابالغ کہ ان کے ذمہ تو ہرگز نہیں ہوسکتا اگرچہ انھوں نے اجازت بھی دے دی ہو وھذا ظاھر جدا (اور یہ خوب ظاہر ہے۔ ت) اور بعینہٖ یہی حال صرف شادی کا ہے جس نے صرف کیا فقط وہی اس کا متحمل ہوگا اجازت نہ دینے والوں یا نابالغوں کو اس سے کچھ تعلق نہیں وہ اپنا حصہ متروکہ پدری سے پورا پورا پائیں گے اور صرف شادی کا مطالبہ صرف دختر سے نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اس سے ٹھہرالیا ہو کہ ہم یہ سارا صرف تیرے حساب میں مجرالیں گے،

وذٰلک لان ماکانوا مضطرین فی ذٰلک وماسبیلہ ھذا ففاعلہ متبرع الا ان یشرط الرجوع کما اذا کفن الاجنبی المیت اوقضی دین غیرہ بلا اذنہ والمسئلتان فی الدر المختار[1] والعقود الدریۃ۔

یہ اس لئے ہے کہ وہ اس میں مجبور نہیں تھے اور نہ اس کی یہ سبیل ہے لہذا ایسا کرنے والا متبرع قرار پائے گا سوائے اس کے کہ اس نے رجوع کی شرط کی ہو جیسا کہ کوئی اجنبی میت کو کفن پہنائے یا کسی کی اجازت کے بغیر اس کا قرض ادا کردے۔ یہ دونوں مسئلے درمختار اور عقود الدریہ میں مذکور ہیں (ت)

اور مال ترکہ سے تجارت کہ دو بالغین برادرونے بطور خود کی اس کے نفع کا صرف انھیں دونوں کو استحقاق ہے اور کوئی وارث اس میں شریک نہیں مگر ہاں اس قدر ضرور ہے کہ جو نفع حاصل ہوا وہ بقدر ان کے حصوں کے ان کے لئے طیب ہے باقی خبیث۔ انھیں چاہئے کہ اس قدر باقی ورثہ کو بحساب ان کے حصوں کو دے دیں یا خیرات کردیں اپنے صرف میں نہ لائیں۔ مثلاً فرض کیجئے کہ ۳۶۰ روپیہ نفع میں حاصل ہوئے تو اس میں للعہ توان کے لئے پاک ہیں کہ بھائی کو معہ اور ع۳۲ ناپاک ان ع۳۲ کو یا تصدق کردیں یا ان میں سے للعہ دونوں برادران نابالغ کو دے دیں اور عہ ہمشیرہ کو اور للعہ والدہ کو، اور یہی صورت بہتر ہے۔

فی العقود الدریۃ نقل المؤلف عن الفتاوی الرحیمیۃ سئل عن مال

العقود الدریہ میں ہے مؤلف نے فتاوٰی الرحیمیہ سے نقل کیا ہے ایسے مال کے بارے میں سوال

---

[1] الدر المختار کتاب الوصایا فصل فی شہادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۹
العقود الدریۃ باب الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۲۶

مشترك بين ايتام وامهم استربحه الوصی للايتام هل تستحق الام ربح نصيبها اولا اجاب لاتستحق الام شيئا مما استربحه الوصی بوجه شرعی لغيرها كاحد الشريكين اذا استربح من مال مشترك لنفسه فقط ويكون ربح نصيبها كسبا خبيثا ومثله سبيله التصدق على الفقراء اھ اقول ايضا ويظهر من هذا ومما قبله حكم ما لوكان المباشر للعمل والسعی بعض الورثة بلاوصاية اووكالة من الباقين[1] انتهى ما فی العقود قلت و اما ما ذكرنا من ان الاولى الدفع لاصحاب الحصص فلما تقرر فی كلمات العلماء ان كان خبيثا مثل هذا فسبيله التصدق وان رد على المالك فهذا اولى والطيب له لكونه ربح ملكه والله تعالٰى اعلم وعلمه اتم وحكمه احكم۔

کیا گیا جو کچھ یتیموں اور ان کی ماں کے درمیان مشترک ہے۔ وصی نے یتیموں کے لئے اس پر کچھ نفع حاصل کیا تو کیا ماں اپنے حصہ کے نفع کی مستحق ہوگی یا نہیں؟ امام نے جواب دیا جو نفع وصی نے اس طور پر حاصل کیا کہ خریداری ماں کے غیر کے لئے کی اس میں سے ماں کسی شئی کی مستحق نہیں ہوگی، جیسے دو شریکوں میں سے کوئی ایک اگر مال مشترک میں سے فقط اپنی ذات کے لئے نفع حاصل کرے۔ البتہ ماں کے حصہ کا نفع ان کے لئے خبیث ہوگا جس کا شرعی راستہ یہ ہے کہ فقراء پر صدقہ کردیا جائے اھ میں کہتا ہوں اس سے اور اس کے ماقبل سے اُس صورت کا حکم بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر مشترکہ مال میں کام اور محنت کرنیوالے بعض وارث ہوں بغیر باقی وارثوں کی وصایت و وکالت کے، العقود الدریہ کی عبارت ختم ہوئی۔ میں کہتا ہوں یہ جو ہم نے ذکر کیا ہے کہ حصوں کے مالکوں کو نفع دے دینا اولٰی ہے اس کی دلیل وُہ ہے جو علماء کرام کی عبارات میں ہے کہ اس جیسا مال خبیث ہے چنانچہ اس کا شرعی راستہ فقراء پر صدقہ کرنا ہے اور اگر مالک کو لوٹا دے تو یہ اس کے لئے اولٰی اور طیب ہے کیونکہ یہ اس کی ملک کا نفع ہے، واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الشرکۃ لاتستحق الام مما استربحہ الوصی ارگ بازار قندھار افغانستان ۱/۹۴

مسئلہ ۵ (مسئلہ مذکور نہیں غالباً یُوں ہونا چاہیے خورشید حسن خاں ایک بیٹا امداد حسن خاں اور دو بیٹیاں وجیہ النساء اور تمیز بیگم چھوڑ کر انتقال کرگیا امداد حسن خاں اپنے حصہ سے دستبردار ہوگیا اب تقسیم ترکہ کیسے ہوگا؟)

الجواب

حق میراث حکمِ شرع ہے کہ رب العالمین تبارک وتعالیٰ نے مقرر فرمایا کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا۔

قال علماؤنا کما فی الاشباہ وغیرہ الارث جبری لایسقط بالاسقاط۔

ہمارے علماء نے فرمایا جیساکہ اشباہ وغیرہ میں ہے کہ حق میراث جبری ہے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتا۔ (ت)

اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ بیٹا مثلاً اپنے باپ کا اس لئے وارث ہوتا ہے کہ یہ اس کا بیٹا ہے توجس طرح یہ اپنے بیٹے ہونے کو نہیں مٹاسکتا یونہی اپنے حق میراث کو نہیں ساقط کرسکتا، پس امداد حسن خاں کا ترکہ متوفی سے دستبردار ہونا ہرگز معتبر نہیں اور وہ اس وجہ سے زنہار کالعدم نہیں ہوسکتا اگر لاکھ بار دست برداری کرلے شرع تسلیم نہ فرمائے گی اور اسے اس کے حصہ کا مالک ٹھہرائے گی ہاں اگر اسے لینا منظور نہیں تو یوں کرے کہ لے کر اپنی بہن خواہ بھاوج جسے چاہے ہبہ کامل کردے اور جو مال قابل تقسیم ہو اسے منقسم کرکے قبضہ دلادے اس وقت البتہ اس کا حق منتقل ہوجائے گا ورنہ مجرد دست برداری کچھ بکار آمد نہیں پس کُل ترکہ خورشید حسن خاں منقولہ وغیر منقولہ برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث کاداء المہر واجراء الوصیۃ چار سہام پر منقسم ہوکر ایک وجیہ النساء اور دو امداد حسن خاں اور ایک تمیز بیگم کو ملے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کا کچھ زیور کہ وہ اپنے جہیز میں لائی تھی باجازت اس کے خاص اپنے قرض کے عوض دائن کے پاس رہن رکھا اور اسکے سوا اور قرضہ بھی زید پر تھا اور ایک زوجہ زید کی اس کے سامنے مرگئی بعدہٗ زید نے زوجہ ثانیہ اور ماں اور تین بیٹیاں ایک بطن زوجہ اولیٰ اور دو بطن ثانیہ سے اور ایک بھائی اور دو بہنیں وارث چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ ثانیہ نے بعد وفات زید زیور مرہون اپنا بالعوض اس قرضہ کے جس میں زیور رہن تھا مرتہن کو دے دیا اور اس قدر روپیہ ترکہ شوہر سے لینا چاہتی ہے۔ اس صورت

میں وہ روپیہ زوجہ ثانیہ کو دلایا جائے گا یا نہیں؟ اور تقسیم ترکہ کس حساب سے ہوگی اور زوجہ اولیٰ کہ زید سے پہلے مرگئی مستحق حصہ پانے کی ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں اگر ورثۂ میّت نابالغین ہوں تو اس کا وصی اور وصی نہ ہو تو حاکم کوئی وصی نصب کرے کہ وہ شئی مرہون کو بیع کرکے دینِ مرتہن ادا کرے درمختار صـ ۶۲۳، اور جو کبار ہوں تو وہ خود چھڑالیں ؍؍ صـ، اگر ترکہ دینِ مرتہن ومہر زوجات ودیگر دیون کو وفا نہ کرے تو پہلے دینِ مرتہن ادا کیا جائے بعدہٗ اگر باقی بچے تو دیگر دیون حصہ رسد اگر سب دین صحت یا دین مرض ہوں ورنہ دین صحت مقدم ہوگا ؍؍ فرائض۔ بعدہٗ اگر کچھ باقی ہے تو اس کے ثلث سے اور ورثہ زیادہ کی اجازت دیں تو زیادہ سے وصایا اس کے اگر ہوں تو نافذ کی جائیں پھر مابقی برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین ترکہ زید متوفی کا دوسَو اٹھاسی سہام پر منقسم ہوکر ۳۶ سہام زوجہ اور ۴۸ ماں پائیں گی اور ۴۶/ ۶۴ ہر سہ دختران کو ملیں گے اور ۶ بھائی اور ۳/ ۳ دونوں بہنیں پائیں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

صورتِ مستفسرہ میں جب وہ زیور خاص مِلک زوجۂ ثانیہ تھا اور زید نے اس کی اجازت سے پہلے قرض کے عوض رہن رکھا اور اس کے بعد وفات زوجہ نے وہ قرضہ ادا کردیا تو بلاشبہہ اس قدر روپیہ ترکۂ زید سے واپس پائے گی،

فی تنویر الابصار ولو افتکہ المعیر اجبر المرتہن علی القبول ثم یرجع المعیر علی الراھن بما ادی[۱] اھ

تنویر الابصار میں ہے اگر عاریت پر دینے والا رہن کو چھڑائے تو مرتہن کو قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا، پھر عاریت پر دینے والے نے جو کچھ ادا کیا ہے وہ راہن سے اس کا رجوع کرسکتا ہے اھ (ت)

اسی طرح وہ قرضہ دوسروں کا جو ذمۂ زید ہے اور دونوں زوجہ کا مہر اگر باقی ہو الخ۔

مسئلہ ۵۲: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک بازاری عورت کے بلا نکاح ایک لڑکا زید اور تین لڑکیاں لیلیٰ، سلمیٰ، عذرا پیدا ہوئیں وہ عورت مرگئی اور اس کا بیٹا زید ایک بیٹا عمرو چھوڑ مرا اور لیلیٰ سلمیٰ نے نکاح کرلئے اب لیلیٰ نے بھی سلمیٰ، عذرا دو بہنیں اور عمرو بھتیجا اور ایک شوہر چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس صورت میں ترکہ لیلیٰ کا کیونکر منقسم ہوگا اور عذرا کہ

---

[۱] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الرہن باب التصرف فی الرہن الخ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۷۵

ہنوز اسی پیشہ پر ہے مستحقِ ارث ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

بازاری عورت جو اپنے پیشہ پر رہے اور ایک شخص کے ساتھ بطور زنانِ منکوحہ پابند ہوکر خانہ نشینی اختیار نہ کرے اسے صرف تعلق فاجرانہ کے سبب منکوحہ نہیں ٹھہرا سکتے تاوقتیکہ حجت شرعیہ سے ثبوتِ نکاح نہ ہو اور جو اولاد بے نکاح پیدا ہو اس کا نسب صرف ماں سے ثابت ہوتا ہے نہ باپ سے اگرچہ اس کے نطفے سے ہونا متعین ہو اور وہ اس خیال سے اس کی طرف نسبت بھی کئے جائیں۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا بچہ صاحبِ فراش کا ہے اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔(ت)

تو وہ چاروں صرف ماں کے جانب سے بہن بھائی ہوئے اور اسی جہت سے وراثت پا سکتے ہیں۔

فی الدرالمختار یرث ولد الزنی واللعان بجھۃ الام وحدہ لما قدمنا فی العصبات انہ لااب لھما۔[2]

درمختار میں ہے زنا اور لعان کا بچہ فقط ماں کی جہت سے وارث بنتا ہے، جیسا کہ ہم عصبات میں ذکر کر چکے ہیں کہ ان دونوں کا کوئی باپ نہیں ہوتا۔(ت)

اور عذرا کا پیشہ فسق و فجور میں ہونا مانع ارث نہیں کہ وہ گناہ ہے نہ کفر۔ پس صورت مستفسرہ میں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم ما تقدم کالدین والوصیۃ ترکہ لیلٰی کا چار سہام پر منقسم ہوکر دو سہام بکر اور ایک ایک سلمٰی و عذرا کو ملے گا،

وذلک لانھما شریکتا ثلث وللزوج النصف بقی السدس یرد علیھما فتعود من ستۃ الی اربعۃ۔

اور یہ اس لئے ہے کہ وہ دونوں ایک تہائی میں شریک ہیں اور خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوگا باقی چھٹا حصہ بچا جسے ان دونوں (سلمٰی وعذرا) پر رد کیا جائیگا تو مسئلہ چھ سے چار کی طرف عود کریگا۔(ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب البیوع ۱/۲۷۶ وکتاب الفرائض ۲/۱۰۰۱ وباب للعاھر الحجر ۲/۱۰۰۷ وکتاب الاحکام ۲/۱۰۶۵

[2] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۵

اور عمرو کہ لیلیٰ کا بھتیجا ہے بہنوں کے ہوتے کچھ نہ پائے گا فانہ ابن اخ لام فکان من ذوی الارحام کما فی تنویر الابصار وغیرھا (کیونکہ وہ اخیافی بھائی کا بیٹا ہے لہٰذا ذوی الارحام میں سے ہوگا، جیسا کہ تنویر الابصار وغیرہ میں ہے۔ ت) واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۵۳: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میر محسن نے ایک مکان زنانہ اور ایک نشستگاہ مردانی اور اس کے متصل ایک قطعہ زمین افتادہ چھوڑ کر انتقال کیا بعد ان کے سوا میر انفع علی پسر اور میر جمال علی و حسن شاہ پسران میر اقنع علی برادر حقیقی میر انفع علی جو اپنے والد میر محسن کے سامنے قضا کر چکے تھے اور کوئی باقی نہ رہا جبکہ دونوں نبیرے اپنے چچا کے سامنے محروم تھے مگر میر انفع علی نے براہِ محبت ان کا محروم نہ کرنا چاہا اور ایک اقرار نامہ اس مضمون کا لکھ دیا کہ میں اپنے دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کرنا چاہتا ہوں، یہ کل جائداد ان دونوں اور میرے پسر میر عون علی کی ہے۔ مکان زنانہ اپنے سامنے تین حصہ پر جدا جدا تقسیم کرکے ایک مکان پر میر جمال علی اور ایک پر میر حسن شاہ اور ایک پر اپنے پسر میر عون علی کو قابض کر دیا مگر مکان نشست منقسم نہ ہوا اور اس میں میر انفع علی وغیرہ یہ چاروں بیٹھا اٹھا کرتے تھے۔ اسی طرح وہ زمین افتادہ بھی منقسم نہ ہوئی مگر میر انفع علی نے تحریر کل جائداد کے نسبت کی تھی جس میں وہ زمین و نشستگاہ بھی داخل تھی۔ اب بعد انتقال میر جمال علی، میر حسن رضا و میر مولائی دو پسر اور بعد انتقال میر حسن شاہ، میر عابد علی و میر باقر علی دو پسر اور زبیدۃ النساء دختر وارث ہوئے، اور میر انفع علی کا سوا میر عون علی کے کوئی وارث نہ تھا جس کے انتقال کے بعد صرف میر فیض علی پسر اس کے وارث ہوئے، میر فیض علی نے اپنا کل حق حقوق میر حسن رضا و میر مولائی کے ہاتھ بیع کر دیا۔ اب ان بائع و مشتریان نے بھی وفات پائی۔ میر عابد علی و میر باقر علی پسران میر جمال علی دعوٰی کرتے ہیں کہ میر فیض علی سوا مکان اندرونی موسوم بنام میر عون علی کے مکان نشستگاہ و زمین افتادہ میں کچھ حق نہ تھا۔ لہٰذا وہ اس بیع میں داخل نہیں ہو سکتا۔ آیا یہ دعوٰی ان کا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ اور زبیدۃ النساء کو متروکہ میر جمال علی سے کچھ پہنچتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جب کہ بعد انتقال میر محسن کے شرعاً میر انفع علی کے سوا ان کا کوئی وارث نہ تھا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ اُن کے سامنے محجوب الارث تھے تو غیر وارث کو وارث کرنا کسی کے اختیار میں نہیں تنہا میر انفع علی اس کل جائداد کے مالک ہوئے اور ان کی یہ خواہش کہ میں اپنے ان

دونوں بھتیجوں کو بھی وارث کیا چاہتا ہوں زبانی ہو خواہ تحریری ہرگز شرعاً قابلِ قبول نہیں ہوسکتی کہ توریث ربّ العالمین جل جلالہٗ کے حکم سے ہے نہ زید وعمرو کے زبان میں ۔ غایت یہ کہ اگر الفاظ اس اقرار نامہ کے صالح ہبہ ہوں یا زبانی میر انفع علی سے الفاظِ ہبہ صادر ہوئے ہوں تو یہ تینوں بھائی یعنی میر عون علی و میر جمال و میر حسن شاہ اس کل جائداد کے موہوب لہٗ قرار پائیں گے مگر مکان اندرونی جسے میر انفع علی نے اپنی زندگی میں جدا جدا تین حصہ پر تقسیم کرکے ہر شخص کو ایک مکان علیحدہ پر قابض کرا یا تو وہاں تو ہبہ واقعی صحیح و نافذ و تام ہے اور وہ تینوں حصے ان تینوں کا شرعاً مملوک ہوگئے لیکن مکان بیرونی و زمین افتادہ میں کہ اگرچہ ہزار بار ہبہ زبانی خواہ تحریری مانا جائے شرعاً مورث ملک نہیں ہوسکتا کہ تا وقتِ انتقال میر انفع علی کے وہ دونوں غیر منقسم تھے اور میر انفع علی نے اپنا تعلق و تصرف و نشست و برخاست حسبِ دستورِ قدیم بھی نہ اٹھا دیا تھا پس تا دمِ انتقال میر انفع علی کے موہوب لہم کا قبضہ نہ پایا گیا اور ایسا ہبہ بعد انتقالِ واہب باطل ہوجاتا ہے کما فی الدر المختار (جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت)

اب کہ ہبہ باطل قرار پایا تو اس مکان بیرونی و زمین افتادہ کا شرعاً کوئی مالک سوا میر عون علی کے نہ ہوا اور میر جمال علی و میر حسن شاہ کا ہرگز ان میں کچھ حق نہ تھا بعد انتقال میر عون علی کے میر فیض علی ان دونوں قطعوں اور ایک مکان اندرونی کے بلا شرکتِ غیرے مالک ہوئے اور یہ سب مکانات بذریعہ بیع میر حسن رضا اور میر مولائی کی طرف بالمناصب منتقل کئے گئے میر عابد علی و میر باقر علی کا حق شرعی سوا اس دو ثلث مکان اندرونی کے جو میر انفع علی اپنی حیات میں ان کے مورث میر جمال علی کو دے کر قابض کرا دیا تھا ہرگز نہیں اور اس میں بھی بر تقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم امور مقدمہ کالدین و الوصیۃ پانچواں حصہ ان کی بہن زبیدۃ النساء کا ہے یہ ہے حکم شرعی اور اس کے خلاف جو کچھ ہو باطل محض ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۵۴ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ رحم علی و شیخ سعادت و شیخ احمد تین بھائی تھے ، انھوں نے اپنے روپے سے ایک جائداد پیدا کی ، ان تینوں کی زندگی تک مشترک رہے اور خورد و نوش سب کا یکجا تھا ، پس از اں شیخ رحم علی کا انتقال ہوا اور ان کے اولیا مہ زوجہ اور بچن پسر اور بجو ، نجو ، بلاقن تین دختر وارث چھوڑے ان میں سے بجو نے ماں اولیا اور شوہر محب اللہ اور ابن سعد اللہ اور بنت عمدہ پھر نجو نے ماں اولیا ، اور دو پسر وزیر ، مسیت اور دو دختر امیرن ، فقیرن پھر اولیا نے بچن و بلاقن پسر و دختر چھوڑ کر انتقال کیا ۔ بعد وفات

شیخ رحم علی کے وہ جائداد مشترکہ وغیر منقسمہ سعادت احمد کے پاس رہی اور سعادت نے زوجہ عظیمہ اور چار ابن عبداللہ، جمن، ننھے، مہدی حسین، چار بنت ورثہ چھوڑکر وفات پائی اور جائداد سب شیخ احمد کے ہاتھ میں رہی کہ قادر بخش وجمن دو پسر اُن کے وارث رہے ان میں پہلے جمن دو بیبیاں بلاقن و بندہ جو قادر بخش سے کچھ روپیہ لے کر ترکہ سے برضائے خود علیحدہ ہوگئیں چھوڑکر انتقال کیا پھر قادر بخش نے کہ بعد مرنے اپنے باپ اور بھائی کے تمام جائداد پر قابض تھا دو زوجہ مجو، ببی، اور ایک دختر نیازن اور پانچ بھائی چچازاد بچن، عباداللہ، جمن، ننھے، مہدی حسین ورثہ چھوڑکر وفات پائی اور اپنے مرض موت میں کل مال کے نسبت اپنی دختر وزوجین کے لئے وصیت کرگیا کہ مالک اس جائداد کے بعد میرے وہ ہیں اور پانچوں بھائی اس کے یہ وصیت گوارہ نہیں کرتے، اس صورت میں وہ متروکہ کس حساب سے منقسم ہوگا؟ اور یہ وصیت قادر بخش کی صحیح ونافذ رہے گی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورت مسئولہ میں مالک اس جائداد کے رحم علی وسعادت واحمد تینوں کے ورثہ ہیں صرف قادر بخش مالک تھا کہ اُسے کل جائداد کے وصیت کرنے کا اختیار ہوتا اور ایک حصہ ایک جائداد کا اسکے پاس رہنے سے حق دیگر ورثا کا باطل نہیں ہوتا تو رہا حصہ اس کا اس میں وصیت نافذ ہوجاتی اگر پانچوں چچازاد بھائی اس کی اجازت دیتے اب کہ وہ اسے گوارہ نہیں کرتے تو وہ بھی غیر نافذ ہوئی، پس کل جائداد کے بوجہ اس کے کہ اصل مورثان اعلیٰ تاحیات خود اس میں شریک رہے اور ایک دوسرے کے مال میں باہم تمیز نہ تھی اور خورد و نوش سب کا یکجا تھا برابر تین حصّے کئے جائیں گے اور ہر مورث کا حصہ اس کے وارث پر برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ چوں اداے مہور زوجات وقضاے دیون اس طریق سے منقسم ہوجائے گا:

تقسیم ترکہ رحم علی

مسئلہ ۴۰ مضروبہ ۳۶ (۱۴۴۰)

رحم علی

زوجہ اولیاء	ابن بچن	بنت بلاقن	بنت بجو	بنت تجو
۵/۱۸۰	۱۴/۵۰۴	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲	۷/۲۵۲

مسئلہ ۳۶	بجو	بینہما تباین	مص ۷ ۱
ام اولیا	زوجہ محب اللہ	ابن سعد اللہ	بنت عمدہ
۶/۴۲	۶/۶۳	۱۴/۹۸	۷/۴۹

مسئلہ ۳۶	نجو	فاستقامت	مص ۲۵۲	
ام اولیا	ابن مسیت	ابن وزیر	بنت امیرن	بنت فقیرن
۶/۴۲	۱۰/۷۰	۱۰/۷۰	۵/۳۵	۵/۳۵

مسئلہ ۳	اولیا	فاستقامت	مص ۲۶۴
ابن بچن	بنت بلاقن		
۲/۱۷۶	۱/۸۸		

المبلغ ۱۴۴۰

الاحیاء								
بچن	بلاقن	محب اللہ	سعد اللہ	عمدہ	مسیت	وزیر	امیرن	فقیرن
۶۸۰	۳۴۰	۶۳	۹۸	۴۹	۷۰	۷۰	۳۵	۳۵

تقسیم ترکۂ سعادت

مسئلہ ۹۶	سعادت							
زوجہ عظیمن	ابن عباد اللہ	ابن جمن	ابن ننھے	ابن مہدی حسین	بنت	بنت	بنت	بنت
۱۲	۱۴	۱۴	۱۴	۱۴	۷	۷	۷	۷

تقسیم ترکہ شیخ احمد

سوا اس مال کے جو اس کے پسر قادر بخش نے بلاقن و بندہ ہر دو زوجہ جمن کو دے کر بتراضی اس کو ترکہ سے خارج کر دیا اس طور پر:

مسئلہ مضروبہ ۸۰ ۸۰ — شیخ احمد

ابن جمن	ابن قادر بخش
	۱

کان لم یکن لانہ لم یرثہ الا الاخ والزوجان ثم ان الزوجین قد تصالحتا علیٰ شیٔ معلوم و تخارجتا من الترکۃ فلم یکن الباقی الا الاخ و ہو قادر بخش۔

گویا کہ وہ تھا ہی نہیں چنانچہ سوائے بھائی اور دو بیویوں کے اس کا کوئی وارث نہ ہوا پھر بیویاں بھی کسی معین شیٔ پر مصالحت کر کے ترکہ سے دست بردار ہو گئیں اور سوائے اس کے بھائی قادر بخش کے کوئی باقی نہ رہا۔ (ت)

مسئلہ ۸۰ — قادر بخش — مص ۱

زوجہ بجو	زوجہ بنی	بنت نیازن	ابن العم بچن	ابن العم عباد اللہ	ابن العم جمن
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶

ابن العم ننھے	ابن العم مہدی حسین
۶	۶

المبلغ ۸۰

الاحیاء

بجو	بنی	نیازن	بچن	عباد اللہ	جمن	ننھے	مہدی حسین
۵	۵	۴۰	۶	۶	۶	۶	۶

واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اس کا علم

اتم وحکمہ احکم۔ کامل اور اس کا حکم مضبوط ہے۔ (ت)

مسئلہ ۵۵ از ڈونگر گڑھ ضلع رائے پور سنٹرل پروانس مسئولہ شیخ حسن الدین احمد خاں صاحب ۱۱ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک صاحب محمد عبدالکریم خاں ڈاکٹر نہایت عابد متقی لاولد ہیں جائداد بہت ہے، خاص ان کی ذاتی پیدا کی ہوئی ہے موروثی نہیں اپنے والد کی جائداد میں سے ایک حبہ نہ لیا کل جائداد پر ان کے علاتی بھائی قابض ہو گئے، ڈاکٹر صاحب کے کوئی بھائی بہن حقیقی نہیں ان کی خواہش ہے کہ کل جائداد اپنے ماموں زاد بھائی کے نام کر کے مکہ معظمہ چلا جاؤں مگر یہاں کے دیوان جو اہل اسلام ہیں فرماتے ہیں کہ اس تحریر سے کچھ نہ ہوگا اس کے حقدار علاتی بھائی بھی ہونگے لہٰذا ڈاکٹر صاحب فتوٰی چاہتے ہیں۔ بینوا توجروا

الجواب

اگر بذریعہ بیع صحیح یا ہبہ مع القبض اپنی تمام جائداد اپنے بھائی ماموں زاد کو دے دینگے وہ مالک مستقل ہو جائے گا علاتی بھائیوں کا کوئی استحقاق نہ ہوگا مگر یہ فعل اگر بلا وجہ شرعی برادران علاتی کو اپنے ترکہ سے محروم کرنے کی غرض سے ہوگا تو گناہ ہوگا، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[1]۔ جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرما دے گا۔

ہاں اگر وہ لوگ فساق فجار ہوں کہ جائداد کو معاصی الٰہی میں صرف کریں گے اور ماموں زاد بھائی ایسا نہیں تو جائز بلکہ بہتر ہے۔

فی وجیز الامام الکردری ان اراد ان یصرف مالہ الی الخیر وابنہ فاسق فالصرف الی الخیر افضل من ترکہ لانہ اعانۃ علی المعصیۃ[2]۔ امام کردری کی وجیز میں ہے اگر کوئی شخص چاہتا ہے کہ وہ اپنا مال نیکی کے کام میں خرچ کرے درانحالیکہ اس کا بیٹا فاسق ہے تو اس بیٹے کے لئے مال چھوڑ جانے سے نیکی کے کام میں خرچ کر دینا افضل ہے کیونکہ اس کے لئے مال چھوڑنا گناہ پر مدد ہے۔ (ت)

---

[1] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[2] فتاوٰی بزازیۃ علی ہامش الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الجنس الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۲۳۷

یونہی اگر اپنے مال کا ثلث ماموں زاد بھائی کو لکھ دیں تو کسی حال میں کچھ مضائقہ نہیں، ترکہ پدری سے جو حصہ ان کا تھا یہ اگر نقل صحیح شرعی مثل بیع یا بعد تقسیم ہبہ مع القبض کے ذریعہ سے برادران علاتی کو نہیں دے دیا ہے تو وہ بدستور ان کی مِلک پر باقی ہے مطالبہ نہ کرنے یا یونہی چھوڑ دینے سے ان کی مِلک سے خارج نہ ہُوا دو ثلث جو برادران علاتی کے لئے باقی چھوڑیں ان میں وہ حصہ بھی محسوب کر سکتے ہیں مثلاً اُن کا وُہ حصہ جو ان کے قبضہ میں ہے اگر دو ہزار کا ہے اور اس کے علاوہ جائیداد پیدا کردہ ہزار روپے کی ہے تو یہ کل جائداد جدید ماموں زاد بھائی کو دے سکتے ہیں کہ دو ثلث ان کے پاس خود موجود ہے اور یہ نئی جائداد چار ہزار کی ہے تو اس میں سے نصف ماموں زاد بھائی کو دے دیں کہ نصف یہ اور وہ حصہ مل کر دو ثلث ہو جائیں وعلٰی ھٰذا القیاس ، واللہ سبحانہٗ وتعالٰی اعلم (اور اسی پر قیاس ہوگا، اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۵۶: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور تین شخص قرابتی اس کے باقی رہے جس میں ایک حقیقی چچا زاد بہن اور ایک بھائی ماموں زاد اور ایک بہن ماموں زاد ہے، پس ان تینوں میں ترکہ کس طرح پر تقسیم ہوگا؟ بینوا توجروا

الجواب

برتقدیر عدم موانع ارث ووارث دیگر وتقدیم دین ووصیت ترکہ ہندہ کا نو۹ سہام پر منقسم ہوکر چھ سہم چچا زاد بہن اور دو۲ ماموں زاد بھائی اور ایک ماموں زاد بہن کو ملے گا۔

فی الشریفیۃ ان استووا فی القرب ولکن اختلف قرابتھم بان کان بعضھم من جانب الاب و بعضھم من جانب الام فلا اعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لیست اولٰی من بنت الخال لعدم اعتبار کون بنت العم ولد العصبۃ لکن الثلثین لمن یدلی بقرابۃ الاب

شریفیہ میں ہے اگر وہ قرابت میں برابر ہوں لیکن جہتِ قرابت میں مختلف ہوں جیسے بعض باپ کی جہت سے اور بعض ماں کی جہت سے ہوں تو یہاں ظاہر الروایۃ کے مطابق قوتِ قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہیں چنانچہ چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں اس بات کا اعتبار نہیں کہ چچا کی بیٹی عصبہ ہے لیکن جو باپ کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو

والثلث لمن یدلی بقرابۃ الام[1] اھ مختصرًا۔

اس کے لئے دو تہائی اور جو ماں کی قرابت کے واسطے سے میت کی طرف منسوب ہو اس کے لئے ایک تہائی ہوگا اھ مختصرًا (ت)

مسئلہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسمی ننھے فوت ہوا ایک زوجہ ایک بیٹا ایک بیٹی ایک بھائی حقیقی وارث چھوڑے، ننھے کی بی بی مہر معاف کرچکی ہے اور اپنا نکاح ثانی کیا چاہتی ہے اور بچوں کو کہ ابھی نابالغ ہیں چھوڑے دیتی ہے، پس ترکہ ننھے کا ان وارثوں کو کس قدر پہنچے گا اور حق ولایت بچوں کا کس کو پہنچتا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

بیانِ سائل سے واضح ہوا کہ لڑکا آٹھ برس کا اور لڑکی چار برس کی ہے اور ننھے کا بھائی جوان ہے اور ان بچوں کی نانی بیوہ زندہ ہے اور عورت ایسے شخص سے نکاح کیا چاہتی ہے جو ان بچوں کا محرم نہیں، پس صورت مستفسرہ میں لڑکا تو ابھی سے اپنے چچا کے پاس رہے گا ـــــ اور لڑکی اپنی ماں کے پاس نو برس کی عمر تک رہے گی اگر وہ عورت ایسے شخص سے نکاح نہ کرے اور اگر نکاح کرے گی تو لڑکی اتنی عمر تک اپنی نانی کے پاس رہے گی اس کے بعد چچا کی سپردگی میں دی جائے گی اور ترکہ ننھے کا برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ودیگر دیون ووصایا چوبیس[۲۴] سہام پر منقسم ہوکر تین[۳] سہم زوجہ اور چودہ[۱۴] سہم پسر اور سات دختر کو ملیں گے اور بھائی کچھ نہ پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳ ربیع الآخر ۱۳۱۲ھ مرسلہ بولاقی خاں بریلی

جناب مولوی صاحب سلامت، بعد آداب گزارش ہے کہ ایک ہمشیرہ اور تین ہم بھائی ہیں، جناب والد صاحب نے ایک عرصہ سے سب کام چھوڑ دیا تھا جو مجھ کو میسر آتا تھا حاضر لاتا تھا ایک ہمشیرہ میری نابالغ تھی اس کو میں نے اپنی محنت سے پرورش کرکے شادی کردی اور دونوں بھائی چھوٹے ان کو بھی پرورش کیا اور بھائیوں کی بھی شادی کردی، اب جو جائداد والد کے وقت کی ہے وہ طلب کرتے ہیں، واجب ہے یا نہیں؟ اور بعد گزرنے والد کے اور

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب ذوی الارحام فصل فی اولادھم مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹-۲۰

والدہ کے دونوں کو میں نے دفن کیا اور کوئی پیسہ ان کا خرچ نہیں ہوا اور قریب دوسو روپے کے والد پر قرض تھے وہ بھی میں نے دیئے اور بھائی اور بہن خود تسلیم کرتے ہیں، لہذا آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ شرعاً کس کو حق پہنچتا ہے؟

الجواب

سائل نے بیان کیا کہ اس کے باپ نے ماں سے پہلے انتقال کیا ماں نے مہر معاف کر دیا تھا دونوں کے وارث یہی تین بیٹے اور ایک بیٹی رہے۔ اس صورت میں سائل نے جو کچھ اپنے ماں باپ کی خدمت میں صرف کیا وہ کسی سے نہ پائے گا جو اپنے بہن بھائیوں کی پرورش و شادی میں اٹھایا وہ کسی سے نہ ملے گا، ہاں جو کچھ باپ کا قرضہ ادا کرنے اور بقدر سنت باپ کے کفن دفن میں اٹھایا وہ باپ کے مال پر اس کا قرض ہے پہلے یہ قرضہ اور جو قرضہ اس کے باپ کے ذمہ ہو ادا کرکے باقی تہائی سے اگر باپ نے کچھ وصیت کسی کے لئے کی ہو نافذ کرکے باقی کے آٹھ حصے کریں ایک حصہ ماں اور دو دو ہر بیٹے اور ایک بیٹی کو، اب یہ ایک حصہ جو اُن کی ماں کو پہنچا سائل بیان کرتا ہے کہ اس کے سوا ماں کا کچھ اور ترکہ نہیں اس میں سے جو کچھ سائل نے ماں کے کفن دفن بقدر سنون میں اٹھایا وہ اور جو قرضہ اس کی ماں پر ادا کریں اگر کچھ نہ بچے تو ماں کے اس حصہ میں سے دوسرے وارثوں کو کچھ نہ ملے اور اگر کچھ باقی رہے تو اس کی تہائی سے ماں کی وصیت اگر اس نے نافذ کی ہو ادا کرکے باقی کے سات حصے کریں ہر بیٹے کو دو بیٹی کو ایک۔ واللہ اعلم فقط

مسئلہ ۵۹ از بیجناتھ بازار رائے پور ملک متوسط مرسلہ شیخ اکبر حسین صاحب متولی مسجد و دیر انجمن نعمانیہ ۷ جمادی الاول ۱۳۱۴ھ

فیض النساء بیگم کے شوہر یعقوب علی مرحوم کی جائداد وقت مرنے کے اس قدر تھی جو فیض النساء بیگم کے مہر کو اکتفاء کرتی اس لئے فیض النساء بیگم کل جائداد پر بعوض اپنے دین مہر کے قابض ہوئی، فرمایئے کہ یعقوب علی مرحوم کی پہلی بیوی کی اولاد کو اپنی ماں متوفیہ کے مہر میں اس جائداد سے بحصہ رسدی حق مل سکتا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

جبکہ دوسری عورت کا بھی کچھ مہر ذمہ شوہر باقی ہے تو نہ ایک عورت کل ترکہ سے اپنا ہی دَین پانے کی مستحق ہوسکتی ہے اگرچہ تنہا اسی کا مہر مقدار ترکہ سے زائد ہو بلکہ دونوں عورتوں کا بقدر واجب الادا مہر اور ان کے سوا اور جو دَین ذمہ مورث ہوں سب حصہ رسد متروکہ سے ادا

کئے جائیں گے، نہ عورت بطورِ خود اپنے مہر کے بدلے جائداد پر قابض ہوسکتی ہے بلکہ جائداد بیچ کر مہر ادا کیا جائے گا فان حقہا فی المالیۃ لافی العین (کیونکہ عورت کا حق مالیت میں ہے نہ کہ عین میں۔ ت) عالمگیریہ میں ہے:

میت اوصی الی امرأتہ وترك مالا وللمرأۃ علیہ مھرھا ان ترك المیت صامتا مثل مھرھا کان لھا ان تاخذ مھرھا من الصامت لانھا ظفرت بجنس حقھا وان لم یترك المیت صامتا کان لھا ان تبیع ماکان اصلح للبیع وتستوفی صداقھا من الثمن[1] اھ قلت والتقیید بالاصلح حیث لم یکن الدین محیطا ولا بیع کل شئ کما لایخفی۔

میّت نے اپنی بیوی کے لئے وصیت کی اور کچھ مال چھوڑا، عورت کا اس کے ذمے مہر ہے، اگر میّت نے عورت کے مہر کی مثل نقدی چھوڑی ہے تو عورت اس نقدی سے اپنا مہر وصول کرسکتی ہے کیونکہ وہ اپنے حق کی جنس کو پانے پر کامیاب ہوگئی ہے، اور اگر میت نے کوئی نقدی نہیں چھوڑی تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ خاوند کے ترکہ میں سے جو چیز قابلِ بیع ہے اس کو بیچ کر ثمن میں سے اپنا مہر وصول کرے اھ، میں کہتا ہوں قابلِ بیع ہونے کی قید وہاں ہوگی جہاں قرض ترکہ کو محیط نہ ہو اور اس کی ہر شئ نہیں بیچی جائے گی جیسا کہ مخفی نہیں۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

وارثان زوجہ اولٰی اپنی ماں کے مہر سے مقدار واجب الاداء کا دعوٰی فیض النساء بیگم پر کرسکتے ہیں،

لانھا وارثۃ فتصلح خصما للغرماء من ھذہ الجھۃ وان لم تصلح من جھۃ انھا دائنۃ وذلك بناء علی ما اختارہ الفقیہ ان الوارث خصم الغریم وان کانت الترکۃ

کیونکہ بیوی وارث ہے اس لئے وہ اس جہت سے قرضخواہوں کے لئے خصم بن سکتی ہے اگرچہ وہ قرضخواہ ہونے کی حیثیت سے خصومت کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور یہ مبنی ہے اس قول پر جس کو فقیہ نے اختیار کیا کہ وارث قرضخواہ کا خصم بن سکتا ہے اگرچہ ترکہ قرض میں

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۳

مستغرقة بالدین نعم لاحلف علیہ کما فی وصی الھندیۃ[1] عن المحیط۔

گھرا ہوا ہو۔ ہاں اس صورت میں اس پر قسم نہیں آتی۔ جیسا کہ ہندیہ کے باب الوصی میں محیط سے منقول ہے۔ (ت)

مگر یہ اُس حالت میں ہے کہ وارثانِ زن متوفاۃ پر کوئی امر مسقط مدعی یا مانع دعوی ثابت نہ ہو ورنہ دعوٰی نامسموع ہوگا کما لایخفی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اللہ سبحانہ، وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۶۰ زید کی بیٹی کا خالد کے ساتھ نکاح ہوا، دس ہزار مہر معین ہوا، زید کی بیٹی مرگئی، ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور والدین اور شوہر اس کا باقی رہا، خالد کے پاس پانچ ہزار کی ملکیت ہے، درصورت غیر دعویدار ہونے اولاد اور شوہر کے والدین کو حصہ کس قدر ملکیت موجودہ سے ملنا چاہئے یا بقدر مہر؟ بیّنوا توجروا

الجواب

صورت مستفسرہ میں چہارم مہر کا شوہر کے ذمہ سے ساقط ہوگیا باقی اگر تمام وکمال اسے حصول نہ ہو تو جتنا وصول ہو ہر وارث اس میں سے بقدر سہم فرائض کے لے سکتا ہے نہ یہ کہ بعض ورثہ اپنا کل مطالبہ لے لیں، سائل مظہر ہے کہ اولاد دونوں نابالغ ہیں اس صورت میں اس کا دعوٰی نہ کرنا کب کیا مسقط حق ہوسکتا ہے البتہ اگر کوئی وارث بالغ دَین میں سے بقدر اپنے سہم کے معاف کردے تو باقی ورثہ اپنا اپنا مطالبہ لے سکتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۱ ۴ شعبان ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں، زید مرا، زوجہ اپنی کو ۳ ماہ کے حمل میں چھوڑا، بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد لڑکا پیدا ہوا، عمرو ازراہِ بدنیتی وخوف اس کے کہ لڑکا زید متوفی کی جائداد کا مستحق ہو اس کی حق تلفی کے واسطے لڑکے کو ولد الحرام بیان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بعد انتقال زید کے لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا، اوّلاً تو لڑکا صحیح طور پر بعد انتقال زید کے چھ ماہ کے بعد پیدا ہوا، اور بالفرض عمرو کا قول تصدیق کیا جائے کہ لڑکا سوا برس کے بعد پیدا ہوا تو بموجب شرع شریف کے لڑکا حلالی ہے یا ولد الحرام؟ اور زید متوفی کے نطفے سے ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پائیے۔ ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الوصایا الباب التاسع فی الوصی نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۱۵۴

الجواب

عمرو جھوٹا ہے، ایسی تہمت پر قرآن عظیم نے اسّی کوڑوں کا حکم دیا ہے اور گواہی ہمیشہ کو مردود۔ سوا برس تو تھوڑا ہے دو برس تک بھی پیدا ہوتا تو بلاشبہہ زید کا قرار پاتا، یہ لڑکا شرعاً ضرور زید کا اور اس کا وارث شرعی ہے، ہاں اگر عورت بعد موت شوہر قبل ولادت پسر اقرار کرچکی ہوتی کہ میری عدت گزر گئی، اور اس اقرار سے چھ ماہ یا زائد کے بعد بچہ پیدا ہوتا تو شوہر متوفی کا قرار نہ پاتا ورنہ صرف اس بنا پر کہ موت کے سوا برس بعد پیدا ہوا ولادالحرام کہنا محض ظلم و باطل ہے۔ درمختار میں ہے:

یثبت نسب ولد معتدۃ الموت لاقل منھما (ای من سنتین) من وقت الموت[1] الخ۔

موت کی عدت گزارنے والی خاتون اگر شوہر کی موت کے وقت سے دو سال سے کم مدت میں بچہ جنے تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔ (ت)

شریفیہ میں ہے:

ان کان الحمل من المیت بان خلف امرأۃ حاملا فجاءت بالولد لتمام اکثر مدۃ الحمل ای سنتین او اقل ولم تکن اقرت بانقضاء العدۃ یرث ذٰلک الولد من المیت واقاربہ[2] ملتقطا۔

اگر حمل میت کا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ میت نے حاملہ بیوی چھوڑی ہو اور وہ اکثر مدت حمل یعنی دو سال کے پورا ہونے پر یا اس سے کم مدت میں بچہ جنے جبکہ عورت نے عدت کے گزر جانے کا اقرار نہ کیا ہو تو یہ بچہ میّت اور اسکے قرابتداروں کا وارث بنے گا ملتقطاً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۲: از شہر بنارس محلہ کندی گڑ ٹولہ مسجد بازار مرسلہ حافظ ولی محمد صاحب ۲۱ شوال ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ زوجۂ زید کچھ اپنے ورثائے شرعی اور زید اپنے خاوند کو چھوڑ کر مرگئی اور مہر جو زید کے ذمہ واجب الادا ہے وصول نہیں پایا اور کوئی اولاد اس نے نہیں چھوڑی، اس صورت میں زید مہر میں سے بھی جو اس کے ذمہ واجب الادا ہے نصف حصہ پاسکتا ہے جیسا کہ ہندہ کے کل متروکہ سے پاسکتا ہے یا نہیں، شبہہ یہ ہوتا ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الطلاق فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۶۱

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب ذوی الارحام فصل فی الحمل مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۱۳۲

کر دیا تو مہر میں سے بھی نصف حصہ زید کو پانا چاہیے ہے مگر مہر کو شارع اسلام نے بغرض احترام بضع رکھا ہے اور غایت اس کی عزت واحترام زوجہ ہے اور بحالت نصف حصہ پالینے زید کے مہر میں سے بھی یہ غایت فی الجملہ ناقص ہو جائے گی، ہر صورت کے جزئی بھی باحوالہ کتب تحریر فرمائی جائے اور جواب سے جلد سرفرازی بخشی جائے فقط۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں ضرور نصف مہر ذمۂ زید سے ساقط ہوا نہ بمعنی عدم وجوب راساً کہ مہر بعد تاکد بالموت بایں معنی قابلیت سقوط نہیں رکھتا اور غایت مذکورہ میں اگر کچھ نقص آتا تو اسی صورت سے، بلکہ بمعنی تملک بخلافت و وراثت زوجہ لقوله تعالیٰ ولکم نصف ما ترك ازواجکم ان لم یکن لھن ولد[1] (اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے "اور تمہاری بیبیاں جو چھوڑ جائیں ان میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ ت) اور شک نہیں کہ مہر بھی متروکہ زوجہ میں داخل ہے، اور یہ معنی اس غایت کے منافی نہیں بلکہ مؤکد و مقرر ہیں کہ کل مہر زوجہ کا قرار پایا جب تو اس میں سے نصف اس نے وراثۃً پایا اور اگر مطلقاً انتقالِ ملک زوجہ ولو مالاً منافی غرض مذکور ہو تو ہبہ وابرا بھی ناجائز ہوں مگر وہ یونہی جائز ہیں کہ ملک زوجہ پر متفرع ہیں تو اس کے مقرر ہیں نہ دافع اگرچہ رافع ہوں بلکہ اگر رفع بھی خلافِ غایت ہو تو اس سے چارہ کہاں کہ موت قطعاً نافی ملک ہے، اگر کہئے کہ ملک ورثہ بوجہ خلافت قائم مقام ملکِ زوجہ ہے تو گویا وہ ببقائے نائب باقی ہے تو ملک زوج بھی اس نصف میں وراثۃً ہی ہوئی یہاں بھی وہی گویا حاصل اور شبہ زائل، قنیہ میں ہے:

قال استاذنا رحمه اللہ تعالیٰ سئلت عمن ماتت عن زوج و بنتین واخ لاب وام ولا مال لها سوی مهر علی زوجها مائة دینار ثم مات الزوج و لم یترك الاخمسین دینارا

ہمارے استاذ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مجھ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا جو خاوند اور دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کر گئی اور اس کا کوئی مال نہیں سوائے اس کے کہ سو دینار اس کے مہر کے خاوند کے ذمے ہیں، پھر خاوند مر گیا اور سوائے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

فقلت یقسم بین البنتین و الاخ اتساعا بقدر سہامھم لانہ ذکر فی کتاب العین والدین اذا کان علی بعض الورثۃ دین من جنس عین الترکۃ یحسب ما علیہ من الدین کانہ عین ویترک حصتہ علیہ ویترک العین لانصباء غیرہ من الورثۃ فحسبنا علی الزوج من المھر خمسۃ وعشرین دینارا کانہ عین وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینھم علی سہامھم من اصل المسألۃ[1]، واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

پچاس دینار کے کچھ نہیں چھوڑا، تومیں نے کہا کہ ترکہ کے نو حصے بنا کر دو بیٹیوں اور بھائی کے درمیان ان کے سہام کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اس لئے کہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے جب کسی وارث پر عینِ ترکہ کی جنس سے کچھ قرض ہو تو اس قرض کو اس کے حصہ میں شمار کریں گے گویا کہ وہ عین ہے، اور اس کا حصہ اس قرض پر چھوڑدیں گے اور عین کو اس وارث کے علاوہ دیگر ورثاء کے حصوں کیلئے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کئے گویا کہ وہ عین ہیں۔ اور باقی پچاس دینار دو بیٹیوں اور بھائی کے حصہ میں بچ گئے تو وہ ان کے درمیان اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق ہوں گے۔

واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم۔ (ت)

مسئلہ ۶۳ ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور دو لڑکے اول بیوی کے چھوڑے، اور ایک لڑکی دوسری بیوی سے چھوڑی، اور بیوی دوسری زندہ ہے اور پہلی بیوی نے انتقال کیا شوہر کے روبرو، اور مہر اس کا ذمہ شوہر کے چاہئے، اب لڑکے اس کے مہر اپنی ماں کا طلب کرتے ہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل مظہر کہ پہلی زوجہ کا مہر پچیس ہزار ہے اور دوسری کا تین سو ساٹھ ۳۶۰ تھا جس میں سے ڈیڑھ سو زید نے خود ہی ادا کردیئے تھے، اب دوسو دس باقی ہیں اور جائداد دونوں مہروں کو

---

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

کافی نہیں۔ صورتِ مستفسرہ میں دونوں مہر اور اسی طرح اور جو دین ذمۂ زید ہو حصۂ رسداد اکریں، پہلی بی بی اس سبب سے کہ اس کا نکاح پہلے ہوا پہلے پانے کی (کہ جب تک اس کا مہر ادا نہ ہولے زوجۂ ثانیہ کا بقیہ مہر یا اور کسی دائن کا دَین ثابت ادا نہ کیا جائے) ہرگز مستحق نہیں بلکہ وہ سب ایک ساتھ ادا کئے جائیں گے اور جبکہ جائداد اور رہنیں کافی نہیں دونوں مہروں اور ہر دَین ثابت کو حصۂ رسد ادا کیا جائے گا اور جب کچھ نہ بچے ورثہ کچھ بذریعہ وراثت نہ پائیں گے۔

قال اللّٰہ تعالٰی من بعد وصیۃ توصون بھا او دین[1]۔ واللّٰہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

اللہ تعالٰی نے فرمایا "اس وصیت کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کے بعد"۔ (ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۶۴: از شہر کہنہ ۲ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد کثیر اپنے محروم الارث بھتیجوں کو لکھ دی اور اپنے حقیقی بھائی وارث کے لئے ایک خفیف شَے رکھی اس سے اس کی نیت بھائی کی حق تلفی تھی کہ اسے میرے بعد نہ پہنچے، اس صورت میں اس پر کچھ مواخذہ عنداللہ ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جبکہ وارث آوارہ و بدوضع نہ ہو جس سے مظنون ہو کہ مال جو اس کے لئے رہے گا معاصی الٰہیہ میں اُڑائے گا تو اُسے محروم کرنے کی نیت سے کوئی کارروائی کرنی عنداللہ قابلِ مواخذہ ہے، حدیث میں ہے:

من فر من میراث وارثہ قطع اللّٰہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ[2]۔ رواہ ابن ماجۃ عن انس رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ۔

جو اپنے وارث کے میراث پانے سے بھاگے اللہ تعالٰی روزِ قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے گا (اسے ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

اور کوئی خفیف شئی باقی رکھنا کافی نہ ہوگا جبکہ نیت اس فساد کی ہو۔

فانما الاعمال بالنیات و انما لکل امری ما نوی[1] | بے شک اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔(ت)

مگر نیت کا ثبوت چاہیے ورنہ صدیق اکبر و امام حسن مجتبیٰ و ام المومنین صدیقہ وغیرہم ائمہ دین رضی اللہ تعالٰی عنہم نے بارہا اپنے کل مال تصدق فرمادیے ہیں اپنے کھانے پہننے کو بھی کچھ نہ چھوڑا، کما صحت بذلک الاحادیث (جیسا کہ اس پر صحیح احادیث وارد ہیں۔ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

رسالہ

المقصد النافع فی عصوبۃ الصنف الرابع

۱۳۱۵ھ

(چوتھی قسم کے عصبہ ہونے میں نفع دینے والا مقصد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۶۵ تا ۶۷: از اٹاوہ متصل کچہری منصفی مکان مولوی حبیب علی صاحب مرسلہ مولوی وصی علی ۵ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عصبات کی جو چار قسم مقرر ہیں، فروعِ میت، اصولِ میت، فروعِ ابِ میت، فروعِ جدِ میت۔ منجملہ ان کی قسم اول و دوم وسوم میں کوئی بحث نہیں مگر قسم چہارم یعنی فروعِ جدِ میت کا سلسلہ ایسا وسیع ہے کہ حق رسی اسکی دشوار بلکہ غیر ممکن معلوم ہوتی ہے کیونکہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا جس کا عصبہ نسبی قسم چہارم یعنی دادا کی اولاد یا پردادا کی اولاد یا سردادا کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد موجود نہ ہو اگر دیہہ یا قصبہ مسکونہ میت میں نہ ہوگا تو دوسرے دیہہ یا قصبہ میں یا دوسرے شہر یا ملک میں ہوگا مثلاً ہند میں نہ ہوگا تو عرب یا عجم میں ہوگا تمامی ربع مسکون میں کہیں نہ کہیں ضرور موجود ہوگا، پس درصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول و دوم وسوم کے ایسے عصبات کو تلاش کرنا

اور ان کا حصہ ان کو پہنچانا غیر ممکن ہے اور ظاہراً شرع شریف میں کوئی ایسا حکم بھی پایا نہیں جاتا کہ میت کے ورثاء حاضرین میت کے ترکہ کو باخود تقسیم کرلیں حقداران غیر حاضرین کو اطلاع بھی نہ دیں یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا بوجہ لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں نے انکے حقوق ضائع کر دیئے جائیں بلکہ مفقود کے واسطے جبکہ یہ حکم ہے کہ حصہ اس کا نوے ۹۰ برس کی عمر تک امانت رہے تو ایسے حصہ دار کیونکر محروم کئے جا سکتے ہیں' علاوہ اس کے دیگر حقداران جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مستحق ہیں مثلاً مولی العتاق ذوی الفروض مستحق پانے حصہ کے بطور رد کے ذوی الارحام مولی الموالات مقرلہ النسب موصی لہ مستحق رد وغیرہ ان کے حقوق قائم ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں معلوم ہوتی کیونکہ جب عصبہ نسبی کا غیر موجود ہونا حسب تشریح صدر غیر ممکن ہے تو حقداران مابعد کے حقوق قائم ہونا بھی غیر ممکن ہے پس ایسے حقداران کے متعلق جو مسائل ہیں وہ محض بیکار ہو جاتے ہیں حالانکہ شریعت کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں ہے جو مورد اعتراض کسی قسم کا ہو سکے لہذا دریافت طلب امور مصرحہ ذیل ہیں:

اولاً عصبات کی جو اقسام قرار دی گئی ہیں خصوصاً قسم چہارم جو الفاظ "او عالیہا" (یا اس سے اوپر - ت) مشروع ہیں ان کا ماخذ کیا ہے یعنی کس آیہ قرآن شریف یا کس حدیث شریف سے ماخوذ ہے یا اور کس ماخذ سے۔

ثانیاً عصبات نسبی کا غیر موجود ہونا حسب شرح صدر ناممکن ہے کہ نہیں۔

ثالثاً عصبات نسبی کا غیر اگر موجود ہونا ناممکن ہے تو مسائل متعلقہ عصبات سببی وغیرہ جو بصورت نہ ہونے عصبات نسبی کے مشروع ہیں کس صورت میں کار آمد ہو سکتے ہیں۔

رابعاً شرع شریف میں کہیں ایسا حکم ہے کہ غیر حاضرین حصہ داران کو اطلاع نہ دی جائے یا جو لوگ بوجہ لاعلمی وفات مورث یا لاعلمی مسائل شرعی کے دعویدار نہ ہوں وہ اپنے حقوق واجبی سے محروم رہیں ان کی تلاش نہ کی جائے۔

خامساً ایسا ہو سکتا ہے کہ عرب سے کوئی شخص آئے اور آپ کو سید مثلاً اولاد علی و بنی فاطمہ ثابت کرکے ہند میں کسی اولاد علی بنی فاطمہ کا ترکہ اس کے ذوی الفروض سے تقسیم کرالے یا ہند کا کوئی سید عرب میں جاکر کسی سید متوفی کا ترکہ پائے قاضیان عرب بصورت ثابت کردینے نسب کے اس کو دلا دیں گے۔

سادساً عہد صحابہ رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین یا تابعین یا تبع تابعین میں کبھی ایسے

عصبات بعیدہ کو بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دلایا گیا ہے کہ نہیں، اگر دلایا گیا تو کس کتاب سے ثابت ہے۔

سابعاً اس استفتا کے مفتیان صاحبان کے علم میں کبھی ایسے عصبات بعیدہ مثلاً پردادا کے بھائی کی اولاد یا سکڑدادا کے عم کی اولاد یا ان سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو بحالت موجودگی ذوی الفروض نسبی کے حصہ ملا ہے کہ نہیں، اگر ملا ہے تو کب کس خاندان میں۔

ثامناً اگر کسی قصبہ یا شہر میں رواج یہ ہے کہ بصورت عدم موجودگی عصبات قسم اول و دوم و سوم کے منجملہ قسم چہارم جد کی اولاد تک بمقابلہ ذوی الفروض کے حصہ دیا جاتا ہے اب الجد یا جد الجد یا اس سے بھی عالی کسی جد کی اولاد کو حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ ذوی الفروض پر رد ہو جاتا ہے تو یہ رواج قابلِ عملدر آمد و لائق لحاظ ہے کہ نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے)

الجواب

جواب سوال اوّل

ماخذ اس کا کلام اللہ عزوجل وسنّتِ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ قال اللہ تبارک وتعالٰی:

واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتٰب اللہ ان اللہ بکل شیئ علیم[1]

اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے (ت)

حدیث اوّل: عبد بن حمید وابن جریر اپنی تفسیر میں قتادہ سے راوی:

ان ابا بکر الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی خطبتہ الا ان الاٰیۃ التی ختم بھا سورۃ الانفال انزلھا فی اولی الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ

سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا: خبردار وہ آیت جس پر سورۂ انفال ختم کی گئی اللہ تبارک وتعالٰی نے اس کو رشتہ والوں کے بارے میں نازل فرمایا کہ "ان میں سے بعض بعض سے اولٰی ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

ماجرت بہ الرحم من العصبۃ، ھذا مختصر۔[1]

اللہ تعالٰی کی کتاب میں" یعنی ہر وہ عصبہ جس میں نسبی رشتہ جاری ہو۔ یہ مختصر ہے۔ (ت)

حدیث دوم: احمد و بخاری و مسلم و ترمذی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر۔[2]

فرائض ذوی الفروض کو دو، اور جو بچ جائے وہ قریب ترین مرد کے لئے۔ (ت)

حدیث سوم:[3] صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی، حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مامن مؤمن الاّ وانا اولٰی بہ فی الدنیا والاٰخرۃ اقرؤا ان شئتم النبی اولٰی بالمؤمنین من انفسھم فایما مؤمن مات وترك مالا فلیرثہ عصبتہ من کانوا ومن ترك دینا او ضیاعًا فلیأتنی فانا مولاہ، والحدیث عند الشیخین[3] واحمد و النسائی وابن ماجۃ وغیرھم عنہ نحوہ۔

کوئی مومن نہیں مگر یہ کہ میں دنیا و آخرت میں اس کا ولی ہوں، اگر تم چاہو تو آیت پڑھ لو "یہ نبی (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) مسلمانوں کا ان کی جان سے زیادہ مالک ہے"۔ پس جو کوئی مومن مرگیا اور اس نے کوئی مال چھوڑا تو وہ اس کے قریبی وارثوں اور عصبہ کے لئے ہے جو بھی وہ ہوں، اور جس نے قرض یا کمزور اولاد چھوڑی ہو تو وہ میرے پاس آئے میں اس کا مولٰی ہوں۔ اور یہ حدیث شیخین، امام احمد اور نسائی وغیرہ کے نزدیک ثابت ہے (ت)

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ یستفتونك قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ المطبعۃ المیمنۃ مصر ۶/۲۴
الدر المنثور بحوالہ عبد بن حمید وغیرہ " " " " " " مکتبہ آیۃ اللہ العظمٰی قم ایران ۲/۲۵۱

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۹۹۷
صحیح مسلم کتاب الفرائض ۲/۳۴ و جامع الترمذی ۲/۳۱ و مسند احمد بن حنبل ۱/۳۲۵

[3] صحیح البخاری کتاب فی الاستقراض الخ باب الصلٰوۃ علی من ترك دینًا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۲۳
" " کتاب التفسیر سورۃ الاحزاب " " " " ۲/۷۰۵

حدیث چہارم[۴] : احمد و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و بیہقی بسند صحیح بطریق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

ما احرز الولد او الوالد فھو لعصبتہ من کان[۱]۔

جو ولاء اولاد یا والد حاصل کرے وہ اُسکے عصبہ کے لئے ہے چاہے وہ کوئی ہو۔ (ت)

حدیث پنجم[۵] : عبدالرزاق اپنی مصنف میں حضرت ابراہیم نخعی سے راوی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں :

کل نسب توصل علیہ فی الاسلام فھو وارث موروث[۲]۔

ہر نسب جو اسلام میں ملتا ہو وہ وارث و موروث ہے۔ (ت)

حدیث ششم[۶] : سنن بیہقی میں ہے :

عن جریر عن المغیرۃ عن اصحابہ قال کان علی رضی اللہ تعالٰی عنہ واصحابہ اذا لم یجدوا ذا سھم اعطوا القرابۃ وما قرب او بعد اذا کان رحما فلہ المال اذا لم یوجد غیرہ[۳]، ھذا مختصر۔

حضرت جریر نے حضرت مغیرہ یعنی ان کے اصحاب سے روایت کی، مغیرہ نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ اور ان کے اصحاب جب کوئی ذی سہم نہ پاتے تو وہ ترکہ رشتہ داروں کو دے دیتے وہ قریب والا ہو یا بعید والا جبکہ رشتہ دار ہو تو سب مال اسی کا ہے جب اس کا غیر موجود نہ ہو۔ یہ مختصر ہے۔ (ت)

آیۂ کریمہ نے رشتہ داروں کو مطلق رکھا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرما دی کہ آیت میں ہر عصبۂ نسبی داخل۔ سیّد عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیث سوم وچہارم میں صاف تعمیم فرمائی کہ عصبہ وارث ہے کوئی ہو حدیث پنجم میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا

---

[۱] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی الولاء آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۸
سنن ابن ماجہ 〃 〃 باب میراث الولاء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۰۰

[۲] المصنف لعبد الرزاق 〃 باب الحمیل حدیث ۱۹۱۸۰ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۳۰۱

[۳] السنن الکبرٰی للبیہقی 〃 باب من قال بتوریث ذوی الارحام دار صادر بیروت ۶/ ۲۱۷

اسلام میں نسب جہاں جاکر ملے موجب وراثت ہے، حدیث ششم میں مولا علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد کہ رشتہ دار پاس کا ہو یا دُور کا جب اور نہ ہو تو سب مال اُسی کا ہے۔ ان ارشادات نے تو تمام قریب و بعید کے عصبات نسبی کو دائرہ توریث میں داخل فرمایا اور حدیث دوم میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اقدس نے کہ جو اہلِ فرائض سے بچے وہ قریب تر مرد کے لئے ہے ترتیب الاقرب فالاقرب کا حکم بتایا لاجرم بلحاظ قرب اتصال یہ اقسام اربعہ منتظم ہوئیں۔

جواب سوال دوم

ہرگز نا ممکن نہیں بلکہ بارہا واقع ہوا اور خود زمانۂ رسالت میں ہوا، اور اب واقع ہے اور عادۃً واقع ہوتا رہے گا۔

اولاً فرض کیجئے مجوس وہنود و نصارٰی یہود وغیرہم کفار کی اقوام سے ایک شخص مسلمان ہُوا اور اس کے باقی رشتہ دار اپنے کفر پر ہیں ان میں ان کا عصبۂ نسبی کون ہے کوئی نہیں۔

قال اللہ تعالٰی انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: "وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے نالائق ہیں۔ (ت)

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

لایرث المسلم الکافر ولا الکافر المسلم، رواہ الشیخان[2] عن اسامة بن زید رضی اللہ تعالٰی عنهما۔

مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوتا اور نہ ہی کافر مسلمان کا۔ اس کو شیخین نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۱/ ۴۶

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب لایرث المسلم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۰۰۱
صحیح مسلم " " باب قدر الطریق الخ " " ۲/ ۳۳

ثانیاً ایک کافرہ حاملہ مسلمان ہوئی اور ایام اسلام میں بچہ پیدا ہوا یا اس کے چھوٹے بچے جو زمانۂ کفر ہی میں پیدا ہوئے تھے بحکم الولد یتبع خیر الابوین دیناً[1] (بچہ والدین میں سے بہتر دین رکھنے والے کے تابع ہوتا ہے۔ ت) مسلمان قرار پائے ان بچوں کا کوئی قریب نسبی اُن کا عصبہ نہیں۔

ثالثاً رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں،

للعاھر الحجر[2] زانی کے لئے پتھر (ت)

تو ولد الزنا کا نہ کوئی باپ نہ کوئی عصبہ نسبی، لہذا ایک عورت کے دو بچے کہ زنا سے ہوں اگرچہ ایک مرد سے ہوں باہم ولد الام کی میراث پاتے ہیں نہ بنی الاعیان کی کما فی الدر المختار وغیرہ من الاسفار (جیسا کہ درمختار وغیرہ ضخیم کتابوں میں ہے۔ ت)۔

رابعاً زن وشو نے لعان کیا بچہ بے عصبۂ نسبی رہ گیا لانہ ایضا لااب لہ کما فی الدر ایضا (کیونکہ اس کا بھی کوئی باپ نہیں جیسا کہ درمختار میں ہے۔ ت)

خامساً دار الحرب سے بچے کفار مقید ہو کر آئے امیر المومنین نے غانمین پر تقسیم فرمادیئے یہ سب کنیز و غلام مسلمان ہوگئے آپس میں نہایت قریب کے رشتہ دار ہیں اور سب مسلم مگر سب مملوک، اب ان میں ایک آزاد ہوا، باقی اس کے عصبۂ نسبی نہیں کہ رق مانع ارث ہے۔

سادساً ایک بچہ سڑک پر پڑا ہوا ملا پرورش کیا گیا اس کا عصبۂ نسبی کسے کہا جائے اسی طرح اور بعض صور بھی ممکن، ان میں بعض صورتیں علم عدم کی ہیں جیسے ولد زنا و لعان، بعض عدم علم کی جیسے لقیط، اور مقصود اس سے بھی حاصل کہ توریث بے علم ناممکن، لاجرم رد وغیرہ مدارج تحتانیہ کی طرف رجوع ہوگی، ہمارے زمانے میں زوجین پر بھی رد ہوتا ہے کما نصوا علیہ (جیسا کہ مشائخ نے اس پر نص فرمائی ہے۔ ت)۔ اب **سوال سوم** خود مندفع ہوگیا اور حاجت جواب نہیں۔

تنبیہ: ان امور کے سوا ایک صورت نادرہ لطیفہ ہے کہ وہ بھی ایک بار واقع ہوئی اور ممکن تو بے شمار بار ہے یعنی بچے کا بن باپ کے پیدا ہونا۔ سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب الولد للفراش الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۹

اب تک کوئی عصبۂ نسبی نہیں یہاں تک کہ بعد نزول اُن کے اولاد ذکور پیدا ہوں۔ اب رہا زمانۂ رسالت میں وقوع، اس کے لئے حدیثیں سُنئے:

حدیث ہفتم: سنن ابی داؤد وجامع ترمذی میں اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے ہے:

ان مولی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات وترك شیئا ولم یدع ولدا ولاحمیما فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اعطوا میراثه رجلا من اھل قریته[1]

نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ایک آزاد شدہ غلام فوت ہُوا اس نے کچھ مال چھوڑا اور اولاد نہیں چھوڑی، نہ کوئی اور قرابت دار چھوڑا، تو رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی میراث اس کے قریہ والے کسی مرد کو دے دو۔ (ت)

حدیث ہشتم: مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے مروی:

ان وردان مولی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وقع من عذق نخلة فمات فاتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بمیراثه فقال انظروا له ذا قرابة قالوا ماله ذو قرابة قال فانظروا ھمشھریا له فاعطوہ میراثه یعنی بلدیا له[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وردان نامی ایک آزاد شدہ غلام کھجور کے ایک درخت سے گر گیا اور فوت ہوگیا اس کی میراث رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائی گئی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا کوئی قرابتدار دیکھو، صحابہ نے عرض کی اس کا کوئی قرابتدار نہیں۔ تو آپ نے فرمایا اس کا کوئی ہم وطن یعنی اس کے شہر کا کوئی شخص دیکھو تو اس کی میراث اسے دے دو۔ (ت)

ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ایک غلام آزاد شدہ نے انتقال فرمایا ان کے نہ اولاد تھی نہ کوئی قرابتدار، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب فی میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۴۶

[2] کنز العمال بحوالہ الدیلمی عن ابن عباس حدیث ۳۰۶۶۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۷

نے ان کا ترکہ ان کے ایک ہم وطن کو عطا فرما دیا۔ علماء فرماتے ہیں یہ عطا فرمانا بطور تصدق تھا نہ کہ بطور توریث، اور خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذریعہ ولائے عتاقہ وارث نہ ہوئے کہ انبیاء کرام نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ان کا وارثِ مال ہو علیہم الصلوۃ والسلام۔

جواب سوال چہارم

شرع مطہر میں کہیں ایسا حکم نہیں، نہ ترکِ دعوٰی، اگرچہ باوصف علم وفات مورث و علم مسائل شرعیہ بالقصد بلکہ بالتصریح ہو موجبِ حرمان۔ اشباہ میں ہے:

لوقال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقہ[1]

اگر وارث نے کہا میں نے اپنا حق چھوڑ دیا ہے تو اس کا حق باطل نہیں ہوگا۔ (ت)

غمز العیون میں ہے:

لومات عن ابنین فقال احدھما ترکت نصیبی من المیراث لم یبطل لانہ لازم لایترک بالترک[2]

اگر کوئی شخص دو بیٹے چھوڑ کر مرگیا ان میں سے ایک نے کہا میں نے میراث سے اپنا حصہ چھوڑ دیا تو اس کا حصہ باطل نہیں ہوگا کیونکہ اس کا حصہ لازم ہے جو چھوڑنے سے متروک نہیں ہوتا (ت)

بلکہ شرع مطہر میں حکم ہے کہ اگر کچھ لوگ قاضی کے پاس حاضر آئیں اور کسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت ظاہر کریں کہ ان کے فلاں مورث سے ترکہ میں انھیں پہنچی اور اس کی تقسیم چاہیں تو قاضی صرف ان کے بیان پر اس کی تقسیم نہ کرے جب تک بینہ سے ثابت نہ کریں کہ مورث مرگیا اور اتنے وارث چھوڑے۔

فی الدر المختار عقار یدعون انہ میراث عن زید لایقسم حتی یبرھنوا علی موتہ

درمختار میں ہے کہ کچھ لوگ کسی غیر منقولہ جائداد کے بارے میں یہ دعوٰی کریں کہ وہ زید کی میراث ہے تو قاضی اس کی تقسیم نہ کرے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام النقد ادارۃ القرآن کراچی ۲/۱۶۰

[2] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۱۶۰

وعدد ورثتہ[1] جب تک وہ زید کی موت اور اس کے وارثوں کی تعداد پر گواہ قائم نہ کریں۔ (ت)

اور مال منقول کو اگرچہ تقسیم کردے گا مگر کاغذ قسمت میں لکھ دے گا کہ یہ صرف ان کے بیان پر تقسیم کیا گیا۔

فی الھندیۃ یذکر القاضی فی صک القسمۃ باقرارھم[2] ہندیہ میں ہے کہ قاضی ان کا اقرار کاغذ قسمت میں ذکر کردے گا۔ (ت)

اس سوال کا جواب تو یہ ہے مگر اس کو ما نحن فیہ یعنی توریث عصبہ بعیدہ قسم چہارم پر ورود نہیں کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالٰی (جیسا کہ عنقریب تُو جان لے گا اگر اللہ تعالٰی نے چاہا۔ ت)

جواب سوال پنجم

اولاً مجرد کسی کے زبانی ادعا پر کہ میں فلاں کا نسیب ہوں توریث نہیں ہوسکتی اس کے لئے ثبوت شرعی چاہئے۔

ثانیاً استحقاق ارث عصوبت صرف نسیب ہونے پر مبنی نہیں بلکہ شرع میں اس کے لئے ترتیب ہے جب تک ثابت نہ ہو کہ اس ترتیب کی رُو سے یہی مستحق یا یہ بھی مستحق ہے ترکہ نہیں دیا جاسکتا یہاں عدم علم حکم میں مثل علم عدم کے ہے ولہذا چند شخص ایک معرکہ میں مقتول یا ایک واقعہ میں غریق یا حریق ہوں اور ان کی موت کا تقدم تاخر نہ معلوم ہو تو نہ باپ بیٹے کا ترکہ پائے گا نہ بیٹا باپ کا، ہر ایک کے ورثہ احیاء وارث ہوں گے وبس۔ جب کسی سید کا انتقال ہو تو جہاں تک اس کا سلسلہ نسب معلوم ہے اس کے آباء و آباء آباء الاقرب فالاقرب کی اولاد ذکور الاقرب فالاقرب تلاش کریں گے جو اقرب ثابت ہوگا اسے عصبہ ٹھہرائیں گے اگرچہ بیس پشت پر اس سے ملتا ہو اور سلسلہ معلومہ کی اولاد ذکور سے کوئی معلوم نہیں تو تمام یہاں کے سادات کرام کو عصبہ ٹھہرانا محال کہ ان میں یقیناً بعض بعض سے اقرب ہیں اور ایک معین کو جزافاً عصبہ اقرب کہہ دینا محال کہ ترجیح بلا مرجح ہے وحکم بلا دلیل ہے اور جب کسی کی عصوبت ثابت نہیں کسی کا استحقاق ثابت نہیں تو اُن میں کوئی شخص کیونکر ترکہ بٹا سکتا ہے یا قاضی اسے دلا سکتا ہے۔ علامہ

---

[1] الدرالمختار کتاب القسمۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۱۹

[2] الفتاوی الہندیۃ ؍؍ الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۵/ ۲۱۰

سیّد شریف قدس سرہ الشریف شریفیہ میں فرماتے ہیں:

لنا ان سبب استحقاق کل منہما میراث صاحبہ غیر معلوم یقینا و لما لم یتیقن بالسبب لم یثبت الاستحقاق اذلا یتصور ثبوتہ بالشك۔[1]

ہمارے نزدیک ان دونوں میں سے ہر ایک کے استحقاق کا سبب اس کے ساتھی کی میراث ہے جو کہ یقینی طور پر معلوم نہیں، جب سبب یقینی نہ ہوا تو استحقاق ثابت نہیں ہوگا کیونکہ اس کا ثبوت شک کے ساتھ متصور نہیں۔ (ت)

جواب سوال ششم

اس مبحث میں بمقابلہ ذوی الفروض کی قید زائد و ضائع ہے کلام ایسی عصوبت بعیدہ کے ترکہ پانے میں ہے وہ زمانہ صحابہ کرام بلکہ زمانہ اقدس سیّد انام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام میں واقع ہوا۔

حدیث نہم ۹: عبدالرزاق اپنی مصنف میں اور ابن جریر و بیہقی ضحاک بن قیس سے راوی:

انہ کان طاعون بالشام فکانت القبیلۃ تموت باسرھا حتی ترثھا القبیلۃ الاخری۔[2] الحدیث۔

یعنی زمانہ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ ملک شام میں طاعون واقع ہوا کہ سارا قبیلہ مرجاتا یہاں تک کہ دوسرا قبیلہ اس کا وارث ہوتا۔

حدیث دہم ۱۰: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنی مصنف اور امام ابوداؤد سنن میں حضرت بریدہ بن الحصیب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اتی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل فقال ان عندی میراث رجل من الازد ولست اجد ازدیا ادفعہ

یعنی ایک صاحب نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کی میرے پاس ایک ازدی یعنی قبیلہ بنی ازد سے ایک شخص کا ترکہ ہے اور

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی الغرقی والھدمٰی مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۴۳

[2] المصنف لعبدالرزاق کتاب الفرائض باب ذوالسہام حدیث ۱۹۱۳۶ المجلس العلمی بیروت ۱۰/ ۲۸۶

الیہ قال فاذھب فالتمس ازدیا حولا قال فاتاہ بعد الحول فقال یارسول اللہ لم اجد ازدیا ادفعہ الیہ قال فانطلق فانظر اول خزاعی تلقاہ فادفعہ الیہ فلما ولی قال علی الرجل فلما جاءہ قال انظر کبر خزاعۃ فادفعہ الیہ[1] ولفظ ابن ابی شیبۃ قال فاذھب فادفعہ الی اکبر خزاعۃ۔[2]

مجھے کوئی ازدی نہیں ملتا جسے دُوں، فرمایا سال بھر تک کوئی ازدی تلاش کرو، ایک سال کے بعد حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! میں نے کوئی ازدی نہیں پایا۔ فرمایا تو بنی خزاعہ میں جو شخص سب سے زیادہ جداعلیٰ سے قریب ہو اُسے دے دے۔ جب وہ لوٹا تو فرمایا اُسے میرے پاس بلالاؤ۔ جب وہ حاضرِ خدمت ہوا تو فرمایا جو خزاعہ میں سب سے عمر رسیدہ ہو اُسے دے دینا۔ ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں آپ نے فرمایا جا اور خزاعہ کے سب سے عمر رسیدہ شخص کو دے دے۔

بنی ازد بنی خزاعہ کی ایک شاخ ہے، جب میّت کے قبیلہ اقرب کا کوئی نہ ملا تو ترکہ نے قبیلہ اعلیٰ کی طرف رجوع کی، اب کون بتاسکتا ہے کہ یہ میّت اس اکبر خزاعی سے کہ اس کا عصبہ ٹھہرا کس قدر پشتہا پشت کے فصل پر جاکر ملتا ہوگا۔ اس حدیث سے وہ تلاش کرنے کا حکم بھی معلوم ہوگیا جس کا سوال چہارم میں استفسار تھا۔

جواب سوال ہفتم

ان حدیثوں کے بعد اگرچہ نہ اس سوال کا محل نہ اس کے جواب کی حاجت، مگر استفسار پر کہا جاتا ہے کہ ہاں بارہا فقیر کے یہاں سے ایسی عصوباتِ بعیدہ کو ترکہ دلایا گیا ہے کئی کئی روز سائلوں نے کہا اس کا کوئی عصبہ نہ رہا کوئی نہ تھا کوئی نہیں اور ان پر بار بار تحقیق و تفتیش کی تاکید کی گئی اور بالآخر پتا لگا کر لائے کہ پردادا یا پرداداکے باپ کی اولاد کا فلاں مرد فلاں جگہ باقی ہے، فقیر نے پندرہ سولہ سال سے تقسیم ترکہ کے مسائل اپنے اصحاب و احباب کے متعلق

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام آفتاب عالم پریس لاہور ۴۶/۲

[2] المصنف لابن ابی شیبہ ؍؍ حدیث ۱۱۶۳۹ ادارۃ القرآن کراچی ۴۱۴/۱۱

کر دیے ہیں اور نادرًا جو خود لکھنا ہوتا ہے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں ان کی نقل نہیں رکھتا مگر جب کسی فائدہ نفیسہ پر مشتمل ہو لہذا ان سب وقائع کا پتا نہیں دے سکتا ہاں ابھی اسی شعبانعہ میں اسی شہر کا ایک مسئلہ لکھا گیا جس میں قاضی زادوں کے خاندان سے ایک عورت کے پردادا کا پرپوتا اس کا وارث ہوا۔ ثواب الخیر بنت رعایت علی بن قاضی رحمت علی بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کا ترکہ فرزند علی بن محمد علی بن قاضی بدر الاسلام بن قاضی مولوی شیخ الاسلام کو ملا۔ فرائض نویسان زمانہ دریافت نہیں کرتے سائلوں جاہلوں کے بتانے پر قناعت کرتے ہیں وہ کیا جانیں کس کس کو ترکہ پہنچتا ہے، لاجرم بلاوجہ حق تلفیاں ہوتی ہیں اگر تفتیش کامل کی عادت ہوتی تو آج ایسی تورثیں اجنبیانہ معلوم ہوتیں۔ سچ ہے جو وارد ہوا حدیث میں کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے مروی:

تعلموا الفرائض وعلموہ الناس فانہ نصف العلم وانہ ینسی وھو اوّل ما ینزع من امتی[1] رواہ ابن ماجۃ والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

فرائض سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ کہ وہ نصف علم ہے اور وہ بھولا جاتا ہے اور پہلا علم ہے جو میری امت سے نکل جائے گا (اس کو ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

عہ بعدہٗ ۹ صفر ۱۳۱۹ھ کو اسی بریلی کے مسلمان حلوائیوں کا ایک مناسخہ آیا جس میں احمد بخش نامی ایک شخص کا ترکہ اس کی زوجہ وہمشیرہ سے بچا بلاقی وانعام اللہ نے پایا کہ احمد بخش کے پردادا کے چچا کے پوتے کے پوتے ہیں ان کا سلسلۂ نسب یوں ہے یہاں ذی فرض نسبی بھی موجود ہے، پھر احمد بخش کی پھوپھی سراجن مری وہی دو عصبے اس کے بھی وارث ہوئے وہ اس کے دادا کے چچا کے پرپوتے کے بیٹے ہیں، یہ بحمد اللہ اسی تحقیق کا نتیجہ ہے جو بیان کی جاتی ہے۔

زید
صلابت — لال محمد — نور محمد
صلابت: کلّو
کلّو: سعد اللہ، عطاء اللہ
سعد اللہ: انعام اللہ
عطاء اللہ: بلاقی
نور محمد: غلام غوث
غلام غوث: فیض اللہ، محمد بخش
محمد بخش: احمد بخش

[1] سنن ابن ماجۃ ابواب الفرائض باب الحث علی تعلیم الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹
المستدرک للحاکم کتاب الفرائض دار الفکر بیروت ۴/ ۳۳۲

جواب سوال ہشتم

یہ رواج باطل ومردود ونامعتبر ہے کہ صراحۃً مخالف شرع مطہر ہے کوئی رواج نص کے خلاف معتبر نہیں ہوسکتا ورنہ ربا وزنا وشراب ورباب کا رواج اس سے بدرجہا زائد ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم تو فرمائیں:

فلاولی رجل ذکر[1] کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے (ت)

جو فرائض مقدرہ دلا کر باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو بہ نسبت دیگر اقارب کے میت سے قریب تر ہے، ایسے مرد کے ہوتے ہوئے جو رَد کیا جائے گا صراحۃً حق تلفی وظلم العبد اور الیسا رد خود واجب الرد ہوگا، یہ رواج نہ صرف حدیث بلکہ اجماعِ اُمت کے خلاف ہے۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے:

قال النووی رحمہ اللہ تعالٰی قد اجمعوا علی ان ما بقی بعد الفرائض فھو للعصبات یقدم الاقرب فالاقرب[2]۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا کہ مشائخ کا اس پر اجماع ہے جو اصحاب الفرائض کے بعد باقی بچے وہ عصبوں کے لئے ہے، جو عصبہ سے زیادہ قریبی ہے اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

مسئلہ ۷۳: از دیگر شریف ضلع ہردوئی مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خالد کی زوجۂ اولٰی سے ایک پسر اور ایک دختر ہے، بعد فوت زوجۂ اولٰی خالد نے عقد ثانی کیا اس سے بھی اولاد ہے اب خالد نے اولاد زوجۂ اولٰی کو مکان سے نکال دیا اور جملہ حقوق سے محروم کیا اور ذمہ خالد کے مہر زوجۂ اولٰی کا واجب الادا ہے۔ پس اس صورت میں اولاد زوجۂ اولٰی مستحق پانے مہر وغیرہ

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷
صحیح مسلم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۳۴
[2] مرقاۃ المفاتیح کتاب البیوع باب الفرائض حدیث ۳۰۴۲ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۶/ ۲۳۰

مادرِ متوفیہ اپنی کے خالد سے از روئے شرع شریف ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مہر جبکہ کُل یا بعض ذمّہ شوہر واجب الادا ہو اور عورت بے ابرا و معافی معتبر شرعی مرجائے تو وہ مثل دیگر دیون و اموال متروکہ زن ہوتا ہے اگر شوہر بعد کو زندہ رہے تو وہ خود بھی اُس سے اپنا حصہ شرعی حسب شرائط مقررہ علم فرائض پاتا ہے جبکہ عورت کا ترکہ قابل تقسیم ورثہ ہو یعنی عورت پر کوئی دین ایسا نہ ہو جو اس کے تمام متروکہ نقد و دَین و جائداد کو محیط و مستغرق ہو ورنہ شوہر خواہ کوئی وارث بذریعہ وراثت مہر خواہ دیگر متروکہ سے کچھ پانے کے مستحق نہ ہونگے سب ادائے دین مورثہ میں صرف کیا جائے گا لقولہ تعالٰی من بعد وصیۃ یوصین بہا او دین[1] (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی وجہ سے "اس وصیت کے بعد جو وہ کر گئیں اور قرض کے بعد"۔ ت) پس صورتِ مستفسرہ میں زوجۂ اولٰی پر اگر ایسا دَین تھا تو کل مہر جس قدر ذمّہ خالد واجب الادا ہے اس سے وصول کرکے زن متوفاۃ کے قرضخواہوں کو دیں اور اگر ایسا نہیں تو جس قدر دَین غیر محیط عورت پر ہو اس کے کُل متروکہ مہر وغیرہ سے ادا کرکے باقی کے ثلث میں اس کی وصیت اگر اُس نے کی ہو نافذ کرکے باقی کا ایک ربع خالد پر سے ساقط کریں کہ یہ خود اس کا حصہ ہوا اور تین ربع دیگر وارثانِ زن کو دیں خواہ یہی پسر و دختر ہوں یا ان کے ساتھ اور بھی مثل مادر و پدر زن یا اس کے جدِّ صحیح و جدہ صحیحہ علٰی قضیۃ الفرائض اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۷: از بھیڑی متصل مسجد لب سڑک مرسلہ مولوی مقیم الدین صاحب مصنف اسلام کھنڈ ۱۳ صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بی بی فوت ہوئی اور اس کے بعد ایک لڑکا اور ایک لڑکی جو اس سے تھے وہ بھی فوت ہوگئے۔ اب متوفیہ کے باپ کی جائداد متروکہ میں سے جو اس کے بھائی اور ماں کے قبضہ میں ہے متوفیہ کے شوہر کو از روئے شرع شریف حصّہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اگر مل سکتا ہے تو کس حساب سے؟ اور متوفیہ کے ماں اور بھائی اس کے شوہر سے اگر اس نے معاف نہ کیا ہو زرِ مہر پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

ہندہ یعنی زن متوفاۃ کا بھائی اس کے مہر وغیرہ متروکہ سے کسی شیئ کا مستحق نہیں اور لیلٰی یعنی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

مادرِ ہندہ ضرور اپنا حصّہ مہر شوہر ہندہ سے پانے کی مستحق ہے یونہی زید یعنی شوہر ہندہ اپنا حصہ ہندہ کے اس ترکہ سے جو اس نے متروکہ پدری سے پایا مادر و برادر ہندہ سے لینے کا استحقاق رکھتا ہے۔
باقی رہا یہ کہ لیلٰی کا مہر اور زید کا اُس ترکہ میں کتنا حق ہے؟ اس کی تعیین تفصیل ورثۂ ہندہ پر موقوف تھی، سائل نے کچھ نہ بتایا کہ عمرو وسلمٰی یعنی پسر و دخترِ ہندہ کی شادیاں ہوئی تھیں یا نہیں، اُن کے بعد عمرو کی زوجہ یا سلمٰی کا شوہر یا کسی کی کچھ اولاد رہی یا نہیں، اگر رہی تو از قسم اناث تھی یا کیا، بر تقدیر اول ایک دختر تھی یا متعدد، پھر ان وارثان عمرو وسلمٰی میں اگر تھے کسی ایسے کا انتقال ہوا یا نہیں جس کی موت سے لیلٰی کا حصہ بڑھے، ہوا تو کتنوں کا، کس ترتیب سے، کیا کیا وارث چھوڑے۔ ان صور کے اختلاف سے زید و لیلٰی کے استحقاق میں یہ اختلاف پڑے گا کہ اُن میں ہر ایک ترکۂ عمرو وسلمٰی سے کبھی سدس پائے گا کبھی کم کبھی زائد، اور بعض صورتوں میں زید کے لئے پانچ سدس ہوں گے لہذا تعیین نہیں کی جاسکتی کہ زید و لیلٰی ترکہ و مہر ہندہ سے کس کس قدر کے مستحق ہوئے۔ اجمالاً اتنا کہہ سکتے ہیں کہ ہندہ کو جو کچھ ترکۂ پدری سے ملا زیور و مہر وغیرہا اور جو کچھ اس کا ذاتی تھا بر تقدیر عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم دَین و وصیت چھتیس[۳۶] سہام ہو کر نو[۹] سہم زید اور چھ[۶] لیلٰی اور چودہ[۱۴] عمرو اور سات[۷] سلمٰی کو ملیں گے، اور جو کچھ عمرو وسلمٰی کو ملا وہ ان کے ورثہ پر تقسیم ہوگا جن میں زید و لیلٰی بھی ضرور مستحق یا صرف یہی دونوں مستحق ہوں گے، بہرحال وہ چہارم کہ زید نے ترکہ ہندہ سے پائے اور جو جو حصہ اُسے ترکۂ عمرو وسلمٰی سے ملا اس کے مجموع کا مطالبہ وہ اس ترکہ ہندہ سے کرسکتا ہے جو قبضۂ مادر و برادر ہندہ میں ہے اور وہ چھٹا حصہ کہ لیلٰی نے مہر ہندہ سے پایا اور جو کچھ اسے حصہ عمرو وسلمٰی سے پہنچا منجملہ مہر اس مجموع کا مطالبہ لیلٰی زید سے کرسکتی ہے اگر صورت یہ ہو کہ عمرو وسلمٰی نے سوا زید و لیلٰی کے کوئی وارث نہ چھوڑا ہو تو کل متروکۂ ہندہ مہر وغیرہ سب بہتّر[۷۲] سہام ہو کر انیس[۱۹] سہم لیلٰی اور ترپن[۵۳] زید کو ملیں گے اس صورت میں زید مادر و برادر ہندہ سے منجملہ حصہ ہندہ از ترکہ پدری $\frac{53}{72}$ لینے کا مستحق ہے اور لیلٰی منجملہ مہر زید سے $\frac{19}{72}$، کما لایخفی علٰی من یعرف التخریج (جیسا کہ اس شخص پر مخفی نہیں جو تخریج کی پہچان رکھتا ہے۔ ت)
واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۵

۲۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے تین[۳] پسر دو[۲] دختر ایک زوجہ تھی زوجہ نے انتقال کیا عمرو پسر کلاں نے کہ ماں اُسی کے ساتھ رہتی تھی بے اذن زید بطور خود اپنی والدہ کی تجہیز و تکفین

کی جب زید کا وقت انتقال قریب آیا اس نے تیس روپیہ قرض لے کر اپنے منجھلے پسر بکر کو کہ زید اس کے ساتھ رہتا تھا دیئے کہ کفن و دفن میں اٹھانا اب تقسیم جائداد زید پر منازعت ہے۔ عمرو کہتا ہے والدنے تیس روپے اپنی تجہیز کے لئے بکر کو دیئے تھے میں نے والدہ کی تجہیز و تکفین کی اس کے تیس روپیہ میں ترکہ والدہ سے لوں گا خالد پسر خورد کہتا ہے والد نے اور بھائیوں کی شادی خود کی میری شادی نہ ہوئی اس کا صرف علاوہ حصہ شرعیہ کے ترکۂ والد سے مجھ کو ملے، اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے اور پسر کلاں و خورد کے یہ دونوں دعوے قابلِ سماعت ہیں یا نہیں؟ بیّنوا وتوجروا (بیان فرمایئے اور اجر پایئے۔ ت)

الجواب

دونوں دعوی باطل و ناقابلِ سماعت ہیں عورت کی تجہیز و تکفین اگرچہ مذہب مفتی بہ میں مطلقاً ذمۂ شوہر لازم ہے تو بکر نے اپنے باپ کا واجب ادا کیا مگر جب کہ یہ فعل اس کا بطور خود بے اذن پدر تھا تو وہ اس کی طرف سے تبرع یعنی احسان اور ایک نیک سلوک ٹھہرے گا جس کا معاوضہ پانے کا وہ ماں یا باپ کسی کے ترکہ سے استحقاق نہیں رکھتا۔ تنویر الابصار میں ہے:

اختلف فی الزوج والفتوٰی علی وجوب کفنھا علیہ وان ترکت مالا[1]

زوج کے بارے میں اختلاف کیا گیا اور فتوٰی اس پر ہے کہ بیوی کا کفن خاوند پر واجب ہے اگرچہ بیوی نے مال چھوڑا ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

لوکفنہ الحاضر من مالہ لیرجع علی الغائب منھم بحصتہ فلا رجوع لہ ان انفق بلا اذن القاضی حاوی الزاھدی واستنبط منہ الخیر الرملی انہ لوکفن الزوجۃ غیر زوجھا بلا اذنہ

اگرچہ حاضر نے میت کو اپنے مال سے اس نیت سے کفن پہنایا کہ غائب وارثوں پر اس کے حصہ کا رجوع کریگا تو اس کو رجوع کا حق نہیں ہوگا اگر اس نے قاضی کی اجازت کے بغیر کفن پر خرچ کیا ہو۔ یہ حاوی الزاہدی میں ہے۔ اسی سے علامہ خیر الدین رملی نے استنباط کیا کہ اگر بیوی کو خاوند کے غیر نے خاوند اور قاضی کی اجازت کے

---

[1] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنازۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱۲۱/۲

ولا اذن القاضی فھو متبرع[1] بغیر کفن پہنایا تو وہ اس میں احسان کرنے والا قرار پائے گا۔ (ت)

اسی طرح شادی کا صرف مانگنا محض بے معنی ہے جس کی شرع مطہر میں کچھ اصل نہیں، مصارفِ شادی زید پر دَین نہ تھے کہ اس کے ترکہ سے لئے جائیں کما لا یخفی علی احد ممن لہ مساس بالعلم (جیسا کہ علم سے مس رکھنے والے کسی شخص پر پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۷۶ ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محمدی بیگم فوت ہوئی، ایک بہن کی دو دختر زینب وسکینہ، اور دوسری بہن کے دو پسر ایک دختر خالد، ولید، ہندہ، اور بھائی کی ایک دختر ناجرہ وارث چھوڑے۔ یہ سب بہن بھائی حقیقی تھے تو ترکہ محمدی بیگم کا ان پر کس طور سے تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث ووارث آخر وتقدیم دَین ووصیت ترکہ محمدی بیگم کا انچاس ۴۹ سہام پر منقسم ہو کر چودہ ۱۴ سہم ناجرہ اور پانچ پانچ زینب وسکینہ وہندہ اور دس دس خالد وولید کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

صورۃ القسمۃ ھکذا (تقسیم کی صورت اس طرح ہے۔ ت)

مسئلہ ۷ × ۷ = ۴۹ محمدی بیگم

اخ	اخت		اخت		
	ھی کاختین تعدد فروعہا		ھی کثلث لذلک		
بنت	بنت	بنت	ابن	ابن	بنت
ناجرہ	زینب	سکینہ	خالد	ولید	ہندہ
۲/۱۴	۵	۵	۱۰	۱۰	۵

[1] ردالمحتار کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الجنائز دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۰ و ۵۸۱

مسئلہ از ملک بنگالہ ضلع بردوان ڈاکخانہ گدا موضع کدمیہ مرسلہ محمد مسلم صاحب ۲۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت فوت ہوئی اس نے کوئی وارث نہ چھوڑا سوائے زوج البنت واخت الزوج وابن عم الزوج کے، آیا انھیں کو ملے گا بطور وراثت یا بطور استحقاق بیت المال؛ اس زمانہ میں بیت المال نہیں ایسا مال مہتمم مدرسہ کو دیا جائے کہ وہ حوائج مدرسہ میں خرچ کرے، جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

جبکہ میت کا کوئی وارث شرعی موصی لہ بجمیع المال تک نہ ہو تو جو کچھ اس کی تجہیز و تکفین و ادائے دیون سے بچے فقرائے بیکس و بے قدرت عاجزین مسلمین کو دیا جائے۔ ان تین شخصوں میں اگر کوئی اس طرح کا ہو تو اُسے دیں، اور اگر داماد فقیر عاجز ہو تو وہ مستحق تر ہے اسے دینا انسب ہے کہ وہ سب سے زیادہ عورت کا قریب ہے، داماد محرم و مانندِ پسر ہوتا ہے۔ اس مال کا مہتمم مدرسہ کو ایسے خرچ مدرسہ کے لئے دینا جو مصرفِ مذکور سے جُدا ہو عامہ کتب کے خلاف ہے۔ درمختار میں ہے:

بیوت المال اربعۃ (الی قولہ) ورابعھا الضوائع "مثل مالا یکون لہ اناس وارثونا" ثم قال ورابعھا فمصرفہ جہات تساوی النفع فیھا المسلمونا[1] قال فی ردالمحتار لکنہ مخالف لما فی الھدایۃ والزیلعی فان الذی فی الھدایۃ وعامۃ الکتب ان الذی یصرف فی مصالح المسلمین ھو الثالث اما الرابع فمصرفہ اللقیط الفقیر والفقراء الذین لا اولیاء لھم کما فی الزیلعی وغیرہ عامۃ

بیت المال کی اقسام چار ہیں (ماتن کے اس قول تک کہ) ان میں چوتھی قسم گری پڑی اشیاء ہیں جیسے وہ مال جس کا سرے سے کوئی وارث نہ ہو۔ پھر کہا اس کا مصرف وہ جہتیں ہیں جن کے نفع میں تمام مسلمان برابر ہوں، ردالمحتار میں کہا لیکن یہ اس کے مخالف ہے جو کچھ ہدایہ اور زیلعی میں ہے، کیونکہ ہدایہ و عام کتابوں میں ہے کہ جو کچھ مسلمانوں کی مصلحتوں پر خرچ کیا جاتا ہے وہ تیسری قسم ہے۔ چوتھی قسم کا مصرف تو وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کا کوئی ولی نہیں ہوتا جیسا کہ زیلعی وغیرہ عام کتابوں میں

---

[1] الدرالمختار کتاب الزکوٰۃ باب العشر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۴۰

الکتب[1] اھ مختصرا وتمام تحقیقہ البازغ فیما علقناعلیہ ۔ واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم۔

ہے اھ اختصار، اور اس کی مکمل روشن تحقیق ردالمحتار پر ہماری تعلیق میں ہے۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ بکر نے انتقال کیا اور اپنی ملکیت سے دو۲ مکان زنانے اور ایک مردانہ اور ایک کھپریل بقیمت مبلغ عہ۳۰ اور ایک درخت نیب بقیمت مبلغ آٹھ روپے کا چھوڑا۔ زید اور عمرو مکانات مذکور پر بتقسیم مساوی کہ ایک مکان خاص زید کا اور ایک خاص عمرو کا، اور نشست گاہ اور کھپریل اور درخت نیب پر مشترک قابض ہوئے، زید نے خاص اپنا کہ جس میں صرف دو۲ کوٹھے تھے فروخت کردیا بعد چند روز کے فوت ہوگیا، اولاد زید کی عرصہ تیس۳۰ برس تک مکانات مشترکہ اور درخت نیب وکھپریل پر قابض رہے اور سکونت بھی مکان خاص عمرو میں اپنے چچا کے پاس رہے، قضاءً عمرو اور اولادِ زید میں نا اتفاقی ہوئی، اولادِ زید نے جدا ہو کر دوسری جگہ سکونت اختیار کی بعد چند روز کے عمرو بھی فوت ہوگیا تب اولادِ عمرو نے وہ سب مکانات اور درخت نیب تین حصہ مساوی پر آپس میں تقسیم کرلیا، اولادِ زید کو کچھ نہ آیا بوجہ جدا ہو جانے اور قبضہ چھوڑ دینے کے اولادِ زید کا حق نہ رہا۔

الجواب

نہ جُدا ہو جانے سے حق ساقط ہوسکتا ہے نہ قبضہ چھوڑ دینے سے نشست گاہ اور کھپریل اور درخت میں نصف اولادِ زید کا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱ ذی الحجہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ہندہ فوت ہوئی اور زینب اخت عینی اور زید پسر ہمشیرہ اور عمرو پسر برادر حقیقی اور خالد برادر علاتی اور شوہر وارث چھوڑے، پس تقسیمِ ترکہ کس طرح ہوگی؟ بیّنوا توجروا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم امور

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

مقدم علی المیراث کالدین والوصیۃ ترکہ ہندہ کا دو سہام پر منقسم ہوکر ایک سہم شوہر اور ایک حقیقی خواہر کو ملے گا باقی کوئی کچھ نہ پائے گا، بھانجا تو ذوی الارحام سے ہے اور بھتیجا بھائی کے ہوتے محروم بھائی عصبہ تھا اہل فرائض یعنی شوہر و خواہر سے جو بچتا لیتا مگر ان سے کچھ باقی بچا ہی نہیں لہذا کچھ نہ پہنچا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از الٰہ آباد کچہری دیوانی مرسلہ شیخ رضی الدین صاحب وکیل ۴ محرم ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین فرقہ سنت و جماعت بیچ اس مسئلہ کے کہ شیخ معین الدین نے انتقال کیا اور مسماۃ مینا بی بی ایک زوجہ لاولد اور مسماۃ عائشہ بی بی ایک خالہ علاتی یعنی نانا کی دختر دوسری ماں سے جو متوفی کی حقیقی نانی نہ تھی اور مسماۃ مصری بی بی ایک خالہ عینی کے تین پسر اور ایک دختر اور مسماۃ برکت النساء بی بی دختر عم حقیقی متوفی کو چھوڑا اور بعد فوت شیخ معین الدین مذکور کے مسماۃ برکت النساء بی بی بھی تین پسر و تین دختر چھوڑ کر فوت ہوگئی پس ایسی صورت میں املاک متروکہ شیخ معین الدین متوفی از روئے شرع شریف حنفی کے کس کس کو کس کس قدر پہنچے گا وملے گا؟ فتوٰی بحوالہ عبارت کتاب کے ارقام و مرحمت فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

صورت مستفسرہ میں بر تقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر و تقدیم مہر و دیون و وصایا ترکہ شیخ معین الدین کا چار سہام پر منقسم ہوکر ایک سہم زوجہ اور تین سہم عائشہ کو ملیں گے اور مصری کی اولاد یا برکت النساء کے لئے کچھ نہیں۔ شرعًا ذوی الارحام کے ہر صنف بلکہ عصبات کی بھی ہر نوع میں یہ حکم عام ہے کہ قرب درجہ مطلقًا موجب ترجیح ہے ایک صنف کے ذوی الارحام یا ایک نوع کے عصبات میں جسے میت تک انتساب میں وسائط کم ہوں گے وہ کثیر الوسائط پر ہمیشہ مقدم رہے گا اگرچہ دوسرا قوت قرابت یا ولدیت عصبہ رکھتا ہو مثلًا برادر علاتی ابن الاخ عینی سے مقدم ہے اور بنت خالہ ابن ابن العمہ پر مرجح ہے وھکذا شریفیہ میں ہے:

اولٰھم بالمیراث اقربھم الی المیت من ای جھۃ کان ای سواء کان الاقرب من جھۃ الاب او من غیر جھتہ فاولاد العمۃ اولٰی من اولاد

ان میں سے میراث کا زیادہ حقدار وہ ہوگا جو میت کے زیادہ قریب ہو چاہے کسی بھی جہت سے ہو یعنی برابر ہے کہ وہ زیادہ قریب باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے۔ چنانچہ پھوپھی کی اولاد، خالہ کی اولاد کی اولاد سے

اولاد الخالۃ و بالعکس لوجود الاقربیۃ مع اختلاف الجہۃ[1] اھ مختصرًا۔

اولٰی ہوگی اور یوں ہی اس کے برعکس کیونکہ جہت مختلف ہونے کے باوجود اقربیت پائی گئی اھ مختصراً (ت)

درمختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف[2]

ہر صنف میں زیادہ قُرب رکھنے والے کو مقدم کیا جائے گا۔ (ت)

اور شک نہیں کہ خالہ بنت العم سے اقرب ہے، خالہ کے معنی ہیں خواہرِ مادرِ میت اور بنت العم کے معنی دخترِ برادرِ پدرِ میت ولہذا بنت العم ابن الخالہ یا بنت الخالہ پر مقدم نہیں ہوتی دونوں ایک درجے میں رکھی جاتی ہیں۔ حل المشکلات علامہ القروی میں ہے:

من مات وترك بنت عم لابوین و ابن خال لاب اولام فالمال بین الفریقین اثلاثا ثلثا المال للبنت لانہا من جانب الاب وثلثہ للابن لانہ من جانب الام[3]

جو شخص حقیقی چچا کی بیٹی اور علاتی یا اخیافی ماموں کا بیٹا چھوڑ کر فوت ہوا تو اس کا مال دونوں فریقوں میں تہائیوں کے اعتبار سے تقسیم ہوگا، دو تہائی بیٹی کو ملیں گے کیونکہ وہ باپ کی جانب سے ہے اور ایک تہائی بیٹے کو ملے گا کیونکہ وہ ماں کی جانب سے ہے۔ (ت)

اور جب بنت العم اولادِ خالہ سے مساوی الدرجہ ہوئی تو خالہ سے بالبداہۃ نیچے درجے میں ہوئی اور جب بنت العم نے بوجہ ولدیت عصبہ اولادِ خالہ پر ترجیح نہ پائی کہ حیز قرابت مختلف ہے تو خالہ کے ہوتے ہوئے اس کی ولدیت عصبہ بدرجہ اولٰی ساقط الاعتبار ٹھہری۔ سراجیہ و شریفیہ میں ہے:

ان استووا فی القرب ولکن اختلف حیز قرابتہم بان کان بعضہم

اگر وہ قرب میں برابر ہوں لیکن جہت قرابت میں مختلف ہوں مثلاً ان میں سے بعض باپ

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص۱۱۷

[2] الدرالمختار " باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[3] حل المشکلات

من جانب الاب وبعضهم من جانب الام فلا اعتبار ھٰھنا لقوۃ القرابۃ ولا لولد العصبۃ فی ظاھر الروایۃ فبنت العم لاب وام لیست اولٰی من بنت الخالۃ لعدم اعتبار کون بنت العم ولد العصبۃ[1] اھ باختصار۔

کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو یہاں قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا ظاہر الروایہ کے مطابق کوئی اعتبار نہیں ہوگا' لہذا حقیقی چچا کی بیٹی خالہ کی بیٹی سے اولٰی نہیں ہوگی کیونکہ یہاں چچا کی بیٹی کا اولادِ عصبہ ہونا معتبر نہیں ہے اھ اختصار (ت)

بالجملہ خالہ اگر علاتیہ صنف رابع میں ہے اور بنت العم حکماً اولاد صنف رابع کے مثل ہے حاشیہ علامہ طحطاوی علی الدر المختار میں ہے:

حکم بنات الاعمام حکم اولاد الصنف الرابع[2]

چچوں کی بیٹیوں کا حکم صنفِ چہارم کی اولاد کے حکم کی طرح ہے۔ (ت)

اور صنف رابع اولاد صنف رابع پر بالاجماع مقدم ومرجح ہے کما لایخفی (جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔ ت) واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸: ۱۰ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ مرسلہ محمد عبدالصبور

جناب مولوی صاحب قبلہ فیض رسان دام ظلہم، بعد تسلیم کے عرض خدمت فیض درجت میں یہ ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے اور ایک نواسے کو بیٹا بنایا ہے اب وہ شخص اپنی حیات میں اپنا مال واسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے اور یہ دریافت کرتا ہے کہ نواسے کو مثل بیٹے کے جو اسباب وغیرہ تقسیم کرکے دُوں تو اس کا مواخذہ میرے ذمّے تو نہ ہوگا کہ بیٹی کے مقابلے میں نواسے کو بھی مثل بیٹے کے حصّہ دیا ہے اس کا فتوٰی صحیح طور پر مہر لگا کر مرحمت فرمائیے گا تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'۔ مہر وغیرہ دَین جو کچھ ادا کرکے جو باقی بچے تین حصے برابر کردیجئے، ایک پسر، ایک دختر، ایک نواسے کو، اس میں کوئی مواخذہ یا کسی کی حق تلفی نہ ہوگی' زندگی میں

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ کتاب الفرائض باب ذوی الارحام مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۱۱۹

[2] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار " باب توریث ذوی الارحام مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۴۰۱

جو اولاد پر تقسیم کی جائے اس میں بیٹا، بیٹی دونوں برابر رکھے جاتے ہیں اکہرے دوہرے کا تفاوت بعد موت ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۲ از فیروزپور مرسلہ مولوی غلام صدیق نائب مدرس مدرسہ شاہی ضلع بریلی ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو قابلِ نکاح سمجھ کر اپنے نکاح میں لایا اور ہمبستر ہُوا یہاں تک کہ ہندہ کو حمل رہا اس کے بعد زید پر واضح ہوا کہ ہندہ نے دھوکا دیا وہ عمرو کی منکوحہ ہے زید نے اسے اپنے یہاں سے نکال دیا ہندہ نے اپنے شوہر عمرو کو کچھ دے کر طلاق لی اور بعد تین مہینے گزرنے کے پھر زید کے پاس آئی زید نے اب اسے رکھ لیا اور حمل مذکور سے لڑکا بھی پیدا ہولیا تھا مگر اب بعد طلاق اس سے نکاح نہ کیا اس پر لوگ انگشت نما ہوئے زید نے پھر عورت کو نکال دیا اس نے تیسرے شخص سے نکاح کر لیا اب زید کا انتقال ہوا ایک یہی لڑکا جو یقیناً زید کے نطفہ سے ہے اور چار لڑکیاں اور ایک بھائی ایک بھتیجا ایک چچازاد بہن وارث چھوڑے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح منقسم ہوگا اور یہ لڑکا اس کا وارث ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں یہ لڑکا شرعاً زید کا بیٹا اور اس کا وارث ہے منکوحۂ غیر سے نکاح جبکہ ناکح کو اس کا نکاحِ غیر میں ہونا معلوم نہ ہو نکاح باطل نہیں بلکہ فاسد ہے۔

فی ردالمحتار عن البحر عن المجتبٰی اما نکاح منکوحۃ الغیر ومعتدتہ فالدخول فیہ لایوجب العدۃ ان علم انھا للغیر لانہ لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا قال فی البحر فعلی ھذا یفرق بین فاسدہ وباطلہ فی العدۃ ولھذا یجب الحد مع العلم

ردالمحتار میں بحر سے بحوالہ مجتبٰی منقول ہے غیر کی منکوحہ یا غیر کی معتدہ سے نکاح ہوا تو اس میں دخول عدت کو واجب نہیں کرتا اگر ناکح جانتا ہو کہ یہ غیر کی منکوحہ یا معتدہ ہے کیونکہ اس کے جائز ہونے کا قول کسی نے بھی نہیں کیا، چنانچہ یہ نکاح بالکل منعقد نہیں ہوتا۔ بحر میں کہا اسی بنیاد پر عدت کے بارے میں نکاح فاسد اور نکاح باطل کے درمیان فرق کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حرمت کا علم ہونے کے

بالحرمة لانه زنا كما فى القنية وغيرها[1]

باوجود ایسا کرنے والے پر حد واجب ہوتی ہے کیونکہ یہ زنا ہے جیسا کہ قنیہ وغیرہ میں ہے (ت)

اور ایسی صورت میں مذہب مفتی بہ پر حتی الامکان بچہ اسی ناکح ثانی بنکاح فاسد کا قرار پاتا ہے نہ شوہر اول صاحب نکاح صحیح کا۔

فى الدر المختار غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولادا ثم جاء الزوج الاول فالاولاد للثانى على المذهب الذى رجع اليه الامام وعليه الفتوى كما فى الخانية والجوهرة والكافى وغيرها وفى حاشية شرح المنار لابن الحنبلى وعليه الفتوى ان احتمله الحال[2] فى رد المحتار قوله غاب عن امرأته شامل لما اذا بلغها موته او طلاقه فاعتدت وتزوجت ثم بان خلافه ولما اذا ادعت ذلك ثم بان خلافه[3] اھ وفيه حكم الدخول فى النكاح الموقوف كالدخول فى

درمختار میں ہے کوئی شخص بیوی کو چھوڑ کر غائب ہوگیا اس نے دوسرے شخص سے شادی کرکے اولاد جنی، پھر پہلا خاوند آگیا تو اس مذہب کے مطابق جس کی طرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی نے رجوع فرمایا اولاد دوسرے خاوند کی ہوگی، اور اسی پر فتوٰی ہے، جیسا کہ خانیہ، جوہرہ اور کافی وغیرہ میں ہے۔ ابن الحنبلی کی شرح منار کے حاشیہ میں ہے اور اس پر فتوٰی ہے اگر حال اس کا احتمال رکھتا ہو۔ ردالمحتار میں ہے ماتن کا قول کہ "وہ بیوی چھوڑ کر غائب ہوگیا" یہ اس صورت کو شامل ہے جب بیوی کو خاوند کی موت یا اس کے طلاق دینے کی خبر پہنچی ہو تو اس نے عدت گزار کر شادی کرلی پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا، اور اس صورت کو بھی شامل ہے کہ جب اس عورت نے اس کا دعوٰی کیا ہو پھر اس کے خلاف ظاہر ہوا ہو (ت) الخ۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الطلاق باب العدۃ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۰۷

[2] الدرالمختار " " فصل فی ثبوت النسب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۳

[3] ردالمحتار " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۶۳۱

الفاسد فیسقط الحد ویثبت النسب ویجب الاقل من المسمّٰی و من مھر المثل[1] الخ۔

اور اسی میں نکاحِ موقوف میں دخول کا حکم نکاحِ فاسد میں دخول کے حکم کی طرح ہے، چنانچہ اس سے حد ساقط ہوگی، نسب نامہ ثابت ہوگا اور مقررہ مہر اور مہرِ مثل میں سے جو اقل ہوگا وہ واجب ہوگا الخ (ت)

اور جب شرعاً اس کا نسب زید سے ثابت، اور وہ زید کا بیٹا ہے، تو وارث ہونے میں شبہہ کیا ہے حیث لا مانع من الارث (اس لئے کہ میراث سے کوئی مانع موجود نہیں۔ت) پس بر تقدیر عدم وارث آخر و تقدیم دین و وصیت ترکۂ زید چھ سہام پر منقسم ہوکر دو سہم یہ لڑکا اور ایک ایک سہم ہر ایک بیٹی پائے گی اور بھائی بھتیجا بہن کوئی کچھ نہ پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۳: از ریاست عثمانپور ضلع بارہ بنکی مرسلہ شیخ محمد عنایت حسین صاحب

۳۰ رمضان ۱۳۱۷ھ

چہ می فرمایند علمائے دینِ اطہر و مفتیان شرع مطہر اندریں مسئلہ کہ مسمی زید سہ پسر دارد بکر، عمرو، خالد۔ خالد را شخصے لاولد بہ تبنیت گرفت و قائم مقام جائز خود نمود، دریں صورت خالد از متروکۂ پدری شرعی حصہ ہم خواہد یافت یا محروم الارث خواہد شد فقط۔

کیا فرماتے ہیں دینِ اطہر کے علماء اور شرعِ مطہر کے مفتی حضرات اس مسئلہ میں کہ زید نامی شخص کے تین بیٹے ہیں: بکر، عمرو اور خالد۔ خالد کو ایک بے اولاد شخص نے اپنا بیٹا بنالیا اور اس کو اپنی اولاد کے قائم مقام کرلیا۔ اس صورت میں خالد اپنے باپ کے ترکہ سے بھی شرعی حصہ پائے گا یا اس کی میراث سے محروم ہوگا فقط؟

الجواب

پسر خواندہ نہ چنیں کس را پسر می شود نہ خود بے علاقہ از پدر، ان الحقائق لا تتغیر، شرعاً وارث پدر

منہ بولا بیٹا نہ ایسے شخص کا بیٹا ہوتا ہے اور نہ ہی اپنے باپ سے بے تعلق ہوتا ہے کیونکہ حقیقتوں میں تغیر نہیں ہوتا۔ شرعی طور

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۵۰

ست نہ آنکس دیگر۔ خواستہ اش حسب خواستہ است کہ وصیت کرد بدست متبنی آمدہ باشد این وراثت نیست الا لاوصیۃ لوارث[1] قال اللہ تعالٰی و ما جعل ادعیاءکم ابناءکم[2] الٰی قولہ تعالٰی ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ الاٰیۃ[3]، وقال اللہ تعالٰی یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[4] نیست خاصہ تبنی کے از موانع ارث ارث پسر از پدر وھذا اظھر من ان یظھر واللہ تعالٰی اعلم۔

پر وہ اپنے باپ کا وارث ہے نہ کہ اس دوسرے شخص کا جس نے اس کو مُنہ بولا بیٹا بنایا ہے۔ اگر دوسرا شخص چاہے تو منہ بولے بیٹے کے حق میں وصیت کر دے تاکہ اس کا مال اس کے منہ بولے بیٹے کے ہاتھ میں آجائے۔ اور یہ وراثت نہ ہوگی خبردار وارث کے لئے وصیت نہیں ہوتی، اللہ تعالٰے نے فرمایا:" اور اللہ تعالٰے نے تمہارے لے پالکوں کو تمھارا بیٹا نہیں بنایا" (اللہ تعالٰی کے اس ارشاد تک) "انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے" الآیۃ" اور اللہ تعالٰی نے فرمایا:" اللہ تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے"۔ اور کسی کا منہ بولا بیٹا بن جانا اس کے لئے باپ کی میراث سے مانع نہیں ہوتا۔ اور یہ بات سب سے زیادہ ظاہر ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۸۴   ۵ شوال ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے تین زوجہ لیلٰی، سلمٰی، سعاد اور ایک ماموں زاد بھائی عمرو اور ایک خالہ زاد بہن جمیلہ اور ایک پھپھی زاد بہن حسینہ چھوڑ کر انتقال کیا

---

[1] سنن ابن ماجۃ   ابواب الوصایا   باب الاوصیۃ لوارث   ایچ ایم سعید کمپنی کراچی   ص ۱۹۹

[2] القرآن الکریم   ۳۳/ ۴

[3] " "   ۳۳/ ۵

[4] " "   ۴/ ۱۱

اور اس کی زوجہ سلمیٰ عمرو کی حقیقی بہن ہے اور دوسری زوجہ سعاد جمیلہ کی حقیقی بہن ہے، اس صورت میں ترکہ زید کا کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر ہر سہ زوجہ ودیگر دیون ووصایا ترکہ زید بہتر[۷۲] سہم ہوکر اس حساب[عہ] سے منقسم ہوگا:

مسئلہ ۴ × ۶ = ۲۴ × ۳ = ۷۲

زوجہ لیلیٰ	زوجہ وہی بنت خالہ سلمیٰ		زوجہ وہی بنت خالہ سعاد		ابن الخال	بنت الخالہ	بنت العمۃ
	فرضا	رحما	فرضا	رحما	عمرو	جمیلہ	حسینہ
۶	۶	۴	۶	۳	۸	۳	۳۶
	۱۰		۹				

واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۸۵

از بشارت گنج بریلی ۲ شوال ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لفظ عاق بالعین وآق بالالف کے کیا معنی ہیں؟ ایک کاغذ میں زید کے جانب سے زید کے بیٹے کا عاق ہونا لکھا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں کہ اس کو زید نے لکھا بھی ہے یا نہیں، وہ کاغذ زید کے مرنے کے سَو سوا[۱۲۵] سو برس بعد ایک شخص پیش کرتا ہے، آیا وہ قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟ اور زید کا لڑکا اس کاغذ کے رُو سے عاق ہوگا یا نہیں؟ درصورت عاق ہونے کے بھی آیا ترکہ سے محروم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

'آق' ترکی میں سپید کو کہتے ہیں، اور 'عاق' عربی میں وہ اولاد کہ ماں یا باپ کو آزار پہنچائے

عہ اس لئے کہ چار سے ایک تینوں زوجہ پر منکسر ہے اور باقی تین سے دو قرابت پدری اور ایک قرابت مادری کو پہنچا اس میں دوخال اور دو خالہ ہیں یا ایک ایک خال وخالہ ہوں تو بوجہ تعدد اولاد بجائے دو خال و دو خالہ ہیں بہرحال یہ ایک چھ پر منقسم ہوگا اس پر منکسر ہے تین اور چھ جن پر انکسار ہوا متداخل ہیں اور چھ عدد اکبر ہے تو اُسی کی ضرب چار میں دی گئی اب قرابت مادری کو چھ پہنچے جن میں سے چار اولاد خال کے لئے ہیں اور وہ ایک ابن ایک بنت ہے چار تین پر منکسر ہوئے ۲۴ میں پھر ۳ کی ضرب سے بہتر[۷۲] ہوئے ۱۲ منہ۔

ناحق ناراض کرے۔ کوئی کاغذ بے شہادتِ شرعیہ قابلِ تسلیم نہیں ہوتا، نہ وہ منسوب الیہ کا لکھا قرار پا سکتا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

الخط یشبہ الخط فلا یعتبر[1] — خط خط کے مشابہ ہوتا ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

درمختار میں ہے:

لا یعمل بالخط[2] — خط پر عمل نہیں کیا جاتا۔ (ت)

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے:

القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ او الاقرار اما الصك فلا یصلح حجۃ لان الخط یشبہ الخط[3] — قاضی فقط حجت کے ساتھ فیصلہ کرے، اور حجت (دلیل) گواہ ہیں یا اقرار۔ رہی تحریر تو وہ حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ خط خط کے مشابہ ہوتا ہے۔ (ت)

تو پسرِ زید اُس کاغذِ بے ثبوت کے ذریعہ سے ہرگز عاق نہیں ٹھہر سکتا اور جو شخص فی الواقع عاق ہو تو اس کا اثر امورِ آخرت میں ہے کہ اگر اللہ عزوجل والدین کو راضی کرکے اس کا گناہ معاف نہ فرمائے تو اس کی سزا جہنم ہے والعیاذ باللہ، مگر میراث پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا، نہ والدین کا لکھ دینا کہ ہماری اولاد میں فلاں شخص عاق ہے ہمارا ترکہ اُسے نہ پہنچے اصلاً وجہ محرومی ہو سکتا ہے کہ اولاد کا حقِ میراث قرآن عظیم نے مقرر فرمایا ہے۔

قال اللہ تعالٰی یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[4] — اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

والدین خواہ تمام جہان میں کسی کا لکھا اللہ عزوجل کے لکھے پر غالب نہیں آسکتا ولہذا تمام

---

[1] الہدایۃ کتاب الزکوٰۃ باب فیمن یمر علی العاشر المکتبۃ العربیۃ کراچی ۱/۱۷۷
[2] الدرالمختار کتاب القضاء باب کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۸۳
[3] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی دعوی الوقف نولکشور لکھنؤ ۴/۷۴۲
[4] القرآن الکریم ۴/۱۱

کتب فرائض وفقہ میں کسی نے اسے موانع ارث سے نہ گنا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۶: از شہر کہنہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ فوت ہُوئی اُس نے اپنے حقیقی چچا کی ایک دختر کے تین پسر اور تین دختر اور دوسرے حقیقی چچا کی دختر کے دو دختر اور حقیقی پھپی کے دختر کا ایک پسر اور حقیقی ماموں کے دختر کے دو پسر ایک دختر اور اپنے شوہر کے حقیقی بھائی کی دختر اور شوہر کے حقیقی بہن کے دختر کے ایک دختر تین پسر چھوڑے۔ اس صورت میں ترکہ ہندہ کا کس کو پہنچے گا اور کے سہام پر منقسم ہوگا۔ بیّنوا توجروا

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون و وصایا ترکہ ہندہ کا دو ہزار آٹھ سو پانچ ۲۸۰۵ سہام پر منقسم ہوکر چچا زاد بہن کے ہر پسر کو تین سو بیس ۳۲۰ اور دونوں چچا زاد بہنوں کی ہر دختر کو ایک سو ساٹھ ۱۶۰ اور پھپی زاد بہن کے پسر کو ایک سو دس ۱۱۰ اور ماموں زاد بہن کے ہر پسر کو تین سو چوہتر ۳۷۴ اور اس کی دختر کو ایک سو ستاسی ۱۸۷ ملیں گے اور شوہر کے بھائی بہن کی اولاد کچھ نہ پائے گی۔

وصورۃ المسألۃ ھکذا (مسئلہ کی صورت اس طرح ہے۔ ت)

مسئلہ ۳ × ۸۵ = ۲۵۵ × ۱۱ = ۲۸۰۵

وذٰلک لان اصل المسألۃ من ثلثۃ اثنان منھا لقرابۃ الاب و واحد لقرابۃ الام ثم ما اصاب
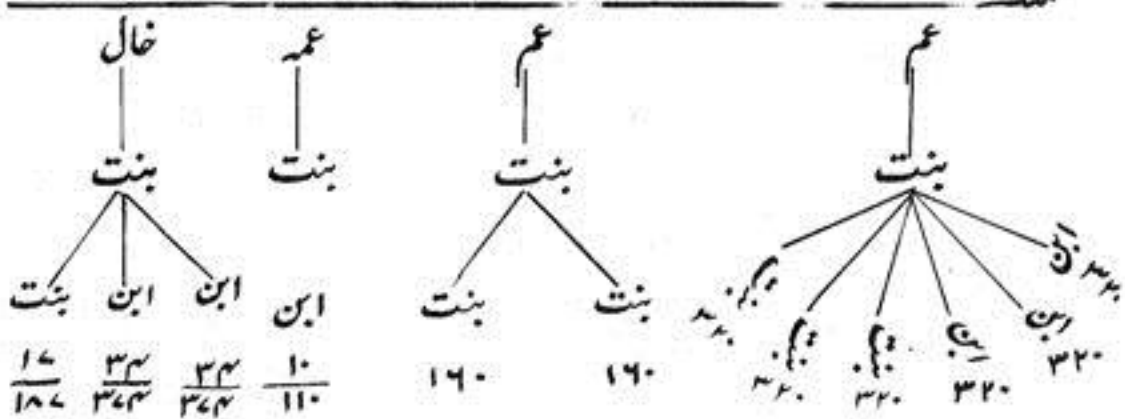
یہ اس لئے ہے کہ مسئلہ تین سے بنے گا جس میں سے دو حصے باپ کی قرابت اور ایک حصہ ماں کی قرابت کے لئے ہوگا، پھر جو باپ

قرابة الاب یقسم علی اول بطن اختلف
ذکورة وانوثة وھو البطن الاول و
یعتبر فی الاصول ابدان الفروع
فالعم الاول ستة اعمام والثانی
عمان والعمة واحدة فھم کسبع
عشرة عمات بینھن و بین
سھمھن اعنی اثنین مباینة
وما اصاب قرابة الام و
ھو الواحد ینقسم علی خمسة
و بینھما ایضا مباینة
فقررنا الرأسین اعنی
۱۷ و ۵ علی حالھما و بینھما
ایضا تباین فضربنا احدھما
فی الاٰخر کانت ۸۵ ضربناہ
فی المسئلة بلغت ۲۵۵
منھا ۸۵ لفریق الام
منقسم اخماسا ۱۷ لبنت
و ۳۴ لکل ابن و مثلاہ
اعنی ۱۷۰ لفریق الاب
منقسما علی سبعة عشر
فسھم منھا اعنی
۱۰ للعمة ای لابنھا و
ھی طائفة الانثٰی عن
ھذا الفریق وجمعنا
بالطائفة الذکور منه و

کے قرابت داروں کو ملا وہ اُس پہلے بطن پر
تقسیم ہوگا جو مذکر و مؤنث میں مختلف ہے اور
وہ پہلا بطن ہے، چونکہ یہاں اصول میں فروع
کے ابدان کا اعتبار کیا جاتا ہے لہذا پہلا چچا
(گویا کہ) چھ اور دوسرا چچا (گویا کہ) دو چچے
ہو گئے جبکہ پھوپھی بھی ایک ہے تو اس طرح
یہ سترہ پھوپھیوں کے برابر ہو گئے (کیونکہ ایک چچا
دو پھوپھیوں کے برابر ہوتا ہے) ان سترہ
اور ان کے حصوں یعنی دو میں تباین کی نسبت ہے،
جو ماں کی قرابت کو ملا وہ پانچ پر منقسم ہوگا جبکہ
پانچ اور ان کے حصے یعنی ایک میں بھی تباین کی
نسبت ہے۔ چنانچہ ہم نے دونوں کے رؤس
یعنی ۱۷ اور ۵ کو ان کے حال پر برقرار رکھا
اور ان دونوں میں بھی تباین کی نسبت ہے۔
پھر ہم نے ایک کو دوسرے میں ضرب دی تو
حاصل ضرب ۸۵ ہوا جسے اصل مسئلہ (یعنی
تین) میں ضرب دینے سے ۲۵۵ حاصل ہوا
اُس میں سے ۸۵ ماں کی قرابت والے فریق
کو ملیں گے جو پانچ پر منقسم ہوں گے۔ ۱۷ بیٹی کو
اور ۳۴ ہر ایک بیٹے کو دیئے جائیں گے۔ اور
۸۵ کا دوگنا یعنی ۱۷۰ باپ کی قرابت والے
فریق کو ملیں گے جو ۱۷ پر تقسیم ہوں گے۔ ایک
سترھواں حصہ یعنی ۱۰ پھوپھی یعنی اُس کے بیٹے
(نواسے) کے لئے یہ اس فریق کا گروہ مؤنث
ہے اس کو ہم نے گروہ مذکر کے حصوں جو کہ

هو ۱۶۰ و نظرنا تحتهم فلم یکن فی البطن الثانی اختلاف بذکورة وانوثة انما کان فی البطن الثالث الحی فیه ثلثة ابناء وخمس بنات فی قوة احدی عشرة بنات و ۱۶۰ لاتستقیم علیهن بل تباین فضربنا ۱۱ فی المبلغ صحت من ۲۸۰۵ منها لطائفة الذکور من فریق الاب لکل بنت ۱۶۰ و لکل ابن ۳۲۰۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

۱۶۰ ہیں کے ساتھ جمع کیا اور گروہِ مذکر کے نیچے نظر کی تو دوسرے بطن میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تیسرے بطن میں ہے جس میں تین بیٹے اور چار بیٹیاں زندہ ہیں اور وہ تمام گیارہ بیٹیوں کی قوت میں ہیں جبکہ ان کے حصے جو کہ ۱۶۰ ہیں ان پر برابر تقسیم نہیں ہوسکتے بلکہ ان میں تباین کی نسبت ہے لہذا ہم نے ۱۱ کو مسئلہ کے مجموعے یعنی ۲۵۵ میں ضرب دی تو ۲۸۰۵ حاصل ضرب ہوا جس سے مسئلہ کی تصحیح ہوئی۔ اس میں سے باپ والے فریق کے گروہِ مذکر کے لئے ۱۷۶۰ حصے ہیں۔ ہر بیٹی کو ۱۶۰ اور ہر بیٹے کو ۳۲۰ ملیں گے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۸۷ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو پسر تھے عمرو و بکر، اور دو دختر ہندہ و سعاد، بعد انتقال زید کے بکر کی دختر کی پوتی لیلٰی باقی ہے اور سعاد کا پرپوتا خالد ہے اور عمرو کے ایک پسر ایک دختر تھی دختر عمرو کا پوتا ولید ہے، اور پسر عمرو کی دو بیٹیاں تھیں، ایک کا بیٹا سعید، دوسری کی بیٹی جمیلہ زندہ ہے، اور ہندہ کے دو پسر تھے ایک پسر کا پوتا حمید ہے اور دوسرے پسر کے ایک بیٹا تھا جس کی دختر حسینہ اور ایک بیٹی تھی جس کا پسر رشید ہے۔ اس صورت میں زید کا ترکہ ان آٹھوں وارثوں پر کیونکر تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی و عدم موانع ارث و انحصار ورثہ فی المذکورین و تقدیم دیون و وصایا ترکہ زید کا نوسو پینتالیس (۹۴۵) سہام پر منقسم ہوکر اس حساب سے تقسیم پائے گا:

مسئلہ ۳ ک ۹۴۵

زید

ابن — عمرو
ابن: بنت، بنت
بنت — ابن سعید — ۲۸۰
بنت — بنت — جمیلہ — ۱۴۰
بنت — ابن — ابن — ولید — ۱۴۰

ابن — بکر — بنت — ابن — بنت — لیلیٰ — ۷۰

بنت — ہندہ
ابن: بنت، ابن
بنت — ابن — رشید — ۴۵
ابن — بنت — حسینہ — ۵۴
ابن — ابن — ابن — حمید — ۱۰۸

بنت — سعاد — ابن — ابن — ابن — خالد — ۱۰۸

وذلك لان القسمة علیٰ اول بطن اختلف بالذكورة والانوثة وهو ههنا البطن الاول ويعتبر عدد الفروع في الاصول ففيه ابن بابنين وابن اٰخر وبنت ببنتين وبنت اخرى فاذ تساوى عدد الطائفتين فلطائفة الذكور ضعف بالطائفة الاناث فكانت المسئلة من ثلثة اثنان لطائفة البنين وواحد لطائفة البنات ثم في طائفة البنين في البطن الثاني ابن كابنين وبنتان فينقسم مالهما اعني ۲ علیٰ ستة

اور یہ اس لئے ہے کہ تقسیم اُس پہلے بطن پر ہوگی جس میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے اختلاف ہوا اور وہ یہاں پر بطنِ اول ہے اور اصول میں فروع کی تعداد کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس میں ایک بیٹا جو کہ دو بیٹیوں کے حکم میں ہوگیا اور ایک دُوسرا بیٹا ہے۔ اسی طرح ایک بیٹی جو کہ دُو کے حکم میں ہوگئی اور ایک دوسری بیٹی ہے، جب دونوں فریقوں کی تعداد برابر ہے تو مذکر فریق کے لئے مؤنث فریق سے دوگنا ہوگا۔ لہٰذا مسئلہ تین سے ہو کر دو بیٹوں کے فریق اور ایک بیٹیوں کے فریق کو ملے گا۔ پھر بیٹوں کے گروہ کے بطنِ ثانی میں ایک بیٹا جو دُو کے حکم میں ہے اور دُو بیٹیاں ہیں لہٰذا جو اُن کو ملا یعنی دُو حصے وہ چھ پر منقسم ہونگے۔

فیحتاج الیٰ ضرب المسئلة فی ثلٰثة
تصح من تسعة لطائفة البنین
منها ستة و من ھٰذہ الستة
فی البطن الثانی اثنان للبنتین
و اربعة للابن الکائن کابنین
فنجعلھما طائفتین ثم لا اختلاف
تحت احد منھما فی البطن
الثالث وفی الرابع تحت کل ابن
و بنت فینقسم مالکل من ھاتین
الطائفتین اعنی اربعة واثنین علیٰ ثلٰثة
فلاجل التباین یحتاج اخری الیٰ ضرب
المبلغ فی ثلٰثة وتصح علیٰ طائفة بنی زید
من سبعة وعشرین لسعید ثمانیة و لجمیلة
اربعة وکذا لولید ولیلیٰ اثنان جئنا الیٰ
طائفة بناته لها واحد من اصل المسئلة
ولا اختلاف فی البطن الثانی بل فی الثالث
بنت و ثلٰثة ابناء فینقسم علیٰ سبعة
و یحتاج الیٰ ضرب اصل المسئلة اعنی
ثلٰثة فی سبعة تصح من احد وعشرین
ھٰھنا لطائفة بنات زید سبعة
تستقیم علی البطن الثالث ثم
یجعل البطن الثالث طائفتین
فالواحد الذی اصاب البنت یعطی ابنها
رشید ویجمع بالطائفة الابناء وھی
ستة وتحتھم بنت وابنان فھم

تو اس طرح اصل مسئلہ کو تین میں ضرب دینے
کی ضرورت پڑے گی تو اس طرح مسئلہ نو
(۹) سے بن جائے گا۔ بیٹوں کے فریق کو اس
میں چھ حصے ملیں گے پھر ان چھ میں سے بطن ثانی میں
دو حصے دو بیٹیوں کو اور چار بیٹے کو ملیں گے جو دو بیٹوں
کے قائمقام ہے چنانچہ ہم ان کے دو گروہ بنائیں گے پھر ان
دونوں فریقوں کے تحت تیسرے بطن میں کوئی اختلاف نہیں چوتھے
بطن میں ہر ایک کے تحت ایک بیٹا اور ایک
بیٹی ہے۔ لہذا ان دونوں فریقوں کے حصوں
یعنی چار اور دو کو تین پر تقسیم کیا جائے گا۔ اور
تباین کی وجہ سے ایک بار پھر مسئلہ کے عدد کو
تین میں ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح زید کے
بیٹوں کا مسئلہ ۲۷ سے صحیح ہوگا۔ سعید کو
آٹھ، جمیلہ کو چار، یونہی ولید کو چار اور لیلیٰ کو
دو حصے ملیں گے۔ اب ہم زید کی بیٹیوں کی طرف
آتے ہیں جن کا اصل مسئلہ سے ایک حصہ
ہے۔ ان کے بطن ثانی میں کوئی اختلاف نہیں
بلکہ تیسرے بطن میں ایک بیٹی اور تین بیٹے ہیں۔
چنانچہ ان کا حصہ سات پر منقسم ہوگا اور تباین
کی وجہ سے اصل مسئلہ یعنی تین کو سات میں
ضرب دینی پڑے گی۔ اس طرح حاصل ضرب
اکیس ۲۱ ہو جائیگا زید کی بیٹیوں کے گروہ کو یہاں پر سات حصے
ملیں گے جو انکے تیسرے بطن پر برابر تقسیم ہو جائیں گے پھر تیسرے بطن
کے دو فریق بنائے جائیں گے۔ جو ایک حصہ
بیٹی کو ملا ہے وہ اس کے بیٹے رشید کو دیا جائیگا

لخمسة ولاتستقيم عليه الستة فيضرب اصل المسئلة فى خمسة تكن من مائة وخمسة ۱۰۵ منها لطائفة بنات زيد خمسة و ثلثون ۳۵ منقسمة فى البطن الثالث على سبعة للبنت اعنى لابنها رشيد خمسة و لطائفة الذكور ثلثون تنقسم على خمسة للبنت وهى حسينة ستة و لكل ابن اثنى عشر فاذا كانت تصحيح المسئلة على طائفة ابناء زيد من ۲۷ وعلى طائفة بناته من ۱۰۵ و بينهما توافق بالثلث ضربنا احدهما فى ثلث الأخر صارت تسعمائة و خمسة و اربعين و ذلك مبلغ التصحيح ولمعرفة السهام اضرب ماكان لاولاد الابناء من التصحيح الاول ۲۷ فى وفق تصحيح الثانى ۱۰۵ وهو ۳۵ و ماكان لاولاد البنات من التصحيح الثانى فى وفق التصحيح الاول وهو يحصل ما ذكرنا وان شئت عملت من الراس تمرنا فقلت التصحيح من ۹۴۵ لطائفة ابناء زيد منها ستمائة و ثلثون ۶۳۰

اور اس کو بیٹوں والے فریق کے حصوں جو کہ چھ ۶ ہیں کے ساتھ ملایا جائے گا اور ان کے تحت ایک بیٹی اور دو ۲ بیٹے ہیں تو وہ پانچ رؤس ہوئے جن پر چھ برابر تقسیم نہیں ہو سکتا، لہٰذا اصل مسئلہ یعنی اکیس ۲۱ کو پانچ میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح ایک سو پانچ (۱۰۵) ہو جائیں گے جن میں پینتیس ۳۵ زید کی بیٹیوں کے فریق کے لئے ہیں جو کہ تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہونگے۔ بیٹی یعنی اسکے بیٹے رشید کو پانچ حصے ملیں گے اور گروہِ مذکرین کو تیس ۳۰ جو چھ پانچ پر تقسیم ہو کر بیٹی یعنی حسینہ کو چھ ۶ اور ہر بیٹے کو بارہ ۱۲ حصے ملیں گے۔

جب زید کے بیٹوں کے فریق پر مسئلہ کی تصحیح ستائیس اور بیٹیوں کے فریق پر ایک سو پانچ ۱۰۵ سے ہوئی اور ان دونوں تصحیحوں میں تہائی کا توافق ہے لہٰذا ہم نے ایک کو دوسرے کی تہائی میں ضرب دی تو مجموعی طور پر مسئلہ کی تصحیح نو سو پینتالیس (۹۴۵) سے ہوئی۔ وارثوں کے حصوں کی پہچان کے لئے جو کچھ بیٹوں کی اولاد کو تصحیحِ اول یعنی ستائیس ۲۷ میں سے ملا ہے اس کو تصحیحِ ثانی یعنی ۱۰۵ کے وفق یعنی ۳۵ میں ضرب دے اور بیٹیوں کی اولاد کو جو کچھ تصحیحِ ثانی یعنی ۱۰۵ میں سے ملا ہے اس کو تصحیحِ اول یعنی ۲۷ کے وفق یعنی ۹ میں ضرب دے تو وہی حاصل ہوگا جو ہم نے ذکر کیا ہے۔ اگر تو نئے سرے سے عمل کرنے کا تکلف کرنا چاہے تو یوں کہے گا

ینقسم فی البطن الثانی علی ستة سدساه اعنی مائتین وعشرة للبنتین واربعة اسداسه اعنی اربعمائة وعشرین للابن الکائن کابنین ثم ما للبنتین منقسم فی البطن الرابع علی ثلثة ثلثاه اعنی مائة واربعین لولید وثلثه اعنی سبعین للیلی وکذلک ما للابنین ینقسم فیه اثلاثا ثلثاه اعنی مائتین وثمانین لسعید وثلثه ای مائة واربعین لجمیلة ولطائفة بنات زید منها ثلثمائة وخمسة عشر منقسمة فی البطن الثالث اسباعا سبعها اعنی خمسة و اربعین للبنت ای لابنها رشید والباقی مائتان وسبعون لطائفة الذکور مقسومة فی البطن الرابع اخماسا خمسه اربعة وخمسون لحسینة وخمساه مائة وثمانیة لحمید ومثله لخالد وقد فرغ التقسیم اتقن ھٰذا الطریق الانیق۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔

کہ مسئلہ کی تصحیح ۹۴۵ سے ہوئی۔ زید کے بیٹوں کے گروہ کے لئے اس میں سے ۶۳۰ حصے ہیں جو بطن ثانی میں چھ پر منقسم ہوئے۔ اُن میں دو چھٹے حصے (۲/۶) یعنی ۲۱۰ دو بیٹیوں کے لئے اور چار چھٹے حصے (۴/۶) یعنی ۴۲۰ اس بیٹے کے لئے ہیں جو دو بیٹوں کے حکم میں ہے۔ پھر جو دو بیٹیوں کے حصے ہیں وہ چوتھے بطن میں تین پر منقسم ہو گئے جس میں سے دو تہائی یعنی ۱۴۰ ولید کو اور ایک تہائی یعنی ۷۰ لیلٰی کو ملے۔ اسی طرح جو بیٹوں کے حصے ہیں وہ تین پر تقسیم ہوئے جن میں سے دو تہائی یعنی ۲۸۰ سعید کو اور ایک تہائی یعنی ۱۴۰ جمیلہ کو دئے گئے۔ زید کی بیٹیوں کے گروہ کے لئے ۳۱۵ حصے ہوئے جو تیسرے بطن میں سات پر منقسم ہو گئے۔ اُن میں سے ایک ساتواں (۱/۷) یعنی ۴۵ بیٹی یعنی اس کے بیٹے رشید کو ملے اور باقی ۲۷۰ مذکر گروہ کے لئے ہیں جو چوتھے بطن میں پانچ پر تقسیم ہوئے۔ ایک پانچواں حصہ (۱/۵) یعنی ۵۴ حسینہ کو اور دو پانچویں حصے (۲/۵) یعنی ۱۰۸ حمید کو اور اسی کی مثل یعنی ۱۰۸ خالد کو دیئے۔ تقسیم مکمل ہو گئی ہے۔ اس پسندیدہ طریقے کو مضبوطی سے اختیار کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

رسالہ

طیب الامعان فی تعدد الجہات والابدان

(جہتوں اور بدنوں کے تعدد کے بارے میں انتہائی گہرائی میں بہترین نظر کرنا)

مسئلہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے دو بھائی تھے عمرو و بکر اور دو بہنیں ہندہ و عمرہ، عمرو کے دختر لیلٰی کے ایک پسر خالد ہوا اور عمرہ کے پسر ولید کے ایک دختر سلمٰی ہوئی خالد و سلمٰی سے ایک دختر سعاد اور ایک پسر سعید پیدا ہوئے بکر کی پوتی جمیلہ بنت حمید بن بکر کا نکاح رشید بن فرید بن ہندہ خواہر زید سے ہوا جن کی ایک دختر حسینہ ہے۔ رشید کا دوسرا نکاح اس کے چچا مجید بن ہندہ کی دختر حسن آرا سے ہوا ان دونوں کے ایک دختر گلچہرہ پیدا ہوئی، حسن آرا نے انتقالِ رشید کے بعد اپنی پھپی محبوبہ بنت ہندہ کے پسر محبوب بن مطلوب بن عمرہ خواہر زید سے نکاح کیا جس سے ایک پسر گلفام پیدا ہوا، محبوبہ و مطلوب کی ایک دختر حبیبہ تھی جس کی دختر شہناز ہے اب زید نے انتقال کیا اور صرف ایک زوجہ چمن آرا اور یہی سعاد و سعید و حسینہ و گلچہرہ و گلفام و شہناز اس کے وارث ہوئے۔ اس صورت میں ترکہ زید کا شرعاً کس طرح منقسم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر و ثواب دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

تصویرِ صورتِ سوال اور بر تقدیر اجتماع شرائط معلومہ توریث تقسیم مال اس حال ومنوال پر ہے:

مسئلہ ۴ × ۳ ــ ۱۲ ــ ۴۰۳۲

میــ زید

زوجہ	اخ عمرو		اخ بکر	اخت ہندہ			اخت عمرہ
	بنت لیلیٰ	ابن ولید	ابن حمید	ابن فرید	ابن مجید	بنت محبوبہ	ابن مطلوب
	ابن خالد	بنت سلمیٰ	بنت جمیلہ	ابن رشید	بنت حسن آرا	ابن محبوب	بنت حبیبہ
چمن آرا	بنت سعاد	ابن سعید	بنت حسینہ	بنت گلچہرہ		ابن گلفام	بنت شہناز
۱۰۰۸	۴۵۵	۹۱۰	۵۲۰	۲۸۸		۷۰۴	۱۶۰

اب اول یہ سمجھنا چاہئے کہ ان میں پانچ ورثہ کو زید سے دو دو رشتے ہیں اور گلفام کو تین۔ سعاد بنت ابن بنت الاخ بھی ہے اور بنت بنت ابن الاخ بھی یعنی بھتیجی کی پوتی اور بھتیجے کی نواسی۔ یونہی سعید بھی یہی دو رشتے رکھتا اور بھتیجی کا پوتا بھتیجے کا نواسا ہے۔ حسینہ بنت بنت ابن الاخ اور بنت ابن ابن الاخت ہے یعنی بھتیجے کی نواسی اور بھانجے کی پوتی۔ گلچہرہ بنت ابن ابن الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے کی پوتی دوسرے کی نواسی۔ شہناز بنت بنت الاخت اور بنت بنت ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجی اور ایک بھانجے دونوں کی نواسی۔ گلفام ابن بنت ابن الاخت اور ابن ابن بنت الاخت اور ابن ابن ابن الاخت ہے یعنی ایک بھانجے اور ایک بھانجی دونوں کا پوتا اور ایک بھانجے کا نواسا۔ اور ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے کہ متعدد قرابتوں والا اپنی ہر قرابت کی رُو سے حصہ پائے گا مگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ تعدد جہات کا خود فروع یعنی بطن زندہ میں اعتبار فرماتے ہیں تو ان کے نزدیک گویا گلفام تین وارث ہے اور باقی دو دو، اور امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ تعدد جہات فروع کو اُن کے اصول میں ملحوظ فرماتے ہیں اس کی صورتیں دو ہیں ایک یہ کہ فرع متعدد الجہات اصول متعددہ کی فرع ہو جیسے حسینہ کہ اس کے دو رشتے بکر وہندہ دو اصول مختلفہ سے ہیں یا شہناز کہ ہندہ وعمرہ دونوں کی طرف سے قرابت دار ہے جب تو

اصول میں اعتبارِ جہات یُوں حاصل کہ جب وُہ ہر اصل اس فرع کے لحاظ سے تقسیم میں ملحوظ رہی ہر جہت قرابت لحاظ میں آگئی اور ہر جہت کا حصہ اس وارث نے جمع کر لیا کتبِ متداولہ جو اس وقت فقیر کے پیشِ نظر ہیں ان میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کی زیادہ تشریح نہیں اور مثال جس نے دی اسی صورتِ خاصہ کی دی۔ صورتِ دوم یہ کہ اس فرع کو ایک ہی اصل کے ذریعہ سے میّت کے ساتھ دو رشتے ہوں جیسے سعاد و سعید کہ ان کے دونوں علاقے بذریعہ شخص واحد یعنی عمرو کے ہیں۔ یونہی گلچہرہ و گلفام کو بذریعہ ہندہ اگرچہ گلفام کو ایک رشتہ اصل دیگر عمرہ کی طرف سے بھی ہے اس صورت کی تصریح مثال اس وقت نظر میں نہیں۔

وانا اقول وباللہ التوفیق (اور میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں۔ ت) ماتحن فیہ میں اعتبار تعدد جہات فی الاصول کا مطلب یہ ہے کہ ایسی فرع کی اصل کو اصولِ متعددہ بعدد جہات حاصلہ بذریعہ فرع مذکور سمجھا جائے، مثلاً صورتِ مذکورہ میں عمرو بلحاظ سعاد کہ ذات جہتین ہے دو بھائی ہے نیز بلحاظ سعید بھی ایسا ہی ہے تو لحاظ جہات لحاظ ابدان کا اجتماع عمرو کو چار بھائی کر دے گا اور ہندہ بلحاظ جہات گلچہرہ دو بہن ہے اور اسی طرح بلحاظ جہات گلفام اور بلحاظ بدن حسینہ و شہناز ایک ایک بہن تو وہ مجموع چھ بہن ہے اور عمرہ میں صرف تعددِ ابدان گلفام و شہناز سے ہے تعددِ جہات نہیں کہ یہ دونوں اگرچہ جہاتِ عدیدہ رکھتے ہیں مگر نہ بذریعہ تنہا عمرہ تو وہ صرف دو بہن ہے اور بکر جس کی فرع میں نہ تعددِ بدن ہے نہ اسی کے ذریعے سے تعددِ جہت تنہا ایک بھائی ہے تو بطنِ اوّل میں زوجہ اور پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں ہیں۔

والدلیل علیہ علٰی مایظھر للعبد الضعیف واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم ان تعدد الجہات یوجب تعدد الاشخاص ولو حکماً الاتری ان ابایوسف لما اعتبر تعدد الجہات فی الفروع جعل کل فرع ذی جہتین کفرعین کما نصوا علیہ قاطبۃ وکذٰلک محمد رحمہ اللہ تعالٰی

اور اس پر دلیل جیسا کہ اس عبدِ ضعیف پر ظاہر ہوئی اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے، یہ ہے کہ جہتوں کا متعدد ہونا اشخاص کے تعدد کو ثابت کرتا ہے اگرچہ حکمی طور پر ہو۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ امام ابویوسف علیہ الرحمہ نے جب فروع میں جہتوں کے متعدد ہونے کا اعتبار کیا تو ہر دو جہتوں والی فرع کو دو فرعوں کی طرح بنایا جیسا کہ اس پر تمام مشائخ نے نص فرمائی ہے۔ یُوں ہی

لما اعتبر تعدد الجهات فی
الجدّات جعل الجدة جدّتین
وجدّات، کما فی
السراجیة وغیرھا عامة الکتب
وبالجملة لا معنی لتعدد الجھة
الا بتعدد الشخص ولو فی اللحاظ
فمحمد اذا اعتبرہ ھٰھنا فی
الاصول فان کانوا متعددین
فقد حصل التعدد حقیقةً
باخذھم منفردین فی
القسمة ثم ایصال ما وصل
الیھم جمیعًا الی الفرع الواحد
المنتھی بھم کما ذکرنا اما اذا
کان الاصل واحدًا وقد اخذ عہ

امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جب جدّات
(دادیوں) میں جہتوں کے متعدّد ہونیکا اعتبار
کیا تو ایک دادی کو دو ۲ یا کئی دادیوں کے برابر
بنایا، جیسا کہ سراجیہ وغیرہ عام کتابوں میں ہے۔
خلاصہ یہ کہ اشخاص کے تعدّد کے بغیر جہت
کے متعدد ہونے کا کوئی معنٰی نہیں اگرچہ
تعدّدِ اشخاص اعتباری ہو۔ چنانچہ امام محمد
علیہ الرحمۃ نے جب یہاں پر اصول میں تعدد
کا اعتبار کیا تو اگر اصول متعدد ہوں تو حقیقۃً
تعدّد حاصل ہوگا اس طور پر کہ ان کو تقسیم
میں الگ الگ لیا جائیگا۔ پھر جو کچھ ان سب
کو ملیگا وہ اس ایک فرع تک پہنچایا جائیگا
جس پر اصول کی انتہا ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے
ذکر کیا۔ لیکن اگر اصل ایک ہو اور اسکو

عہ احترازٌ عما اذا وقع فی بطن
متفق بالذکورۃ والانوثۃ فانہ
لا یقسم علٰی من فیہ اصلا سواء
کان لفرعہ جھة او جھات
کما لا یلاحظ من فیہ بدنا
سواء کان فی فرعہ بدن او ابدان
ولیس ھذا لان الجھات او
الابدان لما تعتبر ھٰھنا بل لان
ما یصیبھم یجمع جمیعا و یقسم علٰی

عہ اُس صورت سے احتراز ہے کہ جب وہ
ایسے بطن میں واقع ہو جو مذکر و مؤنث کے
اعتبار سے متفق ہے کیونکہ وہ اس پر تقسیم
نہیں کیا جاتا جس میں ایک اصل ہے چاہے
اس کی فرع کی ایک جہت ہو یا متعدد جہتیں
ہوں جیسا کہ نہیں لحاظ کیا جاتا اس کا جس میں
ایک بدن ہو چاہے اس کی فرع میں ایک
بدن ہو یا متعدد۔ یہ اس لئے نہیں کہ یہاں
جہتوں اور بدنوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ

(باقی برصفحہ آئندہ)

13

فی القسمة فلا یظهر اعتبار تعدد الجهة فیه الا باعتباره اصولاً متعددة و یوضح لك هذا ما اقول لیکن ابن ابن ابن بنت هو ابن بنت بنت "تلك البنت ایضاً ومعه ابن بنت بنت ابن هکذا:

تقسیم میں لیا جائے تو اس میں جہت کا تعدد ظاہر نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اس ایک اصل میں متعدد اصول کا اعتبار کرلیا جائے، اور تیرے لئے اس مسئلہ کو واضح کردے گا وہ قول جو میں کہتا ہوں وہ یہ کہ کسی شخص نے ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا چھوڑا اور وہ اسی بیٹی کی نواسی کا بیٹا بھی ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا بھی چھوڑا ہے۔ مسئلہ کی صورت اس طرح ہے:

بنت

ابن — بنت

ابن — بنت

ابن

ابن

بنت

بنت

ابن

فلولم نجعل البنت لتعدد الجهة فی فرعها بنتین

اگر ہم بیٹی کو اس کی فرع میں تعددِ جہت کے پائے جانے کی وجہ سے دو بیٹیاں بنائیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ما تحتهم فلا فائدة فی التفریق بالتقسیم ثم جمع ذاك المتفرق كما لا یخفی ۱۲ منه۔

اس لئے ہے کہ جو کچھ ان کو ملے گا وہ جمع کرکے ان کے نیچے والوں پر تقسیم کیا جائیگا لہذا اس کو تقسیم کے ذریعے متفرق کرکے پھر اس متفرق کو جمع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ (ت)

لكانت المسئلة من ثلثة ثلثاها
لفرع الابن وثلثها لفرع
البنت لانك اذا قسمت المال
على البطن الاول لاختلافه ذكورة
وانوثة اثلاثا اصاب فرع
الابن اثنان نصيب ابيها
وكان للبنت العليا واحد و
تحتها فى البطنين وان
كان اختلاف ذكورة وانوثة
لكن لاحاجة الى اعتباره
والضرب فى المسئلة لانكساره
لان كل ما يصيب طائفة
الذكر والانثى تحتها انما يحوزه
فرعها الاخير فيكون له واحد
ولصاحبه اثنان ولو
لم يكن الاول ذا قرابتين
كان كان ابن ابن ابن بنت
فقط او ابن بنت بنت بنت فحسب
لكان التقسيم ايضا هكذا له واحد
ولصاحبه اثنان فلم يصل
اليه من تعدد جهات
قرابته الا ما كان يصل
لذى قرابة واحدة هف
بخلاف ما اذا جعلنا البنت
بنتين فان المسئلة تكون

تو مسئلہ تین ۳ سے بنے گا۔ اس میں سے
دو تہائی بیٹے کی فرع کے لئے جبکہ ایک تہائی
بیٹی کی فرع کے لئے ہوگا اس لئے کہ جب
تُو نے مال کو تین حصے بناتے ہوئے پہلے بطن
پر تقسیم کیا کیونکہ وہ مذکر و مؤنث کے اعتبار سے
مختلف ہے تو بیٹے کی فرع کو دو حصے ملے جو
اس کے باپ کا حصہ ہے اور سب سے اوپر
والی بیٹی کو ایک حصہ ملا اور اس کے نیچے دو۲
بطنوں میں اگرچہ مذکر و مؤنث کے اعتبار سے
اختلاف ہے لیکن اس اختلاف کا اعتبار کرنے
اور کسر کی وجہ سے مسئلہ میں ضرب دینے کی
کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ جو کچھ مذکر فریق
اور مؤنث کو ملا اُسے اس فریق کی آخری فرع
سمیٹ لے گی چنانچہ مؤنث کی فرع کو ایک اور
اس کے صاحب (مقابل) کو دو۲ ملیں گے، اور
اگر پہلا وارث دو۲ قرابتوں والا نہ ہو جیسا کہ
وہ فقط بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو یا فقط بیٹی
کی نواسی کا بیٹا ہو، تو اس صورت میں بھی
تقسیم ویسی ہی ہوگی جیسی پہلے ہوئی یعنی
بیٹی کی فرع کو ایک اور اس کے مقابل کو
دو۲ حصے ملیں گے۔ چنانچہ اس کو قرابت کی
متعدد جہتوں سے بھی اُتنا ہی حصہ موصول ہوا
جتنا ایک قرابت والے کو ملتا ہے۔ یہ خلافِ
مفروض ہے بخلاف اس کے کہ جب ہم بیٹی کو
دو۲ بیٹیاں فرض کرلیں تو اس صورت میں

حينئذٍ من اثنين لان الابن يساوى البنتين فيكون المال بين الفرعين نصفين وما هو الا لكون فرع البنت ذا قرابتين والاصاب هو واحداً وفرع الابن اثنين وهذا بعون الله تعالىٰ ولوجهه الحمد دليل قاطع ويوضح ايضاً ما اقول ليعلم اولاً ان ذا جهتين مساوٍ لاثنين ذوى جهة مثلا ابن ابن ابن بنت وابن بنت بنت بنت اخر واخر يجمع النسبين فهذا يساوى الاولين هكذا :

مسئلہ دو سے بنے گا، کیونکہ بیٹا دو بیٹیوں کے برابر ہوتا ہے، لہٰذا مال دو فرعوں کے درمیان نصف نصف ہوگا۔ اور یہ فقط اس لئے ہے کہ بیٹی کی فرع دو قرابتوں والی ہے ورنہ اُسے ایک اور بیٹے کی فرع کو دو ملتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس حال میں کہ حمد اُسی کی ذات کے لئے ہے قطعی دلیل ہے نیز اسکو واضح کرتا ہے وہ قول جو میں کہتا ہوں، اولاً جاننا چاہیے کہ دو جہتوں والا الگ الگ جہتیں رکھنے والے دو کے برابر ہوتا ہے مثلاً ایک بیٹی کے پوتے کا بیٹا ہو اور ایک دوسری بیٹی کی نواسی کا بیٹا ہو اور ان دونوں کے ساتھ ایک اور بیٹا موجود ہو جو ان دونوں نسبوں کا جامع ہو تو یہ پہلے دونوں بیٹوں کے برابر ہوگا یہ مسئلہ کی صورت اس طرح ہے :

مسئلہ ۶

قسمنا على البطن الثانى لانه اول

ہم نے دوسرے بطن پر تقسیم کی کیونکہ وہی پہلا

بطن وقع فيه الاختلاف و فيه ابنان و بنتان فالمسئلة من ستة اربعة لطائفة الذكور واثنان لطائفة الاناث ثم لاخلف تحت شئ من الطائفتين فى بطن فيصيب الابن الاول من ابيه اثنين وكذلك الابن الثانى و الابن الاول من امه واحد و كذلك الابن الثالث فيكون للاول ثلثة مثل ما لمجموع الباقيين وهكذا كان ينبغى لانه جامع لقرابتهما جميعا و ليعلم ثانيا ان هاتين الجهتين المذكورتين مثلاً فى جانب البنات مجموعهما مساو لجهة واحدة فى جانب الابن اذا لم يكن صاحبها وارثا ولا ولد وارث كولد ولد بنت ابن هكذا :

بطن ہے جس میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوا۔ اس بطن میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں، چنانچہ مسئلہ چھ سے بنے گا جس میں سے چار مذکر فریق اور دو مؤنث فریق کے لئے ہوں گے پھر ان دونوں فریقوں کے نیچے کسی بطن میں مذکر و مؤنث کے اعتبار سے کوئی اختلاف نہیں، لہذا پہلے بیٹے کو اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے یونہی دوسرے بیٹے کو بھی (اس کے باپ کی طرف سے دو حصے ملیں گے) اور پہلے بیٹے کو بھی اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا یونہی تیسرے بیٹے کو بھی (اس کی ماں کی طرف سے ایک حصہ ملے گا) تو اس طرح پہلے بیٹے کو تین حصے ملے جو باقی دونوں بیٹوں کے مجموعی حصوں کے برابر ہیں، اور یونہی ہونا چاہیے کیونکہ وہ ان دونوں کی قرابتوں کا جامع ہے۔ اور ثانیاً جاننا چاہیے کہ یہ دونوں مذکورہ جہتیں جو مثال کے طور پر بیٹیوں کی جانب میں ہیں اُن کا مجموعہ اس ایک جہت کے برابر ہے جو بیٹے کی جانب میں ہے جبکہ اس کا صاحب نہ تو وارث ہو اور نہ ہی وارث کی اولاد ہو، جیسے پوتی کی اولاد کی اولاد۔ صورتِ مسئلہ یُوں ہوگی :

مسئلہ ۲ × ۳ = ۶

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	$\frac{۱}{۳}$

وانما عبرنا فيهما بالولد ليعم الذكر والانثى فان الحكم لا يختلف المسئلة من اثنين لان ابنا كبنتين فنصيب الابن لفرع الاخير ونصيب طائفة البنات يقسم فى البطن الثانى اثلاثا فتضرب المسئلة فى ثلثة وتصح من ستة ثلثة منها لفرع الابن واثنان لابن الكائن فى البطن الثانى من طائفة البنات وواحد للبنت التى فيه ثم ينتقلان الى فرعيهما فيكون ما لفرعى البنتين مساويا لما كان لفرع الابن وبعد تمهيد هذا نقول اذا اجتمعوا اعنى صاحبى الجهتين وجامعهما من جانب البنات

ہم نے ان دونوں بطنوں میں اولاد کے ساتھ اس لئے تعبیر کی تاکہ یہ مذکر و مؤنث دونوں کو عام ہوجائے اس لئے کہ دونوں صورتوں میں حکم مختلف نہیں ہوتا۔ مسئلہ ۲ سے بنے گا کیونکہ ایک بیٹا دو بیٹیوں کی مثل ہے چنانچہ بیٹے کا حصہ اس کی آخری فرع کو ملے گا جبکہ بیٹیوں کے فریق کا حصہ تین حصے بناتے ہوئے دوسرے بطن میں تقسیم ہوگا۔ اصل مسئلہ یعنی دو کو تین میں ضرب دی جائے گی تو اس طرح چھ سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی جس میں سے تین بیٹے کی فرع کو ملیں گے اور دو اس بیٹے کو ملیں گے جو بیٹیوں کے فریق کے دوسرے بطن میں ہے جبکہ ایک بیٹی کو ملے گا جو اس بطن میں ہے پھر ان دونوں کے حصے ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہوں گے۔ چنانچہ جو کچھ دونوں بیٹیوں کی فرعوں کو ملا وہ بیٹے کی فرع کو ملنے والے حصوں کے برابر ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب دو الگ الگ جہتوں والے اور ان دونوں جہتوں کا جامع بیٹیوں کی جانب سے جمع ہوئے ہیں

وفرع كذا في من جهة
الابناء بحكم المقدمتين
المذكورتين ان يكون
المال بينهم اثلاثا ثلثه
للصاحبين واٰخر للجامع
واٰخر للابن لتساويهم
جميعًا كما عرفت وهٰذا
انما يتأتى اذا اعتبر
اصل الفرع الجامع
اصلين هٰكذا ؛

اور اگر یہی صورت بیٹوں کی جانب سے متحقق ہو
تو بھی مذکورہ بالا دو مقدموں کی بنیاد پر حکم یہی
ہوگا کہ مال ان کے درمیان تین حصوں کے
طور پر منقسم ہوگا، ایک تہائی دو الگ الگ
جہتوں والوں کے لئے اور ایک تہائی دونوں
کے جامع کے لئے اور ایک تہائی بیٹے کی فرع
کے لئے، کیونکہ وہ سب آپس میں مساوی ہیں۔
جیساکہ تو پہچان چکا ہے۔ اور یہ اُسی وقت
ہوگا جب دونوں جہتوں کی جامع فرع کی اصل
کو ۲ دو اصلیں فرض کیا جائے۔ صورت مسئلہ
یُوں ہوگی ؛

مسئلہ ۳ × ۳ ر ۹

بنت
ابن بنت
ابن بنت
ابن
۲ ۱
۳

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	۱/۳

اعتبرنا البنت الاولیٰ بنتين فكان في البطن الاول
ابن واربع بنات كابنين وعلى الاختصار ثلثة
ابناء فالمسئلة من ثلثة واحد منها لفرع الابن
واثنان لطائفة البنات وتحتهن في البطن
الثاني ابنان وبنتان اى
كثلثة ابناء ولا يستقيم
اثنان عليهم فتضرب المسئلة
في ثلثة تكن من تسعة

ہم نے پہلی بیٹی کو ۲ دو بیٹیاں فرض کیا تو اس
طرح پہلے بطن میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں
ہوگئیں جو کہ ۲ دو بیٹوں کے برابر ہے۔ بطور
اختصار یہ کہ تین بیٹے ہوگئے۔ چنانچہ مسئلہ ۳ تین
سے بنے گا جن میں سے ایک بیٹے کی فرع کیلئے
اور ۲ دو بیٹیوں کے فریق کے لئے ہوں گے۔ اور
اُن بیٹیوں کے نیچے دوسرے بطن میں ۲ دو بیٹے
اور ۲ دو بیٹیاں ہیں یعنی ۳ تین بیٹے ہوگئے۔ اور ۲ دو

و بها تصح لفرع الابن منها ثلثة ولطائفة البنات ستة تنقسم في البطن الثاني اثلاثا للبنتين اثنان منتقلان الى فرعيهما لعدم الاختلاف وللابنين اربعة منتقلة كذلك الى فرعيهما فيصيب الابن الجامع ثلثة اثنان من ابيه و واحد من امه ولصاحبي القرابتين اثنان و واحد مجموعهما ثلثة و للفرع الابن ايضا ثلثة كما كان حكم المقدمتين المذكورتين بخلاف ما اذا لم يعتبر الاصل اصلين فانه يزيد حينئذ سهم الابن على السهمين الباقيين هكذا:

ان تین پر تقسیم نہیں ہو سکتے۔ لہذا مسئلہ کو تین میں ضرب دی جائے گی تو حاصل ضرب نو (۹) ہوگا، اور اسی سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی بیٹے کی فرع کے لئے نو میں سے تین جبکہ بیٹیوں کے فریق کے لئے چھ حصے ہونگے جو دوسرے بطن میں تین پر تقسیم ہو جائیں گی، جن میں سے دو حصے دونوں بیٹیوں کے لئے ہوں گے جو عدم اختلاف کے سبب سے ان دونوں کی فرعوں کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ اور چار حصے دونوں بیٹوں کے لئے ہوں گے جو کہ اسی طرح ان کی فرعوں کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ لہذا دونوں جہتوں کے جامع بیٹے کو تین حصے ملیں گے دو باپ کی طرف سے اور ایک ماں کی طرف سے۔ اور دو الگ الگ قرابتوں والوں کے لئے۔ دو اور ایک یعنی مجموعی طور پر تین حصے بنے۔ اور بیٹے کی فرع کے لئے بھی تین حصے ہونگے جیسا کہ دونوں مذکورہ مقدموں کا حکم ہے بخلاف اس کے کہ جب اصل کو دو اصلیں فرض نہ کیا جائے کیونکہ اس صورت میں بیٹے کی فرع کا حصہ باقی دو بیٹوں کے حصوں سے زائد ہو جائے گا۔ صورت مسئلہ یوں ہو گی:

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

مسئلہ ۵ × ۲ = ۱۰

بنت
ابن بنت
ابن بنت
ابن
۲ و ۱
۳

بنت	بنت	ابن
ابن	بنت	بنت
ابن	بنت	ولد
ابن	ابن	ولد
۲	۱	۲/۴

والبيان ظاهر هٰهنا فظهر ان اعتبار تعدد الجهات في الاصول انما يكون بحصول التعدد في الذوات فان كان حقيقة فذالك كما في الامثلة التي ذكروها في الكتب والا وجب اعتباره حكما وعد اصل اصلين في القسمة ويظهر هذا لمن تأمل فيما صوروه ايضا من كون الجهة من اصلين كما اذا ترك بنتي بنت بنت ابن بنت هما ايضا بنتا ابن ابن بنت اخرى وابن بنت بنت ابن بهذه الصورة :

اور بیان ظاہر ہے، یہ خلاف مفروض ہے۔ پس ظاہر ہوگیا کہ اصول میں تعددِ جہات کا اعتبار ذوات میں تعدد کے اصول سے ہی ہوتا ہے۔ اگر وہ تعدد حقیقتاً ہو تو فبہا جیسا کہ ان مثالوں میں ہے جن کو مشائخ نے کتابوں میں ذکر فرمایا ورنہ حکمی طور پر تعدد کا اعتبار کرنا اور تقسیم میں ایک اصل کو دو اصلیں شمار کرنا ضروری ہوگا۔ اور یہ اس شخص کے لئے بھی ظاہر ہوجاتا ہے جو مشائخ کی بیان کردہ اس صورت میں غور کرے جو انھوں نے دو اصلوں سے حاصل ہونے والی جہت کے بارے میں بیان کی ہے۔ جیسے کسی شخص نے ایک بیٹی کی پوتی کی دو بیٹیاں چھوڑی ہیں اور وہی دونوں میت کی دوسری بیٹی کے پوتے کی بھی بیٹیاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ ایک بیٹے کی نواسی کا بیٹا چھوڑا ہے۔ صورتِ مسئلہ یوں ہوگی:

مسئلہ ۳

بنت	بنت	ابن
ابن	ابن	بنت
بنت	ابن	بنت
		ابن

غلتی

۲

المسئلة من ثلثة لان كل بنت فى البطن الاول كبنتين اى كابن فكانهم ثلثة بنين و منها تصح واحد لفرع الابن واثنان للبنتين والتقسيم فى البطن الثالث وان كان على ثلثة لان فيه بنتا كابن و ابنا كابنين لا استقامة على ثلثة لاثنين لكن لما كان الانقسام فى البطن الاخير على بنتين فحسب يصل كلا منهما ثلث من قبل الاب وثلث من قبل الام فكان لكل واحدة كملا ولاحاجة الى الضرب فجعل بنتين فى الاصول كاربع بنات انما اتى من جهة ان تعدد الجهة فى الفروع اورث التعدد فى
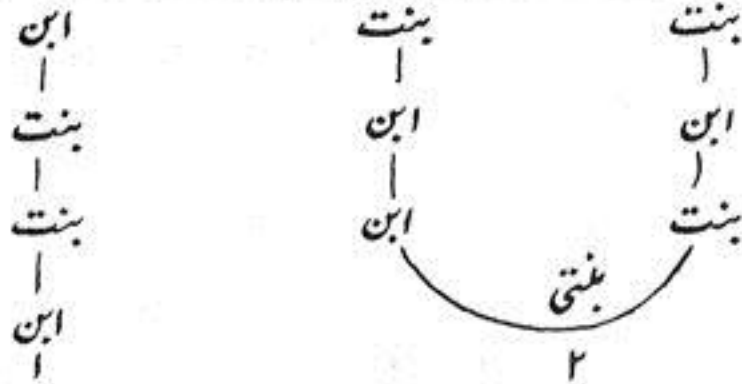
مسئلہ تین ۳ سے بنے گا کیونکہ پہلے بطن میں ہر بیٹی دو ۲ بیٹیوں یعنی ایک بیٹے کے برابر ہے گویا کہ وہ تین بیٹے ہو گئے اور تین سے ہی مسئلہ کی تصحیح ہو گی۔ ایک حصہ بیٹے کی فرع کو جبکہ دو ۲ حصے دونوں بیٹیوں کو ملیں گے۔ اور تیسرے بطن میں اگرچہ تقسیم تین ۳ پر ہوتی ہے کیونکہ اس میں ایک بیٹی، بیٹے کی مثل ہے، اور ایک بیٹا دو ۲ بیٹیوں کی مثل ہے۔ اور دو کا تین پر تقسیم ہونا بلا کسر درست نہیں، لیکن جبکہ آخری بطن میں فقط دو ہی بیٹیوں پر تقسیم ہوتی ہے اُن دونوں کو ایک تہائی باپ کی طرف سے اور ایک تہائی ماں کی طرف سے موصول ہوگا۔ تو ہر ایک کیلئے مکمل ثلث ہوگا۔ اور ضرب کی ضرورت پیش نہیں آئیگی، لہذا اصول میں دو ۲ بیٹیوں کو چار بیٹیوں کی طرح بنانا فقط اس اعتبار سے ہے کہ فروع میں جہت کا تعدد اصول میں تعدد کو ثابت کرتا ہے۔ اور یہ محض فروع کے ابدان کے

الاصول وليس هذا من قبل
ابدان الفروع فحسب فانما
هما ثنتان لا غير كما ان الاصل
بنتان لا غير فالتربيع
لم يأت الا لاجل الجهات
فان قلت لما كانت
الفرعان فرعي كل
من اصلين كانتا كاربعة
فروع كانها بنتان
من قبل الاب وبنتان
من قبل الام فلم تتعدد
الاصول الا بتعدد الفروع
قلت تعدد الجهات في
فرع لا يورث تكثرا في
بدنه فزيد لا يصير
زيدين لكونه ابن ابيه وابن
امه فالتربيع في الفرعين ما جاء
الا بتعدد الجهات وجعلتموه مستلزما
لتربيع الاصلين فكان ذلك قولا منكم
بقولنا من حيث لا تشعرون وبالجملة
اذا صدقت المقدمتان القائلتان
كلما تعددت الجهات تعددت الفروع
وكلما تعددت الفروع تعددت
الاصول كما اعترفتم وجب صدق
النتيجة القائلة كلما تعدد الجهات

اعتبار سے نہیں کیونکہ ابدان تو فقط دو ہیں جیسا کہ
اصل میں فقط دو بیٹیاں ہیں تو انھیں چار بنانا
فقط تعدّدِ جہات کی وجہ سے ہے۔ اگر تو
کہے کہ جب دونوں فرعیں دو اصلوں میں سے
ہر ایک کی فرعیں ہیں تو کل فرعیں چار ہوگئیں
گویا کہ دو بیٹیاں باپ کی جانب سے اور دو
ماں کی جانب سے ہیں۔ تو اس طرح اصول
بغیر تعددِ فروع کے متعدد نہیں ہوئے۔
میں کہوں گا فرع میں جہتوں کا متعدد ہونا
بدن میں کثرت کو ثابت نہیں کرتا۔ چنانچہ
زید اس وجہ سے دو زید نہیں بن جاتا کہ وہ
اپنے باپ کا بھی بیٹا ہے اور اپنی ماں کا
بھی، لہذا دو فرعوں کا چار بن جانا نہیں ہوا
مگر تعددِ جہات کی وجہ سے۔ اور تم اس کو
دو اصلوں کے چار ہونے کے لئے مستلزم
قرار دے چکے ہو تو غیر شعوری طور پر تم نے
وہی بات کہہ دی جو ہمارا قول ہے۔ خلاصہ
یہ کہ جب مذکورہ بالا دونوں مقدمے سچے ہوں
اور یوں کہا جائے کہ جب جہات متعدد ہوں
تو فروع متعدد ہوتی ہیں اور جب فروع
متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوتے ہیں جیسا
کہ تم اعتراف کر چکے ہو۔ تو نتیجے کا سچا ہونا
واجب ہے۔ اور یوں کہا جائے گا کہ جب
جہات متعدد ہوں تو اصول متعدد ہوں گے۔
اور یہی ہمارا مقصود ہے۔ یہ وہ ہے جو

تعددت الاصول وھو المقصود ھٰذا ماظھر للعبد الفقیر بعون الملك القدیر عزجلالہ وارجوا ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی فعلیك بہ فلعلك لاتجدہ فی غیر ھٰذہ السطور، واللہ تعالٰی اعلم بحقائق الامور۔

قدرت والے بادشاہ جس کی بزرگی غالب ہے کی مدد کے محتاج بندے کے لئے ظاہر ہوا اور میں امید کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ تعالٰی یہ درست ہوگا، لہذا تجھ پر لازم ہے کہ تُو اس کو حاصل کر شاید تُو اسکو ان سطور کے غیر میں نہ پائے۔ اور اللہ تعالٰی امور کی حقیقتوں کو خوب جانتا ہے۔ (ت)

اب تقسیمِ مسئلہ کی طرف چلئے، اصل مسئلہ بوجہ زوجہ چار سے ہے اس کا فرض دے کر تین بچے جس کے مستحق پانچ بھائی اور آٹھ بہنیں برابر چار بھائیوں کے، گویا نو بھائی ہیں تین نو کو تین بار فنا کرتا ہے، لہذا مسئلے میں تین کی ضرب ہو کر بارہ ہوئے جس سے تین زوجہ کے اور پانچ طائفہ مردان اور چار طائفہ زنان کے۔ اب طائفہ مردان کے نیچے بطن دوم میں لیلٰی دو بنت ہے اور ولید دو ابن اور حمید ایک۔ مجموع تین ابن دو بنت، گویا چار ابن ہیں، بوجہ تباین مسئلے میں چار کی ضرب ہو کر اڑتالیس ہوئے، بارہ چمن آرا کے اور بیس طائفہ مردان اور سولہ طائفہ زنان کے۔ یہ بیس یوں تقسیم ہوئے کہ لیلٰی کو پانچ اور طائفہ ذکور اعنی ولید و حمید کے پندرہ، یہ طائفہ پھر جدا جدا کر دیئے، طائفہ ذکور کے بعد بطن ثالث میں اختلاف نہیں، رابع میں ایک ابن سعید اور دو بنت سعاد و حسینہ، گویا چار بنت ہیں۔ پندرہ ان پر مستقیم نہیں، اور لیلٰی کو بھی سعاد و سعید ابن و بنت ہیں، اور پانچ تین پر مستقیم نہیں لہذا بوجہ تباین
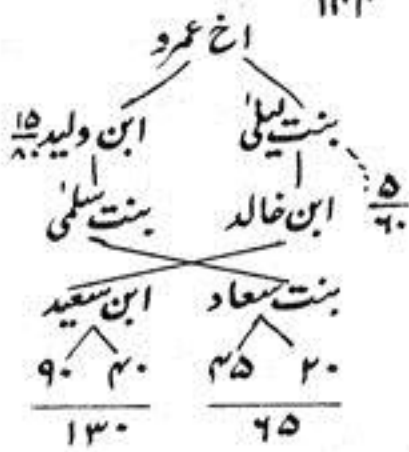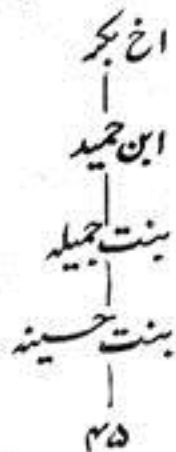
مسئلہ ۴ × ۳ لـ ۱۲ × ۴ لـ ۴۸ × ۱۲ لـ ۵۷۶

زوجہ	طائفہ مردان	طائفہ زنان
۱	۵	۴
۳	۲۰	۱۶
۱۲	۲۴۰	۱۹۲
۱۴۴		

اخ عمرو
بنت لیلٰی — ابن خالد — بنت سعاد (۲۰، ۴۵ = ۶۵)؛ $\frac{۵}{۶۰}$
ابن ولید $\frac{۱۵}{۱۸۰}$ — بنت سلمٰی — ابن سعید (۴۰، ۹۰ = ۱۳۰)

اخ بکر
ابن حمید
بنت جمیلہ
بنت حسینہ
۴۵

سہام و رؤس فریقین دونوں رؤس اعنی چار اور تین بعینہٖ معتبر ہوئے اور یہ بھی متباین ہیں تو باہم ضرب دے کر اصل مسئلہ میں بارہ [۱۲] کی ضرب سے پانسو چھہتر (۵۷۶) ہوئے، چمن آرا کے ایک سو چوالیس (۱۴۴) طائفہ زنان کے ایک سو بانوے (۱۹۲)، طائفہ مردان کے دو سو چالیس (۲۴۰) جن میں سے لیلٰی کو ساٹھ [۶۰] پہنچے کہ سعید کو چالیس [۴۰]، سعاد کو بیس [۲۰] ہو کر بٹ گئے اور ولید و حمید کے ایک سو اسّی [۱۸۰] یوں بٹے کہ سعید کو نوّے [۹۰] اور سعاد و حسینہ کو پینتالیس [۴۵] پینتالیس [۴۵]۔ بالجملہ سعید کے مجموع ایک سو تیس [۱۳۰] ہوئے اور سعاد کے پینسٹھ [۶۵] اور حسینہ کے پینتالیس [۴۵]، یہ تصحیح طائفہ مردان کا مقتضٰی ہے، اب طائفہ زنان لیجئے اصل مسئلے سے اس طائفہ کے چار رکھے اس کے بطن ثانی میں تین ابن ایک بنت ہے، ہر ایک مثل دو [۲] کے، گویا سات ابن ہیں، تو مسئلہ چوراسی [۸۴] سے ہوا۔ طائفہ زنان کے اٹھائیس [۲۸] ان میں چار [۴] محبوبہ کے ہیں بطن ثالث میں اس کے ابن و بنت محبوب و حبیبہ یعنی تین پر مستقیم نہیں۔ اور چوبیس [۲۴] طائفہ ذکور فرید و مجید و مطلوب کے ہیں، بطن ثالث میں فرید کا ابن رشید
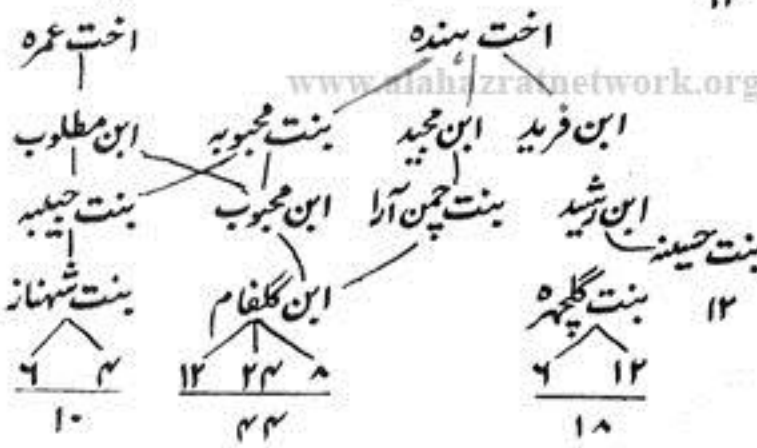
مسئلہ ۴ × ۳ / ۱۲ × ۷ / ۸۴ × ۳ / ۲۵۲

زوجہ	طائفہ مردان	طائفہ زنان
۱	۵	۴
۳	۳۵	۲۸
۲۱	۱۰۵	۸۴
۶۳		

اخت ہندہ — اخت عمرہ

ابن فرید — ابن مجید — بنت محبوبہ — ابن مطلوب

ابن رشید — بنت چمن آرا — ابن محبوب — بنت حبیبہ

بنت حسینہ ۱۲

بنت گلچہر: ۱۲، ۶ = ۱۸ — ابن گلفام: ۸، ۲۴، ۱۲ = ۴۴ — بنت شہناز: ۴، ۶ = ۱۰

دو [۲] ابن ہے، اور مجید کی بنت حسن آرا دو [۲] بنت، اور مطلوب کی اولاد محبوب و حبیبہ ایک ایک ابن و بنت، تو مجموع تین [۳] ابن تین [۳] بنت، یعنی نو [۹] بنت ہیں۔ چوبیس [۲۴] اور نو [۹] میں توافق بالثلث ہے تو رؤس طائفہ انثٰی اعنی محبوبہ بھی تین ہوئے، اور رؤس طائفہ ذکور بھی باعتبار وفق تین [۳] ہی رہے انھیں تماثل ہے صرف تین [۳] کی ضرب ہو کر مسئلہ دو سو باون [۲۵۲] سے ہوا جس سے طائفہ علیائے اناث کے چوراسی [۸۴] ان سے بطن ثانی میں محبوبہ کے بارہ [۱۲] کہ محبوب کو آٹھ [۸]، حبیبہ کو چار [۴] ہو کر بٹے اور وہ آٹھ گلفام اور یہ چار شہناز کو پہنچ گئے اور طائفہ ذکور کے بہتّر [۷۲] کہ بطن ثالث میں رشید و حسن آرا محبوب و حبیبہ پر اثلاثا بٹے یعنی اس تازہ طائفہ ذکور رشید و محبوب کے اڑتالیس [۴۸] اور

نے طائفہ اناث حسن آرا و حبیبہ کے چوبیس[۲۴] ، اب یہ طائفے بھی جُدا کر دیئے طائفہ ذکور کے نیچے ایک ابن دُو بنت ہیں، تو گلفام نے چوبیس[۲۴]، حسینہ وگلچہرہ نے بارہ بارہ[۱۲] پائے ، اور طائفہ اناث کے نیچے بھی ایک ابن دُو بنت ہیں، تو گلفام کو بارہ[۱۲]، گلچہرہ وشہناز کو چھ چھ[۶] ملے ۔ یہ تصحیح باعتبار طائفہ اناث ہوئی، تصحیحین میں توافق بسدس السدس یا ربع التسع یعنی بجزء من ستۃ وثلثین[۳۶] جزء ہے ، اوّل کا وفق سولہ[۱۶] ہے اور ثانی کا سات، توان میں جس کو دوسرے کی وفق سے ضرب دی مبلغ تصحیح چار ہزار بتیس[۴۰۳۲] ہوئے ، تصحیح اوّل میں جس نے جو پایا تھا اسے سات میں ضرب دی اور تصحیح ثانی کے سہام کو سولہ[۱۶] میں ،

سعاد	سعید	حسینہ	حسینہ	گلچہرہ	گلفام	شہناز
۶۵	۱۳۰	۴۵	۱۲	۱۸	۴۴	۱۰
۴۵۵	۹۱۰	۳۱۵	۱۹۲	۲۸۸	۷۰۴	۱۶۰

توحسینہ کے مجموع پانسوسات (۵۰۷) ہیں اور حسن آرا کے ہر طرح ایک ہزار[۱۰۰۸] آٹھ ، اور یہی وہ تقسیم ہے کہ مذکور ہوئی ۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۸۹ ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ

مسئلہ ۳۶ × ۱۶ (۵۷۶ محمد یار

مـــ

زوجہ	ابن	ابن	ابن	ابن	ابن	بنت	بنت	ابن	بنت	بنت
حافظ جان	نیاز علی	محمد علی	کلن	محمد حسین	احمدی	بی جان	امیر علی	بنی جان	جبن
کان لم یکونا		۶	۱۵ / ۲۴	۱۰	۵	کان لم یکونوا			

توضیحش آنکہ اوّلاً حافظ جان مُرد وہمیں ابناء وبنات ورثہ گزاشت باز نیاز علی گزشت وبقیہ اخوۃ واخوات وارث داشت پس ایں ہردو کان لم یکن شدند ومسئلہ بہ ۱۲ تقسیم یافت چار پسر را

اس کی وضاحت یہ ہے کہ پہلے حافظ جان مرا اور یہی بیٹے اور بیٹیاں ورثاء چھوڑے ، پھر نیاز علی فوت ہوا اور باقی بہن بھائی وارث چھوڑے ، پس یہ دونوں کالعدم ہو گئے ۔ اور مسئلہ نے بارہ[۱۲] کے عدد سے تقسیم

ہشت وبہر چہار دختر را چہار باز امیر علی بعدہٗ محمد علی مُرد و باقی دو برادر و خواہران گزاشت باز حبن باز بنی جان مردند وہمیں اخوین واخوات ورثہ گزاشتند پس چار سہم کہ بایں سہمی رسید در دو برادر اعنی کلن ومحمد حسین و دو خواہر اعنی احمدی و بی جان منحصر گردید وایں چار کسان را بجائے شش دہ رسید وحاصل مسئلہ بآں گرائید کہ از ترکہ یک سدس بہ محمد علی وبقیہ پنج اسدس بریں چہار اشخاص للذکر مثل حظ الانثیین بر شش سہم منقسم۔ اول عددیکہ سدس او برآوردہ باقی را بر ۶ قسمت توانیم سی وشش ست از ہمیں مسئلہ کردیم ۶ بہ محمد علی رسید وبہر یک از کلن ومحمد حسین دہ وبہر یک از احمدی و بی جان پنج فاما بعد اینہا بی جان مردہ وہمیں کلن برادرش وارث گزاشتہ پس او را نیز برآوردیم وسہم کلن پانزدہ کردیم فائدۂ ایں تصرفاتِ عجیبہ تخفیف عظیمی ست کہ در تقسیم مسئلہ راہ یافت چنانکہ بر سالک طریق معہود بموازنہٗ ایں طرز محمود روشن شود۔

باقی، چاروں بیٹوں کو آٹھ حصے اور چاروں بیٹیوں کو چار حصے ملے۔ پھر امیر علی اور اس کے بعد محمد علی فوت ہوا باقی دو بھائی اور بہنیں چھوڑیں۔ پھر حبن اور پھر بنی جان مر گئے اور وہی دو بھائی اور بہنیں ورثاء میں چھوڑے۔ چنانچہ وہ چار حصے جو ان تینوں کو پہنچے ہیں وہ دو بھائیوں یعنی کلن اور محمد حسین اور دو بہنوں یعنی احمدی اور بی جان میں منحصر ہو گئے۔ اور ان چار شخصوں کو بجائے چھ کے دس حصے ملے۔ مسئلہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ترکہ میں سے ایک سُدس یعنی چھٹا حصہ ($\frac{1}{6}$) محمد علی کو ملا اور باقی پانچ چھٹے حصے ($\frac{5}{6}$) چار شخصوں پر اس طرح تقسیم ہونے ہیں کہ مذکر کا حصہ دو مونثوں کے برابر ہو تو اس طرح یہ حصے چھ پر منقسم ہوں گے اور وہ پہلا عدد جس کا چھٹا حصہ نکال کر باقی کو چھ پر تقسیم کریں وہ چھتیس ۳۶ ہے۔ لہذا ہم نے چھتیس ۳۶ سے مسئلہ بنا دیا، اس میں سے چھ محمد علی کو اور کلن اور محمد حسین میں سے ہر ایک کو دس دس اور احمدی اور بی جان میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ حصے دیئے۔ لیکن ان کے بعد بی جان فوت ہوئی اور وہی کلن اپنا بھائی وارث چھوڑا چنانچہ ہم نے بی جان کو تقسیم سے نکال دیا اور کلن کے حصے پندرہ ۱۵ کر دیئے۔ ان عجیب تصرفات کا فائدہ اس مشقت میں کافی حد تک تخفیف کرنا ہے جو مسئلہ کی تقسیم میں راہ پاتی ہے جیسا کہ معروف طریقہ پر چلنے والے شخص پر اس پسندیدہ طرز کے ساتھ موازنہ کرنے سے روشن ہو جاتا ہے۔ (ت)

مسئلہ محمد علی عہ ۶

زوجہ محبوبن	ابن وزیر علی	ابن احمد علی
کان لم یکونا		$\frac{1}{6}$ / ۹۶

زیرا کہ محبوبن را ہمین دو پسر وارث شدند باز وزیر علی را ہمین یک برادر۔ اس لئے کہ محبوبن کے یہی دو بیٹے وارث ہوئے پھر وزیر علی کا یہی ایک بھائی وارث ہوا(ت)

مسئلہ ا احمدی مہ ۵

زوج	ابن	بنت محمدی
کان لم یکونا		$\frac{1}{5}$ / ۸۰

لمثل ما مر فی محمد علی

مسئلہ ۳۲ محمد حسین توافق بالنصف ۱۰

زوجہ ثانیہ آسودہ	ابن من الثانیہ علی حسین	بنت من الاولیٰ بنی	بنت من الاولیٰ بتولن
$\frac{4}{20}$	$\frac{14}{70}$	$\frac{7}{35}$	$\frac{7}{35}$

مسئلہ ۴۰ کلن فاستقامت مصہ ۲۴۰

زوجہ مونگا	ابن واحدیار	ابن حامدیار	بنت بسم اللہ
$\frac{5}{30}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{14}{84}$	$\frac{7}{42}$

المبلغ ۵۷۶

الاحیاء

احمد علی	آسودہ	علی حسین	بنی	بتولن	مونگا	واحدیار	حامدیار	بسم اللہ	محمدی
۹۶	۲۰	۷۰	۳۵	۳۵	۳۰	۸۴	۸۴	۴۲	۸۰

آسودہ کہ بعد انتقال محمد حسین حسب بیان سائل محمد حسین کا زر نقد و اثاث البیت اپنے حصے سے زائد لے کر مع اپنے دو سالہ بچے علی حسین کے چلی گئی اور بارہ سال سے

مفقود الخبر ہے علی حسین کے ستر سہام اس کی ستر سال عمر ہونے تک امانت رہیں اگر وہ زندہ معلوم ہو اسے دیئے جائیں یا مرگیا ہو تو اس کے ورثہ کو پہنچائے جائیں، اور اگر اس مدت تک پتا نہ چلے تو اس وقت جو اس کے وارث شرعی ہوں وہ پائیں آسودہ جو کچھ اپنے حصص سے زائد لے گئی اگر اس کا مہر واجب الادا تھا اور وہ مال کہ لے گئی مقدار مہر واجب الادا سے زائد نہ تھا تو اُس کا حصّہ بھی بدستور اس کی ستر سال عمر ہونے تک امانت رہے، اور اگر زائد تھا تو اس کا الزام علی حسین نابالغ پر نہیں صرف آسودہ کے حصّے سے بنی و بتولن اپنے حصے کا نقصان وصول کر سکتی ہیں۔

وھو مسئلۃ الظفر بخلاف جنس الحق المفتی بہ الاٰن علی جواز الاخذ[1] واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

اور وہ مسئلہ ہے اپنے حق کی جنس کے غیر کو وصول کرنے پر کامیابی حاصل کرنے کا۔ آج کے دور میں اس کو لینے کے جواز پر فتوٰی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۹۰: از صوبہ پنجاب علاقہ گوالیار مرسلہ مولوی مبارک حسین صاحب ۲۵ رجب ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ایک بیوہ عورت نے وفات پائی اور اس نے جو ترکہ چھوڑا اس میں کچھ تو اس کا ذاتی ہی مال ہے اور کچھ ایسا ہے جو اس کے شوہر نے اپنی حیات میں اسے دے دیا تھا متوفیہ کا کوئی رشتہ دار قریب و بعید نہیں ہے نہ ذوی الفروض میں نہ عصبات میں نہ ذوی الارحام میں، غرضیکہ کسی قسم کا کوئی رشتہ دار نہیں ہے، متوفیہ کے شوہر کا ایک لڑکا پہلی عورت سے ہے اور وہ متوفیہ کے ترکہ کا دعوٰی کرتا ہے آیا ترکہ ذاتی متوفیہ اور اس کے شوہر کا دیا ہوا اس لڑکے کو ملنا چاہیے یا نہیں؟ اور اگر ملنا چاہیے تو متوفیہ کا ذاتی و شوہری دونوں یا ایک، اور اگر نہ ملنا چاہیے تو وہ ترکہ کس کو ملنا چاہیے؟ عملداری ہنود ہونے کی وجہ سے بیت المال بھی نہیں ہے جو اس میں جائے بصیغہ لاوارثی سرکار میں

---

[1] ردالمحتار کتاب السرقۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۰۰
" کتاب الحجر " " " " " ۵/ ۹۵

جانا چاہئے یا متوفیہ کے شوہر کا لڑکا وارث ہونا چاہئے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤگے۔ ت)

الجواب

صورت مستفسرہ میں متوفیہ کا کل متروکہ خواہ اس کا ذاتی مال ہو خواہ شوہر کا دیا ہوا بعد ادائے دیون وانفاذ وصایا تمام وکمال فقرائے مسلمین کا حق ہے جو کسب سے عاجز ہوں اور ان کا کوئی کفالت کرنے والا نہ ہو۔

فی رد المحتار ترکۃ لاوارث لہا مصرفہ اللقیط الفقیر والفقراء الذین لااولیاء لہم فیعطی منہ نفقتہم وادویتہم وکفنہم وعقل جنایتہم کما فی الزیلعی وغیرہ وحاصلہ ان مصرفہ العاجزون الفقراء اھ[1] ملتقطا۔

ردالمحتار میں ہے کہ ایسا ترکہ جس کا کوئی وارث نہ ہو اس کا مصرف وہ لقیط ہے جو محتاج ہو اور وہ فقراء ہیں جن کے لئے کوئی ولی نہ ہوں۔ اس میں سے ان کو خرچہ، دوائیں، کفن کے اخراجات اور جنایات کی دیتیں دی جائیں گی جیسا کہ زیلعی وغیرہ میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کا مصرف عاجز فقراء ہیں اھ التقاط (ت)

شوہر کا بیٹا اگر فقیر عاجز ہے تو وہ بھی اور فقرائے عاجزین کے مثل مستحق ہے ورنہ اسے کل اصلاً استحقاق نہیں، نہ متوفیہ کے ذاتی مال میں نہ شوہر کے دیے ہوئے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۹۱ ۲ شعبان المعظم ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ مسمی حسین بخش کی دختر کا نکاح ہوا اور اس نے اپنے شوہر کے یہاں کل ایک گھنٹہ قیام کیا اور بعدہ اپنے والد کے یہاں چلی آئی اور دو ماہ بارہ یوم تک بعد نکاح کے زندہ رہی اور اس درمیان میں اپنے شوہر کے یہاں نہ گئی اور اپنے والدین کے یہاں مرگئی اس کے پاس زیور والدین کا تھا اور کچھ زیور اس کے شوہر نے چڑھایا تھا اب اس کا شوہر کل زیور کا دعوٰی کرتا ہے اور اس کی تجہیز وتکفین اس کے والدین نے کی اس صورت میں ازروئے شرع شریف اس کا شوہر زیور پانے کا مستحق ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب العشر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

4/4

الجواب

زیور، برتن، کپڑے وغیرہ جو کچھ ماں باپ نے دختر کو دیا تھا وہ سب مِلک دختر ہے اس میں سے بعد ادائے دَین اگر ذمہ دختر ہو نیز اجرائے وصیت اگر دختر نے کی ہو ہر چیز کا نصف شوہر کا حصہ ہے اور نصف ماں باپ کا، اور جو زیور شوہر نے چڑھایا تھا اس میں ان لوگوں کے رسم و رواج کو دیکھنا لازم ہے اگر وہ چڑھاوا صرف اس نیت سے دیتے ہیں کہ دُلہن پہنے مگر دُلہن کی مِلک نہیں کر دیتے بلکہ اپنی ہی مِلک رکھتے ہیں جب تو چڑھاوا شوہر یا شوہر کے ماں باپ کا ہے جس نے چڑھایا ہو، اور اگر دُلہن ہی کو اس کا مالک کر دیتے ہیں تو وہ بھی مثل جہیز ترکہ دختر ہے اسی حساب نصفا نصف پر تقسیم ہوگا۔ اور جس طرح شوہر آدھے ترکہ کا مستحق ہے یونہی دختر کے والدین شوہر سے آدھا مہر لینے کے مستحق ہیں۔ سائل نے جو بیان کیا کہ عورت صرف گھنٹہ بھر کیلئے دن میں مکانِ شوہر پر گئی تھی اسی دن اس کے بھائی کی شادی تھی جس میں بلالی گئی ایک مکان تنہا میں زن و شوہر نہ رہنے پائے تو اس صورت میں بھی آدھا مہر کامل ہی والدین کو شوہر سے ملے گا کہ قبلِ خلوت طلاق ہونا سقوطِ نصف مہر ہوتا ہے۔ موت اگرچہ قبلِ خلوت ہو کل مہر کو لازم کر دیتی ہے۔

فی الدر یتأکد عند وطئ او خلوۃ صحت من الزوج او موت احدھما[1] الخ۔

دُر میں ہے کہ مہر وطی کے وقت یا شوہر کی طرف سے خلوتِ صحیحہ کے وقت یا زوجین میں سے کسی ایک کی موت کے وقت لازم ہو جاتا ہے الخ۔ (ت)

تو بعد موت کل مہر لازم شدہ سے نصف حصہ زوج ہوا اور نصف والدین کو پہنچے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۹۲ از کانپور بانس منڈی مرسلہ محمد علیم الدین صاحب محرم الحرام ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ محمد یٰسین نے انتقال کیا اپنے وارثوں سے ایک ابن کریم بخش و بنت مریم و زوجہ عمرہ و والدہ اخیافی و پانچ بھائی اور ایک بہن اخیافی چھوڑی ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ اس میں سے زوجہ عمرہ نے انتقال کیا

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۷

اس نے ایک بھائی اخیافی اور ایک بہن حقیقی اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی حقیقی چھوڑی، ہنوز ورثہ تقسیم نہیں ہوا تھا کہ ان میں سے ایک لڑکے کریم بخش نے انتقال کیا اس نے اپنے وارثوں میں سے ایک زوجہ مسماۃ آمنہ اور بہن حقیقی اور ایک دادی اور پانچ چچے اخیافی اور ایک پھوپھی اخیافی چھوڑے۔ از روئے شرع شریف کے کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عبارت سائل سے ظاہر یہ ہے کہ اس کے نزدیک اخیافی سوتیلی کو کہتے ہیں یعنی جسے باپ کی طرف سے علاقہ ہو اور ماں کی طرف سے جدا، ولہذا اس نے اخیافی والدہ کو لکھا یعنی سوتیلی ماں۔ اگر بہن بھائی اخیافی میں بھی یہی مراد ہے یعنی وہ حسین کے سوتیلے بہن بھائی ہیں کہ باپ ایک اور ماں جُدا، تو اس صورت میں محمد حسین کا ترکہ بر تقدیر عدم موانع ارث وارث آخر و تقدیم دین و وصیت تنفیذ نو سہام پر منقسم ہو کر دو سہام مریم اور پانچ آمنہ اور ایک حسین کے ہر سوتیلے بھائی کو ملے گا۔ صورتِ مناسخہ یہ ہے مگر اخیافی حقیقۃً ان بھائی بہن کو کہتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں اور باپ جُدا۔ اگر یہ چھ شخص محمد حسین کے ایسے ہی بہن بھائی تھے تو ترکہ بشرائط مذکور صرف چھ سہام پر منقسم ہو کر پانچ سہم مریم اور ایک آمنہ کو ملے گا۔ محمد حسین کے ان بہن بھائیوں کا کچھ استحقاق نہیں لانهم من ذوی الارحام والرد مقدم علیہم (اس لئے کہ وہ ذوی الارحام ہیں اور رد ان پر مقدم ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

تجلیۃ السلم فی مسائل من نصف العلم

۱۳۲۱ھ

(صلح کو روشن کرنا نصف العلم کے کچھ مسائل میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ الذی ادخلنا فی السلم، وعاملنا بالمن والعفو والحلم، وعلمنا من العلم ومن نصف العلم، والصلٰوۃ والسلام علی الجواد الکریم الفائض علی عبیدہ من علم الفرائض، وعلٰی اٰلہ وصحبہ واحبابہ وارثی علمہ واٰدابہ۔ اٰمین!

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اسلام میں داخل فرمایا اور ہمارے ساتھ احسان درگزر اور نرمی کا معاملہ فرمایا۔ اور ہمیں علم اور نصفِ علم (علمِ فرائض) سکھایا۔ اور درود و سلام ہو اس ذات پر جو سخی، کرم فرمانے والا اپنے غلاموں پر علمِ میراث کا فیضان فرمانیوالا ہے اور آپ کی آل واصحاب اور دوستوں پر جو آپ کے علم اور آداب کے وارث ہیں۔ الٰہی! قبول فرما۔ (ت)

امّا بعد، یہ بعض مسائل فرائض ہیں جو فقیر کے سامنے پیش ہوئے اور ابنائے زمان نے ان کی فہم میں اغلاط کئے، مقصود ازالہ اوہام و اغلاط و ارائت سواء الصراط ہے، وباللہ التوفیق۔

فصل اوّل

مسئلہ ۹۳ — ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۱ھ

اعلیحضرت مجدد مائۃ الحاضرہ دام ظلکم العالی، وقتِ قدم بوسی خادم نے مسئلہ پوچھا تھا کہ قمر علی نے زوجہ لطیفن بیگم اور حقیقی بہن فاطمہ بیگم اور حقیقی بھتیجا اسد علی اور مکان وزیور واثاث البیت مجموع تین ہزار روپے کا اور اکیس ہزار کے نوٹ چھوڑ کر انتقال کیا، زوجہ نے مہر معاف کردیا تھا اور وہ برضائے فاطمہ بیگم واسد علی اپنے حصۂ ترکہ کے عوض مکان وزیور واثاث البیت پر قابض رہیں اور باہم وارثان میں اقرارنامہ لکھا گیا کہ فاطمہ بیگم واسد علی کا ان اشیاء میں اور لطیفن بیگم کا زرِ نقد مذکور میں کوئی حصہ باقی نہ رہا، اب وہ نوٹ فاطمہ بیگم واسد علی میں کس حساب سے تقسیم ہوں۔ حضرت نے فرمایا کہ چودہ ۱۴ ہزار کے نوٹ فاطمہ بیگم اور سات ہزار کے نوٹ اسد علی کو ملیں۔ چنانچہ خادم نے اسی کے مطابق تقسیم کرادیئے، دوسرے روز اسد علی آئے اور کہا میرا حق زیادہ چاہیے مجھے اس میں ساڑھے تین ہزار روپے کا نقصان ہے اور فتاوٰی مولوی عبدالحی صاحب جلد اول مطبع علوی ص ۱۰، ۱۱ کی عبارت پیش کی کہ اس کی رُو سے روپیہ مجھ میں اور فاطمہ بیگم میں نصفا نصف تقسیم ہونا چاہیے، اس کا خلاصہ عبارت ملاحظۂ اقدس کے لیے حاضر کرتا ہوں:

چہ می فرمایند علمائے دین اندریں صورت کہ زید انتقال کرد و ورثہ گزاشت یکے ہمشیرہ عینیہ مسمّٰی بہ رابعہ وسہ برادرزادیاں مسمّٰی فاطمہ وزینب وکلثوم ویک برادرزادہ حقیقی مسمّٰی بکر ویک زوجہ مسماۃ خدیجہ کہ جملہ ورثہ مذکورہ صلبی اورا حصہ ہشتم داد و راضی کردہ اند پس بقیہ متروکہ زید کہ چگونہ تقسیم باید هو المصوب بعد تقدیم ما تقدم علی الارث ورفع موانع بقیہ ترکہ زید تقسیم بدو سہم شدہ یک سہم ازاں بہمشیرہ حقیقی ویک سہم بہ برادرزادہ خواہد شد باقی ورثہ محجوب خواہند شد۔ واللہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے یہ ورثاء چھوڑ کر انتقال کیا، ایک حقیقی بہن جس کا نام رابعہ ہے، تین بھتیجیاں جن کے نام فاطمہ، زینب اور ام کلثوم ہیں، ایک حقیقی بھائی جس کا نام بکر ہے اور ایک بیوی جس کا نام خدیجہ ہے۔ تمام مذکورہ بالا نسبی وارثوں نے بیوی کو آٹھواں حصہ دے کر راضی کردیا ہے۔ زید کا بقیہ ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہیے؟ ھو المصوب۔ جو چیزیں میراث پر مقدم ہیں ان کی تقدیم اور رکاوٹوں کے رفع کے بعد زید کا بقیہ ترکہ دو حصوں پر منقسم ہوگا۔ اس میں سے

اعلم بالصواب۔ کتبہ ابوالحسنات محمد عبدالحیٔ عفا عنہ القوی۔ ایک حقیقی بہن اور ایک بھتیجے کو دیا جائے گا باقی ورثاء محروم ہوں گے۔ اور اللہ تعالٰی درستگی کو خوب جانتا ہے۔ اس کو محمد عبدالحیٔ نے لکھا ہے قوت والا رب اس سے درگزر فرمائے (ت)

جواب کی پوری عبارت عرض کی ہے یہ صورت بعینہٖ وہی صورت واقعہ ہے، حضرت نے اگرچہ حکم زبانی فوراً ارشاد فرمایا تھا مگر کتاب کا حوالہ مولوی عبدالحیٔ صاحب نے بھی نہیں دیا ہے لہذا امیدوار ہوں کہ اس مسئلہ کی مفصل حقیقت نہایت عام فہم ارشاد ہو۔ ظلکم ممدود بادبندہ محمد احسان الحق عفی عنہ۔ ۱۴ محرم شریف ۱۳۲۱ھ

الجواب

مکرمی اکرمکم اللہ تعالٰی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ حق وہی ہے جو فقیر نے عرض کیا تھا، مولوی صاحب سے سخت لغزش واقع ہوئی ہے اس صورت کو فقہ میں تخارج کہتے ہیں کہ ورثہ باہم بتراضی صلح کرلیں کہ فلاں وارث اپنے حصہ کے عوض فلاں شئے لے کر جُدا ہوجائے، اس کا حاصل یہ نہیں ہوسکتا کہ گویا وہ وارث کہ جدا ہوگیا سرے سے معدوم تھا کہ بقیہ ترکہ کی تقسیم اس طرح ہو جو اس کے عدم کی حالت میں ہوتی اس نے تو ترکہ سے حصہ پایا ہے تو معدوم کیونکر قرار پاسکتا ہے کہیں معدوم وقت موت المورث کو بھی ترکہ پہنچا ہے، بلکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ ترکہ میں جتنے سہام کل ورثہ کے لئے تھے ان میں سے اس وارث نے اپنے سہام پالئے اب باقی میں باقی وارثوں کے سہام رہ گئے تو واجب ہے کہ وہ باقی ان بقیہ کے عہ (اتنے اتنے) سہام ہی پر تقسیم ہو۔ جس جس قدر انھیں اصل مسئلہ سے پہنچتے تھے یہاں کے مورث نے ایک زوجہ ایک بہن ایک بھتیجا چھوڑا مسئلہ چار سے ہوا ایک زوجہ دو بہن ایک بھتیجے کا، زوجہ ترکہ سے اتنا مال لے کر جُدا ہوگئی تو چار میں سے اس کا ایک ادا ہولیا باقی تین رہے جن میں دو بہن کے ہیں اور ایک بھتیجے کا' تو لازم ہے کہ باقی مال یونہی تقسیم ہو، بہن کو دو' بھتیجے کو ایک' نہ کہ دونوں کو نصفا نصف کہ اس تقدیر پر بہن کا حصہ نصف، باقی بعد فرض الزوجہ ہوجائے گا یعنی زوجہ کا حصہ نکال کر جو بچا اس کا آدھا حالانکہ نص قطعی قرآن عظیم سے بہن کا سہم نصف کل متروکہ تھا۔

عہ اصل میں ایسا ہی ہے شاید یہاں کچھ چھوٹ گیا ہے اور غالباً عبارت یوں ہے: اس قدر سہام ہی پر یا اتنے سہام ہی پر ہے، لہذا قوسین میں بنا دیا ہے۔ ازہری غفرلہٗ

قال اللہ تعالٰی ان امرؤ ھلك لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترك[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے۔ (ت)

لاجرم یہ سراسر غلط اور حسبِ تصریح علمائے کرام خلافِ اجماع ہے، زیادہ ایضاح چاہئے باآنکہ مسئلہ خود آفتاب کی طرح واضح ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ یہاں تین صورتیں ہیں:

اوّل یہ کہ وہ مال ترکہ جو ایک وارث لے کر جدا ہُوا اس کے اصل استحقاق سے کم ہو جیسا یہاں واقع ہوا کہ زوجہ کا حصہ چہارم تھا اور وہ آٹھویں پر راضی ہوگئی۔

دوم اس کے حق سے زیادہ ہو، مثلاً صورتِ مذکورہ میں مکان و زیور و اثاث البیت ۱۲ ہزار کے ہوتے اور بارہ ہزار کے نوٹ تو زوجہ کو بجائے ربع نصف مال پہنچتا۔

سوم اس کے حق کے برابر ہو، مثلاً مکان وغیرہ چھ ہزار کے ہوتے اور اٹھارہ ہزار کے نوٹ۔

صورتِ ثالثہ میں واجب ہے کہ بقیہ ورثہ کو مال اسی حساب سے پہنچے گا جو عدم تخارج کی حالت میں پہنچتا۔ تخارج کا اثر صرف اس قدر ہوگا جو اعیان کے تقسیم کا ہوتا ہے کہ ہر ایک اپنا کامل حصہ بے کم و بیش پاتا ہے حصے کہ ہر شَی میں مشاع تھے فقط جدا ہوجاتے ہیں۔

صورتِ اولٰی میں جبکہ باقی جمیع ورثہ کے ساتھ اس وارث نے مصالحہ کیا اور وہ مال جس میں ہر ایک کا حق تھا تنہا خود لیا اور اپنے حصہ سے کم پر راضی ہوا تو جو کچھ اس کے حصے کا باقی رہا واجب ہے کہ ان سب وارثوں کو پہنچے نہ کہ صرف ایک اس زیادت کا مالک ہوجائے دوسرا محروم کیا جائے کہ یہ محض ظلم و ناانصافی ہوگا اور پہنچنا بھی ضرور ہے کہ حصہ رسد ہو یعنی ہر ایک کو اُس حساب سے بڑھے جو اصل ترکہ میں اس کا حق تھا کہ وہ شَی جو وارث مذکور لے کر جُدا ہو گیا ہے اس میں ہر ایک کا حصہ اسی حساب سے تھا۔

صورتِ ثانیہ میں سب بقیہ ورثا اس وارث کو زیادہ دینے پر راضی ہوئے ہیں تو واجب ہے کہ وہ زیادت ہر ایک کے حق سے حصہ رسد لی جائے نہ یہ کہ سارا بار ایک وارث پر ڈال دیں حالانکہ ان میں سب کے حصّے تھے اور سب راضی ہُوئے تھے۔ یہ باتیں سب ایسی ہی بدیہی ہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/۱۷۶

جنھیں ہر عاقل ادنیٰ نظر سے سمجھ سکتا ہے۔ فقیر نے جو حکم گزارش کیا اس میں ہر صورت پر یہ میزان عدل اپنی پوری استقامت پر رہے گی، صورت اولےٰ میں جبکہ زوجہ کا حق چھ ہزار تھے اور وہ تین ہزار پر راضی ہوگئی تو باقی تین ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی کو ان کے حصص کے قدر پہنچنے واجب ہیں فاطمہ بیگم کا حصہ بارہ ۱۲ ہزار اور اسد علی کا چھ ۶ ہزار تھا یعنی فاطمہ بیگم کا اس سے دُونا، اور اسی حساب سے زیور و مکان و اثاث البیت میں ان دونوں نے اپنا حصہ زوجہ کے لئے چھوڑا ہے۔ فاطمہ بیگم کے دوٗ حصے اسے ملے اور اسد علی کا ایک تو ضرور ہے کہ معاوضہ کے تین ہزار سے بھی فاطمہ بیگم کو دوٗ ہزار ملیں اور اسد علی کو ہزار کہ ان کے اصل حصوں سے مل کر فاطمہ بیگم کے چوده ۱۴ ہزار اور اسد علی کے ساٹھ ہزار ہو جائیں۔ صورت ثانیہ میں زوجہ نے چھ ہزار اپنے حق سے زائد پائے۔ بہن بھتیجا دونوں اس زیادت پر راضی ہیں تو ہر ایک کے حصّہ سے حصہ رسد یہ زیادت نکالنی لازم۔ بہن کے بارہ ۱۲ ہزار سے چار ۴ ہزار نکالیں، اور بھتیجے کے چھ ۶ ہزار سے دوٗ ہزار۔ اب بقیہ بارہ ۱۲ ہزار میں بہن کے آٹھ ہزار، بھتیجے کے چار ہزار رہے۔ اور وہی نسبت ۲ دوٗ اور ایک کی آگئی۔ صورتِ ثالثہ تو خود ایسی ظاہر ہے کہ حاجت اظہار نہیں، عورت کو چھ ہی ہزار پہنچتے ہیں جو اس کا حق تھے، تو بہن بھتیجے کسی کے حق میں ایک حبہ کم نہ ہونا چاہئے نہ زائد، لیکن وہ طریقہ کہ مولوی صاحب نے اختیار کیا اس پر کسی صورت میں ہرگز عدل کا نام و نشان نہ رہے گا۔ پہلی صورت میں عورت کے تین ۳ ہزار نکل کر اکیس ۲۱ ہزار فاطمہ بیگم و اسد علی پر نصفاً نصف سے دونوں کو ساڑھے دس دس ہزار پہنچے اور چار ۴ سخت شناعتیں لازم آئیں؛

(۱) تین ہزار کہ حق زوجہ سے چھوٹے تھے دونوں کو ملنے چاہئے تھے بہن کو ان سے ایک حبہ نہ پہنچا۔

(۲) اگر نہ پہنچا تھا تو اس کا اپنا اصل حصہ کہ بارہ ۱۲ ہزار تھے وہ تو ملتا ڈیڑھ ہزار اس میں سے بھی کٹ گئے، یہ کس قصور کا جرمانہ تھا۔

(۳) بھتیجا تنہا اس زیادت کا مستحق نہ تھا حالانکہ صرف اس نے پائی۔

(۴) بالفرض اسی کو ملتی تو عورت نے صرف تین ہی ہزار تو چھوڑے تھے بھتیجے کے اصل حصے چھ ۶ ہزار میں مل کر نو ہزار ہوتے یہ پندرہ سو اور کس کے گھر سے آئے۔

دوسری صورت میں عورت کو اس کے حق سے چھ ہزار زیادہ پہنچ کر بقیہ بارہ ہزار بالمناصفہ بٹے اور ویسی ہی شناعتیں پیش آئیں۔ بہن بھتیجا دونوں اپنے نقص حصص پر راضی ہوئے تھے مگر

پورا اثر بہن پر گرا۔ کامل چھ ہزار اسی کے سہم سے اڑ گئے اور بھتیجے نے اپنا پورا حصہ چھ ہزار پالیا۔ زیور مکان وغیرہا متاع میں بہن کے بھی دو حصے تھے اور نوٹوں میں عورت کا حق تھا بہن نے متاع میں اپنا حصہ چھوڑا اور نوٹوں میں معاوضہ ایک حبہ نہ پایا اس کا حصہ مفت کا تھا الیٰ غیر ذٰلک مما یخاف ولا یخاف الا الانصاف (وغیرہ ذالک جس کا ڈر ہے اور ڈر نہیں مگر انصاف کا۔ ت)

تیسری صورت سب سے روشن تر ہے کسی وارث نے اپنے حصے سے کچھ نہ چھوڑا، عورت کو جو چھ ہزار چاہئیں تھے بے کم وبیش اتنے ہی ملے اب وہ کون سا جرم ہے جس کے سبب فاطمہ بیگم کا حق ایک چہارم کا اڑ گیا اور وہ کون سی خدمت ہے جس کے صلہ میں اسد علی نے اپنے حق سے ڈیوڑھا پالیا۔ اگر نوٹ ومتاع کی تبدیل نہ کرتے تو فاطمہ بیگم بارہ ہزار پاتی اور اسد علی ولطیفن چھ چھ ہزار، صرف اس تبدیلی نے وہ کایا پلٹ کی کہ لطیفن کے چھ ہزار نکل کر فاطمہ کے بارہ ہزار سے نو ہزار رہ گئے اور اسد علی کے چھ ہزار سے نو ہزار ہوگئے۔ اس واضح روشن بدیہی بیان کے بعد کسی عبارت کی بھی حاجت نہ تھی مگر زیادت اطمینان عوام کے لئے ایسی کتاب کی صریح تصریح حاضر جو علم فرائض کی سب سے پہلی تعلیم کافی ووافی ومکمل اور ہر مدرسے کے مبتدی طلبہ میں بھی مشہور ومعروف ومتداول ہے یعنی متن امام سراج الدین وشرح علامہ سید شریف قدس سرہما اللطیف فرماتے ہیں:

(من صالح من الورثۃ علیٰ شیئ معلوم من الترکۃ فاطرح سہامہ من التصحیح) ای صحح المسئلۃ مع وجود المصالح بین الورثۃ ثم اطرح سہامہ من التصحیح (ثم اقسم باقی الترکۃ) ای ما بقی منہا بعد ما اخذہ المصالح (علیٰ سہام الباقین) من التصحیح (کزوج وام وعم) فالمسئلۃ

جس وارث نے ترکہ سے کوئی معین شیئ لے کر دیگر ورثاء سے مصالحت کرلی تو اس کا حصہ تصحیح میں سے نکال دو یعنی اس کو وارثوں کے درمیان موجود تصور کرکے مسئلہ کی تصحیح کردو اور پھر تصحیح میں سے اس کے حصے نکال دو۔ پھر صلح کرنے والے نے جب معین شیئ لے لی تو تصحیح میں سے جو باقی بچا اس کو دیگر ورثاء کے حصوں پر تقسیم کردو جیسے کوئی خاتون اپنا شوہر، ماں اور چچا چھوڑ کر فوت ہوگئی تو مسئلہ خاوند کی موجودگی میں چھ سے

مع وجود الزوج من ستة وهي مستقيمة على الورثة للزوج ثلثة[1] وللام السهمان[2] وللعم سهم[3] (فصالح الزوج) من نصيبه الذي هو النصف (على ما في ذمته للزوجة من المهر وخرج من البين فيقسم باقي التركة) وهو ما عدا المهر (بين الام والعم اثلاثا بقدر سهامهما من التصحيح (وحينئذ يكون سهمان من الباقي للام وسهم واحد للعم كما كان[4] كذلك في سهامهما من التصحيح فانقلت هلاجعلت الزوج بعد المصالحة و اخذه المهر وخروجه من البين بمنزلة المعدوم وای فائدة في جعله داخلا في تصحيح المسئلة مع انه لا ياخذ شيئا وراء ما اخذه قلت فائدته انا لو جعلناه كان لم يكن وجعلنا التركة ما وراء

بنے گا جو کہ ورثاء پر برابر تقسیم ہو جائے گا، خاوند کو تین، ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا۔ چونکہ شوہر اپنے ذمہ مہر کے بدلے میں ترکہ میں سے اپنا حصہ جو کہ نصف ہے چھوڑنے پر صلح کر کے وارثوں کے درمیان سے خارج ہوگیا لہذا باقی ترکہ جو کہ مہر کے علاوہ ہے ماں اور چچا کے درمیان تصحیح میں سے ان کے حصوں کے مطابق تین پر تقسیم ہوگا۔ اور اس صورت میں مہر کو نکال کر باقی ترکہ میں سے دو حصے ماں کو اور ایک حصہ چچا کو ملے گا۔ جیسا کہ یہی حال تصحیح سے حاصل شدہ ان دونوں کے حصوں میں تھا۔ اگر تو کہے کہ صلح کے بعد اور شوہر کے مہر کو لے لینے اور وارثوں کے درمیان سے نکل جانے کے بعد تم نے شوہر کو بمنزلہ معدوم کے کیوں قرار نہیں دیا اس کو مسئلہ کی تصحیح میں داخل کرنے کا کیا فائدہ ہے باوجودیکہ وہ اس کے ماسوا کچھ نہیں لیتا جو کچھ وہ لے چکا ہے؟ میں کہوں گا اس کا فائدہ یہ ہے اگر ہم اس کو کالعدم قرار دیتے اور مہر کے ماسوا کو

---

[1] في النسخة التي بايدينا وللزوج منها سهام ثلثة۔

[2] السهمان كذا في نسختنا۔

[3] وللعم الباقي وهو سهم كذا عندنا۔

[4] كما كان الحال كذلك كذا بنسختنا۔

المهر لا نقلب فرض الام من ثلث اصل المال الى ثلث ما بقى اذ حينئذ يقسم الباقى بينهما اثلاثا فيكون للام سهم وللعم سهمان وهو خلاف الاجماع اذ حقها ثلث الاصل واذا ادخلنا الزوج فى اصل المسئلة كان للام سهمان من الستة وللعم سهم واحد فيقسم الباقى بينهما على هذا الطريق فتكون مستوفية حقها من الميراث اه[1] والله تعالى اعلم واعلم ان ههنا طريقه اخرى اخذ بها بعض المشائخ رحمهم الله تعالى لا تعلق لها عندى بما نحن فيه وان فرض فانما يكون عليها فى الصورة المسئول عنها لفاطمة ثلثة عشر الفا ومائة وخمسة وعشرون وللاسد على سبعة الاف وثمان مائة وخمسة وسبعون لم نختر هالان العمل والفتيا بالراجح لاسيما المذهب وانت تعلم ان هذه

ترکہ بناتے تو ماں کا فرضی حصہ اصل مال کی تہائی سے باقی مال (مہر نکالنے کے بعد) کی تہائی کی طرف منتقل ہو جاتا، کیونکہ اس صورت میں باقی مال ان دونوں (ماں اور چچا) کے درمیان تین حصّوں میں تقسیم ہوتا جس میں سے ماں کو ایک حصہ اور چچا کو دو حصے ملتے اور وہ اجماع کے خلاف ہے اس لئے کہ ماں کا حق اصل ترکہ کا ایک تہائی ہے۔ اور جب ہم نے شوہر کو اس مسئلہ میں داخل رکھا تو ماں کیلئے چھ میں سے دو جبکہ چچا کے لئے ایک حصہ ہوا۔ چنانچہ مہر نکالنے کے بعد باقی بچ جانیوالا مال ان دونوں کے درمیان اسی طریقے پر منقسم ہوگا، تو اس طرح ماں میراث میں سے اپنا پورا حق وصول کرے گی اھ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، تو جان لے کہ یہاں ایک اور طریقہ ہے جس کو بعض مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا میرے نزدیک زیر بحث مسئلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہم اس کو فرض کرلیں تو اس تقدیر پر صورت مسئولہ میں فاطمہ کے لئے تیرہ ہزار ایک سو پچیس اور اسد علی کے لئے سات ہزار آٹھ سو پچھتّر حصے ہوں گے۔ ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا کیونکہ عمل اور فتویٰ قولِ راجح پر ہوتا ہے خصوصاً جبکہ وہ مذہب ہو۔ اور تو جانتا ہے کہ یہ طریقہ

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی التخارج مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۷۳ و ۷۴

ایضا لا توافق ما سلکہ المجیب اللکنوی فھو خلاف الاجماع قطعا و باللہ العظمۃ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

بھی اُس طریقے کے موافق نہیں جس پر مجیب لکھنوی چلے ہیں تو وہ قطعی طور پر خلافِ اجماع ہوا۔ اور اللہ تعالٰی ہی سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

فصل دوم

مسئلہ ۹۴: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی وحید اللہ صاحب نائب پیشکار کچہری دیوانی ۲۵ ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

حضرت مطاع ومحترم مدظلہم العالی تحیہ تسلیم بالوف تکریم مشکلات کا حل آنحضرت کی ذات مجمع الکمالات کے ساتھ مخصوص ہے۔ ناچار گزارش کیا جاتا ہے سراجی وغیرہا تمام کتابہائے فرائض وفقہ (جہاں تک حقیر نے دیکھیں) میں اخوات عینیہ وعلاتیہ کو بنات اور فقط بنات الابن کے ساتھ میں عصبہ مع الغیر لکھا ہے وان سفل سے سفلیات کو داخل نہیں کیا گیا ہے جیسا اور مواقع مثلاً تفصیلِ اَبْ میں ہے وابنۃ الابن کے بعد وان سفلت کو بھی شامل کرلیا اس سے خیال ہوتا ہے سفلیات کی معیت عصوبت اخوات کی علت نہیں ہے چنانچہ شارح بسیط رحمہ اللہ کا یہ قول ہے:

اقتصر علٰی بنات الابن ولم یقل وان سفلن وکذا فی غیرہ من کتب الفرائض فدل ذٰلک علٰی ان السفالۃ غیر معتبرۃ فی صیرورتھن عصبۃ[1] انتہی۔

مصنف نے پوتیوں پر اکتفاء فرمایا اور یوں نہیں کہا اگرچہ نیچے تک ہوں۔ اور ایسا ہی علم فرائض کی دیگر کتابوں میں ہے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ (پڑپوتیاں وغیرہ یعنی) جو بھی پوتیوں کے نیچے ہوں وہ بہنوں کو عصبہ بنانے میں معتبر نہیں ہیں انتہی۔ (ت)

اس خیال کی تائید کرتا ہے اطمینان کی غرض سے حضرت سے رجوع کیا جاتا ہے کہ اس کو صحیح خیال کرکے سوالات میں اس پر عملدرآمد کیا جائے یا کیا؟ امید ہے کہ آنحضرت کے عالمتاب

---

[1] ؎

آفتاب فیض سے یہ حقیر ذرہ بھی بہرہ یاب ہوگا۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

مولانا المکرم اکرم اللہ تعالٰی بعد اہدائے ہدیہ تحفہ سیلنہ سنیہ ملتمس عصوبت اخوات کیلئے معیت بنت ابن الابن و بنت ابن ابن الابن وان سفلن قطعاً کافی ہے۔ اور شرح لبیبط کا بیان صریح لغزش بنت الابن حقیقۃً لغۃً یا عرفاً شائعاً بنت ضرور ابن الابن وغیرہا جملہ سفلیات کو متناول ہے تصریح وان سفلت محض ایضاح و تاکید عموم ہے، نہ ادخال مالم یدخل، تو عدم ذکر ہرگز ذکر عدم نہیں ہوسکتا ولہذا صدہا جگہ علماء نے وہاں کہ عموم یقیناً ہے لفظ سفول ذکر نہ فرمایا۔ کنز الدقائق میں ہے:

للاب السدس مع الولد او ولد الابن[1] — اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوتا ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

ولد الابن کولدہ عند عدمہ[2] — میّت کے بیٹے کی اولاد بیٹے کی عدم موجودگی میں خود میّت کی اپنی اولاد کی طرح ہے۔ (ت)

ملتقی الابحر میں ہے:

ومن النساء سبع الام والجدۃ والبنت وبنت الابن والاخت[3] الخ۔ — اور عورتوں میں سے سات ہیں ماں، جدّہ، بیٹی، پوتی اور بہن الخ (ت)

اُسی میں ہے:

النصف للبنت ولبنت الابن عند عدمہا[4] — ترکہ کا نصف بیٹی کے لئے ہے اور بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کے لئے (ت)

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳
[2] " " " " " " ۴۳۴
[3] ملتقی الابحر " مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۳۴۵
[4] " " " " " "

اُسی میں ہے :

السدس للام عند وجود الولد او ولد الابن وللاب مع الولد او ولد الابن ولبنت الابن وان تعددت مع الواحدۃ من بنات الصلب[۱] (ملتقطاً)

اولاد یا بیٹے کی اولاد کی موجودگی میں ماں کے لئے چھٹا حصّہ ہوگا، اور باپ کے لئے چھٹا حصہ ہوگا جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو، اور حقیقی بیٹی کی موجودگی میں پوتی کیلئے چھٹا حصہ ہوگا اگرچہ پوتیاں متعدد ہوجائیں (ت)

تنویر الابصار میں ہے :

للاب والجد السدس مع ولد او ولد ابن[۲]

میت کے باپ اور اس کے دادا کو چھٹا حصہ ملے گا جبکہ میت کی اپنی یا اس کے بیٹے کی اولاد موجود ہو۔ (ت)

درمختار میں ہے :

والتعصیب مع البنت او بنت[ع] الابن[۳]

میت کی بیٹی یا پوتی کی موجودگی میں بہن کو عصبہ بنانا۔ (ت)

اسی میں ہے :

فمن فرضہ النصف وھو خمسۃ البنت وبنت الابن والاخت لابوین والاخت لاب والزوج[۴]

جن کا فرضی حصّہ ترکہ کا نصف ہوتا ہے اور وہ پانچ ہیں بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن اور خاوند۔ (ت)

سراجیہ میں ہے :

بنات الابن کبنات الصلب و

پوتیاں حقیقی بیٹوں کی طرح ہیں اور ان کے

ع ھذا الضم ملتقطا ملخصا ۱۲ ازہری غفرلہ

[۱] ملتقی الابحر کتاب الفرائض مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۳۴۵ و ۳۴۶

[۲] الدرالمختار شرح تنویر الابصار ؍؍ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۵

[۳] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/۳۵۵

[۴] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/۳۵۶

لهن احوال ست[1]۔ چھ حال ہیں۔ (ت)

شریفیہ میں ہے:

اربع من النسوۃ فرضهن النصف والثلثان الاولی البنت والثانیۃ بنت الابن فان حالها کحال البنت عند عدمها[2] (ملخصاً)

عورتوں میں سے چار جن کا فرضی حصہ نصف اور دو تہائی ہوتا ہے۔ اُن میں سے پہلی بیٹی اور دوسری پوتی ہے، کیونکہ بیٹی کی عدم موجودگی میں پوتی کا حال بیٹی کے حال جیسا ہوتا ہے (ت)

بلکہ کئی جگہ صرف ذکر بنت پر اقتصار فرمایا حالانکہ بنات الابن وان سفلن قطعاً سب اسی حکم میں داخل۔ تنویر میں ہے:

یصیر عصبۃ بغیرہ البنات بالابن و بنات الابن بابن الابن والاخوات باخیهن و مع غیرہ الاخوات مع البنات[3]

بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ اور بہنیں اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بغیرہ ہوجاتی ہیں جبکہ بہنیں بیٹیوں کی موجودگی میں عصبہ مع غیرہ ہوجاتی ہیں۔ (ت)

اسی مسئلہ کا کلیہ ارشاد ہوا ہے:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ[4]

بیٹیوں کی موجودگی میں بہنوں کو عصبہ بناؤ۔ (ت)

اور یہ بھی نہیں کہ ان حضرات کو ترک ذکر سفول کا التزام ہو جس سے اُن کی عادت پر حمل کرکے سفول مفہوم ہو، نہیں بلکہ انھیں کتب میں جا بجا سفول مذکور۔ کنز میں ہے:

للام الثلث ومع الولد او ولد الابن وان سفل السدس

ماں کے لئے ایک تہائی ہوتا ہے اور اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲

[2] الشریفیہ شرح السراجیہ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۸۰

[3] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۷

[4] الشریفیہ شرح السراجیہ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۲۷

15

وللزوج النصف ومع الولد او ولد الابن وان سفل الربع وللزوجة الربع ومع الولد او ولد الابن وان سفل الثمن[1]

ماں کے لئے چھٹا ہوتا ہے خاوند کے لئے ترکہ کا نصف ہوتا ہے، اور میت کی اولاد یا بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں چوتھا حصہ ہوتا ہے۔ اور بیوی کیلئے ترکہ کا چوتھا حصہ ہوتا ہے جبکہ میت کی اولاد یا اس کے بیٹے کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو کی موجودگی میں بیوی کو آٹھواں حصہ ملتا ہے۔ (ت)

ملتقی میں ہے:

اقربھم جزء المیت وھوالابن وابنہ وان سفل[2]

اُن میں سے قریب ترین میت کی جُز ہے، اور وہ میت کا بیٹا یا اس کا پوتا ہے اگرچہ نیچے تک ہو۔ (ت)

اسی میں ہے:

وتحجب الاخوۃ بالابن وابنہ وان سفل[3]

میت کے بھائی محروم ہوتے ہیں جبکہ اس کا بیٹا یا پوتا موجود ہو اگرچہ نیچے تک ہوں۔ (ت)

تنویر میں ہے:

یقدم الاقرب فالاقرب منھم کالابن ثم ابنہ وان سفل[4]

اُن میں سے جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے، اس کو مقدم کیا جائے گا پھر اس کے بعد والا، جیسا کہ میت کا بیٹا پھر بیٹے کا بیٹا اگرچہ نیچے تک چلے جائیں۔ (ت)

تو ظاہر ہوا کہ علماء کے نزدیک سفول کا ذکر و عدم ذکر یکساں ہے تو اگر کہیں سفلیات کا حکم عالیہ کے خلاف ہوتا فقط عدم ذکر سفول پر قناعت نہ فرماتے بلکہ واجب تھا کہ نفی سفلیات بالتصریح

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۳ و ۴۳۴

[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العصبات مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/۳۴۶

[3] " " فصل فی الحجب " ۲/۳۴۸

[4] الدر المختار شرح تنویر الابصار فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۶

بتاتے تاکہ عرف عام شائع سے خلاف مراد پر محمول نہ ہو تو شرح بسیط کا تمسک صراحۃً بالمخالف ہے اور خود شرع مطہر میں اس کی کہاں نظیر ہے کہ یہاں سفلیات قوی کا حکم عالیات کے خلاف رکھا ہو بلکہ ہمیشہ جس طرح بنات نہ ہوں تو بنات الابن ان کی جگہ ہیں اور بنات ابن الابن کی جگہ، یُوں ہی بنات الابن نہ ہوں تو بنات الابن کی جگہ ہیں اور بنات ابن ابن الابن بنات ابن الابن کی جگہ۔ وھلمّ جرا ایسا واضح مسئلہ اسی قابل تھا کہ علماء اسے اعتماد فہم سامع پر چھوڑ جاتے مگر جزاھم اللہ احسن جزاء انھوں نے اسے بھی مہمل نہ چھوڑا اور عامہ کتب معتمدہ متداولہ متون وشرح فتاوٰی مثل سراجیہ[1] وشریفیہ[2] وتبیین[3] الحقائق وتکملۃ[4] البحر للطوری ودر[5] مختار وملتقی[6] الابحر ومجمع[7] الانہر وخزانۃ[8] المفتین وفتاوٰی[9] عالمگیریہ وقلائد[10] المنظوم وغیرہا میں صاف صاف بلاخلاف حکم مذکور عصوبت اخوات مع بنات الابن کا سفلیات کو شمول بھی بتادیا، اب ناظر متعجب ہوگا کہ یہ کیونکر۔ ہاں یہ فقیر سے سُنئے۔ زید نے دو بنت ابن الابن اور دو اخت چھوڑ کر انتقال کیا بنتین ابن الابن کے لئے تو یہاں یقیناً ثلثین ہے جس میں کسی ادنٰی طالب علم کو بھی محل ریب نہیں، اور اخوت کے پانچ حال ہیں، ایک[1] نصف، ز[2]ائد کو ثلثان، تہ[3]ائی کے ساتھ للذکر مثل حظ الانثیین[1] (مذکر کے لئے دو مونثوں کے حصہ کی مثل ہوتا ہے۔ ت)، بنا[4]ت کے ساتھ عصوبت ابن واب و ان سفل وعلا کے ساتھ سقوط۔ پہلی اور تیسری اور پانچویں حالت تو صورت مذکورہ میں بداہۃً نہیں اب اگر چوتھی نہ مانو تو دوسری متعین ہوگی اور اختین بھی ثلثین کی مستحق ہوں گی۔ یہ اولاً خود باطل ہے، علماء تصریح فرماتے ہیں کہ کسی مسئلے میں دوبار ثلثین جمع نہیں ہوسکتے۔ مجمع الانہر میں ہے:

لا یتصور فی مسئلۃ فقط اجتماع ثلثین وثلثین او ثلث وثلث وثلثین[2]۔

کسی مسئلہ میں یہ بالکل متصور نہیں کہ اس میں دو تہائی اور دو تہائی (دو بار) یا ایک تہائی اور ایک تہائی اور دو تہائی جمع ہوجائیں (ت)

ثانیاً اس تقدیر پر اصل مسئلہ تین[3] سے ہو کر بوجہ اجتماع دو ثلثین چار کی طرف عول کرنا واجب ہوگا حالانکہ کتب مذہب میں قاطبۃً تصریح ہے کہ تین[3] ان اصول میں ہے جن میں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل فی العول داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۷۶۱

کبھی عول نہیں ہوتا۔ سراجیہ میں ہے:

اعلم ان مجموع المخارج سبعة اربعة منها لا تعول وھی الاثنان والثلثة والاربعة والثمانیة۔[1]

تو جان لے کہ کُل مخارج سات ہیں، ان میں سے چار ہیں جن میں عول نہیں ہوتا اور وہ یہ ہیں دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

شریفیہ ومنح الغفار ورد المحتار وغیرہ میں ہے:

لا تعول اصلا لان الفروض المتعلقة بھذہ المخارج الاربعة اما ان یفی المال بھا او یبقی منه شیئ زائد علیھا۔[2]

اِن میں عول بالکل نہیں ہوتا کیونکہ ان چار مخرجوں سے جو فرضی حصّے تعلق رکھتے ہیں یا تو ترکہ کا مال ان پر پُورا ہو جاتا ہے یا اُن حصوں سے کچھ مال زائد بچ جاتا ہے۔ (ت)

یہ بھی تصریح ہے کہ دو ثلثین جمع نہیں ہوسکتے، نیز شریفیہ وغیرہا میں ہے:

فلا عول فی الثلثة لان الخارج منھا اما ثلث ومابقی کام واخ لاب وام واما ثلثان ومابقی کبنتین واخ لاب وام واما ثلث وثلثان کاختین لام واختین لاب وام۔[3]

تین میں عول نہیں ہوتا کیونکہ اس سے جو حصے نکلتے ہیں وہ یا تو ایک تہائی اور باقی بچ رہنے والا ہے، جیسے میت کی ماں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا دو تہائی اور باقی بچ جانے والا ہے، جیسے میت کی دو بیٹیوں اور حقیقی بھائی کی صورت میں ہوتا ہے یا ایک تہائی اور دو تہائی ہیں جیسا کہ میت کی دو اخیافی بہنوں اور دو حقیقی بہنوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ (ت)

اس حصر میں اور بھی واضح کردیا کہ اختین کو بنتین ابن الابن کے ثلثین کے ساتھ ثلثین دینا محض باطل ہے۔ شرح الکنز للامام الزیلعی میں ہے:

جملة المخارج سبعة وانما تعول

کل مخارج سات ہیں ان میں سے عول فقط

---

[1] السراجی فی المیراث باب العول مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۲۱

[2] الشریفیة شرح السراجیة 〃 مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۵۶

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

منها الستة والاثنا عشرة والاربعة وعشرون والاربعة الاخرى لاتعول[1]

چھ، بارہ اور چوبیس میں ہوتا ہے اور دیگر چار میں عول نہیں ہوتا۔ (ت)

بعینہٖ اسی طرح تکملۂ طوری میں ہے۔ درمختار میں ہے:

المخارج سبعة اربعة لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية[2]

مخارج سات ہیں جن میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو، تین، چار اور آٹھ۔ (ت)

متن علامہ ابراہیم حلبی میں ہے:

اربعة مخارج لاتعول الاثنان والثلثة الخ[3]

مخارج میں سے چار میں عول نہیں ہوتا یعنی دو اور تین الخ (ت)

خزانۃ المفتین میں پھر ہندیہ میں ہے:

اعلم ان اصول المسائل سبعة اثنان وثلثة واربعة وستة وثمانية و اثنا عشر واربعة وعشرون فاربعة منها لاتعول الاثنان والثلثة والاربعة والثمانية الخ[4]

تُو جان لے کہ مسئلوں کے اصول سات ہیں جو کہ یہ ہیں دو، تین، چار، چھ، آٹھ، بارہ اور چوبیس۔ ان میں سے چار یعنی دو، تین، چار اور آٹھ میں عول نہیں ہوتا الخ (ت)

منظومہ علامہ ابن عبدالرزاق میں ہے:

وسبعة مخارج الاصول اربعة لیست بذات عول، اثنان والثلثة التالیة واربع ضعفها الثانیة[5]

اصول کے مخارج سات ہیں جن میں سے چار عول والے نہیں ہیں یعنی دو اور اسکے ساتھ تین اور چار اور اس کا دوگنا آٹھ۔ (ت)

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الفرائض المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۲۴۴
[2] الدرالمختار " " باب العول مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۱
[3] ملتقی الابحر " " " مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۳۴۹
[4] فتاوٰی خزانۃ المفتین " " باب العول قلمی نسخہ غیر مطبوعہ ۲/۲۵۳
[5]

تو واجب ہوا کہ صورت مذکورہ میں حالت چہارم ہی مانی جائے اور سفلیات کے ساتھ بھی بہن کو عصوبت دی جائے، شرح بسیط میں ایسی تصریحات جلیلہ سے ذہول اور اس نامفید بلکہ مخالف بات سے تمسک موجب تعجب ہے۔

ولکن لکل جواد کبوۃ ولکل صارم نبوۃ ولکل عالم ھفوۃ نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ۔

لیکن ہر تیز رفتار گھوڑے کے لئے ٹھوکر ہے اور ہر تلوار کبھی اُچٹ جاتی ہے اور ہر عالم سے کبھی لغزش ہوجاتی ہے۔ ہم اللہ تعالٰی سے درگزر اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں(ت)

فقیر نے بہ طریق استدلال اس غرض سے لیا کہ کلمات علمائے کرام سے اخذ مسائل کا انداز معلوم ہو ورنہ بحمداللہ تعالٰی خاص اس جزئیہ شمول کی تصریحات فقیر کے پاس موجود ہیں۔

الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم میں ہے:

(والاخت) ولو متعددۃ (مع بنت الصلب واحدۃ ایضا فاکثر (و) کذا مع (بنت الابن) وان سفلت کذلک وکذا مع بنت وبنت ابن (ذات اعتصاب مع غیر)[1]

اور بہن اگرچہ متعدد ہوں صلبی بیٹی کے ساتھ چاہے ایک ہو یا ایک سے زائد۔ یونہی پوتی کے ساتھ اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ چاہے ایک ہو یا اس سے زائد عصبہ مع غیرہ بن جاتی ہے۔ (ت)

مختصر الفرائض میں اخوات لاب کے احوال میں ہے:

یصرن عصبۃ مع البنات او بنات[عہ] الابن وان سفلن ان لم توجد الاخوات لاب وام[2]

علاتی بہنیں بیٹیوں یا پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ بہنیں موجود نہ ہوں۔ (ت)

زبدۃ الفرائض میں ہے:

عصبہ مع غیرہا دو زنان اندیکے

عصبہ مع غیرہ دو عورتیں ہوتی ہیں ایک

عہ لعل الصواب او بنات الابن صح ۱۲ ازہری غفرلہ بل ہو المتعین کما یظہر فیما معنی وما یاتی

[1] الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم رسالہ من رسائل ابن عابدین باب العصبات سہیل اکیڈمی لاہور ۲/ ۲۱۵

[2] مختصر الفرائض

اخت اعیانی میت کہ با بنت یا بنت ابن او ہرچند پایان رود عصبہ میگردد۔ دوم اخت علاتی میت کہ باہمیں بنتین مسطورتین عصبہ می شود۔[1]

میت کی عینی بہن جبکہ میت کی بیٹی یا پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ پوتیاں نیچے تک ہوں۔ دوسری میت کی علاتی بہن ہیں جو میت کی بیٹی اور پوتی کے ساتھ ہو اگرچہ وہ پوتیاں نیچے تک چلی جائیں۔ (ت)

اسی میں اخت عینیہ کے احوال میں ہے:

چہارم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند۔[2]

عینی بہنوں کا چوتھا حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں (ت)

اسی میں اخت علاتیہ کے حالات میں ہے:

پنجم عصبہ مع البنات الصلبیات و مع بنات الابن ہرچند پایاں روند وقتے کہ عینی نباشد۔[3]

علاتی بہنوں کا پانچواں حال یہ ہے کہ وہ صلبی بیٹیوں اور پوتیوں اگرچہ نیچے تک ہوں کی موجودگی میں عصبہ ہوتی ہیں بشرطیکہ عینی بہن موجود نہ ہو (ت)

علامہ ابن نوراللہ القروی نے حل المشکلات میں خوب طریقہ اختیار فرمایا کہ کہیں وان سفلت وان نزلن (اگرچہ نیچے تک چلی جائیں۔ ت) نہ کہیں اور ہر جگہ بے کہے مذکور ہو یعنی ابتداء میں اپنی کتاب سے مسئلہ نکالنے کا طریق ارشاد فرمایا کہ جس مسئلہ میں فلاں وارث ہو اسے فلاں باب میں دیکھو مسائل بنات الابن کے لئے فرمایا:

ان کان فیھا بنت ابن المیت وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض، فھی فی الباب الثانی عشر۔[4]

اگر کسی مسئلہ میں میت کی پوتی اگرچہ نیچے تک ہو دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو تو وہ مسئلہ بارھویں باب میں مذکور ہوگا۔ (ت)

پھر ختم مقدمہ کے بعد فہرس ابواب دی اس میں بھی فرمایا:

الباب الثانی عشر منھا فی بنت الابن

بارھواں باب میت کی پوتی کے بارے میں ہے

---

[1] و [2] و [3] زبدۃ الفرائض
[4] حل المشکلات

وان سفلت مع غیرھا من اصحاب الفرائض[1] | اگرچہ نیچے تک چلی جائے جبکہ وہ دیگر ذوی الفروض کے ساتھ جمع ہو۔ (ت)

اسی طرح اور ابواب کی نسبت بھی فرمادیا اب ان بابوں میں جہاں مثلاً بنت الابن ہو خواہی نخواہی بحکم تعلیمات سابقہ بنت الابن وان سفلت مراد ہے۔ اسی باب دوازدہم میں ہے:

من مات وترك بنت ابن واختا لابوین فالمسئلة من اثنین لان فیھا نصفا ومابقی فالنصف لبنت الابن والباقی للاخت بالعصوبة[2] غرض حکم مسئلہ واضح ہے واللہ الحمد واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ | کوئی شخص ایک پوتی اور ایک عینی بہن چھوڑ کر فوت ہوگیا تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے۔ چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بہن کو بطورِ عصبہ ملے گا۔ اور اللہ ہی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

فصل سوم

مسئلہ ۹۵: از احمد آباد گجرات محلہ چکلہ کالوپور متصل پل گلیان مدرسہ طبیہ مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۵ رمضان المبارکہ ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک چچازاد بھائی کے سوا کوئی وارث شرعی نہیں اور دو بھتیجے چچازاد بھائی کے بیٹے ہیں زید نے اپنے مرض الموت میں بھائی کو ایک سو چالیس روپیہ دے کر اپنے متروکہ سے اس کا حقِ میراث معاف کرالیا بھائی نے معاف کردیا زید نے اس صلح کے بعد چھ سو باسٹھ روپے کے پانچ مکان خرید کر بنام مدرسہ عربیہ دینیہ وقف کئے اور جو مال باقی رہا اس میں یہ وصیت کی کہ اس سے اولاً حج کرایا جائے اور حج سے جو بچے اس کا مکان خرید کر وقف کردیا جائے بعدہٗ زید نے انتقال کیا، اس صورت میں یہ وقف و وصیت نافذ ہوئے یا نہیں؟ اور صلح جو وارث سے مورث اپنی حیات میں کرلے شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟ اگر صلح مذکور معتبر ٹھہرے تو میراث میں بدیں جہت کہ بھائی کا حق بوجہ صلح ساقط ہوگیا اب بھتیجوں کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

---

[1] و [2] حل المشکلات

الجواب

وارث سے اس کے حصہ میراث کے بابت جو صلح حیاتِ مورث میں کی جائے تحقیق یہ ہے کہ باطل و بے اثر ہے اس سے وارث کا حقِ ارث اصلاً زائل نہیں ہوتا۔ ہاں اگر بعد موت مورث اس صلح پر رضامندی رہے تو اب صحیح ہو جائے گی۔

اقول وباللہ التوفیق تفصیل المقام ان الروایات فی ہذہ المسئلۃ توجد علی ثلثۃ انحاء الاول البطلان وھو واضح البرھان غنی عن البیان فان الارث لاثبوت لہ فی حیاتہ فکان اعتیاضا عن معدوم وھو باطل وبھذا ھو نص محرر المذھب رضی اللہ تعالٰی عنہ قال فی جامع الفصولین ذکر "م" رحمہ اللہ تعالٰی فی سك (ای محمد رحمہ اللہ تعالٰی فی السیر الکبیر الذی ھو من کتب الاصول الستۃ) ان المریض لو اعطی من اعیان مالہ بعض ورثتہ لیکون لہ بحقہ من المیراث بطل[1] اھ الثانی الجواز ولا یظھر لہ وجہ قال فیہ عقیبہ برمز جف لجامع الفتاوی جعل لاحد ابنیہ دارا بنصیبہ

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) اور توفیق اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے۔ اس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تین قسم کی روایات پائی جاتی ہیں، پہلی قسم یہ کہ یہ صلح باطل ہے۔ اس کی دلیل واضح ہے جو بیان سے بے نیاز ہے کیونکہ میراث کا ثبوت مورث کی زندگی میں نہیں ہوتا تو یہ معدوم کا بدل طلب کرنا ہوا اور وہ باطل ہے۔ اور اسی پر محرر مذہب حضرت امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نص فرمائی جامع الفصولین میں ہے کہ م رحمہ اللہ تعالٰی نے سک میں ذکر فرمایا (یعنی امام محمد علیہ الرحمۃ نے سیر کبیر میں ذکر فرمایا جو کہ چھ کتب اصول میں سے ہے) کہ کسی مریض نے اگر اپنے عین مال میں سے کسی وارث کو اس لئے کچھ دیا کہ وہ میراث میں سے اس کا حق بن جائے تو یہ باطل ہے الخ دوسری قسم صلح کے جواز کی ہے، اور اس کی کوئی وجہ ظاہر نہیں۔ جامع الفصولین میں مذکورہ عبارت کے بعد جامع الفتاوی کی رمز یعنی جف کے ساتھ کہا کسی شخص نے اپنے ۲ دو بیٹوں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الرابع والثلاثون کتاب الوصیۃ اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰

على ان لا یکون له بعد موت
الاب میراث قیل جاز وبه افتی
بعضهم وقیل لا[1] اھ، وقال فی
فرائض الاشباه والنظائر قال
الشیخ عبد القادر فی
الطبقات فی باب الهمزة فی
احمد قال الجرجانی فی
الخزانة قال ابو العباس الناطفی
رأیت بخط بعض مشائخنا
رحمهم الله تعالٰی فی رجل
جعل لاحد ابنیه دارا بنصیبه
على ان لا یکون بعد موت
الاب میراث جاز وافتى به
الفقیه ابو جعفر محمد بن الیمانی
احد اصحاب محمد بن الشجاع
البلخی وحکی ذلک اصحاب احمد
بن ابی الحارث وابو عمرو الطبری[2]
انتهى اھ۔ قال فی غمز العیون
یتامل فی وجه صحة ذلک فانه خفی[3] اھ
والثالث الجواز اذا رضی به
الوارث بعد ما ورث

میں سے ایک کو اسکے حصے کا گھر اس شرط پر دیا
کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث
نہیں ہوگی۔ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز
ہے۔ اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے،
اور ایک قول میں ہے کہ جائز نہیں ہے الخ۔
الاشباہ والنظائر کی کتاب الفرائض میں کہا
کہ شیخ عبد القادر نے طبقات کے باب الھمز
فی احمد میں فرمایا، جرجانی نے خزانہ میں کہا کہ
ابو العباس ناطفی نے فرمایا میں نے اپنے بعض
مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی کی وہ تحریر دیکھی جو اس
شخص کے بارے میں ہے جس نے دو بیٹوں میں
سے ایک کو اس کے حصے کا مکان اس شرط پر
دیا کہ باپ کی موت کے بعد اس کے لئے میراث
نہیں ہوگی تو یہ جائز ہے۔ اسی پر فقیہ ابو جعفر محمد
بن الیمانی نے فتوٰی دیا جو کہ محمد بن شجاع بلخی کے
شاگردوں میں سے ایک ہیں۔ احمد بن ابو حارث
اور ابو عمرو طبری کے شاگردوں نے اس کو نقل
کیا ہے انتہی۔ غمز العیون میں کہا اس کی صحت
کی وجہ میں غور کرنا چاہئے کیونکہ یہ پوشیدہ ہے الخ
اور تیسری قسم یہ ہے کہ صلح اس صورت میں
جائز ہوگی جب وارث بننے کے بعد مذکورہ بالا

---

[1] جامع الفصولین کتاب الوصیۃ الفصل الرابع والثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۲۶۰
[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الفرائض ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۳۲
[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/ ۱۳۲

قال فی جامع الرموز اعلم ان الناطفی ذکر عن بعض اشیاخه ان المریض اذا عین الواحد من الورثة شیئا کالدار علی ان لایکون له فی سائر الترکة حق یجوز وقیل هذا اذا رضی ذلک الوارث به بعد موته فحینئذ یکون تعیین المیت کتعیین باقی الورثة معه کما فی الجواهر[1] اھ ونقله فی اوائل وصایا رد المحتار وزاد ان حکی القولین فی جامع الفصولین فقال قیل جاز وبه افتی بعضهم وقیل لا انتہی[2] اھ۔ ولم یجنح لحکایة ماقدمه فی جامع الفصولین عن السیر الکبیر مع انه کان هو العمدة فی الباب فان ماذکر من الجواز افتاء البعض لو لم یکن مستندہ کما علمت الی خط بعض

وارث اس صلح پر رضامندی ظاہر کردے۔

جامع الرموز میں کہا تو جان ۔ امام ناطفی نے اپنے بعض مشائخ سے ذکر کیا کہ مریض جب کسی ایک وارث کے لئے کوئی شے معین کردے مثلاً گھر اس شرط پر کہ باقی ترکہ میں اس کا کوئی حق نہیں ہوگا تو جائز ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت جائز ہوگا جب مریض کے مرنے کے بعد وہ وارث اس پر رضامندی ظاہر کرے تو اس صورت میں میت کا معین کرنا ایسے ہی ہے جیسے اس کے ساتھ باقی وارثوں نے تعیین کی ہو۔ جیسا کہ جواہر میں ہے الخ۔ اس کو ردالمحتار کے وصایا کے شروع میں نقل کیا اور یہ زائد کیا کہ ان دونوں قولوں کو جامع الفصولین میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ ایک قول میں کہا گیا ہے کہ یہ جائز ہے اور اسی پر بعض مشائخ نے فتوٰی دیا ہے ۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جائز نہیں ہے الخ اور ماقبل جامع الفصولین میں بحوالہ سیر کبیر ذکر کردہ حکایات کی طرف میلان نہیں کیا حالانکہ اس باب میں وہ عمدہ ہے کیونکہ جواز اور بعض مشائخ کے فتوٰی کا ذکر اگر بعض مشائخ کے خطا کی طرف منسوب نہ ہو

---

[1] جامع الرموز کتاب الوصایا مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۴/۶۶۹

[2] ردالمحتار ؍؍ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۲۰

المشائخ معما فی الخط من شبهة تنزلہ عن مرتبة الاشارة فضلا من العبارة فعندی فیما ذکرالحموی فی الغمز من احکام الکتابة یجوز الاعتماد علٰی خط المفتی اخذا من قولھم یجوز الاعتماد علٰی اشارته فالکتابة اولٰی[1] اھ نظر فی الاخذ وان قلنا بجواز الاخذ بہ عند حصول الامن و سکون القلب ولذا اجمعوا علٰی جواز النقل من الکتب المعتمدة المعروفة المتداولة کما افادہ فی الفتح فمع قطع النظر من کل ذلک لم یکن لہ بجنب نص محمد فی ظاھر الروایة قیام علٰی ساق مع ما فیہ من عدم التئامہ بقواعد المذھب علی الاطلاق نعم ما ذکر فی الجواھر محمل حسن وبہ یدنو من التحقیق و یزول القلق و یحصل التوفیق بیدان الواجب عندی

جیسا کہ تُو نے جان لیا باوجودیکہ خط میں شبہہ ہوتا ہے تو یہ اشارہ کے مرتبہ سے بھی گر جائیگا چہ جائیکہ عبارت (کے برابر ہو) - چنانچہ میرے نزدیک اُس میں جس کو امام حموی نے احکامِ کتابت سے غمز میں ذکر کیا ہے کہ مفتی کے خط پر اعتماد جائز ہے - مشائخ کے اس قول سے اخذ کرتے ہوئے کہ مفتی کے اشارے پر اعتماد جائز ہے تو کتابت پر بدرجہ اولٰی جائز ہوگا الخ اس اخذ میں نظر ہے، اگرچہ ہم حصولِ امن اور میلانِ قلبی کے وقت اس کے ساتھ اخذ کے جواز کے قائل ہیں، یہی وجہ ہے کہ مشہور و مروج اور قابلِ اعتماد کتابوں سے نقل کے جواز پر مشائخ نے اجماع کیا ہے جیسا کہ فتح میں اس کا افادہ فرمایا ہے' اس تمام سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ قول ظاہر الروایہ میں مذکور امام محمد علیہ الرحمۃ کی نص کے مقابل اپنی پنڈلی پر قائم نہیں ہوسکتا - اس کے باوجود اس میں علی الاطلاق مذہب کے قواعد کے ساتھ مطابقت بھی نہیں ہے - ہاں جو جواہر میں مذکور ہے وہ ایک اچھا محمل ہے، اور اسی کے ساتھ یہ تحقیق کے قریب ہوجاتا ہے اور اضطراب زائل ہوجاتا ہے اور مطابقت و موافقت حاصل ہوجاتی ہے - اس کے

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث احکام الکتابۃ ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۱۹۸

رضی الورثة جمیعا بعد موت
المورث لارضی المصالح وحده
فان التخارج مبادلة بینهم فلابد
من رضاهم جمیعا لاسیما اذا
کان الذی عُیّن له ازید
من حقه وکانه لحظ الی
ان التعیین لواحد علی ان
لایکون له فی سائر الترکة
شئ انما یکون غالبًا
باقل من حقه اومایساویه
ولیس فیه مایقتضی عدم
رضی سائر الورثة فاقتصر
علی ذکر اشتراط رضاه وحده
واللہ تعالی اعلم، فان
قلت لم لایجوز ان یحمل
کلام محمد محرر المذهب رحمه الله تعالی علی
بطلان الحق قلت کلا فان الارث جبری لا یسقط
باسقاط وکیف یسوغ ابطال ما اثبته الله تعالی فی
کتابه والتخارج مبادلة لا اسقاط
والمبادلة تقرر الحق
وتثبته لا تبطله فلو
صح ما فعل المریض
لقیل صح ما فعل و
الحق حصل لا ان
بطل هذا عندی

علاوہ میرے نزدیک مورث کے مرنے کے بعد
تمام وارثوں کی رضامندی ضروری ہے نہ کہ
تنہا صلح کرنیوالے کی رضامندی۔ کیونکہ تخارج
وارثوں کے درمیان باہمی تبادلہ ہے لہذا
ان سب کی رضامندی ضروری ہے خصوصًا
اس صورت میں جب مذکورہ بالا وارث
کے لئے اس کے حق سے زائد کی تعیین
کر دی گئی ہو۔ گویا اس بات کو ملحوظ رکھا گیا
ہے کہ کسی ایک وارث کے لئے تعیین اس
شرط پر ہوگی کہ ترکہ میں سے اس کے لئے کچھ
نہیں ہوگا۔ غالبًا یہ تعیین اس کے حق سے کم تر
میں یا اُس کے حق کے مساوی میں ہی ہوتی ہے،
حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو باقی ورثاء
کی عدم رضا کا تقاضا کرتی ہو۔ چنانچہ اکیلے اس
وارث کی رضامندی کے شرط ہونے کے ذکر پر
اکتفاء کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا
ہے۔ اگر تُو کہے کہ محررِ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ
تعالےٰ علیہ۔ کے کلام کو بُطلانِ حق پر محمول کرنا
کیوں جائز نہیں؟ تو میں کہوں گا ہرگز نہیں
کیونکہ وارث بننا جبری امر ہے جو ساقط کرنے
سے ساقط نہیں ہوتا۔ تو جس چیز کو اللہ تعالےٰ
نے اپنی کتاب میں ثابت فرمایا اس کو باطل
کرنا کیسے جائز ہوگا، اور تخارج باہمی تبادلہ
ہے نہ کہ کسی حق کو ساقط کرنا۔ اور باہمی تبادلہ
حق کو ثابت کرتا ہے نہ کہ اسکو باطل کرتا ہے۔

والعلم بالحق عند ربی۔ اگر وہ صحیح ہوتا جو مریض نے کیا ہے تو البتہ کہا جاتا کہ جو کچھ مریض نے کیا ہے وہ صحیح ہے۔ اور حق حاصل ہوگیا ہے نہ یہ کہ وہ باطل ہوگیا ہے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ (ت)

یہ نفس مسئلہ صلح وارث بحیاتِ مورث کی تحقیق تھی جس سے سائل نے علیٰ وجہ الاطلاق سوال کیا۔ رہی یہ صورتِ خاصہ کہ یہاں واقع ہوئی اسے مسئلہ صلح و تخارج سے علاقہ ہی نہیں یہاں صلح ایک سو چالیس روپے پر واقع ہوئی اور ترکہ میں روپے زائد تھے اور روپے کے حق سے کم روپوں پر تخارج قطعاً باطل ہے اگرچہ بعد موت مورث ہو۔

فی الدر المختار فی اخراجہ عن نقدین وغیرھما باحد النقدین لایصلح الاان یکون مااعطی لہ اکثر من حصتہ من ذٰلک الجنس تحرزا عن الربا[1]۔

درمختار میں ہے نقدین (سونے چاندی) میں سے کسی ایک کے بدلے میں کسی وارث کو نقدین وغیرہ سے خارج کرنا صحیح نہیں مگر اُس وقت کہ جو کچھ اُس وارث کو دیا گیا ہے وہ اسی جنس میں سے اس کے استحقاقی حصے سے زائد ہو تاکہ سُود سے بچاؤ ہوجائے (ت)

تو یہ تخارج ہوتا تو یقیناً باطل ہوتا مگر یہاں دُوسرا وارث کوئی ہے ہی نہیں، نہ کوئی موصٰی لہ تھا جس سے مبادلہ ٹھہرے تو یہاں صلح و تخارج و مبادلہ کو دخل ہی نہیں اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ "میراث سے میں نے اتنے روپے لے لئے باقی ترکہ سے مجھے تعلق نہیں"۔ یہ نہ کوئی عقدِ شرعی ہے نہ ایک مہمل وعدہ سے زائد کچھ معنے رکھتا ہے تمام ترکہ میں بدستور اس کا حق باقی ہے تصرفات مذکورۂ زید بے اس کی اجازت کے ثلث سے زائد میں نافذ نہیں ہوسکتے بلکہ اُن میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت تو بحالِ حیاتِ موصی مفید ہی نہیں اگرچہ وارث نے صراحۃً اُس وقت کہہ دیا ہو کہ میں نے ان وصیتوں کو نافذ کیا جائز رکھا نہ اُسے اُن تصرفات زید کی اجازت معتبرہ ٹھہرا سکتے ہیں جو اس گفتگو کے بعد زید سے واقع ہوئے کہ ان میں جو وصایا تھیں ان کی اجازت کا تو حیاتِ موصی میں کوئی محل ہی نہیں۔

فی الدر المختار لاتعتبر اجازتھم درمختار میں ہے کہ وارثوں کی اجازت موصی کی

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلح فصل فی التخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۴۵

حال حیاته اصلا بل بعد وفاته[1] اھ

فی رد المحتار اے لانها قبل ثبوت الحق لهم لان ثبوته عند الموت فکان لهم ان یردوه بعد وفاته بخلاف الاجازة بعد الموت لانه بعد ثبوت الحق وتمامه فی المنح[2]

زندگی میں بالکل معتبر نہیں بلکہ اس کی وفات کے بعد معتبر ہوتی ہے الخ۔ ردالمحتار میں ہے اس لئے کہ وہ اجازت وارثوں کے حق کے ثبوت سے قبل ہے کیونکہ ان کے حق کا ثبوت موصی کی موت کے وقت ہوتا ہے لہذا وُہ موصی کی وفات کے بعد اس اجازت کو رَدّ کرسکتے ہیں بخلاف اس اجازت کے جو موصی کی موت کے بعد ہوئی کیونکہ وہ ثبوتِ حق کے بعد ہے۔ اس کی پوری بحث منح کے اندر ہے۔ (ت)

البتہ وہ وقف کہ اس نے اپنے مرض میں فی الحال کردیا اگر وارث سے حیاتِ مورث ہی میں اس کی اجازت پائی گئی جب بھی نافذ و تام ہوگیا کہ بعد موتِ مورث اب وارث اسے رد نہیں کرسکتا۔

فی ردالمحتار من البزازیة تعتبر الاجازة بعد الموت لاقبله هذا فی الوصیة اما فی التصرفات المفیدة لاحکامها کالاعتاق وغیره اذا صدر فی مرض الموت واجازه الوارث قبل الموت لاروایة فیه عن اصحابنا قال الامام علاءُ الدین السمرقندی اعتق المریض عبده ورضی به الورثة قبل الموت لایسعی العبد فی شئ

ردّالمحتار میں بزازیہ سے منقول ہے کہ موت کے بعد کی اجازت معتبر ہے نہ کہ پہلے کی۔ یہ وصیت کے بارے میں ہے۔ رہے وہ تصرفات جو اپنے حکم کا فائدہ دیتے ہیں جیسے آزاد کرنا وغیرہ، جب یہ مرض الموت میں صادر ہوں اور موت سے پہلے وارث اجازت دے دے تو ہمارے اصحاب سے اس بارے میں کوئی روایت موجود نہیں۔ امام علاءُ الدین سمرقندی نے کہا کہ کسی مریض نے اپنا غلام آزاد کردیا اور موت سے پہلے وارثوں نے اس پر رضامندی ظاہر کردی تو وہ غلام کسی شئی میں سعی نہیں کریگا،

---

[1] الدرالمختار کتاب الوصایا مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۱۷

[2] ردالمحتار 〃 داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۱۷

وقد نصوا علی ان وارث المجروح اذا عفا عن الجارح یصح ولا یملك المطالبة بعد موت المجروح اھ[1]۔

اور مشائخ نے اس بات پر نص فرمائی کہ زخمی کا وارث جب زخمی کرنے والے کو معاف کرے تو معافی صحیح ہوگی اور وارث زخمی کی موت کے بعد مطالبے کا مالک نہیں ہوگا اھ (ت)

اور یہیں سے واضح ہُوا کہ صورت کچھ واقع ہُوئی ہو بھتیجوں کو اصلاً کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اگر وارث یعنی بھائی نے اس وقف کو بحالِ حیاتِ مورث خواہ بعد وفاتِ مورث اور وصایا کو خاص بعد وفات جائز کیا، جب تو ایک سو چالیس ۱۴۰ روپے کے سوا باقی مال حسبِ تصرفاتِ مورث وقف ووصیت میں آگیا اور اگر ناجائز کیا تو ثلث وقف ووصیت کے لئے رہا و ثلث بھائی کا حق ہوا بھتیجے کسی مال میں حصہ نہیں پاسکتے، وھذا ظاھر جدّا، واﷲ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (اور یہ خوب ظاہر ہے، اور اﷲ سبحانہٗ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

فصل چہارم

مسئلہ ۹۶: از لشکر گوالیار ڈاکخانہ دربار مرسلہ مولوی نورالدین احمد صاحب ۲۶ شوال ۱۳۱۴ھ

مخدوم ومطاع نیازمندان دام مجدکم پس از اظہار نیاز گزارش کہ ان دنوں بوجہ ضرورت ملازمان ریاست وامداد وکلا ایک رسالہ ترتیب دیا گیا ہے جس میں فرائض وصیت ہبہ، وقف، نکاح، مہر و طلاق وغیرہا کا بیان ہے اور وہ رسالہ چھپ رہا ہے۔ ایک شبہہ یہ پیدا ہوا ہے کہ آیا سوائے مادرِ حقیقی دیگر زوجاتِ اَب اور سوائے جدہ حقیقی دیگر زوجاتِ جد میراث پاتی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں پاتیں تو تو درمختار اور فرائض شریفی وغیرہا میں جدہ کے آگے فصاعدًا اور او اکثر سے کیا مراد ہے؟ اور تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام اور ۳، ۴، ۶ یہاں تک کہ پندرہ جدات کس بنا پر درج ہیں؟ بالتفصیل اس کا جواب مطلوب ہے بمجرد ملاحظہ نیاز نامہ مرحمت ہو۔ نورالدین احمد عفی عنہ

الجواب

مولانا المکرم السلام علیکم ورحمۃ اﷲ وبرکاتہ آدمی کی ام وجدہ وہی ہیں جن کے بطن کی طرف یہ منتسب ہو وہ اس کی اصل یہ ان کی فرع ہوئی باقی زوجات اب وجد ام

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۷

جدّ نہیں، نہ ان کے لئے میراث سے کوئی حصہ، تصحیح کی مثالوں میں دو تین ام عامہ کتب میں ایک دوسرے کی طرف مضاف مراد ہیں کہ دوسرے تیسرے درجہ کی جدّۂ اُمیہ ہوئیں یعنی ام الام ثانی یا ام ام الام ثانی کی ماں، نہ یہ کہ میّت کی اپنی دو تین ماں۔ ہاں علمائے کرام نے تعدد ام واب کی صورت بحالتِ تنازع قائم فرمائی ہے، مثلاً چند عورتیں ایک بچّہ کی نسبت مدعی ہوں ہر ایک کہے یہ میرا بیٹا ہے میرے بطن سے پیدا ہوا ہے، اور اس کا حال معلوم نہ ہو، اور وہ سب مدعیات اپنے اپنے دعوے پر شہادات شرعیہ قائم کردیں اور کسی کو دوسری پر کوئی ترجیح نہ ہو تو قاضی مجبوراً ان سب کی طرف اسے منتسب کردے گا، اور جب وہ مرے اور یہ عورتیں باقی رہیں تو بحکم تنازع وعدمِ ترجیح سب ایک سدس یا ثلث میں کہ سہم مادر ہے شریک ہوجائیں گی۔ اسی طرح ایک شخص کے چند پدر اور ان کے تعدد کی ایک صورت ولدِ جاریہ مشترکہ کی ہے جبکہ سب شرکاء دعوٰی کریں۔

غمز العیون کتاب الاقرار میں ہے:

لایستحیل شرعا ان یکون للواحد ابوان او ثلثة الٰی خمسة کما فی الجاریة المشترکة اذا ادعاہ الشرکاء بل قد یثبت نسب الواحد الحر الاصیل من الطرفین کما فی اللقیط اذا ادعاہ رجلان حران کل واحد منہما من امرأة حرة کما فی التتارخانیة[1]

شرعی طور پر یہ محال نہیں کہ ایک شخص کے دو یا تین بلکہ پانچ تک باپ ہوں جیسا کہ مشترکہ لونڈی میں جبکہ شرکاء اس کا دعوٰی کریں، بلکہ کبھی ایک اصلی حُر کا نسب دونوں طرفوں سے ثابت ہوتا ہے جیسا کہ گرے پڑے بچے کے بارے میں جب دو آزاد مرد دعوٰی کریں اور ان دونوں میں سے ہر ایک کسی آزاد عورت سے اس کی ولادت کا مدعی ہو، جیسا کہ تتارخانیہ میں ہے۔ (ت)

خانیہ کتاب الدعوٰی فصل فیما یتعلق بالنکاح میں ہے:

جاریة بین رجلین او ثلثة او اکثر ولدت ولدا فادعوہ جمیعا ثبت النسب من الکل فی قول ابی حنیفة

ایک لونڈی نے بچہ جنا جو کہ دو یا تین یا اس سے زیادہ مردوں کی مملوکہ تھی اُن سب نے اس بچے کا دعوٰی کیا تو امام ابوحنیفہ، امام زفر

---

[1] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب الاقرار ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۵

16

وزفر والحسن بن زیاد رحمهم الله تعالٰی وعن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ فی روایۃ یثبت من الخمسۃ لامن الزیادۃ الخ[1]

اقول فافاد ان التحدید المذکور فی الخمس مبنی علی روایۃ نادرۃ والمذھب الاطلاق۔

اور حسن بن زیاد رحمہم اللہ تعالٰی کے قول میں سب سے نسب ثابت ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہا سے ایک روایت میں منقول ہے کہ پانچ تک سے نسب ثابت ہوگا زیادہ سے نہیں اھ میں کہتا ہوں اس قول نے یہ فائدہ دیا کہ خمس میں مذکور حدبندی نادر روایت پر مبنی ہے جبکہ مذہب مطلق ہے (ت)

ہندیہ کتاب الدعوٰی میں محیط امام شمس الائمہ سرخسی سے ہے:

قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ رجلان خارجان اقام کل واحد (منھما) البینۃ انہ ابنہ ولد علی فراشہ من امرأتہ ھذہ جعل ابن الرجلین والمرأتین الخ[2]

امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ دو غیر قابض مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کئے کہ یہ میرا بیٹا ہے میرے فراش پر میری اس بیوی سے پیدا ہوا ہے تو اس کو ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کا بیٹا قرار دے دیا جائے گا الخ (ت)

اور جدّہ واقعی متعددہ ہوتی ہیں کہ آدمی کی جدہ ہر وہ عورت ہے جو اس کی اصل کی اصل ہو، اصل دو ہیں اب واُم، اور ان میں ہر ایک کے لئے ۲ دو اصلیں ہیں، تو یہ پہلا درجہ اصل الاصول کا ہے جس میں چار اصلیں پائی گئیں دو مرد اور دو عورتیں، یہ دونوں عورتیں جدہ ہیں ایک امیہ یعنی ماں کی طرف سے کہ ام الام یعنی نانی ہے اور دوسری ابویہ باپ کی طرف سے کہ ام الاب یعنی دادی ہے یہ دونوں جدہ صحیحہ ہیں۔ پھر چاروں اصلوں میں ہر ایک کے لئے ۲ دو اصلیں ہیں تو دوسرے درجہ میں آٹھ اصول ہوں گے چار مرد چار عورتیں، یہ چاروں عورات جدہ ہیں، دو امیہ ام اب لام، ام ام الام۔ اور دو ابویہ ام اب الاب، ام الاب ابویہ دونوں صحیحہ ہیں۔ اور امیہ کی پہلی فاسدہ دوسری صحیحہ۔ یونہی ہر درجہ میں جدّات کا عدد دُونا ہوتا جائے گا۔ تیسرے درجہ میں آٹھ، چوتھے

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الدعوٰی، فصل فیما یتعلق بالنکاح الخ نولکشور لکھنؤ ۴۹۶/۳

[2] الفتاوی الہندیۃ " الباب الرابع عشر الفصل الخامس الخ نورانی کتب خانہ کراچی ۱۲۵/۴

16
16

میں سولہ[۱۶]، پانچویں میں بتیس[۳۲] وعلیٰ ھٰذا القیاس تضاعیف بیوت شطرنج کی طرح یہاں تک کہ بیسویں درجہ میں دس لاکھ اڑتالیس ہزار پانچ سو چھہتر جدہ ایک درجہ کی ہونگی نصف اُمیہ نصف ابویہ، اور ان میں صحیحہ کا شمار پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ اُمیات میں تو کسی درجہ میں ایک سے زائد جدۂ صحیحہ نہ ہوگی کہ جدۂ امیہ وہی صحیحہ ہے جس تک میت کے سلسلے میں سوا ام کے اَب اصلاً نہ واقع ہوا اور ابویات ہر درجہ میں بشمار اس درجہ کے صحیحہ ہونگی باقی ساقطہ مثلاً پانچویں درجہ میں پانچ ابویہ ثابتہ ہیں گیارہ فاسدہ، اور دسویں میں دس صحیحہ پانچ سو دو ساقطہ وعلی ھٰذا القیاس کہ جدۂ ابویہ میں جب تک جانب نزول صرف لفظ اَب اور جانب صعود صرف لفظ ام ہے جدۂ صحیحہ ہے اور جہاں دو[۲] اُم کے بیچ میں لفظ اَب آیا وہیں فاسدہ ہوجائے گی پس جس قدر درجوں کی جدات صحیحہ لینی ہوں اتنی ہی بار لفظ اَب برابر برابر لکھا جائے اور اس کے اوپر اُم لکھ دیجئے یہ سطر اول ہوئی جس کے شروع میں لفظ ام باقی اب ہے۔ سطر دوم میں اُم کے قریب جو پہلا اَب ہے اسے بھی اُم سے بدل دیجئے کہ دو[۲] ام ہوں اور باقی اَب اسی طرح سطر سوم میں تین ام، چار میں چار یہاں تک کہ اخیر میں سب اُم ہوجائیں یہ سب جدات صحیحات ہونگی یا اخیر کی امیہ اور اوپر کی سب ابویہ اور طریق اس کا اخصر ہونا ظاہر ہے کہ طریق اول میں جتنی جدہ بتانی ہوں بقدر ان کے مجذور کے لفظ اب وام لکھنے ہونگے اور یہاں ان کی ضعف سے بھی ایک کم مثلاً سو[۱۰۰] جدہ دکھانے کو اس طریق میں دس ہزار لفظ درکار ہونگے اور اس میں صرف ایک سو ننانوے[۱۹۹] اخصر یہ ہے کہ جتنے درجہ کی جدہ لینی ہوں اتنی ہی بار زیر و بالا لفظ اَب اور اسی قدر ان کے محاذی لفظ اُم لکھ کر اخیر میں دونوں کے وسط پر اُم لکھ دیجئے آباء واُمہات کو دو خط مستقیم عمودی سے ملا دیجئے اور اُم اخیرہ سے اس کے قریب کے اَب واُم دونوں اور باقی ہر اُم سے اس کے ایک درجہ اوپر کے اب تک خطوط منحرفہ کھینچ دیجئے خط عمودی امہات مع ام اخیرہ جدیہ امیہ کو بتائے گا اور باقی خطوط ابویات صحیحہ کو یہ سب بیانات ان چار نقشوں سے کالعیان ہوجائیں گے دو[۲] نقشہ اول میں جہاں لفظ اُم بخط نسخ ہے وہ جدہ صحیحہ ہے باقی ساقطہ۔

(اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

نقشہ جدّات ثابتہ ابویات و اُمیہ درجہ پنجم
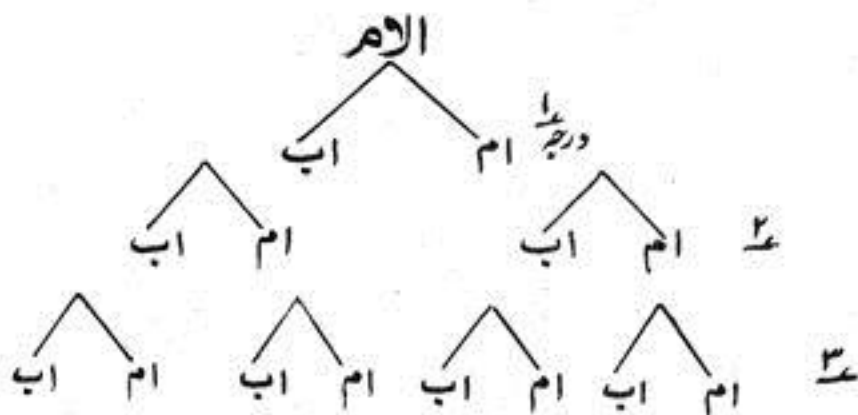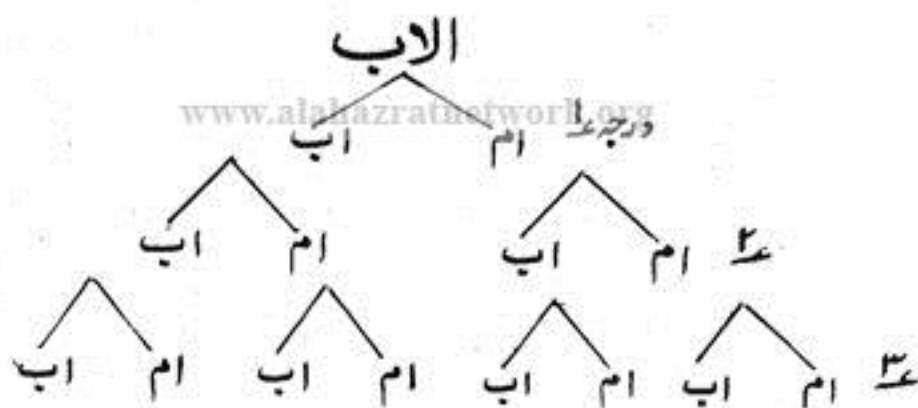
۱	ام	اب	اب	اب	اب	اب
۲	ام	ام	اب	اب	اب	اب
۳	ام	ام	ام	اب	اب	اب
۴	ام	ام	ام	ام	اب	اب
۵	ام	ام	ام	ام	ام	اب
۶	ام	ام	ام	ام	ام	ام

نقشہ پانزدہ[۱۵] جدہ صحیحہ یکے امیہ و چاردہ[۱۴] ابویہ بطریق احضر کہ در درجہ چہاردہم حاصل میشوند

الاب — الام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام
اب — ام

ام

اس تقریر سے قصاعدا اور اد اکثر اور ایک درجہ میں پندرہ[۱۵] جدہ صحیحہ سب کے معنی منکشف ہوگئے، اور ظاہر ہوا کہ کچھ پندرہ پر حصر نہیں جس قدر چاہیں حاصل کرسکتے ہیں مثلاً پچیس جدہ صحیحہ ہمیں درجہ بست و چہارم میں ملیں گی، اس درجہ کی کُل جدات ایک کروڑ سرسٹھ لاکھ ستتر ہزار دوسو سولہ (۱۶۷۷۷۲۱۶) میں سب ساقط مگر پچیس[۲۵] ایک اُمیہ اور چوبیس[۲۴] ابویہ کہ صحیحہ ہیں، یہ تمام بیانِ منیر فقیر حقیر نے عین وقتِ تحریر میں اپنے ذہن سے استخراج کیا پھر دیکھا تو ہندیہ میں

اختیار شرح مختار سے طریق اول نقل فرمایا وللہ الحمد واللہ تعالیٰ اعلم۔

فصل پنجم

مسئلہ ۹۷ از کلکتہ مولوی امداد علی لین ۱ مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب بنگالی منتہی طالب علم مدرسہ عالیہ کلکتہ ۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۴ھ

ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اندریں کہ شخصے بحضور یک زوجہ وسہ بنت وسہ بنت الابن ودو ابن ابن الاخ اموال گزاشتہ پیک اجل را لبیک گفت پس ترکہ اش درمیان ورثہ مذکورین چگونہ منقسم خواہد شد بینوا توجروا

اے علمائے کرام اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے جس نے ایک بیوی، تین بیٹیوں، تین پوتیوں اور بھائی کے دو پوتوں کی موجودگی میں مال چھوڑ کر موت کے پیغام کو لبیک کہا۔ پس اس کا ترکہ مذکورہ وارثوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیان کرو اجر پاؤ گے (ت)

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۵۰۴

میــــــــــت زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	بنت الابن	بنت الابن	بنت الابن	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ
۶۳	۱۱۲	۱۱۲	۱۱۲	۱۵	۱۵	۱۵	۳۰	۳۰

جناب من! بے حد ادب، پس از سلام سنتِ خیر الانام عرض بخدام برتر مقام میگزارم کہ بر صورت مرقوم بالا دریں صوبۂ بنگلہ اختلافات شتّیٰ رو دادہ کہ بنت الابن یا ابن ابن الاخ عصبہ تواند شد یا چہ؟ از دلائل ردالمحتار وشریفیہ معلوم شد کہ بنات الابن چنانچہ با برادر عینی خود عصبہ شوند ہمبران نسق با ابن عم خود ہم عصبہ شوند و ایشاں ھم بنی عم ایں زمان اند پس مستحق باقی مال زید تواند شد

میری سرکار! بے حد ادب، اور تمام مخلوق سے بہتر شخصیت کی سنّت کے مطابق بارگاہِ عالی میں سلام عرض کرنے کے بعد گزارش کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا صورت میں صوبۂ بنگال میں متعدد اختلاف رونما ہوچکے ہیں کہ میت کی پوتی یا میت کے بھائی کا پوتا عصبہ ہوسکتے ہیں یا کیا صورت ہے؟ ردّالمحتار اور شریفیہ کے دلائل سے معلوم ہوا کہ پوتیاں اپنے عینی بھائی کے ساتھ عصبہ ہوجاتی ہیں، اسی طرح اپنے چچا کے بیٹے کے ساتھ بھی عصبہ ہوجاتی ہیں۔ وہ بھی اس وقت

یا نہ بر ہر دو تقدیر از کتب معتبرہ استدلال نمودہ وجواب شافیش عنایت فرمودہ رہین منت فرمایند بفحوائے آیہ کریمہ وتعاونوا علی البر والتقوی، ولا تکتموا الحق زیادہ والسلام مع التعظیم والاکرام عرض پرداز فدوی محمد عبدالعزیز عفی ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ۔

چچا کے بیٹے ہیں، پس وہ زید کے باقی مال کے مستحق ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ دونوں صورتوں میں معتبر کتابوں سے دلیل لاتے ہوئے تسلی بخش جواب عنایت فرماکر احسان مند فرمائیں اس آیت کریمہ کے تقاضے کی وجہ سے "اور نیکی کے کاموں اور تقوٰی پر ایک دوسرے سے تعاون کرو" اور "حق کو مت چھپاؤ" تعظیم وتکریم کے ساتھ مزید سلام۔ درخواست گزار فدوی محمد عبدالعزیز اس سے درگزر فرمایا جائے ساکن حال کلکتہ۔ ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۱۴ھ (ت)

الجواب

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ در صورت مستفسرہ تصحیح از یک صد وچہل وچہار ست وبنات الابن محجوبات بہ بنات وتقسیم چناں۔

مکرما السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پوچھی گئی صورت میں مسئلہ کی تصحیح ایک سو چوالیس (۱۴۴) سے ہوگی۔ پوتیاں بیٹیوں کی موجودگی میں محروم ہونگی۔ اور تقسیم اس طرح ہوگی:

مسئلہ ۲۴ تصحیح ۱۴۴

زید

زوجہ	بنت	بنت	بنت	ابن ابن الاخ	ابن ابن الاخ	بنت الابن
۱۸	۳۲	۳۲	۳۲	۱۵	۱۵	م

بنت الابن	بنت الابن
م	م

اگر دلائل بکار ست فاقول وباللہ التوفیق:

اولاً بنات الابن را عصبہ نتواں کرد مگر ابن الابن وان سفل پس چوں با دویابیش

اگر دلائل درکار ہیں تو میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی توفیق حاصل ہوتی ہے:

پہلی دلیل: پوتیوں کو سوائے پوتے کے کوئی عصبہ نہیں بنا سکتا اگرچہ وہ پوتا اُن سے نچلے

صلبیات باشند چیزے نیابند مطلقاً مگر صورت واحدہ کہ باایشان بافروتر ازیں شان مرے از اولاد پسرِ میت باشد۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی در تنویر الابصار متن الدر المختار فرمود اذا استکمل البنات فرضھن سقط بنات الابن الا بتعصیب ابن ابن موازا او سافل[1] علامہ ابراھیم حلبی در ملتقی الابحر کہ از متون معتمدہ فی المذہب ست فرماید اذا استکمل بنات الصلب الثلثین سقط بنات الابن الا ان یکون بحذائھن او اسفل منھن ابن ابن فیعصب من بحذائہ ومن فوقہ من لیست بذات سہم و تسقط من دونہ[2]۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری در تکملۂ بحرالرائق فرماید ان کان للمیت ابنتان فلا شیئ لبنت الابن الا ان یکون

درجے میں ہو۔ پس جب دو یا دو سے زائد میت کی صلبی بیٹیاں موجود ہوں تو پوتیاں بالکل کچھ نہیں پاتیں سوائے ایک صورت کے کہ انکے ساتھ یا ان کے نیچے کے درجے میں میت کے بیٹے کی اولاد سے کوئی مرد موجود ہو۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی نے درمختار کے متن تنویر الابصار میں فرمایا جب بیٹیاں اپنا فرضی حصہ مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا اُن سے نیچے کے درجے کا کوئی پوتا انھیں عصبہ بنادے۔ علامہ ابراہیم حلبی ملتقی الابحر جو کہ مذہب کے قابلِ اعتماد متون میں سے ہے میں فرماتے ہیں جب صلبی بیٹیاں دو تہائی مال مکمل طور پر لے لیں تو پوتیاں ساقط ہوجاتی ہیں سوائے اس کے کہ ان کے برابر یا ان کے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا موجود ہو تو وہ پوتا اپنے برابر والیوں کو اور اپنے سے اوپر والیوں کو جو کہ ذی فرض نہ ہوں عصبہ بنادیتا ہے اور اس پوتے سے نیچے کے درجے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔ علامہ محمد بن حسین بن علی طوری بحرالرائق کے تکملہ میں فرماتے ہیں اگر میت کی دو بیٹیاں ہوں تو پوتیوں کے لئے کچھ نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ان پوتیوں

---

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹

[2] ملتقی الابحر " فصل فی الحجب موسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۳۴۸

ف درجتها او اسفل منها ابن ابن فتصیر عصبة له[1] پیداست کہ ابن ابن الاخ ابن الابن نیست پس از صورت استثناء خارج باشد۔

ثانیاً نص ہمیں در تعصیب بنات بہ ابناء و اخوات بہ اخوۃ آمدہ است و بس بنات و ابنائے ابن در بنات و ابنائے میت داخل اند بالاجماع پس تعصیب بنات ابن بہ ابنائے اخ بے دلیل شرعی ست۔ علامہ شیخی زادہ رومی در مجمع الانہر فرماید ان النص الوارد فی صیرورۃ الاناث بالذکور عصبة انما ھو فی موضعین البنات بالبنین والاخوات بالاخوۃ۔[2]

ثالثاً علماء جائیکہ عصبات بغیرہن را شمارند بنت الابن را بقید تعصیب ابن الابن آرند در ہندیہ از حاوی القدسی آورد عصبة بغیرہ وھی کل انثی تصیر عصبة

کے درجے میں یا ان سے نیچے کے درجے میں کوئی پوتا ہو تو وہ پوتیاں اس پوتے کی وجہ سے عصبہ بن جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ میت کے بھائی کا پوتا میت کا پوتا نہیں ہے لہذا وہ استثناء والی صورت سے خارج ہوگا۔

دوسری دلیل: نص تو فقط بیٹوں کے سبب سے بیٹیوں کے اور بھائیوں کے سبب سے بہنوں کے عصبہ بننے کے بارے میں آئی ہے میت کے پوتے اور پوتیاں اس کے بیٹوں اور بیٹیوں میں بالاجماع داخل ہیں۔ چنانچہ میت کی بھتیجیوں کا اس کے بھتیجوں کے سبب سے عصبہ بننا دلیل شرعی کے بغیر ہے۔ علامہ شیخی زادہ رومی مجمع الانہر میں فرماتے ہیں مذکر کے سبب سے مؤنث کے عصبہ ہوجانے کے بارے میں نص دو جگہوں میں وارد ہے (۱) بیٹیاں بیٹوں کے ساتھ (۲) بہنیں بھائیوں کے ساتھ۔

تیسری دلیل: علماء کرام نے جس جگہ عصبہ بغیرہ کو شمار کیا ہے پوتی کے ساتھ یہ قید لائے ہیں کہ پوتا اس کو عصبہ بنائے۔ ہندیہ میں حاوی القدسی سے نقل کیا ہے عصبہ بغیرہ ہر وہ مؤنث ہے جو اپنے برابر کے

---

[1] تکملہ بحر الرائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۸/۴۹۴

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " فصل فی العصبات دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۷۵۴

بذکر یوازیها وھے اربعۃ البنت بالابن وبنت الابن بابن الابن والاخت لاب وام باخیھا والاخت لاب باخیھا[1] در متنِ تنویر و شرح او در مختار ست تصیر عصبۃ بغیرہ البنات بالابن وبنات الابن بابن الابن وان سفلوا[2]۔ امام حسین بن محمد سمعانی در خزانۃ المفتین فرماید الثانی وھو العصبۃ بغیرہ و ھو اربع من النساء یصرن عصبۃ باخوتھن فالبنات یصرن عصبۃ بالابن وبنات الابن بابن الابن والاخوات لاب وام باخیھن والاخوات لاب باخیھن[3]

رابعًا غیر ابن وابن الابن وان سفل واخ عینی یا علاتی ہیچ ذکر را قوت تعصیب نیست تا آنکہ ابن الاخ یا عم وابن العم ہم خواھر عینیہ خودش را عصبہ نتواں نمود۔ علامہ محمد بن علی دمشقی در ہمیں در مختار فرمود

مذکر کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہے۔ اور وہ چار عورتیں ہیں (۱) بیٹی بیٹے کے ساتھ (۲) پوتی پوتے کے ساتھ (۳) حقیقی بہن اپنے بھائی کے ساتھ (۴) علاتی بہن اپنے بھائی کے ساتھ۔ متنِ تنویر اور اس کی شرح درمختار میں ہے: بیٹیاں بیٹے کے ساتھ اور پوتیاں پوتے کے ساتھ اگرچہ وہ نیچے تک ہوں عصبہ بغیرہ بن جاتی ہیں۔ امام حسین بن محمد سمعانی خزانۃ المفتین میں فرماتے ہیں، عصبہ کی دوسری قسم عصبہ بغیرہ ہے، وہ چار عورتیں ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں، چنانچہ بیٹیاں بیٹے کے ساتھ، پوتیاں پوتے کے ساتھ، حقیقی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ، اور علاتی بہنیں اپنے بھائی کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں۔

چوتھی دلیل: بیٹے، پوتے اگرچہ نیچے تک ہوں، حقیقی بھائی یا علاتی بھائی کے سوا کوئی مذکر کسی کو عصبہ بنانے کی طاقت نہیں رکھتا یہاں تک کہ بھتیجا یا چچا یا چچا کا بیٹا بھی خود اپنی حقیقی بہنوں کو عصبہ نہیں بنا سکتے۔ علامہ محمد بن علی دمشقی نے اسی درمختار میں فرمایا

---

[1] الفتاوی الہندیہ کتاب الفرائض الباب الثالث نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۵۱

[2] الدر المختار شرح تنویر الابصار " فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۵۷

[3] خزانۃ المفتین " قلمی نسخہ ۲/۲۰۲

قال فی السراجیۃ سہ

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثلہ اوفوقہ فی النسب

بخلاف ابن الابن وان سفل فانہ یعصب من مثلہ اوفوقہ ممن لم تکن ذات سہم ویسقط من دونہ[1]۔ امام سمعانی در خزانۃ المفتین متصل بہ عبارت مذکورہ بالا فرماید والباقی العصبات ینفرد بالمیراث ذکورھم دون اخواتھم وھم اربعۃ ایضا العم وابن العم وابن الاخ وابن المعتق[2]۔

خامسًا اگر مراد بوقوع غلام بحاذات بنات یا بالا یا فرود وقوع او درھمیں سلسلہ نسب ست کہ نوعیت انتساب متبدل نگردد کما ھو الحق المبین بجزم و یقین پس آنگاہ ابناء اخ راخود مساغی نیست کہ ایں جاسخن درجزء میت ست واو جزء پدر میت واگر مراد اعم گیرند تا ابن ابن الاخ کہ بمحاذات درجہ بنت الابن ست

کہ سراجیہ میں کہا ہے:

بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے۔ نہ اپنی مثل کو نہ اس کو جو نسب میں اس سے اوپر ہے۔ بخلاف پوتے کے اگرچہ وہ نیچے تک ہو وہ اپنی مثل اور اپنے سے اوپر والیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے جبکہ وہ ذی فرض نہ ہوں۔ اور اس سے نیچے والیاں ساقط ہوجاتی ہیں۔ امام سمعانی خزانۃ المفتین میں عبارتِ مذکورہ کے متصل فرماتے ہیں، باقی عصبات وہ ہیں جن کے مذکر تنہا میراث پاتے ہیں ان کی بہنیں میراث نہیں پاتیں، وہ بھی چار ہیں: (۱) چچا (۲) چچا کا بیٹا (۳) بھتیجا (۴) آزاد کرنے والے کا بیٹا۔

پانچویں دلیل: اگر بیٹیوں کے برابر یا اوپر کے درجے میں یا نیچے کے درجے میں لڑکے کے واقع ہونے سے مراد اُسی سلسلۂ نسب میں اس کا واقع ہونا ہے کہ انتساب کی نوعیت میں تبدیلی نہ آئے جیسا کہ یہی حق ہے، اور جزم ویقین کے ساتھ ظاہر ہے، تو اس صورت میں بھتیجوں کی یہاں کوئی گنجائش نہیں کیونکہ گفتگو یہاں میّت کی جزء میں ہے جبکہ بھتیجا میت کے باپ کی جزء ہے۔ اور اگر اُس سے مراد عام لی جائے تاکہ بھائی کا پوتا جو میت کی پوتی کے

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی العصبات مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۹
[2] خزانۃ المفتین کتاب الفرائض قلمی نسخہ ۲/ ۲۵۲

اوراعصبه کند واجب شد که ابن الاخ
که بالا تر از وست بنت الابن را از
میراث افگند اگرچه درانجا
صلبیه هیچ نبود که سقوط سفلیات بغلام
عالی عام و مطلق ست از
درمختار شنیدی ویسقط من
دونه وخود در مسئله تشبیب
کر لاشئ للسفلیات گفته
اند فرض مسئله بے صلبیات ست و
خوه پیداست که چون کار تعصیب کشد
اقرب حاجب البعد بود حالانکه
این معنی مخالف اجماع است
حجب بنات الابن همیں به ابن ودو
صلبیه نوشته اند نه بابن الاخ وعلامه
الفقروی در حل المشکلات
که خود او تاریخ تالیفش قد
حل المشکلات فرموده ۹۶۴
است می نگارد اذا مات
رجل وترك ابن اخ
وزوجة وبنت ابن
فالمسئلة من ثمانية
لان فيها ثمنا ونصفا
ومابقى فالثمن
للزوجة والنصف
لبنت الابن ومابقى

محاذی (برابر درجے میں) ہے اسکو عصبہ
بنا دے تو ضروری ہوگا کہ بھائی کا بیٹا جو
پوتے سے اوپر درجے میں ہے پوتی کو میراث
سے خارج کردے اگرچہ وہاں کوئی صلبی
بیٹی موجود نہ ہو کیونکہ نچلے درجے والیوں کا
اوپر کے درجے والے لڑکے کی وجہ سے
ساقط ہوجانا عام اور مطلق ہے۔ درمختار
سے تو سن چکا ہے کہ لڑکا اپنے سے نچلے درجے
والی کو ساقط کردیتا ہے۔ خود مسئلہ تشبیب
جس کو فرض ہی صلبی بیٹیوں سے خالی کیا گیا
ہے میں کہا گیا ہے کہ نچلے درجے والیوں کو
کچھ نہیں ملے گا۔ یہ خود ظاہر ہے کہ جہاں
عصبہ بنانے کی کاروائی ہوتی ہے وہاں قریب
والا دور والے کے لئے حاجب ہوتا ہے
حالانکہ یہ معنیٰ اجماع کے خلاف ہے۔ پوتیوں
کا میراث سے محروم ہونا بیٹے اور دو صلبی
بیٹیوں کی وجہ سے ہی مشائخ نے تحریر فرمایا ہے
نہ کہ بھتیجے کی وجہ سے۔ علامہ الفقروی حل المشکلات
میں لکھتے ہیں جس کی تاریخ تالیف خود انھوں نے
قد حل المشکلات (تحقیق مشکلیں حل
ہوگئیں) فرمائی ہے۔ جب کوئی مرد فوت ہو
اور اس نے ایک بھتیجا، ایک بیوی اور ایک
پوتی چھوڑی ہو تو مسئلہ آٹھ سے بنے گا کیونکہ
اس مسئلہ میں آٹھواں حصہ، نصف اور بقیہ
ہے چنانچہ آٹھواں حصہ بیوی کو، نصف پوتی کو

لابن الاخ[1] الخ و فیہ مسائل اخری من ھذا النوع ۔

سادساً اگر ابن الاخ حاجب بود اخ کہ اقرب از وست اولٰے باوست وایں ہم باطل ست باجماع دفی حل المشکلات اذا مات رجل و ترک اخا و بنت ابن فالمسئلة من اثنین لان فیھا نصفا و ما بقی فالنصف لبنت الابن وما بقی للاخ[2]

سابعاً ایں تعصیب اگر بودے نبودے وشئ چوں وجود او مستلزم عدم او باشد محال بود بیان ملازمت آنکہ درعصبات اصل مطرد آنست کہ جزء میت مقدم بر جزء پدر اوست پس ابن ابن الاخ اگر بنت الابن را عصبہ نمودی بنت الابن او را محجوب فرمودے وچوں محجوب میشد تعصیب کہ میکرد ، فھذا الشئ لو کان لم یکن وای محال ابعد منہ ۔

ثامناً تعصیب محاذیہ مختص بوجود

اور بقیہ بھتیجے کو ملے گا الخ حل المشکلات میں اس نوعیت کے دیگر مسائل بھی ہیں ۔

چھٹی دلیل : اگر بھتیجا حاجب ہوتا ہے تو بھائی جو کہ بھتیجے سے اقرب ہے وہ بدرجۂ اولٰی حاجب بنے گا ۔ اور یہ بھی بالاجماع باطل ہے ۔ حل المشکلات میں ہے جب کوئی مرد ایک بھائی اور ایک پوتی چھوڑ کر فوت ہو جائے تو مسئلہ دو سے بنے گا کیونکہ اس مسئلہ میں نصف اور بقیہ ہے چنانچہ نصف پوتی کو اور بقیہ بھائی کو ملے گا ۔

ساتویں دلیل : یہ عصبہ بنانا اگرچہ موجود ہوتا تو معدوم ہوتا ۔ اور جس شئ کا وجود اس کے عدم کو چاہے وہ شئ محال ہوتی ہے ۔ ملازمہ کا بیان یہ ہے عصبوں کے اندر یہ قاعدہ کلیہ جاری ہے کہ میت کی جزء اس کے باپ کی جزء پر مقدم ہوتی ہے ۔ لہذا بھائی کا پوتا اگر میت کی پوتی کو عصبہ بناتا تو وہ پوتی اس کو میراث سے محروم کر دیتی ۔ اور جب وہ خود محروم ہو جاتا تو عصبہ کیونکر بناتا ؟ یہ ایک ایسی شئ ہے کہ اگر موجود ہو تو معدوم ہوگی ۔ اور اس سے بڑھ کر کون سا محال ہوگا ؟

آٹھویں دلیل : کسی پوتے کا اپنی برابر والی

---

[1] حل المشکلات

[2] " " "

دو صلبیہ نیست بلکہ با یک صلبیہ و بے صلبیہ نیز حکم ہمیں ست فی ردالمحتار للبنات ستة احوال ثلثة تتحقق فی بنات الصلب و بنات الابن وھی النصف للواحدة والثلثان للاکثر واذا کان معھن ذکر عصبھن[1] ۔ در سراجیہ و شریفیہ فرماید العصبة بغیرہ اربع من النسوة البنت و بنت الابن والاخت لاب و ام والاخت لاب یصرن عصبة باخوتھن[2] اھ مختصرا ۔ پس بر تقدیر تعصیب لازم آید کہ در مسئلہ زوج و بنت و بنت الابن و ابن ابن الاخ مسئلہ از دوازدہ باشد سہ بشوہر و شش بدختر و سہ باقی در عصبتین للذکر مثل حظ الانثیین کما ھو مصرح بہ فی جمیع الکتب فی مسئلة تعصیب بنت الابن بغلام معھا او اسفل منھا ۔ پس بنت الابن را یک باشد و

پوتیوں کو عصبہ بنانا دو صلبی بیٹیوں کے موجود ہونے کے ساتھ مختص نہیں بلکہ ایک صلبی بیٹی ہو یا کوئی صلبی بیٹی نہ ہو تب بھی حکم یہی ہے ۔ ردالمحتار میں ہے : بیٹیوں کے چھ حال ہیں جن میں سے تین صلبی بیٹیوں اور پوتیوں میں متحقق ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں اکیلی ہو تو نصف ، ایک سے زائد ہوں تو دو تہائی ، اور اگر ان کے ساتھ کوئی مذکر ہو تو وہ ان کو عصبہ بنائے گا ۔ سراجیہ اور شریفیہ میں فرماتے ہیں : عصبہ بغیرہ چار عورتیں ہیں : بیٹی ، پوتی ، عینی بہن اور علاتی بہن ۔ یہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جاتی ہیں اھ اختصار ۔ پس عصبہ بنانے کی تقدیر پر لازم آتا ہے کہ خاوند ، بیٹی ، پوتی اور بھائی کا پوتا چھوڑنے کی صورت میں مسئلہ بارہ ۱۲ سے ہو ، جس میں سے تین خاوند کو ، چھ بیٹی کو اور باقی تین دو عصبوں میں اس طرح تقسیم ہوں کہ مذکر کا حصہ دو مؤنثوں کے حصے کے برابر ہو ، جیسا کہ برابر والے لڑکے یا نچلے درجے والے لڑکے کی وجہ سے پوتیوں کے عصبہ بن جانے والے مسئلہ میں تمام کتابوں میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے ، چنانچہ

---

[1] ردالمحتار کتاب الفرائض دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۹۲

[2] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب العصبات مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۰

ابن ابن الاخ بلکہ ابن ابن ابن ابن الاخ
ہرچہ فروتر رونده را دو لیکن دریں مسئلہ
اگر بجائے او اخ عینی گیرند امر منعکس میشود
بنت الابن را دو باشد و برادر حقیقی را
یک ۔ فی حل المشکلات
اذا ماتت امرأة و ترکت
اخا و زوجا و بنت
صلب و بنت ابن فالمسئلة
من اثنی عشر لان
فیها سدسا و ربعا و نصفا
و ما بقی فالسدس
لبنت الابن و الربع للزوج
والنصف لبنت الصلب
و ما بقی للاخ[1] پس
استحقاق اخ کمتر از استحقاق ابن ابن
ابن ابن خودش اگرچہ بصد درجہ
پایان تر از وست ایں خود شبیہ
بالمحال ست ۔

پوتی کو ایک حصہ ملے گا اور بھائی کے پوتے کو
______ بلکہ بھائی
کے پوتے کے پوتے کو جہاں تک نیچے چلا جائے
دو حصے ملیں گے۔ لیکن اس مسئلہ میں بھائی کے
پوتے کے بجائے اگر حقیقی بھائی کو فرض کریں تو
معاملہ اُلٹ جاتا ہے۔ اس صورت میں پوتی
کو دو اور حقیقی بھائی کو ایک حصہ ملتا ہے۔
حل المشکلات میں ہے جب کوئی عورت
فوت ہوئی اور اس نے ایک بھائی، خاوند،
ایک صلبی بیٹی اور ایک پوتی چھوڑی تو مسئلہ
بارہ ۱۲ سے بنے گا۔ کیونکہ اس مسئلہ میں ایک
چھٹا حصہ، ایک چوتھا حصہ، نصف اور
بقیہ ہے۔ چنانچہ چھٹا حصہ پوتی کے لئے، چوتھا
حصہ خاوند کے لئے، نصف صلبی بیٹی کے لئے،
اور بقیہ بھائی کے لئے ہوگا۔ تو اس طرح بھائی
کا استحقاق اپنے پوتے کے پوتے کے استحقاق
سے کمتر ہوگا اگرچہ بھائی کے پوتے کا پوتا بھائی
سے سو درجے نیچے ہو۔ یہ خود محال کے
مشابہ ہے۔

تاسعاً بلکہ لازم آید کہ اخ عینی
محروم باشد و اینکہ بصد
واسطہ دورتر از وست ارث یابد
مسئلہ زوج و ام و بنت و بنت الابن و

نویں دلیل: بلکہ لازم آتا ہے کہ حقیقی بھائی
محروم ہو جائے اور جو اس سے سو درجے
دور ہے وہ میراث پائے۔ خاوند، ماں،
بیٹی، پوتی اور بھائی کے پوتے کا

---

[1] حل المشکلات

ابن ابن ابن ابن ابن الاخ از دو از دہ [۱۲]
شدہ لبسی وشش تصحیح پذیرد [۹] نہ
لبشوہر و شش [۶] بمادر ہیجدہ [۱۸] بدختر و
دو [۲] با ابن پسر برادر و یک [۱] بدختر
پسر و اگر جائے او خود برادر آید مسئلہ
بسیزدہ [۱۳] عول کند و برادر عینی تہی دست
رود ، اذ لا شئ بعصبة مع
العول ، اگر زاعمے زعم فرماید کہ
اخ نیز تعصیب بنت الابن نماید خود
نصوص صریحہ اسقاط اعلیٰ لسفلی را
خلاف کردہ باشد۔

مسئلہ بارہ [۱۲] سے بنے گا جس کی تصحیح چھتیس [۳۶]
سے ہوگی۔ نو حصے خاوند کو ، چھ ماں کو ،
اٹھارہ بیٹی کو اور دو [۲] بھائی کے پوتے کو اور
ایک پوتی کو ملے گا۔ اور اگر بھائی کے پوتے
کی جگہ خود بھائی آتا تو مسئلہ تیرہ کی طرف
عول کرتا اور حقیقی بھائی خالی ہاتھ جاتا ،
اس لئے کہ عول کے ہوتے ہوئے کچھ
نہیں ملتا۔ اگر کوئی گمان کرنے والا یہ گمان
کرے کہ بھائی بھی پوتی کو عصبہ بناتا ہے
تو وہ خود ان صریح نصوص کی خلاف ورزی
کرنے والا ہوگا جن میں اوپر والے وارث
کے نیچے والے کو ساقط کرنے کا بیان ہے۔

عاشرًا اگر از یں ہمہ قطع نظر را کار
فرمایم تا بر تقدیر تعمیم غلام باین ابنائے
اعمام دلیلے کہ بر مسئلہ آوردہ اند زنہار
منطبق نباید و سخن بہ تناقض و تہافت
گراید کلام سید قدس سرہ شنیدن
دارد کہ می فرماید ان بنات
الابن اذا کان بحذائهن
غلام سواء کان اخاهن
او ابن عمهن فانه یعصبهن
کما ان الابن الصلبی
یعصب البنات الصلبیة و
ذلك لان الذكر من اولاد
الابن یعصب الاناث اللاتی

دسویں دلیل : اگر اس تمام سے قطع نظر
کارروائی کریں تو غلام (لڑکے) کو عام مان کر
چچا کے بیٹوں کو اس میں شامل کرنے کی صورت
میں وہ دلیل جسے انھوں نے ذکر کیا ہے
وہ مسئلہ پر منطبق نہیں ہوگی اور کلام ٹکراؤ اور
کمزوری کی طرف مائل ہو جائے گا۔ سید
قدس سرہ کا کلام سننے کے لائق ہے ، فرماتے
ہیں کہ پوتیوں کے برابر جب کوئی لڑکا ہو
چاہے وہ ان کا بھائی ہو یا ان کے چچا کا
بیٹا ہو تو وہ انھیں عصبہ بنا دیتا ہے جیسا
کہ صلبی بیٹا صلبی بیٹیوں کو عصبہ بنا دیتا ہے
اور یہ اس لئے ہے کہ میت کے بیٹے کی اولاد
میں سے جو مذکر ہو وہ میت کی صلبی اولاد

فی درجتہ اذا لم یکن للمیت ولد صلبی بالاتفاق فی استحقاق جمیع المال فکذا یعصبہا فی استحقاق الباقی من الثلثین مع الصلبیتین والیہ ذھب عامۃ الصحابۃ وعلیہ جمہور العلماء وقال ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ لایعصبھن بل الباقی کلہ لابن الابن ولاشیئ لبناتہ، اذ الانثی انما تصیر عصبۃ بالذکر اذا کانت ذات فرض عند الانفراد عنہ کالبنات والاخوات واما اذا لم تکن کذلک فلا تصیر بہ عصبۃ کبنات الاخوۃ والاعمام مع بنیھم واجیب بان بنت الابن صاحبۃ فرض عند الانفراد عن ابن الابن لکنہا محجوبۃ بالصلبیتین ھٰھنا الا تری انہا تاخذ النصف عند عدم الصلبیات بخلاف بنات الاخ والعم اذ لا فرض لہا عند انفرادھا عن ابیھما فلا تصیر عصبۃ بہ[1]

نہ ہونے کی صورت میں اپنے درجے کی لڑکیوں کو تمام مال کے استحقاق میں بالاتفاق عصبہ بنا دیتا ہے اور یونہی دو صلبی بیٹیوں کی موجودگی میں دو تہائی سے بچ جانے والے مال کے استحقاق میں انھیں عصبہ بنا دیتا ہے۔ عام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین اسی طرف گئے ہیں، اور جمہور علماء کا بھی یہی موقف ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ وہ پوتیوں کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ باقی تمام مال پوتے کے لئے ہوگا پوتیوں کو کچھ نہیں ملیگا۔ کیونکہ مذکر کے ساتھ مل کر مؤنث اسی صورت میں عصبہ بنتی ہے جب وہ اس مذکر سے الگ ہوکر ذی فرض ہوتی ہو جیسے بیٹیاں اور بہنیں۔ اور اگر وہ اس طرح نہ ہو تو مذکر کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں بنتی جیسے بھائیوں اور چچوں کی بیٹیاں اُن کے بیٹوں کے ساتھ۔ اور اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ پوتی پوتے سے الگ ہوکر ذی فرض ہوتی ہے لیکن یہاں پر وہ دو صلبی بیٹیوں کی وجہ سے محروم ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ صلبی بیٹیوں کی عدم موجودگی میں پوتی نصف مال لیتی ہے بخلاف بھائی اور چچا کی بیٹیوں کے کہ اُن کے لئے ان دونوں کے بیٹوں سے الگ ہوکر کوئی فرضی حصہ نہیں ہوتا لہٰذا بھائی اور چچا کی

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ فصل فی النساء مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۲۲ و ۲۳

17

این کلام از سرتاپا شاہد عدل است
کہ مراد بغلام ہمان ذکرے از اولاد
ابن ست کلام درہمان ست و دلیل ہم
بران و خلاف ابن مسعود ہم دراں
ورنہ ہیچکس قائل نیست کہ ابن ابن
الاخ حاجب بنات ابن است و
ہم در نفس سخن تصریح ست کہ ابن عم
مر بنت عم خودش را تعصیب نتواں
کرد۔ لاجرم مراد بہ تعمیم سواء
کان اخاھن او ابن
عمھن ہمیں قدر ست کہ
خواہ آں پسر پسر ہموں پسر باشد
کہ ایں دختر دختر اوست یا پسر پسر
دیگر کہ عم ایں دختر بود نہ ازبنی اعمام
ایں زنان باشد معصب ایشاں بود
اگرچہ از سلسلۂ جزئیت میت
بیرون بود ھذا مما لا یقول
بہ احد ، بایں تقدیر
بحمد اللہ حکم مسئلہ نیز نقش بکرسی
نشست و ہم بوضوح پیوست
کہ کلام درمختار و شرنبلالیہ صراحۃً
رد زعم زاعم ست نہ آنکہ
بوفاقش حاکم ست باں اگر
بایں ہمہ ہا مقتلی نشوند تا تصریح
از عالم تنقیح بشنوند ، علامہ

بیٹیاں ان کے بیٹے کے ساتھ مل کر عصبہ نہیں
بنیں گی۔ یہ کلام سر سے لے کر پاؤں تک عادل
گواہ ہے کہ غلام (لڑکے) سے مراد وہی مذکر
ہے جو میت کے بیٹے کی اولاد میں سے ہو، گفتگو
اُسی میں ہے، دلیل بھی اسی پر ہے اور ابن مسعود
رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اختلاف بھی اسی میں ہے،
ورنہ کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں کہ بھائی
کا پوتا میّت کی پوتیوں کے لئے حاجب ہوتا
ہے، نیز نفسِ کلام میں تصریح موجود ہے کہ چچا
کا بیٹا اپنے چچا کی بیٹی کو عصبہ نہیں بنا سکتا تو
یقیناً اس تعمیم سے کہ چاہے وہ اُن پوتیوں کا
بھائی ہو یا ان کے چچا کا بیٹا، مراد اسی قدر ہے
کہ خواہ وہ اسی بیٹے کے بیٹے کا بیٹا ہو جس کی
یہ بیٹی ہے یا کسی دوسرے بیٹے کا بیٹا ہو جو
اسی بیٹی کا چچا ہو۔ یہ مراد نہیں کہ ان عورتوں
کے چچا کے بیٹے ان کو عصبہ بنانے والے
ہوتے ہیں اگرچہ وہ میّت کی جزء کے سلسلہ سے
باہر ہوں۔ یہ وہ بات ہے جس کا کوئی بھی قائل
نہیں۔ اس تقدیر پر اللہ تعالٰی کی حمد وثنا کے
ساتھ مسئلہ کا حکم بھی کرسی پر منقش ہوگیا نیز
خوب وضاحت کے ساتھ واضح ہوگیا کہ درمختار
اور شرنبلالیہ کا کلام گمان کرنے والے کے گمان
کے صراحۃً خلاف ہے نہ کہ اس کی موافقت
کا حکم کرنے والا ہے۔ پھر اگر اس تمام کے
باوجود اُن کی تسلی نہ ہو حتی کہ وہ کسی عالم کی واضح

شامی قدس سرہ السامی درعقود الدریہ فرماید سئل فی امرأۃ ماتت عن بنتین وابن اخ شقیق وعن بنتی ابن و خلفت ترکۃ کیف تقسم الجواب للبنتین الثلثان والباقی لابن الاخ الشقیق وابن الاخ لایعصب اختہ ولامن ھی اعلی منہ او اسفل فضلا عن کونہ یعصب بنتی الابن[1]

ولیس ابن الاخ بالمعصب
من مثلہ اوفوقہ فی النسب

نعم ابن الابن یعصب بنت الابن اھ ملخصا مسئلہ بکمال وضوحش از ایضاح بے نیاز بود ایں مایہ اطناب چہ شایست اما چہ تواں کرد کہ بعد عروض وہم ازالہ اش ناگزیر مے بایست ولما بلغنا الی الدلیل الخامس وقفنا علی نزلۃ ھٰھنا صدرت من قلم العلامۃ حامد آفندی فاکد ذٰلک عن مناغلی الاکثار۔ لینجلی الحق انجلاء الاھلۃ اذا امیط عنھا کل غیم وعلۃ وبرتبنا

تصریح صاف طور پر سُن لیں۔ علامہ شامی قدس سرہ السامی عقود الدریہ میں فرماتے ہیں۔ اُس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو دو بیٹیاں، حقیقی بھائی کا ایک بیٹا اور دو پوتیاں چھوڑ کر فوت ہوئی اس نے کچھ ترکہ چھوڑا وہ کیسے تقسیم کیا جائے گا؟ جواب: بیٹیوں کو دو تہائی ملے گا اور باقی حقیقی بھائی کے بیٹے کو ملے گا۔ بھائی کا بیٹا اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا اور نہ ہی اپنے سے اوپر کے درجے والی کو یا نچلے درجے والی کو چہ جائیکہ وہ میت کی پوتیوں کو عصبہ بنائے۔ اور بھتیجا عصبہ بنانے والا نہیں ہے نسب میں اپنی مثل کو اور نہ اپنے سے اوپر والی کو۔ ہاں پوتا پوتی کو عصبہ بناتا ہے اھ تلخیص۔ مسئلہ کامل طور پر واضح ہونے کی وجہ سے وضاحت کرنے سے مستغنی تھا۔ اس طویل بحث کی کیا ضرورت تھی، مگر کیا کیا جاسکتا ہے کہ وہم کے عارض ہونے کے بعد اس کا ازالہ ضرور ہونا چاہئے۔ جب ہم پانچویں دلیل تک پہنچے تو ہم اس لغزش پر آگاہ ہوئے جو یہاں پر علامہ حامد آفندی کے قلم سے سرزد ہوئی۔ تو اس نے ہمارے عزم کو مزید وضاحت کرنے پر مضبوط کیا تاکہ حق اس طرح ہوجائے جس طرح بادل اور گرد و غبار کے دُور کئے جانے کے بعد چاند روشن ہوتے ہیں۔

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۳۴۷

نخص الحمد لله والصلوٰۃ والسلام علیٰ صاحب الملۃ محمد وآلہ وصحبہ والجلۃ آمین، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

اور ہم اپنے رب کے لئے ہی تمام تعریفوں کو مختص کرتے ہیں، درود وسلام ہو صاحبِ ملت پر جن کا نام نامی اسمِ گرامی محمد ہے اور آپ کی آل پر اور صحابہ پر اور سب پر، آمین! واللہ سبحنٰہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم (ت)

فصل ششم

مسئلہ ۹۸: از کلکتہ تال گھیدن باغ نمبر ۴۱ مسجد مانک دفتری مرسلہ محمد عبدالکریم صاحب ۳ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ

پس از پیشکشی قدمبوسی وناصیہ فرسائی دست بستہ معروض میدارد کہ از روئے کرم فرمائی ومرحمت گستری دریں مسئلہ مرسلہ بہ تحقیق خود حکم فرمایند اگر حکم موافق مسئلہ دست دہد از روئے فیض رسانی بر جملہ جہاں بر قرطاس مرقوم ودستخط نمودہ فیض المرام بخشند۔ مسئلہ اینست کہ چہ مے فرمایند علمائے دین رحمکم اللہ تعالٰی اندریں مسئلہ کہ حق ارث بتقادم زمان ساقط شود یا نہ؟ بینوا توجروا۔

قدموں کو چومنے اور ان پر پیشانی رکھنے کی پیشکش کے بعد دست بستہ گزارش ہے کہ کرم اور مہربانی فرماتے ہوئے اس ارسال کردہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فیصلہ صادر فرمائیں، اگر جناب والا کا فیصلہ اس تحریر کے موافق ہو تو تمام جہان پر فیض رسانی کی رُو سے تحریر کردہ کاغذ پر دستخط کرکے حاجت برآری فرمائیں۔ مسئلہ یہ ہے، کیا فرماتے ہیں اے علمائے دین اللہ تعالٰی آپ پر رحم فرمائے اس مسئلہ میں کہ زیادہ عرصہ گزر جانے سے میراث کا حق ساقط ہوجاتا ہے یا نہیں؟ بیان کرو اجر دئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب: حق ارث بتقادم زمان ساقط نمی شود کما فی الدر المختار، لوامر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمس عشرۃ

الجواب: میراث کا حق زیادہ عرصہ گزر جانے سے ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ درمختار میں ہے، اگر بادشاہ پندرہ سال کا عرصہ گزر جانے کے بعد قاضی کو دعوٰی کی

سنة فسمعها لم ینفذ قلت فلا تسمع
الآن بعدها الا بامر الا فی
الوقف والارث ووجود عذر
شرعی وبه افتی المفتی
ابوالسعود فلیحفظ[1] وفی رد المحتار
قال السید الحموی فی حاشیة
الاشباہ ان السلاطین
الآن یامرون قضاتهم
فی جمیع ولایاتهم ان
لایسمعوا دعوی بعد
مضی خمس عشرة سنة
سوی الوقف والارث[2] اھ وکما
فی رد المحتار عن الحامدیة انه
کتب علی ثلثة اسئلة انه تسمع دعوی
الارث ولا یمنعها طول المدة[3]
وفی رد المحتار عن الاشباہ وغیرها
ان الحق لایسقط بتقادم
الزمان اھ ولذا قال
فی الاشباہ ایضا ویجب
علیه سماعها اھ ای یجب علی
السلطان الذی نهی قضاته عن

سماعت نہ کرنے کا حکم دے۔ پھر قاضی اس
کی سماعت کرے تو وہ نافذ نہ ہوگا۔ میں کہتا ہوں
اب بادشاہ کی طرف سے ممانعت کے بعد
اُس کے حکم کے بغیر سماعت نہیں کیجائے گی
سوائے وقف، میراث اور کسی عذر شرعی کے
پائے کے، مفتی ابوالسعود نے یہی فتویٰ دیا ہے
اُس کو یاد رکھنا چاہئے۔ ردالمحتار میں ہے
سید حموی نے الاشباہ کے حاشیہ میں کہا
کہ اب بادشاہ اپنی تمام ولایتوں میں پندرہ
سال گزر جانے کے بعد وقف اور میراث کے
علاوہ دعویٰ کی سماعت کرنے سے قاضیوں کو
روک دیتے ہیں اھ جیسا کہ ردالمحتار میں حامدیہ
سے منقول ہے، انھوں نے تین مسئلوں کے
جواب میں لکھا کہ میراث کے دعویٰ کی سماعت
کی جائے گی اور مدت کا دراز ہونا اس سے
مانع نہیں ہوگا۔ ردالمحتار میں اشباہ وغیرہ
سے منقول ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے کی وجہ
سے حق ساقط نہیں ہوتا اھ۔ اسی لئے
اشباہ میں بھی کہا ہے کہ اس پر دعویٰ کی سماعت
واجب ہے اھ یعنی جس بادشاہ نے
پندرہ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد اپنے

---

[1] الدرالمختار کتاب القضاء فصل فی الحبس مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۸۱
[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۲
[3] " " " ۴/ ۳۴۳

سماع الدعوی بعد ھذہ المدۃ ان یسمعہا بنفسہ او یامر بسماعہا کی لایضیع حق المدعی والظاھر ان ھذا حیث لم یظھر عن المدعی امارۃ التزویر[1] مخفی مباد کہ روایات فقہیہ کہ در باب عدمِ سماع دعوی بعد از مرور پانزدہ سال یا سی سال یا سی وسہ سال یا سی و شش سال وارد مخصوص بصورتے ست کہ دعوی متضمن بر علامت تزویر یا حیلہ باشد چنانچہ از عبارات ردالمحتار وغیرہ مفہوم می شود وھذا حکم الکتاب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

قاضیوں کو دعوٰی کی سماعت سے منع کیا ہے خود اس پر واجب ہے کہ وہ بذاتِ خود دعوٰی کی سماعت کرے یا اس کی سماعت کا حکم دے تاکہ مدعی کا حق ضائع نہ ہو۔ ظاہر یہی ہے کہ یہ حکم اُس صورت میں ہے جب مدعی کی طرف سے دھوکہ بازی کی کوئی علامت ظاہر نہ ہو۔ پوشیدہ نہ رہے کہ پندرہ ۱۵ سال، تیس ۳۰ سال، تینتیس ۳۳ سال یا چھتیس ۳۶ سال گزرنے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ کرنے سے متعلق فقہی روایات اس صورت کے ساتھ مخصوص ہیں کہ دعوی دھوکہ دہی اور حیلہ سازی کی علامات کو متضمن ہو جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ کتاب کا حکم ہے، اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔(ت)

الجواب

اللھم ھدایۃ الحق والصواب
ایں جا دو مقام ست یکے نفس الامر و ابانت حکمش ہمان ست کہ ہیچ حق ثابت نامقید بوقتے خاص ارث باشد خواہ غیر او مطلقاً اجماعاً بتقادم زمان زنہار ساقط نشود چنانکہ در جوھرہ و اشباہ وغیرہما

اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت عطا فرما، اس جگہ دو ۲ مقام ہیں، مقام اول نفس الامر اس کے حکم کی وضاحت یہ ہے کہ کوئی ثابت حق جو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہ ہو چاہے میراث ہو یا کوئی اور مطلقاً بالاتفاق زیادہ عرصہ کے گزرنے سے ہرگز ساقط نہیں ہوتا، جیسا کہ جوھرہ اور اشباہ

---

[1] ردالمحتار کتاب القضاء فصل فی الحبس دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۳۴۳

منصوص شد وخود در ثبوت او آیات و
احادیث و عقیدۂ اجماعیہ مجازات
یوم الدین بر مظالم و تبعات بندہ است
اگر عند اللہ بمرورِ دُہور حق ساقط
شدے روزِ جزا جریان مجازات
ومطالبۂ تبعات و مبادلۂ حسنات
و وضع سیأت بمیان نیامدے
کہ بندہ را بر بندہ حقے نماندہ
گو از روئے تعدی حدودِ الٰہیہ
ظالم مطالب بحقوق الٰہیہ باشد
ھذا باطل اجماعاً
بلکہ عند اللہ ہر چند ظالم بر ظلم
متمادی رود ظالم تر شود نہ آنکہ
تمادی ایام ظلم برخیزد و
حق بناحق آمیزد۔

دوم سماع دعوٰی بدار القضاء،
اینجا نیز نفس مرور زمان فی حدود
ذاتہ اصلاً جمع باثبات منع نیرزد
نہ در ارث و نہ در غیر آں کائنا
ماکان بلکہ منع از دو جہت خیزد
یکے سد باب تزویر و قطع اطماع
فاسدہ ایں حکم اجتہادی
فقہائے کرام و ائمۂ اعلام ست
ومتون و شروح و فتاوائے
بد مذہب باو ناطق وارث وغیر ارث

وغیرہ میں منصوص ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے خود
قرآنی آیات، احادیث اور یہ اجماعی عقیدہ
کافی ہے کہ قیامت کے دن حقوق العباد سے
متعلق ظلم اور زیادتیوں کا بدلہ دلوایا جائے گا،
اگر مدتوں کے گزرنے سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک
حق ساقط ہوجاتا تو قیامت کے دن بدلہ دلوانے
اور حقوق العباد کے مطالبے نیکیوں کے بدلے اور گناہوں کے
مٹانے کا قانون جاری نہ ہوتا کیونکہ کسی بندے کا دوسرے پر کوئی
حق نہ رہتا اگرچہ حدودِ الٰہیہ میں تعدی کرنے
سے حقوق اللہ کے بارے میں ظالم سے
مؤاخذہ ہوتا، اور یہ بھی بالاتفاق باطل ہے،
بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم جتنا عرصہ ظلم پر
قائم رہتا ہے زیادہ ظالم ہوتا جاتا ہے،
ایسا نہیں ہے کہ زیادہ دنوں کا گزرنا ظلم کو
اٹھادے اور حق کو ناحق کے ساتھ ملادے۔

مقام دوم قاضی کی کچہری میں دعوٰی کی
سماعت۔ اس میں بھی محض زیادہ زمانے کا
گزرنا اپنی ذات کے اعتبار سے بالکل اس
لائق نہیں کہ سماعِ دعوٰی کی ممانعت کا باعث
بنے، چاہے میراث کا دعوٰی ہو یا اس کے
علاوہ کسی بھی شیئ کا۔ بلکہ ممانعت دو وجہوں
سے پیدا ہوتی ہے، وجہ اول دھوکہ دہی
کا دروازہ بند کرنا اور فاسد لالچوں کا خاتمہ
کرنا۔ یہ حکم فقہائے کرام اور مشہور ائمہ عظام
کا اجتہادی حکم ہے۔ جیسا کہ مذہب کے

ہمہ در و یکساں و متوافق و عند التحقیق متقید نیست بہیچ مدتے ممدود و عدتے معدود صورتش آنست کہ مثلاً زید را دارے ست کہ شراءً یا ارثاً یا بہیچ وجہ از وجوہ تملک نزد اوست و او زمانے در و تصرفات مالکانہ مے کرد و عمرو عاقل و بالغ ہم دراں شہر ساکن و بر آں تصرفات آگاہ بود و موانع ارجاع دعوے یکسر مفقود حالا خود او یا وارث او برمی خیزد و نزاع مے انگیزد و گردن دعوٰی برمی فرازد کہ ایں خانہ (خانۂ) از آں منست زنہار نشنوند گو دعوی از جہت ارث باشد زیرا کہ سکوت تا مدتے صالحہ با وصف انعدام موانع و وجود مقتضٰی اعنی اطلاع بر تصرفات مالکانۂ زید قرینۂ واضحہ است بر آنکہ دار وار زید ست و دعوی عمرو از راہ کید لاجرم آں سکوت را در رنگ اقرار او بملک زید فرا گرفتہ مانع دعوٰی دانند آنچنانکہ اگر صراحۃً معترف شدے کہ دار ازاں زید ست و باز بے توفیق معقول و قابل قبول بدعوی برخاستے تناقض گریبانش گرفتے و دعوی پیش نہ رفتے کذا ھذا و پیدا ست کہ دریں باب

متون، شروح اور فتاوے اس پر شاہد ہیں۔ میراث اور غیر میراث اس حکم میں برابر ہیں۔ تحقیق کی رُو سے یہ حکم کسی لمبی مدت اور خاص عرصے کے ساتھ مقید و مشروط نہیں ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ زید کا ایک گھر ہے جو اس نے خریدا یا میراث میں پایا یا ملکیت کی وجوہ میں سے کسی اور وجہ سے اس کے پاس ہے، وہ اس میں ایک عرصے تک مالکانہ تصرفات کرتا رہا۔ عمرو جو کہ عاقل و بالغ اور اُسی شہر میں رہائش پذیر تھا زید کے تصرفات پر آگاہ تھا۔ دعوی کرنے میں کوئی رکاوٹ بالکل موجود نہ تھی (اس کے باوجود وہ چپ رہا) اب عمرو خود یا اس کا کوئی وارث اُٹھ کر جھگڑا پیدا کرتا ہے اور گردنِ دعوٰی بلند کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ گھر میرا ہے تو یہ دعوٰی ہرگز قابلِ سماعت نہیں اگرچہ میراث کی جہت سے دعوٰی ہو اس لئے کہ دعوی کی صلاحیت رکھنے والی مدت میں چپ رہنا جبکہ دعوٰی میں کوئی رکاوٹ موجود نہ تھی اور دعوی کا مقتضٰی بھی موجود تھا یعنی زید کے مالکانہ تصرفات سے آگاہی، یہ واضح قرینہ ہے کہ گھر زید کا ہے اور عمرو کا دعوٰی بطور مکر ہے۔ یقیناً اسکی خاموشی کو زید کی ملکیت کا اقرار قرار دیتے ہوئے مشائخ کرام دعوٰی سے مانع سمجھتے ہیں، جس طرح کہ اگر وہ صراحۃً اقرار کرتا کہ یہ گھر زید کا ہے پھر کسی معقول اور قابلِ قبول توجیہ کے بغیر اس

ادعائے ارث وغیر ارث ہمہ یکسان
ست اللّٰھم مگر آنجا کہ زید معترف
باشد بآنکہ دار ملکِ مورث عمرو بودہ است
ومن از وشراءً یا ہبۃً گرفتہ ام
آنگاہ امر دعوٰی باز گونہ گردد زید مدعی شود
وعمرو مدعا علیہ وتصرفات زید تا زمانے
مدید سودش نکند کہ دعوٰی را بینہ باید نہ مجرد
تصرفات ۔ کما لا یخفی علی
اہل التصرف ۔ دوم نہی سلطانِ
اسلام ، این ست آنچہ در ارث
وغیر ارث متخالف شود وکار بر تحدید
مدت از پیشگاہِ سلطنت قرار گیرد
بے نظر بصدور تصرف و اطلاع
مدعی وعدم موانع وظہور تزویر وغیر
ذلک ، سر این کار آنست کہ ولایت
قضاۃ مستفاد از جہت سلطان و
قضا بزمان ومکان واشخاص واشیاء
ہرچہ سلطان مولی بآں تخصیص فرماید
تخصیص پذیرد پس اگر سلطانِ اسلام
اعز اللہ نصرہ قضاۃ خود را بعد
مدتے معینہ مثلاً پانزدہ سال یا ماہ یا
قضا دو سہ روز از سماع دعوی
نہی کند قاضیان بعد آں زمان در حق
آں دعاوی معزول باشند سماع
نامقبول دریں اختلاف استثنائے

گھر پر دعوٰی کے لئے اُٹھ کھڑا ہوتا تو ٹکراؤ اس
کا گریبان پکڑ لیتا اور اس کے دعوی میں پیشرفت
نہ ہوتی اور یہ بھی ایسے ہی ہے ۔ ظاہر ہے کہ
اس باب میں میراث اور غیر میراث کا دعوٰی
سب برابر ہیں ۔ اے اللہ ! مگر اُس صورت
میں کہ زید اس بات کا اقرار کرتا ہو کہ یہ گھر
عمرو کے مورث کی ملکیت میں تھا میں نے اس
سے خرید لیا یا بطور ہبہ حاصل کیا ہے تو اس
وقت دعوٰی کا معاملہ الٹ ہو جائے گا کہ زید
مدعی اور عمرو مدعا علیہ بن جائے گا ، اور
عرصہ دراز تک زید کا اس میں تصرفات کرنا
اس کو فائدہ نہیں دے گا ۔ کیونکہ دعوٰی کیلئے
گواہ درکار ہیں نہ کہ محض تصرفات ۔ جیسا کہ
اہل تصرف پر پوشیدہ نہیں ہے ——
وجہ دوم بادشاہِ اسلام کا منع کرنا ۔ یہ
ہے وہ صورت جس میں میراث اور غیر میراث
مختلف ہوتے ہیں ۔ اس میں کارروائی مدت
کی حد بندی پر سلطنت کی طرف سے قرار پاتی
ہے ۔ اس میں تصرف کا صادر ہونا ، مدعی کا
آگاہ ہونا ، رکاوٹوں کا موجود نہ ہونا اور
دھوکہ دہی کا ظاہر ہونا وغیرہ امور ملحوظ نہیں
ہوتے ۔ اس کارروائی کا راز یہ ہے کہ قاضیوں
کی ولایت بادشاہ کی طرف سے حاصل شدہ
ہے اور قضاء زمانے ، مکان ، اشخاص اور
دیگر جن اشیائے کے ساتھ بادشاہ خاص کردے

وقف وارث و مالِ یتیم و غائب و غیر
ذٰلک ہمہ یا بعض یا مطلقاً عدمِ استثناء راز
ہمیں جہت داشتہ است سلطان ہر زمان
آنکہ مطلق داشت علماء مطلق گزاشتند
و آنکہ استثنا کرد استثناء فرمودند
کہ اینجا کار بر زبان شہریار رست و
بس ازیں بیان بوضوح پیوست کہ دریں
وادی نیز ارث و غیرِ او ہمہ
متساوی الاقدام ست تا آنکہ اگر سلطانے
قضاۃ خود را بعد یک سال مثلاً
خاص از سماع دعوی ارث منع فرماید
بالخصوص ہمیں دعوی ارث نامسموع باشد
و غیرِ او مسموع والعکس بالعکس این
ست دریں مقام تحقیق انیق و باللہ التوفیق
سخن دریں باب در کتاب القضاء
والدعاوی از فتاوٰی خودم قدرے دراز راندہ
ام اینجا بر تلخیص عبارا تے چند قناعت ورزیدن
بر از راہ اسہاب و اطناب گزیدن در فتاوٰی
علامہ ابو عبد اللہ محمد بن عبید اللہ غزی
تمرتاشی مصنف تنویر الابصار ست
سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ
تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ
والرجل المذکور یتصرف فی البیت المذبور بناءً
وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ
المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت بعد

خاص ہو جاتی ہے، لہذا اگر بادشاہ
اسلام اللہ تعالیٰ اس کی نصرت کو
غالب کرے اپنے قاضیوں کو ایک
خاص مدت جیسے پندرہ سال
یا پندرہ مہینے یا بالفرض دو تین
دن کے بعد دعوی کی سماعت
سے منع کر دے تو قاضی صاحبان
اس مدت کے بعد ان دعووں
کے حق میں معزول ہو جاتے
ہیں اور ان کی طرف سے دعوی کی
سماعت نامقبول ہوتی ہے
اس مسئلہ میں میراث، وقف، مالِ یتیم اور
مالِ غائب وغیرہ میں کُل یا بعض کے استثناء
یا مطلقاً عدمِ استثناء کا اختلاف اسی وجہ
سے ہے کہ ہر دَور کے بادشاہ نے جس کو
مطلق رکھا علماء نے بھی اس کو مطلق رکھا اور
بادشاہ نے جسے مستثنیٰ کر دیا علماء نے بھی اسے
مستثنیٰ کر دیا کیونکہ یہاں کارروائی فقط بادشاہ
کی زبان پر ہے۔ اس بیان سے خوب وضاحت
ہو گئی کہ اس وادی میں میراث اور غیر میراث
برابر ہیں یہاں تک کہ اگر بادشاہ مثال کے
طور پر ایک سال کے بعد اپنے قاضیوں کو
خاص دعوئ میراث کی سماعت سے منع
کر دے تو خاص اُسی دعوئ میراث کی
ممانعت ہوگی اس کے علاوہ دیگر دعووں کی

ماذکر تسمع دعواه ام لا۔ اجاب لا تسمع دعواه علی ما علیه الفتوی[1]۔

ور فتاوی علامہ خیر الدین رملی استاذ صاحب درمختار است سئل فی رجل اشتری من اخر ستة اذرع من ارض بین البائع وبنی بها بناء وتصرف فیه ثم بعده ادعی رجل علی البائع المذکور ان له ثلثة قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امه والحال ان امه تنظر یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین هل له ذلک ام لا۔ اجاب لا تسمع دعواه لان علمائنا نصوا فی متونهم وشروحهم وفتاواهم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولو کان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعه من

سماعت ہوسکے گی. اور اگر بادشاہ اس کے برعکس حکم دے تو مسئلہ کی صورت بھی برعکس ہوجائے گی۔ اس مقام پر یہ نفیس تحقیق ہے اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس مسئلے سے متعلق میں نے اپنے فتاوٰی کی کتاب القضاء اور کتاب الدعاوی میں قدرے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اور یہاں پر بطور خلاصہ چند عبارتوں پر قناعت اختیار کرنا طوالت کا راستہ اپنانے سے بہتر ہے۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار کے فتاوٰی میں ہے کہ ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس کے پاس کسی گھر کا ایک کمرہ ہے جس میں رہتے ہوئے اس کو تین سال سے زائد عرصہ ہوچکا ہے۔ اس گھر کی ایک جانب شخص مذکور کا ایک پڑوسی رہتا ہے اور شخص مذکور اس کمرے میں جس کا ذکر گزر چکا ہے عمارت و تعمیر وغیرہ کا تصرف تین سالہ مدت میں کرتا رہا جس پر اس کا پڑوسی آگاہ تھا۔ کیا مدت مذکورہ کے بعد اگر وہ پڑوسی اس کمرے پر دعوٰی کرے تو اس کا دعوٰی سنا جائے گا یا نہیں؟ آپ نے جواب دیا مفتٰی بہ قول کے مطابق اس کا دعوٰی نہیں سنا جائے گا۔ صاحب درمختار کے استاد علامہ خیر الدین رملی کے

[1] العقود الدریة بحوالہ فتاوی الامام الغزی کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/۴

سماع الدعوى۔ قال صاحب المنظومة اتفق اساتيذنا على انه لاتسمع دعواه ويجعل سكوته رضا للبيع قطعا للتزوير والاطماع والحيل و التلبيس وجعل الحضور و ترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع [1]۔

ہمدران ست سئل فيما اذاادعى زيد على عمرو محدودا انه ملكه وارثه عن والده فاجابه المدعى عليه انى اشتريته من والدك وعمك و انى ذويد عليه من مدة تزيد على اربعين سنة وانت مقيم معى فى بلدة ساكت من غير عذر يمنعك عن الدعوى هل يكون ذلك

فتاوٰی میں ہے ایک ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے بائع کے زیرِ قبضہ زمین میں سے چھ ہاتھ زمین خرید کر اس کو تعمیر کیا اور اس میں تصرف کیا، پھر بعد ازاں ایک شخص نے تعمیر کرنے والے شخص مذکور پر دعوٰی کر دیا کہ اس فروخت شدہ زمین میں ساڑھے تین قیراط میرے ہیں جو مجھے ماں کی میراث سے ملے ہیں، حالانکہ اس کی ماں عمارت بنانے اور انتفاعِ مذکور کے تصرف کو دیکھتی رہی۔ کیا اس کو ایسا کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا اس کا دعوٰی نہیں سُنا جائے گا کیونکہ ہمارے علماء نے اپنے متون، شروح اور فتاوٰی میں نص فرمائی ہے کہ خصم کے مطلع ہوتے ہوئے مبیع میں مشتری کا تصرف اگرچہ وہ اجنبی ہو جیسے عمارت بنانا، درخت لگانا اور کھیتی باڑی کرنا اس کے دعوٰی کی سماعت سے مانع ہوتا ہے۔ صاحبِ منظومہ نے کہا ہمارے اساتذہ اس پر متفق ہیں کہ اس کا دعوٰی نہیں سنا جائیگا اور دھوکہ دہی، لالچ، حیلے اور فریب کے خاتمہ کے لئے اس کی خاموشی کو بیع کے ساتھ رضامندی قرار دیا جائے گا۔ اُس کی بوقتِ بیع وہاں موجودگی اور منازعت کے ترک کرنے کو

---

[1] الفتاوٰی الخیریۃ کتاب الدعوٰی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۷ و ۸۸

من باب الاقرار بالتلقی من مورثیه اجاب نعم دعوی تلقی الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بیّنة وصار المدعی علیه مدعیا وکل مدع یحتاج الی بیّنة ینوّر بها دعواه ولاینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذکور ولیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیره اخذ باقراره ولو کان فی یده احقابا کثیرة لاتعد وھذا مما لایتوقف فیہ[1]۔

اس بات کا اقرار قرار دیا جائے گا کہ وہ بائع کی ملک ہے۔ اسی میں ہے اس صورت کے بارے میں سوال کیا گیا جب زید نے عمرو پر ایک احاطہ سے متعلق دعوی کیا کہ یہ اس کا ہے جو اسے اپنے والد سے بطور میراث ملا ہے۔ مدعی علیہ (عمرو) نے جواب دیا کہ میں نے یہ احاطہ تمہارے والد اور چچا سے خریدا تھا اور چالیس سال سے زائد عرصہ ہوا کہ میں اس پر قابض ہوں جبکہ تم میرے ساتھ اسی شہر میں رہائش پذیر ہونے کے باوجود اب تک دعوی سے خاموش رہے ہو حالانکہ کوئی عذر موجود نہ تھا جو تجھے دعوی سے روکتا۔ کیا یہ عمرو کی طرف سے اس احاطہ کو زید کے مورثوں (باپ اور چچے) سے حاصل کرنے کا اقرار ہوگا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں مورث سے ملک حاصل کرنے کا دعوی، مورث کی ملکیت کا اقرار اور اس سے مقر کی طرف ملکیت کے منتقل ہونے کا دعوی ہے۔ چنانچہ مدعی علیہ گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوگا۔ اس صورت میں مدعی علیہ مدعی بن جائیگا۔ اور ہر مدعی ایسے گواہ پیش کرنے کا محتاج ہوتا ہے جس سے اس کا دعوی ثابت ہو۔ مذکورہ بالا اقرار کے ہوتے ہوئے مدت مذکورہ تک عمرو کا قابض رہنا اس کو کچھ نفع نہ دے گا۔ یہ ترکِ دعوی کے باب سے نہیں بلکہ اقرار کی وجہ سے مواخذہ کے باب سے ہے۔ جو شخص دوسرے کے لئے کسی شئی کے بارے میں اقرار کرلے

---

[1] فتاوی الخیریۃ کتاب الدعوی دارالمعرفۃ بیروت ۲/ ۸۰ و ۸۱

تو وہ اپنے اقرار کے سبب سے پکڑا جائے گا اگرچہ وہ شئی سالہا سال سے اس کے قبضہ میں ہو۔ اس مسئلہ میں توقف نہیں کیا جائے گا۔ (ت)

درعقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ

سئت رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع و مات علی ذٰلک لم تسمع بعد ذٰلک دعوی ولدہ[1] اھ ولم یقیدوہ بمدۃ کما تری لان ما یمنع صحۃ دعوی المورث یمنع صحۃ دعوی الوارث ثم البیع غیر قید بل مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتہادی نص علیہ الفقہاء[2] کما رأیت ملتقطا۔ ہمدرالست سئل فی رجل یرید الدعوی علی زید بمیراث امہ المتوفاۃ من اکثر من خمس عشرۃ سنۃ وزید یجحد ومضت ھذہ المدۃ من بلوغہ

عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ تک ایک زمین میں تصرف کیا اور ایک دوسرا شخص اس کو زمین میں تصرف کرتے ہوئے دیکھتا رہا اور دعوٰی نہیں کیا اور اسی حالت میں وہ فوت ہوگیا تو اب اس کی اولاد کا دعوٰی نہیں سنا جائے گا اھ مشائخ نے اس حکم کو کسی مدت کے ساتھ مقید نہیں کیا جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے۔ اور جو شئی مورث کے دعوٰی کی صحت سے مانع ہو وہ وارث کے دعوٰی کی صحت سے بھی مانع ہوتی ہے۔ پھر بیع کی کوئی قید نہیں بلکہ محض تصرف پر مطلع ہونا دعوی سے مانع ہے اور یہ حکم بادشاہ کی طرف سے ممانعت پر مبنی نہیں ہے بلکہ یہ اجتہادی حکم ہے جس پر فقہائے نے نص فرمائی ہے جیسا کہ میں نے دیکھا ہے ملتقطا۔ اسی میں ہے کہ ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو زید پر اپنی ماں کی میراث کا دعوٰی کرنا چاہتا ہے جس کو فوت ہوئے پندرہ سال سے زیادہ عرصہ گزرچکا ہے جبکہ زید اس سے انکار کرتا ہے۔ یہ عرصہ اس شخص کے عاقل بالغ ہونے کے

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳

[2] " " " " " ۲/ ۴

رشید او لم یدع بذلك ولا منعه
مانع شرعی وهما مقیمان
فی بلدة واحدة فهل تكون
دعواه بذلك غیر مسموعة للمنع
السلطانی ۔ الجواب نعم
والقضاء یجوز تخصیصه وتقییده
بالزمان والمكان واستثناء
بعض الخصومات كما فی
الخلاصة، اشباه، وفیها
الحق لا یسقط بتقادم الزمان
كذا فی الجوهرة قال الحموی
السلاطین الآن یامرون قضاتهم
ان لا یسمعوا دعوی بعد مضی
خمس عشرة سنة سوی الوقف
والارث، ومقتضی ما افتی به
الخیر الرملی ان الارث
غیر مستثنی، وقد كتب احمد
آفندی المهمنداری علی ثلثة
اسئلة بانه تسمع دعوی الارث
ولا یمنعها طول المدة وكتب
علی سؤال اُخر انها لا تسمع وصرح العلائی
قبیل باب التحكیم باستثناء الوقف
والارث، ونقل المنلا علی عن فتاوی علی
آفندی مفتی الروم عدم سماعها، ونقل
مثله السائحانی عن فتاوی عبد الله

بعد گزرا ہے اور اس نے دعوٰی نہیں کیا حالانکہ
کسی شرعی مانع نے اس کو دعوٰی سے نہیں
روکا اور وہ دونوں ایک ہی شہر میں رہائش پذیر
ہیں۔ کیا بادشاہ کی طرف سے ممانعت کی
وجہ سے اس کا یہ دعوٰی نہیں سنا جائیگا؟
جواب: ہاں، اور قضاء کو کسی خاص
زمان ومکان کے ساتھ مختص اور مقید کرنا
اور بعض تنازعات کو اس سے مستثنٰی کردینا
جائز ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے (اشباہ)۔
اسی میں ہے کہ زیادہ زمانہ کے گزرنے سے
حق ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ جوہرہ میں ہے۔
امام حموی نے کہا کہ اب بادشاہ اپنے قاضیوں
کو حکم دیتے ہیں کہ وہ پندرہ سال کا عرصہ گزر
جانے کے بعد کسی دعوٰی کی سماعت نہ کریں سوائے
میراث اور وقف کے'، اور خیر الدین رملی کے فتوٰے
کا تقاضا یہ ہے کہ میراث مستثنٰی نہیں ہے۔ احمد
آفندی مہمنداری نے تین سوالوں پر لکھا کہ میراث کے
دعوٰی کی سماعت کیجائیگی اور طوالت مدت اس سے مانع نہ ہوگی جبکہ ایک
اور سوال پر تحریر فرمایا کہ میراث کے دعوے کی
سماعت نہیں کی جائے گی۔ علائی نے باب
التحکیم سے تھوڑا سا پہلے وقف اور میراث
کے مستثنٰی ہونے کی تصریح فرمائی ہے، منلا علی
نے مفتی روم علی آفندی کے فتاوٰی سے
اس کا قابل سماعت نہ ہونا نقل کیا ہے۔
اسی کی مثل سائحانی نے عبد اللہ آفندی کے

آفندی فقد اضطرب کلامھم کما تری فی مسألۃ الارث والظاھر انہ تارۃ ورد امرمع استثنائھا وتارۃ بدونہ[1] اھ ملخصًا۔

فتاوٰی سے نقل کیا ہے، ان کے کلام میں جیسا کہ تو دیکھ رہا ہے میراث کے بارے میں اضطراب پایا گیا ہے بظاہر کبھی تو اس کے استثناء کے ساتھ امر وارد ہوا اور کبھی بغیر استثناء کے۔ اھ ملخصًا (ت)

درردالمحتار است لیس لھذا (یعنی منع الدعوی للسکوت مع الاطلاع علی التصرفات) مدۃ محدودۃ واما عدم سماع الدعوی بعد مضی خمس عشرۃ سنۃ اذا ترکت بلا عذر فذاک فی غیرھٰذہ الصورۃ[2]۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

ردالمحتار میں ہے کہ اس کے لئے (یعنی تصرفات پر مطلع ہو کر چپ رہنے کی وجہ سے دعوٰی کی ممانعت کے لئے) کوئی مدت متعین نہیں ہے۔ رہا پندرہ سال کے گزر جانے کے بعد دعوٰی کی سماعت نہ ہونے کا معاملہ جبکہ بغیر عذر کے اس کو چھوڑا ہو تو وہ اس صورت کے علاوہ میں ہے۔ اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۹۹: از شہر چاٹگام موضع نیا پارہ مرسلہ مولوی قدرت اللہ صاحب آخر ربیع الاول ۱۳۲۱ھ

چہ می فرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ شخصے وفات یافت یک زوجہ ووالدہ ویک خواہر حقیقی ویک اُخت علاتی ویک برادر اخیافی ویک ابن العم گزاشت وجمیع مال وصیت برائے ابن العم کردہ بود، پس حکمِ وصیت چیست وتقسیم ترکہ چسان۔ بینوا توجروا۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اور وارثوں میں ایک بیوی، ماں، ایک حقیقی بہن، ایک علاتی بہن، ایک اخیافی بھائی اور ایک چچا کا بیٹا چھوڑا ہے جبکہ اس نے تمام مال کی وصیت چچا کے بیٹے کیلئے کردی تھی، اس وصیت کا حکم کیا ہے اور ترکہ کی رقم تقسیم کیسے ہوگی؟ بیان کرو اجر پاؤ گے۔ (ت)

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الدعوٰی ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۵

[2] ردالمحتار کتاب الوقف فصل فیما یتعلق بوقف الاولاد داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۴۴۶

الجواب

برتقدیر عدم مانع ارث و وارث آخر بعد ادائے مہر زوجہ وغیرہ ہرچہ دین ذمۂ متوفی باشد از باقی ماندہ یک ثلث بے اجازت ورثہ و بیشتر ازاں بشرط اجازت وارثان بالغین نافذ التصرف بابن العم وصیۃً دہند و دو ثلث مابقی یا کمتر ازاں ہرچہ ماند بر پانزدہ بخش قسمت کردہ سہ سہم بزوجہ و دو بوالدہ و شش بخواہر عینیہ و دو باخت علاتیہ و دو ببرادر اخیافی رسانند ایں درصورتیست کہ ہمہ ورثہ اصحاء بالغین زیادت بر ثلث تا حدِ معین کم از کل مال روا داشتہ باشند۔ و اگر ہیچ وارث اجازت نداد آنگاہ بعد ادائے دیون بیش از ثلث بابن العم ندہند و دو ثلث باقی تمام و کمال بر ہمہ حساب بورثہ بخشش نمایند و اگر ہمہ اجازت وصیت در جمیع مال دادند پس بعد اخراج دیون ہرچہ ماند جملہ بابن العم رسانند و اگر بعض اجازت تمام وصیت دادند و بعض نے یا بعض نابالغ باشند آنگاہ حصۂ اجازت دہندگان ہم بابن العم دہند و اگر اجازت بعض در زیادہ بر ثلث بہر تمام وصیت نبود مثلاً در دو ثلث تنفیذ

میراث سے کسی مانع اور مذکورہ وارثوں کے علاوہ کسی وارث کے موجود نہ ہونے کی صورت میں بیوی کا مہر وغیرہ جو بھی قرض متوفی کے ذمہ ہے اس کی ادائیگی کے بعد ترکہ کا ایک تہائی وارثوں کی اجازت کے بغیر اور اس سے زیادہ بالغ ورثاء جن کا تصرف نافذ ہوتا ہے کی اجازت سے چچا کے بیٹے کو بطور وصیت دیں گے جبکہ باقی دو تہائی یا اس سے کمتر جتنا بھی بچا ہے، اس کو پندرہ ۱۵ حصوں پر تقسیم کرکے تین حصے بیوی کو، دو ماں کو، چھ حقیقی بہن کو، دو علاتی بہن کو اور دو اخیافی بھائی کو دیں گے' یہ اس صورت میں ہے کہ تمام عاقل بالغ وارثوں نے ایک تہائی سے زائد کل مال سے کم معین حد تک کو جائز قرار دیا ہو۔ اگر کسی وارث نے اجازت نہ دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد ایک تہائی سے زائد چچا کے بیٹے کو نہیں دیں گے اور باقی دو تہائی مکمل طور پر تمام وارثوں پر ان کے حصوں کے حساب سے تقسیم کریں گے' اگر تمام وارثوں نے کل مال میں وصیت کی اجازت دے دی تو قرضوں کی ادائیگی کے بعد جو کچھ باقی بچا وہ سارا چچا کے بیٹے کو دیں گے' اگر بعض وارثوں نے تمام وصیت کی اجازت دی اور بعض نے نہ دی یا بعض ورثاء نابالغ ہوں تو اجازت دینے والوں کا حصہ بھی

18

نمایند آنگاہ حصہ رسد از سہام مجیزان کم
کنند۔ ابن العم اینجا اگرچہ اہل میراث
ست و وارث را وصیت بے اجازت دیگر
ورثہ روا نبود فاما از انجا کہ اہل فرض
چیزے برائے عصبہ نگذاشتند بلکہ مال
برایشان نیز تنگ آمد کہ حاجت بعول افتاد
ابن العم وارث بالفعل نماند وصیت
کہ ممنوع ست برائے وارث بالفعل ست
نہ برائے ہر آنکہ مجرد اہلیت ارث دارد
کما یرشد الیہ صدر الحدیث
ان اللہ اعطی کل ذی حق
حقہ الا لاوصیۃ لوارث الا
ان یشاء الورثۃ[1] آیا نہ بینی
کہ وصیت برائے محجوب بالاجماع
روا ست حالانکہ محجوب نیز از اہلیت
واستحقاق ارث برکران نیست ہمیں
تقدم دیگرے برو او را محجوب نمودہ
است در تبیین الحقائق و رد المحتار
وغیرہا است اوصی لاخیہ
وھو وارث ثم ولد
لہ ابن صحت الوصیۃ
للاخ[2] الخ۔

چچا کے بیٹے کو دے دیں گے اور اگر بعض وارثوں
کی ایک تہائی سے زائد کی اجازت تمام وصیت
کے لئے نہیں مثلاً وہ دو تہائی تک وصیت کو
نافذ کریں تو اس صورت میں اتنی مقدار تک
اجازت دینے والوں کے حصوں میں کمی کیجائیگی۔
چچا کا بیٹا یہاں پر اگرچہ وارث بننے کی اہلیت
رکھتا ہے اور وارث کے لئے وصیت دیگر
وارثوں کی اجازت کے بغیر جائز نہیں مگر یہاں
چونکہ ذوی الفروض نے عصبہ کے لئے کوئی
شئی نہیں چھوڑی بلکہ خود ان پر مال کے سہام
تنگ پڑگئے جس کی وجہ سے عول کی ضرورت
پیش آئی لہذا چچا کا بیٹا بالفعل وارث نہ رہا
اور وصیت کی ممانعت اس کے لئے ہے جو
بالفعل وارث ہو نہ کہ محض وارث بننے کی
اہلیت رکھتا ہو، جیسا کہ اس حدیث کا ابتدائی
حصہ تیری رہنمائی کرتا ہے کہ "بیشک اللہ تعالٰی
نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ خبردار
کسی وارث کے لئے کوئی وصیت نہیں مگر
یہ کہ دیگر ورثاء کی مرضی سے ہو"۔ کیا تو نہیں
دیکھتا کہ محجوب کیلئے بالاجماع وصیت جائز ہے
حالانکہ وہ بھی وارث بننے کی اہلیت و استحقاق
سے خالی نہیں ہے بلکہ محض کسی دوسرے وارث
کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے یہ میراث سے محروم ہوگیا ہے۔ تبیین الحقائق اور ردالمحتار

[1] سنن ابن ماجہ ابواب الوصایا باب لاوصیۃ لوارث ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۹
کنز العمال حدیث ۴۶۰۶۳ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۱۵

[2] رد المحتار کتاب الوصایا داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۱۶

18
18

وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے اپنے بھائی کے لئے وصیت کی درانحالیکہ وہ وارث تھا پھر میت کا بیٹا پیدا ہوگیا تو بھائی کے لئے وصیت صحیح ہوگئی الخ۔ (ت)

در شریفیہ فرمود الاخوۃ مع الاب لایجعلون کالموتی وان کانوا لایرثون معہ لان اھلیۃ الارث ثابتۃ لھم و انما لم یرثوا فی ھذہ الحالۃ لفقدان الشرط و ھو عدم الاب[1]

شریفیہ میں فرمایا کہ باپ کی موجودگی میں میت کے بھائیوں کو مُردوں کی طرح نہیں بنایا جائے گا اگرچہ باپ کے ہوتے ہوئے وہ وارث نہیں بنتے کیونکہ ان کے لئے وارث بننے کی اہلیت ثابت ہے مگر اس حالت میں وہ اس لئے وارث نہیں بنتے کہ ان کے وارث بننے کی شرط مفقود ہے یعنی باپ کی عدم موجودگی۔ (ت)

بلکہ حجب عصبہ بجہت آں کہ اصحاب فرائض ہیچ نگزاشتند و دخل در اخراج او از زمرۂ ورثہ است بہ نسبت حجب وارث اقرب زیرا کہ آنجا فقد شرط است و اینجا فقدان محل کہ عصبہ را محلِ وراثت نیست مگر مالیکہ از ذوی الفرائض باقی ماند، در سراجیہ فرمود العصبۃ کل من یاخذ من الترکۃ ما ابقتہ اصحاب الفرائض الخ[2] ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی، واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم۔

بلکہ عصبہ کا محجوب ہونا اس وجہ سے ہے کہ اصحاب فرائض نے اس کے لئے کچھ نہیں چھوڑا۔ اس کا دخل عصبہ کو وارثوں کے زمرہ سے خارج کرنے میں زیادہ ہے بہ نسبت وارث اقرب کے وارث ابعد کو محجوب کرنے کے کیونکہ وارث اقرب کے سبب سے ابعد کے محجوب ہونے میں شرط مفقود ہے جبکہ صورتِ مذکورہ میں عصبہ کے محجوب ہونے میں محل مفقود ہے۔ اس لئے کہ عصبہ کے لئے وراثت کا محل نہیں سوائے اس مال کے جو اصحابِ فرائض سے باقی بچ جائے۔ سراجیہ میں فرمایا کہ عصبہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو اصحابِ فرائض سے بچا ہُوا ترکہ لے لے الخ، یہ وہ ہے جو میرے پاس تھا اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب الحجب مطبع علیمی اندرون لوہاری دروازہ لاہور ص ۵۰

[2] السراجی فی المیراث مقدمۃ الکتاب مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۴ و ۵

مسئلہ ۱۰۰ ازلکنؤ محلہ باغ قاضی مکان داروغہ منشی مظفر علی مرسلہ حکیم محمد ابراہیم صاحب بیلوی ثم اللکنوی رجب ۱۳۲۱ھ

بعد آرزوئے قدمبوسی معروض خدمت یہاں دربارہ ترکہ جھگڑا ہے، فرنگی محل کے علماء نے ترکہ زوجہ اور ہمشیرا اور چچازاد بھائی کے لڑکوں میں تقسیم کیا ہے اور سگی بھتیجی اور چچازاد بھائی کی لڑکیوں کو محجوب کیا ہے مقصود صرف اس قدر ہے کہ ان بھتیجیوں کو کسی وجہ سے ترکہ پہنچتا ہے جبکہ متوفی کے رُوبروان کے والد فوت ہوچکے ہیں فقط۔

الجواب

فی الواقع جب تک دادا پردادا کی اولاد میں کوئی مرد باقی ہے اگرچہ کتنے ہی دور کے رشتے کا ہو اس کے سامنے سگی بھتیجیاں کچھ نہیں پاسکتیں، حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فلاولٰی رجل ذکر۔ رواہ الائمۃ احمد[1] والبخاری ومسلم والترمذی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اصحابِ فرائض کو ان کے مقررہ حصّے دو جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اس کو امام احمد، امام بخاری، امام مسلم اور ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۰۱ ازشہر کہنہ ۲۵ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس باب میں کہ ایک باپ اور دو ماں سے تین بیٹے ہیں، پہلی بیوی سے سید محرم علی اور دوسری بیوی سے سید وزیر علی سید منیر علی پیدا ہوئے اور دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ سید محرم علی صحبتِ شیعہ میں شیعہ ہوگئے اب ان کا انتقال ہوا موافق وصیت کے تجہیز و تکفین ان کی شیعوں نے کی اسباب ان کا مالیت تخمیناً ؎ کا ہے یہ اسباب بموجب شرع شریف سید وزیر علی و منیر علی اور ہمشیران پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷
صحیح مسلم 〃 ۲/ ۳۴ و جامع الترمذی ابواب الفرائض ۲/ ۳۱
مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

الجواب

بیانِ سائل سے واضح ہوا کہ سید محرم علی کے عقائد مثل عقائد اکثر روافض زمانہ حدِ کفر تک پہنچنا معلوم نہیں، نہ کبھی اُن سے کوئی بات ایسی سنی۔ اور سید وزیر علی و سید منیر علی اور دونوں سیدانیاں غنی نہیں۔ پس صورت مذکورہ میں وہ مال انھیں چاروں بہن بھائیوں کو چھ حصے کرکے دیا جائے کہ دو۲ حصے ہر بھائی اور ایک ایک ہر بہن کو کہ اگر محرم علی کے عقائد کفر تک نہ پہنچے ہوں جب تو ظاہر ہے کہ یہ بہن بھائی وارث ہیں اور اگر پہنچ گئے ہوں تو اس میں سے جتنا مال محرم علی کے زمانہ اسلام کا کمایا ہوا ہو اس کے بھی وارث یہی بہن بھائی ہیں،

فان کسب المرتد فی الاسلام لورثتہ المسلمین کما نص علیہ فی الدر[1] وغیرھا عامۃ الکتب۔

مرتد نے جو حالتِ اسلام میں کمایا وہ اس کے مسلمان وارثوں کے لئے ہے جیسا کہ در وغیرہ عام کتابوں میں اس پر نص کی گئی ہے (ت)

اور جتنا مال زمانہ کفر کا کمایا ہوا ہو وہ حق فقرائے مسلمین ہے اور یہ بہن بھائی بھی فقراء ہیں اغنیاء نہیں، تو ہر حال میں انھیں اس مال کا استحقاق ہے،

وفی قسمتہ علیھم اثلاثا خروج عن العھدۃ بیقین کما عرفت۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

ان پر مال تین حصے بنا کر تقسیم کرنے میں یقینی طور پر ذمہ داری سے فراغت ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۱۰۲: از شہر بریلی محلہ کہنہ منشی شرافت علی بتاریخ ۲۰ جمادی الاول ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید قرضدار تھا اور اسی عرصہ میں فوت ہوگیا تو فرمائیے کہ اس کا ترکہ قرضداروں کو ملنا چاہئے یا کہ بی بی کا مہر ملنا چاہئے یا عزیزوں کو ملنا چاہئے اور بعد وفات اپنے شوہر کے بی بی نے کچھ قرضہ اپنا زیور فروخت کرکے قرضداروں کو دیا تھا مگر وارثوں نے قرض ادا کرتے وقت کچھ نہیں کہا تھا، تو فرمائیے کہ وقت تقسیم ترکہ کے پہلے قرضداروں کو ملنا چاہئے یا کہ مہر بی بی کا ملنا چاہئے یا اور وارثوں کو، اور ترکہ اس قدر نہیں ہے جو کہ سب کو کافی ہوسکے اور مہر بی بی کا بھی ویسا ہی قرضہ ہے جیسا کہ دوسرے قرضداروں کا یا نہیں، اور مہر کا

---

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۹

دعویٰ اگر عورت تین سال یا کچھ زائد تک نہ کرے وہ ساقط ہوگا یا نہیں؟

الجواب

مہر ویسا ہی دین ہے جیسا کہ دیون۔ اور مہر اور تمام دیون تقسیم ترکہ پر مقدم ہیں جب تک مہر وغیرہ سب دیون ادا نہ ہولیں وارثوں پر تقسیم نہ ہوگی۔ مہر اور دیگر دیون کو جب کہ حبا مداد کافی نہ ہوگی تو مع مہر سب حصہ رسد ادا ہوں گے۔ مہر کا دعویٰ تین برس تک عائد نہ کرنے سے مہر شرعًا ہرگز ساقط نہیں ہوتا یہ محض جھوٹ ہے۔ شوہر کا جو قرضہ عورت نے بطور خود اپنا زیور بیچ کر ادا کیا ہے وُہ اب عورت کا دین ترکہ پر ہوگیا مہر کے ساتھ اس کا بھی حصہ اس کے لئے لگایا جائے گا اگر اس نے باقی وارثوں سے ترکہ میں واپس لینے کی شرط نہ کرلی ہو ہاں اگر عدم واپسی کی شرط کرلے کہ میں اپنی طرف سے ادا کرتی ہوں اور واپس نہ لوں گی تو البتہ اس قدر کی واپسی کا استحقاق نہ ہوگا، جامع الفصولین میں ہے:

ولو استغرقها دین لا یملکها بارث الا اذا ابرأ المیت غریمه او اداه وارثه بشرط التبرع وقت الاداء اما لو ادی من مال نفسه مطلقا بلا شرط تبرع او رجوع یجب له دین علی المیت فتصیر الترکة مشغولة بدینه[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اگر قرض ترکہ کا احاطہ کرلے تو کوئی وارث بطور میراث اس کا مالک نہیں ہوگا سوائے اسکے کہ قرضخواہ میت کو قرض سے بری قرار دے دے یا کوئی وارث اپنے مال سے میت کا قرض ادا کردے اور ادائیگی کے وقت تبرع کی شرط لگادے لیکن اگر وارث نے مطلقًا یعنی تبرع یا رجوع کی شرط کے بغیر اپنے مال سے قرض ادا کردیا تو میت پر اس وارث کا قرض لازم ہوجائے گا اور ترکہ اس کے قرض میں مشغول ہوجائے گا۔ (ت)

مسئلہ ۱۰۳: از بیرم نگر ڈاک خانہ شیر گڑھ ضلع بریلی مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک زوجہ، چار بھانجیاں اور چار چچا زاد بہنیں

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والعشرون اسلامی کتب خانہ پشاور ۲/ ۳۲

چھوڑیں۔ ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

مسئلہ ۱۶

زوجہ ۔ ابن الاخت ۔ ابن الاخت ۔ ابن الاخت ۔ بنت العم ۔ بنت العم ۔ بنت العم ۔ بنت العم
۴ ۳ ۳ ۳ م م م م

برتقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم مہر و دیگر دیون و وصایا ترکہ زید کا سولہ [16] سہام ہوکر چار سہم زوجہ اور تین تین ہر بھانجی کو ملیں گے اور چچا زاد بہنیں کچھ نہ پائیں گی من الصنف الثالث جزء ابوی المیت مقدم علی الصنف الرابع جزء جدیہ ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ تیسری قسم سے میت کے والدین کی جز، چوتھی قسم سے اس کے دادا کی جز، پر مقدم ہے ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۴ ازلاہور مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی ۲۴ شعبان ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور اس کی ایک منکوحہ ہے اور منکوحہ سے جو فوت ہوگئی ہے ایک لڑکا ہے ۔ یہ ایسی صورت ہے کہ متوفی کی منکوحہ کو آٹھواں حصہ متوفی کے متروکہ مال سے پہنچے اس شخص متوفی پر دَین بھی ہے کہ متوفی کے اس متروکہ سے دلوایا جاسکتا ہے ۔ پس اگر منکوحہ مذکورہ اپنے آٹھویں حصہ کو دین کے ادا سے بچالے اور یہ چاہے کہ اولاد متوفی کے دَین کے بار کے متکفل ہوں اور میرا حصہ خالص رہے، پس ایسی صورت میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ قاضیِ شرع دَین کا حساب اس آٹھویں میں بخوبی دے گا یا اس پر جبر نہیں کرسکتا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

عورت کا مہر اگر باقی ہے تو وہ بھی مثل سائر دیون ایک دَین ہے اس کے ذریعہ سے حصہ رسد ثمن سدس نصف ثلث کم زائد جو کچھ پڑے اپنے لئے بچا سکتی ہے مگر یہ خواہش کہ ترکہ سے اپنا ثمن حق زوجیت بذریعہ وراثت جدا کرے اور دیون صرف ورثہ کے سہام پر ڈالے

یہ محض باطل تغییر حکم شرع ہے۔

قال تعالٰی فلھن الثمن مما ترکتم بعد وصیۃ توصون بھا اودین[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: ان (بیویوں) کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس وصیت کو نکالنے کے بعد جو تم کرجاؤ اور قرض کی ادائیگی کے بعد۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۰۵: از قصبہ چاند پور ضلع بجنور متصل تھانہ مرسلہ مولوی حکیم سید مشتاق حسین صاحب

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ شرع متین وعلمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے ترکہ میں کچھ جائداد موروثی چھوڑی تھی اور نو (۹) وارث چھوڑے تھے تین۳ فرزند چھ۶ دختران، اور ہر کوئی اپنے حصے کا شرعًا مالک قرار دیا گیا مگر قبضہ اور تصرف فرزندوں کا رہا اور ہنوز ہے لیکن منجملہ دختران کے ایک دختر کے دو۲ فرزندوں میں سے ایک فرزند جو عرصہ دس سال سے مفقود الخبر ہے اس کی زوجہ نے فی الحال انتقال کیا اس عورت کے حصہ کا جو اپنے خاوند مفقود الخبر کے حصہ کی مالک متصور تھی اب کون قرار دیا جائے اور کس کا نام کتاب میں درج ہو، آیا مفقود الخبر کا بھائی ہوگا یا اس عورت کا بھائی ہوگا یا حقیقت عود کرکے حصہ ازان مذکوران تین فرزندان کو جواب تک مالک قابض ہیں پہنچیں گے؟ بینوا توجروا فقط۔

الجواب

سائل نے کچھ نہ بتایا کہ یہ مفقود الخبر اپنی ماں کے انتقال سے پہلے مفقود ہوا تھا یا بعد، اگر زندگیِ مادر میں مفقود الخبر ہوچکا تھا تو ہنوز اس کا استحقاق حصہ مادر میں ثابت نہیں، جتنے ورثہ مادر بحالِ موت وحیاتِ مفقود الخبر ہر حال میں جس قدر یقینی پائیں گے اتنا ان کو دے کر باقی موقوف رکھا جائے گا یہاں تک کہ مفقود الخبر کی موت وحیات کا حال معلوم ہو یا اس کی عمر سے ستّر سال گزرجائیں اور کچھ حال نہ کھلے پس اگر وہ زندہ ثابت ہو تو حصہ خود اس کا ہے اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت نہیں اور اس مدّت تک کچھ حال نہ ظاہر ہو یا ثابت ہو کہ وہ اپنی ماں سے پہلے مرچکا تھا تو خود اس کے لئے وراثت نہیں اس کی زوجہ وغیرہ کے لئے وراثت کیسے ثابت ہوگی' اور اگر ثابت ہو کہ ماں کے بعد مرا تو اگر موتِ زوجہ بھی اس کی موت سے پہلے ہے زوجہ کے لئے

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

وراثت نہیں جو حصہ اسے ماں سے پہنچا اسی کے بھائی وغیرہ ان وارثوں کا ہے جو موتِ مفقود کے بعد زندہ تھے اور اگر معلوم ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو زوجہ بھی وارثہ ہے اور مفقود کے بھائی بھی وارث ہیں، جو حصہ حصّۂ مفقود میں زوجہ کو پہنچے اس کا وارث زوجہ کا بھائی ہے یا اور جو وارثِ زوجہ ہو، دیگر وارثانِ مفقود کا اس میں حق نہیں، اور اگر وُہ شخص اپنی ماں کی موت کے بعد مفقود الخبر ہوا تو متروکۂ مادر میں اس کا حصہ ثابت ہو لیا اب وہ حصہ تقسیم نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ اس کی موت وحیات ظاہر ہو یا اس کی پیدائش سے ستّر برس گزر جائیں، اگر ستر سال گزریں اور کچھ حالِ موت وحیاتِ مفقود معلوم نہ ہو تو زوجۂ مفقود اور نیز وہ تمام اشخاص جو اس ستّر سال گزرنے سے پہلے مرچکے ہوں گے کچھ نہ پائیں گے، اس ستّر سال گزرنے کے وقت جو وارثانِ شرعی مفقود کے لئے ہوں وہی مستحق ہوں گے، اور اگر عمر کے ستّر سال گزرنے سے پہلے ظاہر ہو جائے کہ مفقود زندہ ہے تو مال اسی کا ہے زوجہ وغیرہا کوئی وارث نہیں، اور اگر ظاہر ہو کہ موتِ زوجہ کے بعد مرا تو زوجہ وارث نہیں مفقود کے بھائی وغیرہ جو ورثہ موتِ مفقود پر رہے ہوں وُہ پائیں گے، اور اگر ظاہر ہو کہ زوجہ سے پہلے مرا تو جو حصہ زوجہ کو پہنچے اس کے وارث زوجہ کے بھائی وغیرہ ہیں نہ کہ دیگر وارثانِ مفقود۔ اگر مفقود اپنی ماں کے بعد مفقود ہوا تو اس کے حصہ میں اسی کی مالکیت مندرج رہے گی یہاں تک کہ حال کھُلے یا ستّر سال گزریں اور حسبِ تفصیلِ بالا ورثہ کی طرف انتقال ہو، اور اگر موتِ مادر سے پہلے مفقود ہو تو جس قدر موقوف رکھا جائے گا اس میں ہنوز کسی کا نام درج نہیں ہو سکتا بلکہ حصہ موقوفہ از ترکہ فلاں بانتظارِ فلاں مفقود تا مدت فلاں لکھا جائے اور یہ مدت اس کی عمر کا حساب کرکے درج ہو مثلاً چالیس سال کی عمر میں مفقود ہوا اور دس سال مفقودی کو گزر چکے ہیں تو ستر سال ہونے تک صرف بیس ہی باقی ہیں بانتظار فلاں تا مدت بست سال ازیں تاریخ حاضر اور پچاس سال کی عمر میں مفقود ہوا تو بجائے بست سال دہ سال لکھیں وعلیٰ ہذا القیاس۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۰۶ شہر بریلی محلہ بھوڑون نوازی میاں ۱۵ شعبان یوم جمعہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ساتھ تعین مہر بدون گواہوں کے ایجاب قبول کرلیا۔ اور زید کا ہندہ کو حمل رہ گیا اور زید مرگیا، اب ہندہ دادخواہ ہے ترکۂ زید سے اپنے اور اپنے لڑکے کے حصہ کی۔ وارثانِ زید کہتے ہیں کہ تیرا حصہ نہیں چاہیے ہم تجھ کو نہیں دیں گے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر جس وقت زید نے ہندہ سے ایجاب وقبول کیا تھا دو مرد مسلمان یا ایک مرد دو عورتیں مسلمان وہاں موجود تھے اور ان کا ایجاب وقبول سُن رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ نکاح ہو رہا ہے جب تو نکاح ہوگیا ہندہ اور اُس کا لڑکا دونوں ترکۂ زید میں اپنے حصے کے مستحق ہیں کچھ اس کی ضرورت نہیں کہ خاص کرکے دو شخصوں کو گواہی کے ساتھ نامزد کیا جائے جبھی تو نکاح ہو اور اگر واقع میں اس وقت زید و ہندہ تنہا تھے یا فقط ایک مرد یا صرف چند عورتیں یا کچھ غیر مسلمان کفار موجود تھے اور زید و ہندہ نے ایجاب وقبول کر لیا تو نکاح نہ ہوا ہندہ ترکہ کی مستحق نہیں مگر بیٹا حصہ پائے گا

لان النکاح بغیر شھود فاسد لاباطل والصواب التفرقۃ بین فاسد النکاح وباطلہ کما تشھد بہ فروع جمۃ وما شاع علی السنۃ من ان النکاح لاینعقد الا بشھود فالمراد الصحۃ بقول الدر یجب مھر المثل فی نکاح فاسد ھو الذی فقد شرطا من شرائط الصحۃ کشھود[1] الخ وفی رد المحتار عن النھر ان النکاح لہ فی قولھم فرق[2]۔ فسخ طلاق وھذا الدر یحکیھا تباین الدار مع نقصان مھر کذا فساد عقد وفقد الکفؤ ینعیھا الی قولہ وتلک الفسخ یحصیھا[3]

کیونکہ گواہوں کے بغیر نکاح فاسد ہے باطل نہیں اور صحیح یہ ہے کہ فاسد اور باطل نکاح میں فرق کیا جائے گا جیسا کہ تمام فروع اس پر گواہ ہیں، اور عام لوگوں کی زبانوں پر جو مشہور ہوگیا ہے کہ گواہوں کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا اس سے مراد نکاح کا صحیح ہونا ہے۔ در کے قول کے مطابق کہ نکاحِ فاسد میں مہر مثل واجب ہوتا ہے، اور نکاحِ فاسد وہ ہے جس میں صحتِ نکاح کی کوئی شرط مفقود ہو، جیسے گواہوں کی موجودگی الخ ردالمحتار میں نہر سے منقول ہے کہ مشائخ کے قول میں نکاح کی جدائیاں کئی قسم پر ہیں فسخ اور طلاق۔ اور موتی جیسی یہ نظم ان کو بیان کرتی ہے۔ پہلی جدائی اختلافِ دار، دوسری مہر کی کمی کے ساتھ نکاح کرنا، اسی طرح تیسری عقد کا فاسد ہونا

---

[1] الدرالمختار کتاب النکاح باب المہر مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۰۱

[2] ردالمحتار " باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۰۸

[3] الدرالمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۹۳

قال فی رد المحتار بعد ما بدل الشطر الاول الی ما ذکرنا لتصحیح الوزن، قولہ فساد عقد کان تزوج بغیر شھود[1] اھ فھذا ایضا نص انہ اذا نکح بغیر شھود تکون الفرقۃ فیہ فسخا و معلوم ان لا فسخ الا بانعقاد ثم المرأۃ لاترث بالنکاح الفاسد بل الولد فی الدر المختار یستحق الارث بنکاح صحیح فلا توارث بفاسد ولاباطل اجماعا[2] قال الشامی قولہ بفاسد ھو ما فقد شرط صحتہ کشھود ولاباطل کالمتعۃ[3] اھ وفیہ اٰخر باب ثبوت النسب انہ نکاح باطل فالوطء فیہ زنا لایثبت بہ النسب بخلاف الفاسد فانہ وطء بشبھۃ فیثبت

اور چوتھی کفو کا مفقود ہونا عورت کو موت کی خبر سناتا ہے اس قول تک کہ ان سب جدائیوں کو فسخ جمع کرتا ہے۔ ردالمحتار میں قسمِ اول کو جہاں تک ہم نے بیان کیا وزن کی تصحیح کے لئے کچھ تبدیل کرنے کے بعد فرمایا کہ ماتن کا قول "فساد عقد" جیسے کسی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیا ہو اھ۔ تو یہ بھی اس پر نص ہے کہ اگر گواہوں کے بغیر نکاح کیا تو جدائی بطورِ فسخ ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ فسخ بغیر انعقاد کے نہیں ہوتا پھر نکاحِ فاسد کے ساتھ عورت وارث نہیں ہوتی بلکہ اولاد وارث ہوتی ہے۔ درمختار میں ہے کہ میراث کا استحقاق نکاحِ صحیح کے ساتھ ہوتا ہے نکاحِ فاسد اور نکاحِ باطل کے ساتھ بالاتفاق میراث جاری نہیں ہوتی۔ شامی نے کہا کہ ماتن کے قول "نکاحِ فاسد میں میراث جاری نہیں ہوتی" یعنی نکاحِ فاسد سے مراد وُہ نکاح ہے جس میں کوئی شرطِ صحت مفقود ہو جیسے گواہوں کا موجود ہونا اور "نہ نکاحِ باطل میں میراث جاری ہوتی ہے" نکاحِ باطل کی مثال جیسے نکاحِ متعہ اھ اور اسی میں باب ثبوتِ نسب کے آخر میں ہے کہ نکاحِ متعہ باطل ہے اور

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۸
[2] الدرالمختار کتاب الفرائض مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۵۲
[3] ردالمحتار ″ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۶

به النسب ولذا تکون بالفاسد فراشا لا بالباطل۔[1] رحمتی۔ اس میں وطی کرنا زنا ہے جس سے نسب ثابت نہیں ہوتا بخلاف نکاحِ فاسد کے۔ کیونکہ وہ وطی ہے شبہہ کے ساتھ جس سے نسب ثابت ہوجاتا ہے۔ اسی لئے عورت نکاحِ فاسد کے ساتھ فراش ہوجاتی ہے نہ کہ نکاحِ باطل کے ساتھ، رحمتی۔ (ت)

ہاں عورت اپنا مہر بہرحال پائے گی لحصول الوطء کما تقدم، واﷲ تعالٰی اعلم (وطی کے حاصل ہوجانے کی وجہ سے، جیسا کہ گزرچکا ہے۔ اور اﷲ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۱۰۷: ہدایت علی شہر کہنہ بریلی ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور اس کے دو لڑکیاں تھیں، ایک لڑکی جو زید کی حینِ حیات میں فوت ہوگئی اس کا ایک لڑکا فی الحال موجود ہے اور ایک لڑکی اور تین چچا زاد بھائی عمر، بکر، خالد بعد فوت ہونے اپنے وارث چھوڑے، عمر بڑے چچا کا لڑکا اپنی شریف خاندانی منکوحہ ماں سے ہے اور دوسرے چچا کا لڑکا ایک چمارن غیر منکوحہ عورت سے ہے جس کا ختنہ بھی نہیں ہوا ہے، اور تیسرے چچا کا لڑکا ایک رنڈی سے ہے جس کے نکاح کی تصدیق نہیں، اس صورت میں ترکہ کی تقسیم کیا ہے؟ بیّنوا توجروا

مکرر یہ ہے کہ زید مذکور کی تین بہنیں تھیں اور دس بسوہ اراضی زید کو اور اس کی تینوں بہنوں کو موروثی باپ کے ترکے سے ملی تھی۔ ایک بہن زید کی لاولد فوت ہوگئی اور دو بہنیں وہ بھی زید کے سامنے فوت ہوگئیں مگر ان دو کے اولاد ہے ایک بہن کے ایک لڑکا، دوسری کے تین پسر اور ایک دختر، تو اب زید کے ان بھانجی بھانجوں کو ترکہ زید کا جو کہ اراضی تعدادی دس بسوہ ہے اور زید حینِ حیات میں اپنے بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا اور بعد فوت اپنی تینوں بہنوں کے اس جائداد مذکور پر مالک اور قابض رہا کسی طرح تقسیم ہوگا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل نے ظاہر کیا کہ چماری کا نکاح نہ ہوا تھا، نہ یہ لڑکا زید کے چچا کا تھا بلکہ چماری کے ساتھ آیا اور اس رنڈی کو پردہ نہ کرایا تھا بلکہ اخیر تک ویسی ہی بے پردہ پھرتی رہی اور اسکے

---

[1] ردالمحتار باب ثبوت النسب داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۶۳۳

نکاح کا کوئی ثبوت نہیں اگر یہ بیان واقعی ہیں تو زید کا ترکہ حسبِ شرائط معلومہ دو حصے ہوں گے نصف دخترِ موجودہ زید اور نصف بڑے چچا کے لڑکے کو ملے گا جو منکوحہ سے ہے اور باقی دونوں لڑکے اور بھانجے اور بھانجیاں سب محروم ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۱: از قصبہ شاہ آباد ضلع ہردوئی ڈیوڑھی کلاں ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین زادھم اللہ شرفا کہ زید اور بکر دو بھائی حقیقی تھے، زید کا لڑکا عمرو اور عمرو کا لڑکا حامد اور حامد کی لڑکی ہندہ یہ لاولد فوت ہوئے زید کے لڑکے عمرو نے حامد کو بایں شرط اس مضمون کی وصیت تحریر کی "ہماری موروثی جائداد خاندان دیگر ونسل وغیرہ میں منتقل نہ ہوگی" بعد فوت عمرو کے حامد قابض جائداد ہوئے حامد نے بھی ایک وصیت سعیدہ یعنی زوجہ خود و نیز دخترِ ہندہ کو حسبِ شرائط تحریر کی "یعنی زوجہ منکوحہ سعیدہ اپنی حیات تک منتظم ومنصرم رہے گی، بعد وفات اس کے ہندہ نسلاً بعد نسل مالک ووارث کل جائداد کی ہوگی" چونکہ ہندہ بموجودگی مسماۃ سعیدہ اپنی والدہ کے فوت ہوتی اور بعد چند سال کے سعیدہ بھی فوت ہوگئی جو کہ خاندان غیر سے تھی اور بکر کے دو دختر یعنی زاہدہ اور عابدہ۔ زاہدہ منسوب چچا زاد بھائی عمرو کو کہ جس کا لڑکا حامد اور حامد کی ہندہ جو لاولد فوت ہوئی بلکہ شاخ ہی ختم ہوگئی باقی رہی عابدہ جو منسوب ہوئی محمود کو جن سے ہوئے خالد اور ان سے ہوئے ولید حی القائم، پس بموجب شرع شریف حنفی المذہب کے تقسیم حصص کیا ہے اور وارث جائز کون ہے جبکہ عصبہ و ذوی الفروض کوئی نہیں ہے۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر پاؤ گے۔ ت)

شجرہ مندرجہ ذیل ہے:
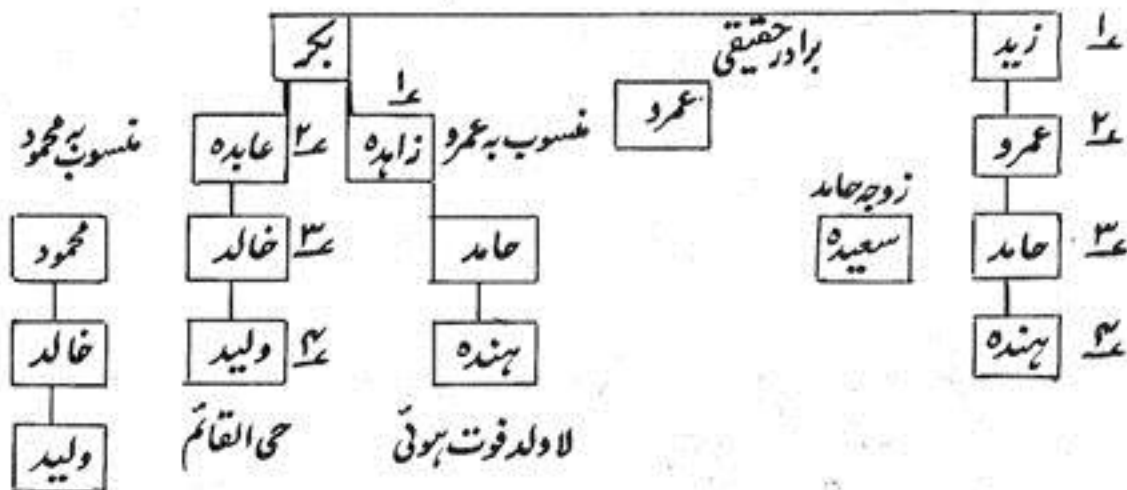
الجواب

یہ سوال مجمل ہے معلوم نہیں کہ بکر کے بعد زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا یا نہیں، نہ معلوم کہ عابدہ کا شوہر محمود عابدہ سے پہلے مرا یا بعد، اگر بعد کو مرا تو اس کے ماں یا باپ یا دوسری زوجہ اور اولاد سوائے ولید تھی یا نہیں۔ بہرحال حکم یہ ہے کہ عمرو و حامد کی وصایائے مذکورہ باطل و بے اثر ہیں، وہ تغییر حکم شرع جس پر کسی کو قدرت نہیں، پس صورتِ مذکورہ میں حسبِ شرائط فرائض ایک بھائی زید کا جو کچھ متروکہ ہے تمام و کمال وارثانِ سعیدہ کو پہنچے گا سعیدہ کا جو کوئی وارث وقتِ موت سعیدہ موجود تھا اس تمام حصہ کا مالک ہے،

لان مال زید وصل لابنہ حامد ومنہ لعرسہ سعیدۃ وبنتہ ھندۃ ومن ھندۃ لامھا سعیدۃ لان ذوی الارحام لاارث لھم مع اصحاب الفرائض فجمعت سعیدۃ کل مال زید۔

اس لئے کہ جو کچھ زید کا ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملا پھر حامد سے اس کی بیوی سعیدہ اور بیٹی ہندہ کو ملا پھر ہندہ سے اس کی ماں سعیدہ کو ملا کیونکہ اصحابِ فرائض کی موجودگی میں ذوی الارحام وارث نہیں بنتے تو اس طرح جو کچھ زید کا تھا وہ تمام سعیدہ کو پہنچ گیا (ت)

رہا دوسرے بھائی بکر کا حصہ، اس میں دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ انتقالِ بکر کے وقت زید یا عمرو یا حامد کوئی زندہ تھا اس تقدیر پر حصہ بکر سے دو تہائی وارثانِ سعیدہ کا ہے

لانہ یصیر اثلاثا بین بنتہ و العصبۃ فما کان للعصبۃ یصل سعیدۃ کما قدمنا وما کان لزاھدۃ تصیر لابنھا حامد ومنہ الی سعیدۃ۔

اس لئے کہ وہ بکر کی بیٹی اور اس کے عصبہ کے درمیان تین حصوں میں منقسم ہوگا پھر جو عصبہ کے لئے ہے وہ سعیدہ کو پہنچے گا جیسا کہ ہم ذکر کرچکے ہیں اور جو کچھ زاہدہ کے لئے ہے وہ اس کے بیٹے حامد کو ملے گا اور اس سے سعیدہ کو پہنچے گا۔ (ت)

دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی وقتِ انتقالِ بکر زندہ نہ تھا اس صورت میں حصہ بکر کا نصف وارثانِ سعیدہ کا ہے،

لانہ ینتصف بین بنتیہ فما کان لزاھدۃ یصل

کیونکہ وہ اس کی دونوں بیٹیوں کے درمیان نصف نصف ہوگا پھر جو کچھ زاہدہ کو ملا وہ سعیدہ

لهم کما تقدم ۔ کے وارثوں کو پہنچے گا، جیسا کہ گزر چکا ۔ (ت)

باقی حصہ بکر کا ایک ثلث یا نصف وہ خاص ولید کے لئے ہے، اگر محمود عابدہ سے پہلے مرگیا ہو یا بعد کو مرا اور سوا ولید کے محمود کا بھی کوئی وارث مثل مادر یا پدر یا زوجہ ثانیہ یا اولاد محمود از زوجہ دیگر نہ تھا ورنہ اس تہائی یا نصف کے تین ربع ولید کے لئے بلا شرکت ہیں اور ایک ربع میں کہ عابدہ سے محمود کو پہنچا باقی وارثانِ محمود کے ساتھ ولید کا ہے جب تک بقیہ ورثہ محمود کی تعیین نہ ہو یہ بتانا ناممکن ہے کہ اس ربع سے ولید کو کیا پہنچے گا۔

بالجملہ مجموع جائداد زید و بکر کے اڑتالیس ۴۸ حصے کریں، پھر اگر انتقال بکر کے وقت حامد زندہ تھا تو چالیس ۴۰ حصے وارثانِ سعیدہ کو دے دیں اور باقی آٹھ ولید کو اگر محمود کے اور وارث کا استحقاق نہ ہو ورنہ آٹھ میں سے چھ ولید کو اور دو مع ولید جمیع ورثہ محمود پر تقسیم ہوں اور اگر حامد بکر سے پہلے مرا ہو تو اڑتالیس ۴۸ سے چھتیس ۳۶ حصے وارثانِ سعیدہ کو دیں باقی بارہ ۱۲ ولید کو اگر وارث محمود مستحق نہ ہو ورنہ بارہ ۱۲ سے نو ولید کو اور تین ولید وغیرہ دیگر ورثہ محمود پر منقسم ہوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۰۹

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں، زید نے ایک بیٹا اور ایک پوتا چھوڑا، ترکہ زید میں سے پوتے کو حصہ ملے گا یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب

پوتے کو کچھ نہ ملے گا لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلا ولی رجل ذکر[1] (نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ وہ قریب ترین مرد کے لئے ہے۔ ت) بیٹے کے ساتھ پوتے کو حصہ دلانا کفارِ ہند کا مسئلہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۱۰

مرسلہ حاجی احمد اللہ خاں صاحب از پیلی بھیت ۶ جمادی الاولٰی ۱۳۲۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ہندہ بیوہ اپنی ایک حمیدہ اور ایک فہمیدہ اور دو دختر ایک جمیلہ اور ایک سعیدہ اور ایک پوتی کلثوم چھوڑ کر فوت ہوگئی اور بعد وفات

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ و امہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷
صحیح مسلم " قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۴

ہندہ اس کی دختر سعیدہ بھی فوت ہوگئی بعد چار یوم کے اور ہندہ کے دونوں فرزند اس کی حیات میں اسکی روبرو مرچکے تھے جن کی زوجہ حمیدہ اور فہمیدہ ہیں یعنی ان کے شوہر اور فہمیدہ کے بطن سے کلثوم ہے اور فہمیدہ حاملہ بھی اپنے شوہر سے ہے جو اپنی ماں کے رُوبرو فوت ہوئی تو ایسی صورت میں جمیلہ اور کلثوم دونوں وراثت ہندہ پائیں گی یا صرف جمیلہ دختر ہندہ اور حمل فہمیدہ قابل ہندہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

برتقدیر عدم موانع ارث و وارث آخر وصحت ترتیب اموات وتقدیم ماتقدم اگر موت ہندہ کو چھ مہینے ابھی نہ گزرے یا گزر گئے ہیں تو جمیلہ کو تسلیم ہے کہ فہمیدہ اپنے شوہر سے حاملہ ہے تو ہندہ کا ترکہ اٹھارہ سہام پر تقسیم کرکے نُو سہم فی الحال جمیلہ کو دے دیں اور باقی نُو سہم موقوف رکھیں اگر فہمیدہ کے لڑکا پیدا ہو توان میں سے سات سہم اسے اور دو کلثوم کو دیں اور اگر لڑکی ہو یا کچھ نہ ہو تو وہ نُو سہم بھی جمیلہ کو دے دیں کلثوم وغیرہ کو کچھ نہ دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۱۱ از محلہ بیج ناتھ پاڑا مرزا عادل بیگ شہر رائے پور

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ مرقومۃ الذیل میں کہ زید کا انتقال ہوا اس کے بعد اس کی بیوی اور دو بھائی ہیں عورت حاملہ ہے۔ پس عند الشرع تقسیم مال کیسے ہوگا؟

زید

زوجہ	اخ	اخ

الجواب

عورت کے حمل تک انتظار ہو تو بہتر ہے ورنہ ترکہ خالصہ (یعنی ادائے دیون ومہر ووصایا کے بعد جو بچے) اس کے بعد سولہ حصہ کرکے دو حصے عورت کو بالفعل دے دیں باقی کسی کو کچھ نہ ملے یہاں تک کہ وضع حمل ہو اگر لڑکا پیدا ہو باقی چودہ۱۴ حصے سب اس لڑکے کو دے دئے جائیں اور بھائیوں کو کچھ نہ ملے اور اگر لڑکی پیدا ہو تو باقی چودہ۱۴ میں سے آٹھ حصے اس دختر کو دیں اور تین تین دونوں بھائیوں کو اور اگر بچہ زندہ پیدا ہو یا موت مورث کو دو سال کامل گزر جائیں اور کچھ پیدا نہ ہو تو باقی چودہ۱۴ میں سے دو حصہ زوجہ کو اور دے دئے جائیں اور چھ چھ دونوں بھائیوں کو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۱۱۲ تا ۱۲۷ کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ہائے ذیل میں کہ سائل بحوالہ کتب فقہ حنفی جواب چاہتا ہے بینوا توجروا۔

(۱) عورت نے وقتِ وفات ایک زوج، ایک پسر، ایک دختر وارث چھوڑے۔ پسر نے بہ نظر ثواب یا بغرض نام آوری خود بصرف مبلغ دو ہزار سکات سو بلا مشورت دیگر ورثا تجہیز و تکفین و فاتحہ، چہلم وغیرہ مورث کا کیا، ورثا کس قدر ادائے اصرافات کے ذمہ دار ہو سکتے ہیں؟

الجواب

بقدر سنّت غسل و کفن و دفن میں جس قدر صرف ہوتا ہے بقیہ ورثا صرف اسی قدر کے حصہ رسد ذمہ دار ہو سکتے ہیں۔ فاتحہ و صدقات و سوم و چہلم میں جو صرف ہوا یا قبر کو پختہ کیا یا اور مصارف قدر سنّت سے زائد کئے وہ سب ذمہ پسر پڑیں گے باقی وارثوں کو اس سے سروکار نہیں۔ طحطاوی کے حاشیہ میں ہے:

(تتمہ) التجهيز لايدخل فيه السبح والصمدية والجمع والموائد لان ذٰلك ليس من الامور اللازمة فالفاعل لذٰلك ان كان من الورثة يحسب عليه من نصيبه ويكون متبرعًا وكذا ان كان اجنبيًا الخ[1] والله تعالٰی اعلم۔

(تتمہ) میّت کی تجہیز میں دعا و فاتحہ (سوم، چہلم وغیرہ) لوگوں کو جمع کرنا اور دعوتِ طعام وغیرہ داخل نہیں ہیں کیونکہ یہ چیزیں لازمی امور سے نہیں ہیں۔ چنانچہ ایسا کرنے والا اگر وارثوں میں سے ہے تو اس کے حصے میں سے شمار ہوگا اور وہ متبرع ٹھہرے گا۔ یونہی اگر اجنبی نے ایسا کیا تو وہ بھی متبرع قرار پائے گا الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

(۲) صرف تجہیز و تکفین و فاتحہ و سوم و چہلم و عرس وغیرہ شرعًا کس قدر تبلیغ وراثت پر مقدم رکھا گیا ہے؟

الجواب

اس کا جواب جوابِ سوالِ اوّل میں ہو گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) شرعًا زمانہ حال میں اہل اللہ کے تجہیز و تکفین و فاتحہ و عرس وغیرہ کے لئے کس قدر روپیہ کافی ہو سکتا ہے؟

الجواب

تجہیز و تکفین میں اسی قدر جو عام مسلمانوں کے لئے صرف ہو سکتا ہے فاتحہ و عرس کیلئے

---

[1] حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الفرائض المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ ۴/ ۳۶۷

شرع سے کوئی مطالبہ نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۴) شرعاً لباس قیمتی اہل اللہ کا مریدان و معتقدان کو تبرکاً و مساکین کو ثواباً ایک وارث بلا استرضا دیگر ورثا تقسیم کر سکتا ہے ؟

الجواب

قیمتی ہو یا کم قیمت، بلا وصیت مورث و بلا رضائے دیگر ورثاء نہیں دے سکتا، جو کچھ دے گا وہ خاص دینے والے کے حصہ میں محسوب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۵) شرعاً صاحب سجادہ کس کو کہتے ہیں اور دیگر ورثاء پر سجادہ نشین مذکور کیا کیا حق فائق رکھتا ہے ؟

الجواب

سجادہ نشین وُہ صاحبِ ہدایت[ع] ہے کہ پہلے صاحبِ ہدایت کی وصیت یا مسلمانان ذی رائے کی تجویز سے اس کا جانشین لبغرضِ ہدایت ہوا ہو در بارہ وراثت اس کو کسی وارث پر کوئی حق فائق نہیں یہ محض بے اصل ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

(۶) شرعاً عرس سالانہ مورث و نذر و نیاز شہدائے کربلا و عرس بزرگان جن کو مورث نے اپنی حیات میں جاری رکھا تھا بعد وفات مورث کے ورثا بھی اس کے اجراء رکھنے پر مجبور ہو سکتے ہیں یا نہیں ؟

الجواب

یہ امور اگر بطور شرع شریف ہوں تو صرف مستحبات ہیں اور مستحب پر جبر نہیں ہو سکتا، ہاں اگر مورث کوئی جائداد کسی مصرف خیر کے لئے وقف کر دیتا تو اس کا اتباع ہوتا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۷) شرعاً خانقاہ کس کو کہتے ہیں ؟

الجواب

یہ کوئی اصطلاح شرعاً مطہر نہیں عرف میں مکان مستند افاضۂ اولیاء کو خانقاہ کہتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم ۔

ع اقول شرط اجازت ضروری ہے آجکل بہت لوگ صاحبِ سجادہ بطورِ وراثت بنا دئے جاتے ہیں اور وہ بیعت کرنے لگتے ہیں یہ حرام ہے ۱۲ ۔

(۸) جس مکان میں اہل اللہ قیام پذیر ہوں یا جس مکان میں لوگ مرید ہوا کرتے ہوں یا جس مکان میں اہل اللہ ذکرِ الٰہی کیا کرتے ہوں یا تعلیم ذکرِ الٰہی ہوتی ہو یا عرس یا جلسۂ سماع ہوتا ہو یا اس مکان میں پاخانہ یا باورچی خانہ خانقاہ ہو یا آئندگان عرس اس میں قیام کرتے ہوں وہ ترکۂ مورث ہے یا نہیں اور قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر یہ مکانات مملوکۂ مورث تھے تو ضرور تقسیم کیے جائیں گے جب تک کہ مورث نے ان میں کسی کو وقفِ صحیح شرعی نہ کر دیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۹) جس مکان کے گوشۂ صحن میں قبورِ اہل اللہ یا قبورِ مورث واقع ہوں وہ مکان مع صحن بعد مستثنیٰ کرنے اراضی قبور کے شرعًا قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب

ہاں جبکہ وقف نہ ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۰) جس مکان میں مورث کی ہمیشہ نشست گاہ رہی ہو اور اس نے اس کی اصلاح و مرمت اپنے اصراف سے کی ہو اور بلا شرکتِ غیرے اپنا قبضہ خالص اپنی حیات تک رکھا ہے بلکہ اپنی ضرورت میں اس مکان کو مکفول کر کے قبضہ بھی مورث نے لیا ہے وہ مکان بعد وفات مورث بوجہ اصراف کثیر تعمیراتِ مقبرہ وغیرہ تقسیم باہم شرکا سے محفوظ رہ سکتا ہے یا نہیں؟ اور ایسا مکان وقف قرار دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جبکہ مورث اپنی ضروریات میں اس مکان کو مکفول کر چکا تھا تو اس کے فعل سے صراحۃً اس کا وقف نہ ہونا ثابت ہے اور جب وہ مملوک مورث ہے تو تقسیم بر ورثا سے محفوظی کی کوئی وجہ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۱) فرش وشیشہ آلات و دیگر اسباب، منقولہ جو عرس اہل اللہ کے کارآمد ہوتا ہے قابلِ تبلیغ وراثت ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ مال اگر ملکِ خاص مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر وقف ہے یا مریدوں نے اس کام کے لئے لا کر دیا اور مورث کو مالک نہ کر دیا تھا تو تقسیم نہ ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۲) جس مکان کو متعلق خانقاہ، مہمان خانہ یا لنگر خانہ موسوم کیا جائے یا جس مکان میں سجادہ نشین رہتے چلے آئے ہوں یا جس مکان میں مہمان عرس کے شریک ہونے والے یا تعلیم ذکرِ الٰہی پانے والے قیام پذیر ہوا کرتے ہوں وہ مکان شرعاً قابلِ تقسیم ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ملکِ مورث ہے تقسیم ہوگا اور اگر اس کا وقف ہونا بہ ثبوتِ شرعی ثابت ہو تو منقسم نہ ہوسکے گا صرف اتنی بات کہ اس کا نام مہمان خانہ یا لنگر خانہ ہے یا اس میں سجادہ نشین رہتے یا اشخاص مذکورین قیام کرتے تھے وقف ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۱۳) اگر کسی مکان کو خانقاہ کے نام سے موسوم کیا ہو تو وہ شرعاً اس بناء پر وقف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

نہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۱۴) قرآن وحدیث جس سے استخراج فتاوٰی کا ہوتا ہے اس میں کوئی تفصیل ایسی پائی جاتی ہے کہ احکامِ طریقت اور احکامِ شریعت میں اختلاف یا کچھ تفاوت ہو۔

الجواب

یہ محض جھوٹ ہے اور بددینوں کا مذہب ہے، اہلِ اسلام کے نزدیک جو طریقت شریعت کے خلاف ہو مردود ہے۔ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی وغیرہ اکابر اولیاء رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں:

"کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھی زندقۃ۔"[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

"جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے وہ بے دینی ودہریت ہے"۔ اللہ تعالٰی خوب جاننے والا ہے۔ (ت)

(۱۵) ورثا کی ناقابلیت ان کو کسی ترکہ مورث سے محروم رکھ سکتی ہے؟

الجواب

وراثت سے محرومی کے صرف چار سبب ہیں کہ وارث غلام[1] ہو یا مورث کا قاتل[2] یا کافر[3] ہو یا دار الحرب[4] میں رہتا ہو باقی کوئی ناقابلیت اسے اس کے حق شرعی سے محروم نہ کرے گی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] الرسالۃ القشیریۃ ومن ذٰلک الشریعۃ والحقیقۃ مصطفی البابی مصر ص ۴۳
الحدیقۃ الندیۃ الباب الاول الفصل الثانی مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۱۶۹

(۱۶) کیا عورت بوجہ ناقابلیت فطرتی کے کسی ترکۂ مورث سے محروم رہ سکتی ہے ؟

الجواب

دربارہ حرمان وراثت مرد وعورت کا ایک ہی حکم ہے، عورت فطرتی طور پر صرف اس وجہ سے کہ عورت ہے ہرگز قابلِ محرومی نہیں۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۱۲۸

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت خاص اس کا روپیہ تھا اس کے سوا کسی کا ایک حبہ نہیں تھا اس کے خاوند (زید) نے اس روپے سے ایک مکان اپنے نام خرید کیا اور وہ فوت ہوگیا اور اس کا گور و کفن اس کی بیوی نے سب اپنے پاس سے کیا اور مبلغ ۵۰ روپیہ اس کے خاوند نے مکان پر قرض لئے تھے وہ قرض ادا نہیں ہوئے وہ کس کس کو ادا کرنا چاہئے اور اس کے خاوند نے اپنی بیوی کو چھوڑا ہے اور ۲ دو بیٹی ہیں اور ایک ہمشیرہ اور پانچ بھتیجے ہیں اب کس کس کو پہنچتا ہے ؟

الجواب

شوہر نے جو قرض لیا تھا وہ زید کے مال سے ادا ہوگا اس کے بعد وارثوں پر تقسیم ہوگا، اور مکان کہ زید نے اپنی بیوی کے روپے سے اپنے لئے خریدا اس کا مالک زید ہوا پھر اگر وہ روپیہ بے اجازت عورت سے لے کر دیا تھا یا عورت نے قرضاً دیا تھا تو اتنا روپیہ عورت کا ذمہ شوہر قرض رہا اور اگر گواہان شرعی سے ثابت ہو کہ عورت نے وہ روپیہ شوہر کو ہبہ کر دیا تھا تو ہبہ ہوگیا اس کا مطالبہ نہیں اور گور و کفن جو بیوی نے بقدر سنّت کیا اس قدر ترکہ میں سے مجرا پائے گی اس سے زائد جو فاتحہ و درود وغیرہ میں اٹھایا وہ کسی سے مجرانہ ملے گا، بالجملہ جو کچھ اس مکان وغیرہ تمام ترکہ شوہر پر دَین ثابت ہو مثلاً عورت کا مہر اور وہ پچاس روپیہ اور بقدر سنّت گور و کفن کا صرف اور مکان کی قیمت کا روپیہ جب کہ عورت کا شوہر کو ہبہ کر دینا نہ ہوا، ان کے سوا اور جو کچھ شوہر پر دین ہو سب ترکہ سے ادا کرکے اگر کچھ بچے تو باقی کے تہائی میں شوہر نے اگر کوئی وصیت کی ہو نافذ کریں اسکے بعد جو باقی بچے اسکے چوبیس ۲۴ حصہ حسب شرائط فرائض ہو کر تین حصے زوجہ اور آٹھ آٹھ ہر بیٹی اور پانچ بہن کو پہنچیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ۱۲۹ ۲۹ ذیقعدہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نیاز احمد کے دو زوجہ زینب، ننھی، دونوں کا مہر ۵۰۰/ ۵۰۰، جائداد ۲۰۰ روپے کی۔ پہلی بیوی شوہر سے پہلے مری جس کے وارث زوج نیاز احمد، باپ جیون بخش، چار دختر: آمنہ، فضلو، نور النساء، بیگما۔ ان میں بیگما نے انتقال کیا۔ زوج عبدالرزاق، باپ نیاز احمد، دختر شہر بانو وارث چھوڑے۔ عبدالرزاق کی وارث یہی دختر رہی۔ نیاز احمد نے وفات پائی تو زوجہ ثانیہ اور اس کے بطن سے ایک پسر تھو، ایک دختر متین، اور تین دختر زوجہ اولٰی سے وارث رہے۔ ورثہ سب بالغ ہیں اور مہروں میں مکان دینے پر راضی ہیں اور ان مہروں کے سوا نیاز احمد پر کوئی قرض نہیں۔ اس صورت میں ہر وارث کتنا پائے گا؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورت مستفسرہ میں مکان کے پینتالیس حصے کئے جائیں از انجملہ چھبیس ۲۶ حصہ زوجہ ثانیہ ننھی کو اس کے مہر میں دے دیں اور انیس ۱۹ حصوں سے چار چار جیون بخش، آمنہ، فضلو، نور النساء کو اور تین شہر بانو کو اس لئے کہ جب دونوں مہر مساوی تھے اور ان کی مقدار ترکہ نیاز احمد سے زائد اور ان کے سوا اور دین نہیں تو دونوں زوجہ کو مکان نصف نصف ملنا چاہئے تھا مگر زوجہ اولٰی کا انتقال شوہر سے پہلے ہوا تو اس کے مہر سے $\frac{3}{12}$ خود نیاز احمد کو پہنچے یعنی اس پر سے ساقط ہوگئے اور $\frac{2}{12}$ جیون بخش اور ہر چہار دختر زینب کو ملے۔ ان میں سے بیگما مر گئی اور اسے جو پہنچتا تھا اس کا چہارم پھر نیاز احمد کو پہنچا یعنی اس پر سے ساقط ہوگیا۔ تو حاصل یہ ہوا کہ مہر زینب سے $\frac{7}{26}$ نیاز احمد سے ساقط ہوگیا $\frac{19}{26}$ باقی رہا اور مہر ننھی پورا باقی ہے بوجہ مساوات سابقہ اسے بھی ۲۶ سہم فرض کیجئے تو مکان دونوں زوجہ پر اسی ۲۶ و ۱۹ کی نسبت سے بٹنا چاہئے کہ دیون جب ترکہ سے زائد ہوں تو دائنوں کو حصہ رسد دیا جاتا ہے لہذا مکان کے ۴۵ حصہ کرکے ۲۶ حصے ننھی کو دیئے جائیں اور ۱۹ بحساب مذکور وارثان زینب پر تقسیم ہوں۔

فی القنیۃ قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج و بنتین واخ لاب و ام ولا مال لہا سوی مھر علی زوجھا

قنیہ میں ہے ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر مر گئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے

مائة دینار ثم مات الزوج ولم یترك الاخمسین دینارا فقلت یقسم بین البنتین والاخ اتساعا بقدر سہامہم لانہ ذکر فی کتاب العین والدین اذا کان علی بعض الورثۃ دین من جنس الترکۃ یحسب ماعلیہ من الدین کانہ عین وبقی الخمسون دینارا فی نصیب البنتین والاخ فتکون بینہم علی سہامہم من اصل المسئلۃ وقد افتی کثیر من مفتی زماننا انہ یقسم الخمسون بینہم اثلاثا وانہ غلط فاحش[1]

اقول ونظیرہ الغلط الواقع فی مسئلۃ زوج وام وعم وقد تخارج الزوج علی مافی ذمتہ من المہر فقسموا البقیۃ اثلاثا للام سہم وللعم سہمان والصواب العکس للعم سہم وللام سہمان کماحررہ فی الدرالمختار[2] واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

خاوند پر قرض میں اس نے کوئی اور شیئ ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا شوہر صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بناکر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین ہے اب چونکہ دونوں بیٹیوں اور بھائی کے حصے میں پچاس دینار باقی بچے ہیں لہذا وہ ان پر اصل مسئلہ میں سے ان کے سہام کے مطابق تقسیم ہونگے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوٰی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بناکر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ میں کہتا ہوں اس کی نظیر وہ غلطی ہے جو خاوند، ماں اور چچا کے مسئلے میں واقع ہوئی جبکہ خاوند اپنے مہر کے بدلے میں ترکہ سے دستبردار ہوگیا تو علماء نے باقی کو تین حصے بناکر ایک ماں اور دو چچا کو دینے کا فتوٰی دیا حالانکہ صحیح اس کے برعکس ہے یعنی ماں کو دو اور چچا کو ایک حصہ ملے گا جیسا کہ درمختار میں اس کو تحریر فرمایا ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴
[2] الدرالمختار کتاب الفرائض باب المخارج مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۷۰

قیمت مکان مالؔ ۲۰۰

ننھی	شہربانو	جیون بخش	آمنہ	فضلو	نورالنساء
ماعہ	ـعہ	معـعہ	معـعہ	معـعہ	معـعہ
۸/۱ ۲/۳ پائی	۵/۱ پائی	۱۲/۲ ۱/۳ پائی	۱۲/۲ ۱/۳ پائی	۱۲/۲ ۱/۳ پائی	۱۲/۲ ۱/۳ پائی

مسئلہ ۱۳۰: از دیورہ ڈاکخانہ مئو ضلع گیا مرسلہ شیخ ولایت حسین صاحب ۲۰ جمادی الآخرہ ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اپنے ورثا کو محروم الارث کرکے اپنی جائداد موروثی ومتروکی ومحصولی کو اپنے بعض ورثا کو دے دینا چاہتا ہے۔ آیا بموجب حدیث نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالٰی زید کا یہ فعل ظلم ہوگا اور وہ شخص ظالم اور گنہگار ہوگا یا نہیں؟ اور حق تلفی اس شخص نے بعض ورثا کے مقابل میں کیا یا نہیں؟ بینوا توجروا بالکتاب والسنۃ۔

الجواب

جس وارث کو محروم کرنا چاہتا ہے اگر وہ فاسق معاذاللہ بدمذہب ہو تو اسے محروم کرنا ہی بہتر وافضل ہے۔ خلاصہ ولسان الحکام وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[1]

اگر کسی کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنے مال کو نیکی کے کاموں پر خرچ کرکے فاسق اولاد کو میراث سے محروم کردے تو ایسا کرنا فاسق کے لئے مال چھوڑ جانے سے بہتر ہے۔(ت)

بدمذہب بدترین فساق ہے، فاسق میں یہ خوف تھا کہ مال اعمالِ بد میں خرچ کرے گا بدمذہب میں یہ اندیشہ کہ اعانتِ گمراہی وضلالت میں اٹھائے گا یہ اس سے لاکھ درجے بدتر ہے۔ غنیہ میں ہے:

الفسق من حیث العقیدۃ اشد من الفسق من حیث العمل[2]

عقیدہ کے اعتبار سے فاسق ہونا عمل کے اعتبار سے فاسق ہونے سے بدتر ہے(ت)

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الھبۃ الباب السادس فی الھبۃ للصغیر نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۹۱

[2] غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الامامۃ سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۱۴

اور اگر ایسا نہیں تو بعض ورثاء کو محروم کرنا ضرور ظلم ہے جس کے لئے حدیث صحیح نعمٰن بن بشیر رضی اللہ تعالٰی عنہما لاتشہد فی علی جور[1] (مجھے ظلم پر گواہ مت بنا۔ت) کافی۔ ابن ماجہ کی حدیث میں انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

من فرمن میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیٰمۃ[2]۔ وھو عند الدیلمی عنہ رضی اللہ تعالٰی عنہ بلفظ من زوی میراثا عن وارثہ زوی اللہ عنہ میراثہ من الجنۃ[3] واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

جو اپنے وارث کی میراث سے بھاگے اللہ تعالٰی روز قیامت جنت سے اس کی میراث قطع فرمادے (یہ حدیث دیلمی کے نزدیک حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے کہ جس شخص نے اپنے وارث سے میراث کو سمیٹ دیا اللہ تعالٰی جنت سے اسکی میراث کو سمیٹ دے۔ت) واللہ سبحانہ' و تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۱: مرسلہ عبدالحق برادر حاجی عبدالرزاق از پیلی بھیت محلہ عنایت گنج ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ

زید نے بعد وفات تین بیٹے عبدالقدیر، عبدالحفیظ، عبدالبصیر اور والدہ مسماۃ فاطمہ بی کو وارث چھوڑا زید اپنی حیات میں شراکت عمرو تجارت کرتا تھا زید نے بحالت مرض الموت اپنی وفات سے ایک یا دو روز قبل اپنے شریک عمرو سے کہا تینوں پسر اپنے تمہارے سپرد کرتا ہوں اور زید نے اپنی حیات میں بڑے بیٹے کی شادی کردی تھی عمرو نے بعد وفات زید کے تجارت کو بجنسہٖ جاری رکھا اس خیال سے کہ پسران زید خورد سال کی پرورش وشادی تجارت سے ہوجائے گی جو بچے گا وہ کام آئے گا۔ چنانچہ بڑے لڑکے کو بجائے زید دکان پر بٹھایا ہر سہ پسران کو تجارت مشترکہ سے تنخواہ ماہانہ دیتا رہا وفات زید کے تخمیناً چھ سات سال بعد متروکہ زید سے عمرو نے دو پسران کی شادی کردی ایک ہزار کے قریب صرف ہوا اور تیرہ سو کے قریب مصارف خورد و نوش میں صرف ہوا پھر اکیس سو روپیہ کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الہبات باب کراہیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الہبۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۷

[2] سنن ابن ماجہ ابواب الفرائض باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] الفردوس بماثور الخطاب حدیث ۵۰۱۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۳/ ۵۴۸

قریب اور چار قطعہ مکانات تخمیناً اکیس سو روپے کے جملہ چار ہزار دو سو روپے کی مالیت بچی جس کو ہر سہ پسران زید نے باہم متساوی تقسیم کر لیا اور مسماۃ فاطمہ بی کو ترکہ زید سے کچھ نہ دیا پسران زید متروکہ سے تجارت کرتے رہے بعد تقسیم متروکہ تین چار سال بعد مسماۃ فاطمہ بی فوت ہوئی اس نے دو وارث ایک لڑکا عبداللہ ایک دختر سعیدہ کو چھوڑا، آج تک زید کو فوت ہوئے عرصہ تخمیناً بارہ چودہ سال گزرا ہوگا پسران زید وقت تقسیم کر لینے متروکہ سے اس وقت تک علیحدہ علیحدہ تجارت کرتے رہے ہیں اور اس وقت ہر سہ پسران زید کے پاس تخمیناً بیس ہزار روپے کے ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ ورثاء فاطمہ بی، عبداللہ و سعیدہ متروکہ زید سے جو کہ ذمہ پسران زید واجب الادا ہے پانے کے مستحق ہیں یا نہیں؟ آیا اس وقت جس قدر تعداد مالیت نزد پسران زید جو قریب بیس ہزار کے ہے اس جملہ مالیت سے کیونکہ ترکہ فاطمہ بی کا جو کچھ تھا کچھ نہ دیا گیا تو متروکہ فاطمہ بی بھی اس وقت تک شامل ہے ہر سہ پسران کے حصول میں اور ترقی پا رہا ہے یا اس تعداد میں جو بیالیس سو روپے کی مالیت بعد پرورش و شادی بچی اور باہم پسران زید نے تقسیم کیا ہے اس میں سے پانے کی مستحق ہوگی یا علاوہ مصارف شادی اور تیرہ سو مصارف خورد و نوش جملہ بیالیس سو تقسیم شدہ شامل کرکے کل چھ ہزار پانچ سو روپے ہوئے اس سے پانے کی حق ہے۔ جواب مع عبارات چاہئے۔

الجواب

اگر پسران زید مقر ہوں کہ یہ تجارت مملوکہ زید تھی اور وقت وفات زید اس کی والدہ فاطمہ زندہ تھی اور اس کو حصہ نہ دیا گیا تو وارثان فاطمہ پسران زید سے اس کل مال کا چھٹا حصہ حسب شرائط فرائض پانے کے مستحق ہیں جو وقت وفات زید موجود تھا خواہ مکانات موجود ہوں یا مال تجارت یا زر نقد یا اسباب وغیرہ۔ خورد و نوش پسران میں جو صرف ہوا وہ انھیں کے حصوں پر پڑے گا حصہ فاطمہ کو اس سے تعلق نہیں دو پسران کی شادی میں جو اٹھا وہ انھیں دو پر پڑے گا حصہ فاطمہ سے مجرا نہ ہوگا بعد وفات زید تا زمان تقسیم و بعد تقسیم تا حال جو کچھ مال میں تجارت کے ترقیاں ہوئیں ان میں بھی فاطمہ کی ملک نہیں جبکہ وہ تجارت عمرو و صی زید و پسران زید بطور خود کرتے رہے اور فاطمہ اس میں شریک نہ ہوئی ہاں جبکہ حصہ فاطمہ اس میں شامل تھا تو اس کے حصہ سے جو ترقی ہوئی پسران زید کے لئے ملک خبیث ہے ان کو حلال نہیں کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائیں بلکہ واجب ہے کہ اس قدر مال تصدق کر دیں یا وارثان فاطمہ کو دے دیں اور یہی بہتر و افضل ہے جو مکان متروکہ زید نہ تھا بلکہ مال تجارت سے وصی زید یا پسران زید نے خود خریدا اس مکان میں حصہ فاطمہ نہیں بلکہ اس کا حصہ صرف اس قدر کا

چھٹا حصہ ہے جو بوقتِ وفاتِ زید متروکہ زید تھا۔

والمسائل مبینۃ فی الفتاوی العلمگیریۃ والفتاوی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرھا وقد اوضحنا ھا فی فتاونا غیر مرۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ان مسائل کو فتاوٰی عالمگیریہ، فتاوٰی خیریہ اور عقود الدریہ وغیرہ میں بیان کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں کئی بار ان کو واضح کیا ہے۔(ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۲: از شہر مسئولہ جناب سلطان احمد خان صاحب زید مجدہٗ ۴ صفر المظفر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آفتاب بیگم کا انتقال ہوا اس کے وارثوں میں ایک حقیقی چچا زاد بہن مسماۃ عمدہ بیگم کا پوتا وصی احمد اور ایک علاتی خالہ بنو بیگم اور چار اخیافی بھتیجے جن کے باپ کا انتقال آفتاب بیگم کے سامنے ہوگیا موجود ہیں وصی احمد نے تجہیز وتکفین اپنے صرف سے کی اور اس وصی احمد کو متوفیہ نے اس شرط سے اپنا وصی بھی کیا کہ بعد اخراجات تجہیز وتکفین وفاتحہ ودرود بعد جس قدر روپیہ بچے وہ سب تیرا ہے اب تقسیم ترکہ ان وارثوں کے مقابلہ میں کیونکر ہوگا اور اخراجات تجہیز وتکفین متروکہ سے نکلے گا یا نہیں؟ شجرہ ذیل میں درج ہے۔

آفتاب بیگم

مسـ

۱ حقیقی چچا زاد بہن عمدہ بیگم موجود ہے	۳ علاتی خالہ بنو بیگم موجود ہے	۴ بھائی اخیافی جس کا انتقال متوفیہ کے سامنے ہوا اسم نامعلوم
۲ وصی احمد پوتا عمدہ بیگم وصی جائداد		لڑکا لڑکا لڑکا لڑکا ۴ لڑکے موجود ہیں

الجواب

برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وتقدیم دیون ووصایا آفتاب بیگم کا ترکہ چار سہم ہو کر ہر اخیافی بھتیجے کو ایک ایک ملے گا اور چچا زاد اور خالہ کچھ نہ پائیں گی آفتاب بیگم کی تجہیز وتکفین کہ وصی احمد غیر وارث نے اپنے مال سے کی وہ بطور احسان وسلوک نیک واقع ہوئی اس کا معاوضہ نہ پائے گا کہ وہ نہ وارث ہے نہ وصی ہے اس کہنے سے کہ بعد ازان

مصارف کے جو بچے وہ تیرا ہے وہ موصی لہ ہوا نہ کہ وصی، ہاں اگر آفتاب بیگم نے یوں کہا ہو کہ میرے بعد میرے مصارف سے یہ یہ صرف کرنا اور جو بچے تیرا ہے تو اس صورت میں وہ وصی بھی ہو جائیگا اور اب جو تجہیز و تکفین میں اپنے مال سے صرف کیا مجرا پائے گا جس قدر کہ اس کے کفن وجہیز مثل بقدر سنت میں اٹھایا ہو اس سے زیادہ وصی کو بھی مجرا نہ ملے گا۔ درمختار میں ہے:

الوصی کفنہ من مال نفسہ او کفن الوارث المیت من مال نفسہ فانہ یرجع ولا یکون متطوعا[1]

وصی نے اپنے مال سے کفن پہنایا یا میت کے وارث نے اپنے مال سے میت کو کفن دیا تو وہ ترکہ میں سے رجوع کرے گا اور متبرع قرار نہیں پائیگا۔(ت)

ردالمحتار میں ہے: ای کفن المثل[2] (یعنی کفن مثلی دیا۔ت) بلکہ اگر کفن مثل پر قیمت میں زیادت فاحشہ کی مثلاً ۸ آنے گز کا کپڑا اس کا کفن مثل تھا اس نے بلاوصیت میت روپے گز کا لگایا تو کچھ مجرا نہ پائے گا۔ درمختار میں ہے:

لو زاد الوصی علی کفن مثلہ فی العدد ضمن الزیادۃ وفی القیمۃ وقع الشراء لہ وحینئذ ضمن ما دفعہ من مال الیتیم ولوالجیۃ[3]

اگر وصی نے میت کے کفن مثلی پر شمار میں زیادتی کی تو وہ زیادتی کا تاوان دے گا اور اگر قیمت میں زیادتی کی تو خریداری وصی کی طرف سے واقع ہوگی اور اس وقت وصی پر ان ثمنوں کا تاوان لازم آئے گا جو اس نے یتیم کے مال سے دیئے، ولوالجیہ۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

ضمن الزیادۃ الا اذا اوصی بہا وکانت تخرج من الثلث ط، قولہ وقع الشراء لہ لانہ متعدف الزیادۃ وھی

وہ زیادتی کا تاوان دے گا مگر جب میت نے اس کی وصیت کی ہو اور وہ ایک تہائی ترکہ سے نکل سکتا ہو تو تاوان لازم نہیں ہوگا(ط)، ماتن کا قول کہ خریداری وصی کی طرف سے واقع

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی شہادۃ الاوصیاء مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۹
[2] ردالمحتار " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۵۸
[3] الدرالمختار کتاب الوصایا باب الوصی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۳۷

غیر متمیزۃ فیکون متبرعا بتکفین المیت بہ رحمتی[1] | ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وصی قیمت میں زیادتی کرکے تعدی کرنے والا ہو اس حال میں کہ وہ زیادتی ممتاز اور جدا نہیں ہے تو وہ میت کو زیادہ قیمتی کفن پہنانے میں متبرع ٹھہرا، رحمتی۔ (ت)

رہی وصیت وہ بعد ادائے دیون بلا اجازت ورثہ تہائی مال میں سے نافذ ہوگی اس ثلث سے جس قدر فاتحہ و درود بطور جائز محمود معروف و معہود میں صرف ہو وہ چاہیں ابھی مساکین پر خرچ کردیا جائے سال بھر کا انتظار ضرور نہیں پھر کچھ باقی بچے تو وہ وصی احمد کا ہے ورنہ کچھ نہیں۔

ہندیہ میں ہے:

فی النوازل اوصی بان یتصدق فی عشرۃ ایام فتصدق فی یوم جاز کذا فی الخلاصۃ۔[2]

نوازل میں ہے میت نے وصیت کی کہ دس دن صدقہ کیا جائے اور وصی نے ایک ہی دن صدقہ دے دیا تو جائز ہے۔ خلاصہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

اُسی میں ہے:

فی الجامع قال اوصیت بان یتصدق من ثلثی کل سنۃ بمائۃ درھم فالوصی یتصدق بجمیع الثلث فی السنۃ الاولٰی ولایوزع علی السنۃ کذا فی فتاوٰی خانیۃ۔[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

جامع میں ہے کہ موصی نے کہا میں نے اپنے تہائی مال سے ہر سال سو درہم صدقہ کرنے کی وصیت کی تو وصی پورے تہائی مال کو پہلے ہی سال صدقہ کردے گا اور اس کو کئی سالوں پر متفرق نہیں کرے گا۔ فتاوٰی خانیہ میں یونہی ہے۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۳: از آرہ محلہ تری مطب حکیم عبدالوہاب صاحب مسئولہ مولوی ظفر الدین صاحب زید مجدہ مدرس اول مدرسہ حنفیہ ۱۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بشرف ملاحظہ آقائے نعمت دریائے رحمت حضور پُرنور متع اللہ المسلمین بطول بقائہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بدعائے والامع الخیر رہ کر خواہان عافیت سرکار کے

---

[1] ردالمحتار کتاب الوصایا باب الوصی داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۴۵۴
[2] الفتاوی الہندیۃ " الباب الثامن (مسائل شتّی) نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۱۳۴
[3] " " " " " " " " ۶/۱۳۵

جملہ خدام ہوں ایک بات دریافت طلب ہے وہ یہ کہ سراجی بیان مناسخہ میں تصحیح مسئلہ اور مافی الید کہ چار نسبتوں میں تین کو بیان کیا اور تداخل کو بالکل چھوڑ دیا اگرچہ اس کی وجہ اس کی اظہریت معلوم ہوتی ہے اور صورت اس کی یہی ہوگی کہ اس کی دو صورتیں ہیں یا تصحیح زائد ہو اور مافی الید کم یا برعکس، اگر اول ہے تو جزء تداخل کو اوپر کی تصحیح میں ضرب دیں اور ورثائے پیشین کے حصوں کو اسی حساب سے زیادہ کر دیں اس میت کے ورثاء کے انصباء میں زیادتی کی ضرورت نہیں، اور اگر تصحیح کم اور مافی الید زائد ہے تو جزء تداخل کے انصباء وارثین اس میت کو ضرب دیں اوپر والوں کے حصوں میں زیادتی نہ ہوگی یا اس کی اور کوئی صورت ہے فرضاً اس کی تقدیر عربی زبان میں تحریر فرمائی جائے تو بعید شانِ بندہ نوازی سے نہیں۔

الجواب

اعلم ان التداخل لیس الا قسما من التوافق وانما یجعل قسما عند التفصیل بل التحقیق ان لیس ھٰھنا الا قسمان ولھما حکمان وذٰلک لان العددین ان عدھما ثالث ای عدد ولو مثلا لھما اولاحدھما والواحد لیس بعدد فمتوافقان والا فمتبائنان ویسمی ذٰلک الثالث مابہ التوافق وحاصل قسمۃ کل من التوافقین علیہ وفقہ، فمن صور التوافق اربعۃ واربعۃ یعدھما اربعۃ وفق کل واحد، وھذا یخص باسم التماثل، ومنھا اربعۃ

توجان لے کہ تداخل تو محض ایک قسم ہے توافق کی صرف تفصیل کے وقت اس کو الگ قسم بنا دیا جاتا ہے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں اور ان کے دو حکم ہیں، یہ اس لئے ہے کہ دو عدد دو حال سے خالی نہ ہونگے کہ ان دونوں کو اگر کوئی تیسرا یعنی تیسرا عدد فنا کرے اگرچہ وہ ان دونوں یا ان میں سے ایک کی مثل ہو اور ایک (کا ہندسہ) عدد نہیں ہوتا، تو اس صورت میں وہ دونوں عدد متوافقان کہلاتے ہیں ورنہ (یعنی اگر کوئی تیسرا عدد ان دونوں کو فنا نہ کرے تو) تو وہ متبائنان ہوں گے۔ اس تیسرے عدد کو مابہ التوافق (جس کے ذریعے سے باہم موافقت حاصل ہوتی) کہا جاتا ہے اور متوافقین میں سے ہر ایک کی مابہ التوافق پر تقسیم سے جو حاصل ہو وہ اس عدد کا وفق ہے۔ توافق

وثمانية يعدهما اربعة
وفق الاول واحد والثاني
اثنان ويخص باسم
التداخل، ومنها اربعة
وستة يعدهما اثنان
وفق الاول اثنان والثاني
ثلثة وهو التوافق بالمعنى
الاخص وحيث ان الوفق
في التماثل ليس الا واحدا
ولا اثر لضرب شئ في
واحد فاذا كان في التصحيح
وما في اليد تماثل لايحتاج
الى الضرب اصلا ولما
كان في التداخل وفق
الاصغر واحدا لانه حاصل
قسمة الشئ على نفسه
ابدا فان كان التصحيح
اصغر لم يحتج في
التصحيح العالي والانصباء
السابقة الى الضرب و
ضرب في انصباء هذا
البطن بوفق ما في اليد
الاكبر وان كان ما في
اليد الاصغر انعكس الحكم
وفي صورة التوافق الاخص

کی صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین
چار اور چار ہوں تو ان کو چار فنا کرتا ہے چنانچہ
ان میں سے ہر ایک کا وفق ایک ہوا اور یہ تماثل
کے نام کے ساتھ مختص ہے۔ اور ایک صورت یہ
ہے کہ متوافقین چار اور آٹھ ہوں، ان دونوں کو
چار فنا کردیتا ہے۔ پہلے کا وفق ایک اور دوسرے
کا دو ہے اور یہ تداخل کے نام کے ساتھ مختص
ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ متوافقین چار اور
چھ ہوں، ان کو دو فنا کردیتا ہے۔ پہلے کا وفق
دو اور دوسرے کا تین ہے اور یہی توافق بالمعنی
الاخص ہے۔ چونکہ تماثل میں وفق سوائے ایک
کے نہیں ہوتا اور ایک میں کسی شئے کو ضرب دینے
کا کوئی اثر نہیں ہوتا لہذا جب تصحیح اور ما فی الید
(جو کچھ قبضہ میں ہے) میں تماثل ہو تو ضرب کی
بالکل کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اور جبکہ تداخل
میں چھوٹے عدد کا وفق ایک ہوتا ہے کیونکہ کسی
شئ کو اپنے آپ پر تقسیم کرنے سے ہمیشہ ایک
ہی حاصل ہوتا ہے لہذا اگر تصحیح کا عدد (ما فی
الید سے) چھوٹا ہے تو اس کو اوپر والی تصحیح
اور پہلے والے وارثوں کے حصوں میں ضرب دینے
کی ضرورت نہیں ہوگی۔ البتہ اس بطن کے
وارثوں کے حصوں کو بڑے ما فی الید کے وفق
کے ساتھ ضرب دی جائے گی۔ اور اگر ما فی الید
(تصحیح سے) چھوٹا ہوا تو حکم الٹ جائے گا۔
توافقِ اخص کی صورت میں چونکہ متوافقین میں

لما كان لكل من المتوافقين
وفق فوق الواحد احتيج الى
ضربين وهذا هو التحقيق لان
الاقسام انما تعتبر للاحكام وما ثم الا
حكمان الضرب بكل العدد في التباين
وبوفقه في التوافق وان استغنى
عنه عند كون الوفق واحدا
كما في التماثل في الجانبين و
في التداخل في جهة الاصغر
وان شئت ثلثت فقلت العددان
ان تساويا فتماثل وان
اختلفا فان عدهما ثالث
فتوافق والا فتباين وحكم
الاول ان لاضرب والثاني الضرب
بالوفق والثالث بالكل،
وان شئت ربعت وقلت
العددان ان تساويا
فتماثل والا فان عد الاصغر
الاكبر فتداخل والا فان
عدهما ثالث فتوافق والا
فتباين وحكم الاول ان
لاضرب اصلا والثاني
عدم الضرب في
جهة الاصغر والضرب
بالوفق في جهة الاكبر

ہر ایک کا وفق ایک سے اوپر ہوتا ہے لہذا
دو ضربوں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہی تحقیق ہے
کیونکہ اقسام کا اعتبار احکام کے لئے کیا جاتا ہے
اور یہاں صرف دو ہی حکم ہیں (۱) تباین کی صورت
میں کل عدد کے ساتھ ضرب دینا (۲) توافق کی
صورت میں عدد کے وفق کے ساتھ ضرب دینا
اگرچہ وفق ایک ہونے کی صورت میں دونوں جانبوں
میں ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی جیسا کہ تماثل
میں ہوتا ہے اور تداخل کی صورت میں چھوٹے
عدد کی جانب ضرب کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر
تو تین قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد
اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل اور اگر مختلف ہیں

پھر تیسرا عدد ان کو فنا کر دیتا ہے تو توافق ورنہ
تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ اس میں
کوئی ضرب نہیں ہوگی، دوسری کا حکم وفق میں
ضرب اور تیسری کا حکم کل میں ضرب ہے۔ اگر تو
چار قسمیں بنانا چاہے تو یوں کہے گا کہ دو عدد
اگر آپس میں برابر ہیں تو تماثل ہے اور اگر ایسا
نہیں تو پھر چھوٹا عدد بڑے کو فنا کرتا ہے تو
تداخل ہے اور اگر نہیں کرتا تو پھر کوئی تیسرا عدد
ان دونوں کو فنا کرتا ہے یا نہیں، اگر کرتا ہے
تو توافق ورنہ تباین ہے۔ پہلی قسم کا حکم یہ ہے
کہ اس میں کوئی ضرب نہ ہوگی۔ دوسری کا حکم
یہ ہے کہ چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوگی
اور بڑے کے جانب وفق میں ضرب دی جائیگی۔

والثالث الضرب بالوفق فی الجهتین والرابع الضرب بالکل فیھما۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تیسری کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں وفق کے ساتھ ضرب دی جائے گی، اور چوتھی کا حکم یہ ہے کہ دونوں جانبوں میں کل کے ساتھ ضرب دی جائے گی' اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۳۴: ازمحل مذکور مرسلہ مولوی ظفرالدین صاحب سلخ جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

بحضور پرنور آقائے نعمت دریائے رحمت متع اللہ المسلمین بطول بقائکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خادم بارگاہ مع الخیرہ کر خواہان عوافی مزاج اقدس ہیں مع متعلمین کرام ہے تقریر تنویر نے شرف ورود فرماکر معزز ومشرف فرمایا قول مبارک بل التحقیق ان لیس ھناك الاقسمان پر ایک بات سمجھ میں آئی گزارش کرتا ہوں:

قولہ مدظلہ بل التحقیق ان لیس ھناك الا قسمان' اقول بل فی ظنی ان لا تعدد ھنا اصلا لافی التقسم ولافی الحکم بل شیئ واحد ولہ حکم واحد لان العددین لابد ان یعد ھما ثالث والواحد عدلانہ نصف مجموع حاشیتیہ فان فی اعلاہ اثنین وفی تحتہ صفر مجموعھما اثنان فقط اذلا اثر لحط الصفر من عدد ولا لزیادتہ فیہ ونصفھما واحد فامّا ان یعد ھما واحد فھما متباینان او عدد مثلھما فمتماثلان او مثل الاصغر فمتداخلان

مصنف مدظلہ کا قول"بلکہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں فقط دو ہی قسمیں ہیں" میں کہتا ہوں بلکہ میرے گمان کے مطابق یہاں بالکل تعدد نہیں ہے۔ نہ تقسیم میں اور نہ ہی حکم میں بلکہ یہاں ایک ہی چیز ہے اور اس کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ دو عددوں کے لئے کسی ایسے تیسرے عدد کا ہونا ضروری ہے جو ان کو فنا کرے اور ایک بھی عدد ہے کیونکہ وہ اپنی دونوں طرفوں کے مجموعے کا نصف ہے اس لئے کہ اس کے اوپر دو اور نیچے صفر ہے جن کا مجموعہ فقط دو ہے کیونکہ صفر کو کسی عدد سے گھٹانے یا اُسے کسی عدد میں جمع کرنے سے کوئی اثر نہیں ہوتا، اور دو کا نصف ایک ہے' چنانچہ دو عددوں کو فنا کرنے والا یا تو ایک ہوگا اس صورت میں وہ متباینان ہوں گے یا ایسا عدد ہوگا جو ان دونوں عددوں کی مثل ہے۔

20

اولا مثل احد فمتوافقان وسمی ذلك العاد ما به التوافق والحکم فی الکل الضرب فی الوفق لکن لما کان وفق المتباینین هما العددان بانفسهما فانهما حاصل قسمتهما علی ما به التوافق ای الواحد لان کل عدد یقسم علی واحد یحصل ذلك العدد بعینه یضرب کل التصحیح فی کل التصحیح وکل ما فی الید فی کل السهم لکل من الورثة ولان الوفق فی التماثل من الجانبین وفی التداخل من الاصغر لیس الا واحدا ولا یظهر اثر الضرب فی واحد لان کل عدد اذا ضرب فی واحد یحصل ذلك العدد بنفسه اشتهر عند الناس انه لا یضرب فی التماثل وفی جانب الاصغر من التداخل وفی المتوافقین وفی جهة الاکبر من التداخل الضرب بالوفق کما هو المشهور والعلم بالحق عند العلیم الغفور۔

اس صورت میں وہ متماثلان ہوں گے یا چھوٹے عدد کی مثل ہوگا، اس صورت میں وہ متداخلان ہوں گے یا ان دونوں میں سے کسی کی مثل نہ ہوگا تو اس صورت میں وہ متوافقان ہوں گے۔ اس فنا کرنے والے عدد کو ما بہ التوافق کہا جاتا ہے۔ ان سب صورتوں کا حکم وفق میں ضرب دینا ہے لیکن جب متباینین کا وفق بذاتِ خود وہی دونوں عدد ہیں کیونکہ انھیں جب ما بہ التوافق یعنی ایک پر تقسیم کیا جائے تو خود وہی حاصل ہوتے ہیں، لہٰذا کل تصحیح کو کل تصحیح میں اور کل ما فی الید کو ہر وارث کے کل حصے میں ضرب دی جائیگی۔ اور اس لئے کہ بصورت تماثل دونوں جانبوں میں اور بصورت تداخل چھوٹے عدد کی جانب میں وفق صرف ایک ہی ہوتا ہے اور ایک میں ضرب کا کوئی اثر نہیں ہوتا کیونکہ کسی بھی عدد کو جب ایک میں ضرب دی جائے تو حاصلِ ضرب خود وہی عدد ہوتا ہے لہٰذا لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ بصورتِ تماثل بالکل ضرب نہیں ہوتی اور بصورتِ تداخل چھوٹے عدد کی جانب ضرب نہیں ہوتی جبکہ بصورت توافق دونوں جانب اور بصورت تداخل بڑے عدد کی جانب وفق میں ضرب دی جاتی ہے جیسا کہ مشہور ہے اور حق کا علم اس ذات کے پاس ہے جو علم والی اور مغفرت فرمانے والی ہے (ت)

اور یہیں سے صورت ترجیح کی ایک اور تقریر بھی ظاہر ہوئی

لان العددین ان عدھما واحد

اس لئے کہ دو عددوں کو یا تو ایک فنا کرے گا

فتباین او عدد مثلهما فتماثل او مثل الاصغر فتداخل والا فتوافق، واللہ تعالٰی اعلم۔

اس صورت میں ان کے درمیان تباین ہوگا یا ایسا عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو یہ تماثل ہوا یا وہ چھوٹے عدد کی مثل ہوگا تو یہ تداخل ہوا، اور اگر مذکورہ تینوں صورتیں نہ ہوئیں تو توافق ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

اس کی صحت وسقم سے مطلع فرمایا جائے۔ والسلام بالوف التعظیم والاکرام۔

(آپ پر ہزاروں تعظیم وتکریم کے ساتھ سلام ہو۔ت)

الجواب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ یا ولدی حفظک اللہ الی یوم الدین وادام بک ظفر الدین ابیت التدقیق واعملتہ وابیت التحقیق واھملتہ **امّا اوّلاً** فلان الواحد لیس بعدد عند المحققین وما قررہ اصحابنا رحمھم اللہ تعالٰی فی انت طالق کم شئت کما فی الفتح وغیرہ فمبنی علی العرف **اقول** والدلیل القاطع علیہ ان العدد کم والکم عرض یقبل القسمۃ لذاتہ والواحد یستحیل ان یفرض فیہ شیئ دون شیئ والا لتعدد فلم یکن واحدا وبعبارۃ اخری انما التحلیل الی ما منہ

اور تم پر بھی سلام، اللہ تعالٰی کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں اے میرے بیٹے اللہ تعالٰی آپ کو روزِ قیامت تک محفوظ رکھے اور آپ کے ذریعے دین کی کامیابی کو ہمیشہ رکھے آپ نے تدقیق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پر عملدرآمد کیا اور تحقیق سے منہ موڑتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا ہے **وجہ اول** اس لئے کہ محققین کے نزدیک ایک عدد نہیں ہے۔ اور ہمارے اصحاب علیہم الرحمہ نے "انت طالق کم شئت" میں جو تقریر کی ہے جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے وہ عرف پر مبنی ہے **اقول** (میں کہتا ہوں) اس پر دلیل قطعی یہ ہے کہ عدد کم ہے اور کم ایسا عرض ہوتا ہے جو اپنی ذات کے اعتبار سے تقسیم کو قبول کرتا ہے جبکہ واحد میں ایک شیئ کو فرض کرنا سوائے دوسری شیئ کے محال ہے ورنہ وہ متعدد ہو جائیگا اور واحد نہیں رہے گا۔ دوسری عبارت کے ساتھ یوں کہ شیئ کی تحلیل اس کی طرف ہوتی ہے

التركيب فلو انقسم لكان شيئين لا واحدا ولعبارة اظهر و ادفع للمقال لا انقسام هنا الا الى الوحدات والوحدة يستحيل ان تصير وحدتين والا لم تكن وحدة بل كثرة فيلزم الانقلاب فان صارت فما كانت الا وحدتين اخذتا واحدة بالاعتبار فكان اثنين لا واحدا او بعبارة اخصر ما ثم الا وحدات محضة فالواحد وحدة والاثنان وحدتان وهكذا ولا يعقل للوحدة بعض اصلا اما الكسور فليس معنى ½ مثلا جزء من جزئي واحد حقيقي بل اعتباري اي واحد من اثنين فرض واحدا كما حققناه في رسالة الارثماطيقي، **واما ثانيا** فلان الصفر لا يمكن ان يكون حاشية عدد فانه محض سلب اذ هو عبارة عن خلو المرتبة فليس معناه ان

جس سے وہ شئ مرکب ہے، اگر واحد منقسم ہوجائے تو وہ دو چیزیں بن جائے گا اور واحد نہیں رہے گا، زیادہ ظاہر اور گفتگو کا زیادہ دفاع کرنے والی عبارت کے ساتھ یوں کہا جائے گا کہ یہاں منقسم ہونا نہیں ہے مگر وحدتوں کی طرف اور ایک وحدت کا دو وحدتیں ہوجانا محال ہے ورنہ وہ وحدۃ نہیں رہے گی بلکہ کثرۃ بن جائیگی تو اس طرح حقیقتوں میں انقلاب لازم آئیگا، اگر وہ وحدت ہو بھی تو حقیقت میں دو وحدتیں ہی ہوں گی جن کو ایک وحدت اعتبار کرلیا گیا ہے تو وہ دو ہوئیں نہ کہ ایک۔ زیادہ مختصر عبارت کے ساتھ یوں کہا جائے گا کہ یہاں تو محض وحدتیں ہیں، چنانچہ واحد ایک وحدت اور اثنان دو وحدتیں ہوں گی، اور اسی طرح باقی میں ہوگا۔ اور وحدت کیلئے بعض بالکل متصور نہیں۔ لیکن کسریں تو ان میں مثال کے طور پر ½ کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ واحد حقیقی کی دو جزؤں میں سے ایک بلکہ واحد اعتباری کی دو جزؤں میں سے ایک یعنی ایسے دو میں سے ایک جن کو ایک فرض کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے اس کی تحقیق رسالہ ارثماطیقی میں کردی ہے۔

وجہ دوم اس لئے کہ صفر کا کسی عدد کیلئے حاشیہ (طرف) بننا ممکن نہیں کیونکہ صفر تو محض نفی ہے اس لئے کہ وہ مرتبہ کے خالی ہونے کا نام ہے تو اس کا یہ معنیٰ نہ ہوگا کہ

هناك شيئا يسمى صفرا بل معناه ان لا شئ هناك اصلا ولهذا لا اثر لحظه من عدد ولا ضمه اليه كما ذكرت ولو كان شيئا لاستحال ان يكون شئ دون شئ او شئ مع شئ مساويا لشئ نفسه فيتساوى الكل والجزء بل كل الكل وجزء الجزء كما لا يخفى و به تبين **وجه ثالث** وهو ان الصفر مع اثنين مثلا ليس مجموع شيئين بل الشئ وحده ومعنى جمع الصفر مع عدد ان لم يجمع معه شئ فليس الواحد نصف مجموع حاشيتيه بل نصف حاشية واحدة **واما رابعا** فلانه لو سوغ كون العدم حاشية لكان العدم المضاف الى شئ معين مثل ۱ و ۲ وغيرهما اولى بذلك فكان الصفر ايضا عددا لان احدى حاشيتيه واحد والاخرى ـ اومجموعهما صفر نصفه صفر وكونه مثل المجموع لا ينفي كونه نصفه لانه معتبر في الحساب قطعا الا ترى ان نصف

وہاں کوئی ایسی شئ موجود ہے جس کا نام صفر ہے بلکہ معنی یہ ہوگا کہ وہاں بالکل کوئی شئ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صفر کو کسی عدد سے گھٹائیں یا اس کے ساتھ ملائیں کوئی اثر نہیں ہوتا جیسا کہ تو نے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ شئ ہو تو اس کا ایک شئ ہونا سوائے دوسری شئ کے اور کسی شئ کے ساتھ اس طرح شئ ہونا کہ وہ شئ خود اس کے مساوی ہو جائے محال ہوگا کیونکہ اس طرح تو کل جزکے بلکہ کل کا کل جزء کے جزء کے برابر ہو جائیگا جیسا کہ پوشیدہ نہیں، اور اسی سے **وجہ سوم** واضح ہوگئی اور وہ یہ ہے کہ صفر کا دو کے ساتھ اکٹھا ہونا دو چیزوں کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک ہی چیز ہے۔ صفر کے عدد کے ساتھ جمع ہونے کا معنی یہ ہے کہ اس عدد کے ساتھ کوئی شئ جمع نہیں ہوئی تو اس طرح واحد اپنی دونوں طرفوں کا نصف نہ ہوا بلکہ ایک طرف کا نصف ہوا۔ **وجہ چہارم** اس لئے کہ اگر عدم کو عدد کا حاشیہ (طرف) قرار دیدیا جائے تو کسی معین شئ کی طرف مضاف ہونے والا عدم بدرجۂ اولٰی طرف قرار پائے گا جیسے ۱ اور ۲ وغیرہ تو اس طرح صفر بھی عدد بن جائیگی کیونکہ اسکے ایک طرف واحد اور دوسری طرف ۱ (ایک) ہے جن کا مجموعہ صفر ہے اور اس کا نصف بھی صفر ہے۔ اس کا مجموعے کی مثل ہونا اس کے نصف ہونے کی نفی نہیں کرتا کیونکہ حساب میں یہ قطعی طور پر معتبر ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ۲۰ کا

٢٠ = ١٠ ويكفي لصدق المحدود
صدق الحد وان صدق عليه
ما سواه ايضا وعددية الصفر
باطلة ببداهة العقل لان
العدد شئ والصفر لاشئ و**اما خامسا**
لو تنزلنا عن هذا كله وسلمنا
ان الصفر ايضا عدد لعاد
التدقيق على مقصوده بالنقض
فان المراد نفي القسمة وارجاع
الكل الى التوافق والآن يستحيل
ذلك لان الصفر كلما قيس مع
واحد او شئ من الاعداد لم يمكن ان
يعدهما ثالث فان الصفر لا يعده الا
الصفر والصفر لا يعد الا الصفر فالصفر
وكل عدد سواه متباينان وكل
باقيين فيما بينهما متوافقان
فوجب التقسيم وذهب الانكار
ولزم الوقوع فيما عنه الفرار
هذا وقولك اما ان يعدهما
واحد فمتباينان او عدد
مثلهما فمتماثلان
ما تقول في واحد
مع واحد أهما متباينان
ومتماثلان معا
بل قل ان عدهما

نصف ١٠ ہے محدود کے صدق کے لئے حد کا
صادق آنا کافی ہے اگرچہ اس پر حد کا غیر بھی
صادق آتا ہو اور صفر کا عدد ہونا بداہت عقل
کے ساتھ باطل ہے کیونکہ عدد شئ ہے اور صفر
کوئی شئ نہیں ہے۔ **وجہ پنجم** اگر ہم اس
سب کچھ سے نیچے اتر کر مان لیں کہ صفر بھی عدد
ہے تو تدقیق اپنے مقصود پر بطور نقض وارد
ہوگی کیونکہ تدقیق سے مقصود تو تقسیم کی نفی اور
سب کو توافق کی طرف لوٹانا تھا جو اس صورت
میں محال ہو جائے گا اس لئے کہ صفر کو جب
واحد یا کسی عدد کے ساتھ ملایا جائے تو ممکن
نہیں کہ کوئی تیسرا ان دونوں کو فنا کر دے،
کیونکہ صفر کو صرف صفر ہی فنا کرتی ہے اور
صفر صرف صفر کو ہی فنا کرتی ہے لہذا صفر
اور ہر وہ عدد جو صفر کے ماسوا ہے متباینین
ہوں گے۔ ان کے علاوہ ہر دو عدد آپس میں
متوافقین ہوں گے۔ تو اس طرح تقسیم کا انکار
گیا اور تقسیم ضروری ہوگئی اور اسی میں گرنا لازم
آیا جس سے فرار اختیار کیا تھا۔ اس کو یاد کرلو۔
اور تمھارا یہ کہنا کہ ان دونوں عددوں کو یا تو واحد
فنا کرے گا تو وہ متباینین ہوں گے یا ایسا
عدد فنا کرے گا جو دونوں کی مثل ہے تو وہ
متماثلین ہوں گے تو واحد اور واحد جمع ہونے
کی صورت میں تو کیا کہے گا، کیا وہ دونوں
بیک وقت متباینین اور متماثلین ہوں گے؟

مثلهما فتماثل او مثل احدهما
فتداخل اولا ولا فان كان
العاد فوق الواحد فتوافق
او واحد فتباين وهذا هو
معنى التربيع الذى ذكرت
سابقا واما ما ذكرت انت قبل
هذا فى كتاب منك وسألت
عن صحته ان العددين
ان كان احدهما هو الآخر
بعينه فتماثل والا فينقص الاصغر
من الاكبر مرة او مرارا
من جانب او جانبين فان
انتهى الى التماثل فتداخل
او الى واحد فتباين والا
فتوافق ففيه ان النهاية
فى التداخل الى النفاد
لا الى بقاء مثل الاصغر
فليس ان اربعة تسقط من
عشرين اربع مرات فتبقى اربعة
مماثلة للاصغر بل تسقط خمس
مرات فلا يبقى شئ وذلك لانه
يتعرف بالتقسيم واذا قسمنا عشرين
على اربعة حصل خمسة
وما بقى شئ لانه يحصل اربعة
وتبقى اربعة بل النهاية فى الكل

بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عددوں کو وہ عدد فنا کرے
جو ان دونوں کی مثل ہے تو تماثل ہے اور اگر
ان میں سے ایک کی مثل ہے تو تداخل، اور اگر
ایسا نہیں یعنی نہ تو وہ دونوں کی مثل ہے اور نہ
ان میں سے ایک کی مثل ہے تو پھر اگر فنا
کرنے والا عدد ایک سے اوپر ہے تو توافق،
اور اگر ایک ہے تو تباین ہوگا۔ یہ معنیٰ ہے چار
قسمیں بنانے کا جس کا آپ پہلے ذکر کرچکے ہیں۔
رہا وہ جس کا ذکر آپ نے اس سے پہلے اپنے
خط میں کیا اور اس کے صحیح ہونے کے بارے
میں سوال کیا کہ دو عددوں میں سے ایک اگر
بعینہٖ دوسرا ہو تو تماثل، ورنہ اگر چھوٹے عدد کو
بڑے سے ایک یا کئی بار کم کرنے سے وہ تماثل
تک پہنچ جائے تو تداخل، اور اگر ایک تک
پہنچ جائے تو تباین، ورنہ توافق ہے۔ اس میں
یہ اعتراض ہے کہ تداخل میں انتہا ختم ہونے
پر ہے نہ کہ چھوٹے عدد کی مثل باقی رہنے پر۔
ایسا نہیں ہے کہ چار کو بیس میں سے چار مرتبہ
ساقط کیا جائے گا تو چار باقی بچے جو چھوٹے
عدد کی مثل ہے بلکہ چار کو بیس میں سے پانچ مرتبہ
ساقط کیا جائے گا تو اس طرح کچھ بھی باقی
نہیں بچے گا کیونکہ یہی تقسیم کی پہچان ہے۔
جب ہم بیس کو چار پر تقسیم کریں تو پانچ حاصل
ہوگا اور باقی کچھ نہیں بچے گا۔ ایسا نہیں ہے
کہ چار حاصل ہو اور چار باقی بچے بلکہ کل میں

الی النفاد الاتری انك ذکرت فی الکل العد وما العد الا الانفاد فنسقط ثلثة من خمسة یبقی اثنان فنسقطهما من ثلثة یبقی واحد نسقطه من اثنین لایبقی شیئ وھنالك یتحقق العد وان ترك العمل بعد خروج الواحد للعلم بانه یعد کل شیئ بل قل ان تساویا فتماثل والا فینقص الاصغر من الاکبر فان افناہ فتداخل والا یسقط الباقی من الاصغر فان بقی فالباقی من الباقی وھکذا الی ان یحصل النفاد فان کان بواحد فتباین او بعدد فتوافق

ثم لیس حاصله الاما قدمت فی التربیع اما ذکرا لاسقاطات فبطریق استخراج النسبة الصق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

انتہا اس کے ختم ہونے پر ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ آپ نے کل میں عد کو ذکر کیا ہے اور عد نہیں ہے مگر ختم کرنا، چنانچہ ہم تین کو پانچ سے ساقط کرینگے باقی دو بچے گا پھر دو کو تین سے ساقط کریں گے باقی ایک بچے گا پھر ایک کو دو سے ساقط کریں گے تو باقی کچھ نہیں بچے گا تو وہاں پر عد (ختم کرنا) متحقق ہوگا۔ اگرچہ ایک کے نکلنے کے بعد عمل کو چھوڑ دیا جاتا ہے کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ ایک ہر شیئ کو ختم کردیتا ہے بلکہ یوں کہو کہ اگر دو عدد باہم مساوی ہیں تو تماثل ہے ورنہ چھوٹے کو بڑے سے کم کیا جائے گا اگر چھوٹا بڑے کو فنا کردے تو تداخل اور اگر فنا نہ کرے تو باقی کو چھوٹے عدد سے کم کیا جائے گا پھر اگر کچھ باقی بچا تو اس کو باقی سے کم کرینگے اسی طرح کرتے رہیں گے یہاں تک ختم ہونا حاصل ہوجائے۔ اگر ختم ہونا واحد سے حاصل ہوا تو تباین اور اگر کسی عدد سے حاصل ہوا تو توافق ہے۔ پھر اس کا حاصل نہیں مگر وہی جو میں چار قسمیں بناتے ہوئے ذکر کرچکا ہوں۔ رہا اسقاطات کا ذکر تو اس کو نسبت کے استخراج کے طور پر ملحق کرلے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۵

۸ جمادی الآخرہ ۱۳۳۰ھ

جب زید کی بی بی کا انتقال ہوا تو اس کے زیور یعنی جہیز میں سے اس کی تجہیز و تکفین کی اس واسطے کہ زید خود دست نگر دوسرے کا ہے صرفہ میت اور فاتحہ وغیرہ کا اس کے جہیز سے کیا گیا' اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ اس کے جہیز واپس کرنے میں یہ صرفہ مجرا ہو یا نہیں؟

الجواب

فاتحہ کا صرف اصلاً مجرا نہ ہوگا وہ ایک ثواب کی بات ہے جو کرے گا اس کے ذمہ ہوگا

اور عورت کا کفن دفن شوہر پر واجب ہے اسے عورت کے ترکہ سے نہیں کر سکتا، درمختار میں ہے:

الفتوی علی وجوب کفنہا علیہ وان ترکت مالا[1]

فتوٰی اس پر ہے کہ عورت کا کفن اس کے شوہر پر واجب ہے اگرچہ وہ مال چھوڑ کر فوت ہوئی ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

الواجب علیہ تکفینہا وتجہیزہا الشرعیان من کفن السنۃ اوالکفایۃ وحنوط واجرۃ غسل وحمل ودفن[2] الخ۔

شوہر پر بیوی کی شرعی تجہیز وتکفین واجب ہے چاہے کفن سنت ہو یا کفن کفایت۔ خوشبو، غسل کی اجرت، جنازہ اٹھانے کی اجرت اور دفن کی اجرت بھی شوہر پر واجب ہے الخ (ت)

تو یہ جس قدر شوہر نے صرف کیا ہے سب شوہر پر پڑے گا، نصف جہیز تمام وکمال اسے واپس کردینا ہوگا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۲۶: ۱۰ ماہ محرم الحرام ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں، زید نے عمرو کے پاس انتقال کیا اور عمرو ہی زید کا کھاتا یا زید کو کھلاتا رہا، اب زید نے انتقال کیا تو زید کے مال کو زید کے وارث پائیں گے یا عمرو کو دلایا جائے گا؟

الجواب

عمرو کے پاس رہنے یا انتقال کرنے یا زید کا کھانے یا زید کو کھلانے سے نہ عمرو زید کا وارث ہوگیا نہ زید کے وارث اس کے مال سے محروم ہوگئے،

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[3]

بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا۔ (ت)

ہاں اگر زید عمرو کا کھایا کرتا ہو اور حسب قرارداد وہ کھانا اسے بطور قرض دیتا ہو تو زید اس مقدار

---

[1] الدرالمختار کتاب الصلٰوۃ باب صلٰوۃ الجنائز مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۲۱

[2] ردالمحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۵۸۱

[3] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

میں عمرو کا مدیون ہوگا اور ادائے دین تقسیم ترکہ پر مقدم ہے پہلے وہ ادا ہو اور جو اور دین ہو ادا کرکے باقی میں میراث جاری ہوگی مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بلا وجہ شرعی زید کی جائداد پر قابض ہوجائے اسے اپنے دین کا مطالبہ پہنچتا ہے اگر واقع میں دین ہو اور اگر عمرو اس کے پاس یا بطور مہمان غرض قرضاً کھلانے کا قرارداد نہ تھا تو عمرو ایک حبہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا اور جائداد سے وارثان شرعی کو محروم کرنا ظلم وغصب ہے والظلم ظلمات یوم القیٰمۃ[1] (اور ظلم قیامت کے دن تاریکیوں کا باعث بنے گا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۳۷: از کانپور چوک صرافہ بردکان محمد عمر محمد قمر سوداگر مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۹ صفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ خاندان طوائف میں جو لڑکے کے نکاح پر بیوی اس کو اس کی والدہ اور والد اور ماموں وغیرہ کا حق متروکہ میں ملے گا یا خالہ کی لڑکی کے لڑکے کو بوجہ کمائی پیشۂ طوائفی کے حق ملے گا خلاصہ یہ کہ خاندان طوائف میں نکاح کرنے سے حق زائل ہوجاتا ہے یا شرع شریف کے مطابق حق ملتا ہے بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

نکاح کرنے سے حق زائل نہیں ہوتا ہے خصوصاً اس فرقہ کا نکاح کہ وہ تو گناہِ عظیم سے توبہ ہے مگر طوائف کے لئے بے نکاحی اولاد صرف اپنی ماں اور مادری رشتہ والوں کا حصہ پائیں گے شرعاً اس کے لئے کوئی باپ نہیں کہ اس سے یا پدری رشتہ والوں سے حصہ پائیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۳۸: از احمد آباد گجرات مرسلہ مولوی علاؤ الدین صاحب زید مجدہ ۵ ربیع الآخر ۱۳۳۱ھ

اس ملک گجرات میں ایک قوم ہے جو میمن و بورے کر کے مشہور ہیں ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ اپنے مال متروکہ سے اپنی لڑکی کو محروم رکھتے ہیں اور جس قدر مال واسباب ہوتا ہے وہ کل لڑکوں کا حصہ مقرر کرکے جاتے ہیں بلکہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں، اور سرکاری دفتروں میں دستخط

---

[1] صحیح البخاری ابواب المظالم والقصاص باب الظلم ظلمات یوم القیٰمۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۳۳۱

کر چکے ہیں کہ ہم ہنود لوگوں کے طریق میراث تقسیم کرنے میں راضی ہیں اسلام و شریعت کے موافق راضی نہیں ہیں وہ لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے ہیں کُل مال لڑکے کو دیتے ہیں، اور وہ لوگ مسلمان ہیں حج و زکوٰۃ و نماز و روزہ و دیگر کل احکام کو حق جانتے ہیں اور مانتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب

لڑکیوں کو حصہ نہ دینا حرام قطعی ہے اور قرآن مجید کی صریح مخالفت ہے۔

قال اللہ تعالٰی یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[1]

اللہ تعالٰی کا فرمان ہے: اللہ تعالٰی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ (ت)

ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من فر من میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ۔[2]

جو اپنے وارث کو میراث پہنچنے سے بھاگے گا اللہ تعالٰے جنت سے اس کی میراث قطع فرما دے گا۔

اور جنھوں نے یہ لفظ کہے یا لکھے ہیں کہ وہ رسم ہنود پر راضی ہیں اور حکم شریعت پر راضی نہیں وہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔ غمز العیون والبصائر میں ہے:

من استحسن فعلا من افعال الکفار کفر باتفاق المشائخ[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

جس نے کافروں کے افعال میں سے کسی فعل کو اچھا قرار دیا اس کی تکفیر پر مشائخ کا اتفاق ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم (ت)

مسئلہ ۱۳۹ مسئولہ محمد عبدالحلیم خان صاحب مدرس و مہتمم مدرسہ انجمن ظفر الاسلام ضلع بھنڈارہ ۲۷ صفر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی نے اپنی دختر کا نکاح مع کل لوازمات شادی کے کرادیا، بعد چند عرصہ کے داماد شخص مذکور کا فوت

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب الحیف فی الوصیۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۸

[3] غمز عیون البصائر مع الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب السیر الردۃ ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۲۹۵

ہوگیا دختر نے اپنا نکاح ثانی کا ارادہ غیر کفو سے کرنے کا کیا، باپ نے دختر مذکور کو کہا کہ میں تمھارا نکاح ثانی کسی عمدہ جگہ کفو میں کرا دیتا ہوں مگر دختر مذکور نے نہیں سنا اور نکاح ثانی غیر کفو میں کرلیا۔ باپ نے ناراض ہوکر لڑکی کو عاق کردیا اور کہا کہ اب تجھ سے کوئی واسطہ نہیں رہا، کیونکہ تم نے غیر کفو میں اپنا نکاح بغیر میری اجازت کے کیا اور تحریر کردیا کہ بعد میرے مرنے کے لڑکی کو میرے مال سے کوئی حق نہ دیا جائے اس کا جو حق تھا وہ میں شادی کرکے ادا کردیا ہے، اب بعد مرنے کے شخص مذکور کی دختر مذکور کو مع دیگر ورثائے کے حق ملے گا یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اولاد کا عاق ہونا یہ ہے کہ ماں باپ کی ناحق نافرمانی کریں یا انھیں ایذا دیں ماں باپ کے عاق کرنے سے کوئی اثر نہیں پیدا ہوتا عوام کے خیال میں یہ ہے کہ جس طرح عورت کو طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے یونہی اولاد عاق کئے سے اولاد ہونے سے خارج ہوجاتی ہے یہ محض غلط ہے، نہ اس کے سبب اولاد ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں لڑکی نے باپ کی نافرمانی کی اس سے وہ گنہگار رہوئی، پھر اگر غیر کفو کے معنی یہ ہیں کہ جس سے نکاح ہوا وہ مذہب یا نسب یا چال چلن یا پیشہ میں ایسا کم ہے کہ اس کے ساتھ اس عورت کا نکاح اس کے باپ کے لئے باعث ننگ و عار ہو تو وہ نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں محض باطل ہے اگر قربت ہوگی زنا ہوگی ان دونوں مرد عورت پر فوراً جدا ہوجانا لازم ہے بایں ہمہ لڑکی ترکہ سے محروم نہ ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالٰی یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین[1] واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ (ت)

مسئلہ ۱۴۱: ۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ مسئولہ حکیم ضمیر احمد صاحب از شاہجہانپور محلہ متالی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا اور کچھ جائداد چھوڑی، زید کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، زید نے اپنی زوجہ کا مہر بھی نہیں ادا کیا اور

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

نہ اس بارہ میں کوئی وصیت کی، بعد انتقال زید کے اس کی زوجہ ۳۶ سال سے اس کی ملکیت پر قابض ہے، تو اب یہ اس ملک میں بیع وہبہ وغیرہ کا پورا تصرف اپنی مرضی کے موافق کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور بعد انتقال اس زوجہ زید کے اس کی ملکیت کے وارث اور مالک زید کے رشتہ دار ہوں گے یا زوجہ کے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

مسئلہ بہت کثیر الشقوق والمباحث ہے بقیہ ورثہ کی رضا سے کل متروکہ پر بعوض مہر قابض ہوئی اور وہ سب عاقل بالغ تھے جب تو بالاتفاق وہ کل متروکہ کی مالک ہوگئی اور اگر بے ان کی اجازت کے ہے تو اب یہ دیکھنا ہوگا کہ مہر مقدار جائداد سے کم ہے یا نہیں، اگر کم ہے تو بے ان کی رضا کے زرِمہر کے عوض جائداد بطورِ خود لے لینا اصل مذہب میں جائز نہ ہوگا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں ہوتا اور اگر ان میں بعض نابالغ ہیں تو ان کی اجازت بھی کافی نہ ہوگی، اور اگر مہر برابر یا زائد ہے تو اگرچہ ورثہ کے لئے جائداد میں ملک نہیں مگر ان کو حق استخلاص حاصل ہے کما نص علیہ فی جامع الفصولین والاصباح وغیرھا (جیسا کہ جامع الفصولین اور اصباح وغیرہ میں اس پر نص کی گئی ہے۔ت) اور اب وہ مسئلہ وارد ہوگا کہ غیر جنس سے استیفائے حق مثلاً روپے کے عوض اور مال کہ اس سے زائد کی حیثیت کا نہ ہو لے لینا جائز ہے یا نہیں، ہمارا مذہب عدم جواز ہے اور اب بوجہ فساد زمان متاخرین نے جواز پر فتوٰی دیا کما ذکرہ فی ردالمحتار (جیسا کہ ردالمحتار میں اس کو ذکر کیا ہے۔ت) پھر یہ بحث پیش آئے گی کہ جائداد سے استیفائے مہر عورت کو مطلقاً جائز ہے اگرچہ وہ میت کی وصی نہ ہو کما فی الخلاصۃ (جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔ت) یا صرف اس حالت میں کہ وصی ہو کما فی الخانیۃ (جیسا کہ خانیہ میں ہے۔ت) مگر ان سب مباحث سے قطع نظر کرکے جب چھتیس سال گزر گئے اور کوئی مدعی نہ ہوا اور وہ تصرفات مالکانہ رکھتی ہے اور ورثہ دیکھا کئے اور معترض نہ ہوئے تو اسی پر حمل کیا جائے گا کہ عورت بروجہ صحیح مالک کل جائداد ہے کما بینہ فی مواضع کثیرۃ من عقود الدریۃ و فصلناہ فی فتاوانا (جیسا کہ عقود الدریۃ کے متعدد مقامات پر اس کو ذکر کیا گیا ہے اور ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ت) لہٰذا بعد موتِ زن وراثت صرف ورثہ زن کو پہنچے گی نہ کہ ورثہ زید کو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۱: مرسلہ احمد خان صاحب صابری قادری از تلونڈی رائے ڈاک خانہ خاص ضلع لدھیانہ ملک پنجاب ۸ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

ایک شخص ایک متوفی کو چھٹی پشت پر ملتا ہے اور متوفی اولادِ نرینہ نہیں رکھتا ہے صرف اولادِ دختری ہے اور وہ شخص جو کہ متوفی کو چھٹی پشت پر ملتا ہے اپنے حق کو حقِ دختری پر فائق بیان کرتا ہے، آیا وہ شخص غاصب ہے یا کہ نہیں اور امامت کے لائق ہے؟ دوسرے اس کے گھر کا خورد و نوش کیسا ہے؟ یہ شخص رشید احمد گنگوہی کا مرید اور ہمارے گاؤں میں گروہِ وہابیہ کذابیہ کا سرغنہ ہے یوں تو نام کو مولوی کہلاتا ہے لیکن مولوی تو درکنار اس میں جاہلوں سے بھی بڑھ کر بُرے اوصاف ظہور میں آتے ہیں جو کہ ایک کافر و فاسق میں بھی نہیں پائے جاتے۔

الجواب

جو صرف اولادِ دختری رکھتا ہو اس کے بعد اس کی اولادِ ذکور میں جو مرد کتنے ہی فاصلہ پر جا کے ملتا ہو وہ اس کا عصبہ ہے کہ اصحابِ فرائض سے جو باقی بچے اس کا مستحق ہے جبکہ اس سے قریب تر دوسرا عصبہ موجود نہ ہو تو یہ شخص کہ مورث سے چھٹی پشت میں ملتا ہے ضرور اسکا وارث اور باقی بعد الفروض کا مستحق ہوتا ہے جبکہ صالحِ وراثت ہوتا اور اس سے اقرب اور عصبہ نہ ہوتا اس حالت میں اس کا دعوی استحقاق باطل نہ ہوتا اگرچہ اپنا حق حقِ بنات پر فائق کہنا بہرحال غلط تھا کہ عصبہ کا حق اہلِ فرائض کے برابر بھی نہیں بلکہ متاخر ہے۔

لانہ لیس لہ الا ما ابقتہ اصحاب الفرائض حتی لو لم یبق شیئ لم یکن لہ شیئ۔

کیونکہ عصبہ کو سوائے اس کے کچھ نہیں ملتا جو اصحابِ فرائض سے باقی بچا ہو یہاں تک کہ اگر کچھ باقی نہ بچا تو اس کے لئے کوئی شَی نہیں ہوگی۔ (ت)

یہ غلطی ایسی نہ تھی جس کے سبب وہ قابلِ امامت نہ رہتا یا غاصب ٹھہرتا یا اس کے گھر خورد و نوش ممنوع ہوتا لیکن یہ سب اس صورت میں تھا کہ وہ مسلمان ہوتا طائفہ گنگوہیہ کی نسبت علمائے حرمین شریفین کا فتوٰی ہے کہ وہ کفار مرتدین ہیں اور اسی میں شفائے امام قاضی عیاض و بزازیہ و مجمع الانہر و درمختار وغیرہا کتبِ معتمدہ کے حوالہ سے فرمایا ہے:

من شك فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[1]

جس نے اس کے عذاب اور کفر میں شک کیا کافر ہوگیا۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶
حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳

جو شخص گنگوہی اور اس کے امثال کے کافر ہونے میں شک کرے وہ خود کافر ہے نہ کہ جو اس کا مرید اور اس کے گروہ کا سرغنہ ہو ایسے مرید کے پیچھے کے نقطے ضرور اوپر ہو جائیں گے اور مرتد کسی کا وارث نہیں ہو سکتا اور اس کی امامت کے کیا معنی جو اس کی اس حالت پر آگاہ ہو کر اسے قابلِ امامت جانے گا اسکی نماز درکنار ایمان بھی نہ رہے گا لان من شک فی عذابہ وکفرہ فقد کفر[1] (اس لئے کہ جو اس کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔ت) اور ایسے سے میل جول اور اختلاط بلاشبہہ حرام ہے،

قال اللہ تعالٰی ولاترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار[2]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ تمھیں آگ چھوئے گی۔(ت)

وقال اللہ تعالٰی واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین[3]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس نہ بیٹھ۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۲
۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک دادا کے سامنے سب بہن بھائی بالکل محروم ہیں اور صاحبین رضی اللہ تعالٰی عنہما سگے سوتیلے بہن بھائیوں کو دادا کے ساتھ ترکہ دلاتے ہیں، شریفیہ میں فرمایا: مفتی کو اختیار ہے جیسا موقع دیکھے فتوٰی دے۔ اس "موقع" کی کیا صورت ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

مفتی بہ امام ہی کا قول ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ مفتی اسی پر فتوٰی دے، متون نے قول امام ہی اخذ کیا اور عامہ ائمہ فتوٰی نے اسی پر فتوٰی دیا صرف مبسوط شمس الائمہ سرخسی سے قولِ صاحبین پر فتوٰی منقول ہوا اور زاہدی نے مجتبٰی میں کہ تصنیف و مصنّف دونوں نامعتبر ہیں اور مصنّف سراجیہ نے اپنی شرح میں اس کا اتباع کیا تو فتوٰی احق واقوٰی قولِ امام ہی پر ہے۔ صاحبِ شریفیہ نے بیان لحاظ موقع نہ لکھا نہ اور کسی معتمد کے کلام سے یہاں ایسا خیال ہیں ہے کہ مفتی جیسا موقع دیکھے

---

[1] حسام الحرمین مکتبہ نبویہ لاہور ص ۱۳
الدر المختار کتاب الجہاد باب المرتد مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۵۶
[2] القرآن الکریم ۱۱/۱۱۳
[3] ؍؍ ۶/۶۸

فتوٰی دے بلکہ صاحب شرنبلیہ رحمہ اللہ تعالٰی نے صرف اس پر بنائے کار کی ہے کہ جب امام ایک طرف اور صاحبین دوسری جانب ہوں تو مفتی کو اختیار ہے جس طرف چاہے فتوٰی دے مگر تحقیق یہ کہ یہ صرف اس مفتی کے لئے ہے کہ منصبِ اجتہاد رکھتا ہو، مفتی مقلد پر لازم ہے کہ ہمیشہ قولِ امام پر فتوٰی دے مگر یہ کہ ائمہ فتوٰی نے اس کے خلاف پر اختلاف کیا ہو،

کما فی البحر الرائق[1] وتنویر الابصار و الفتاوی الخیریۃ[2] والدر المختار[3] وغیرھا من معتمدات الاسفار۔ جیسا کہ البحر الرائق، تنویر الابصار، فتاوٰی خیریہ اور درمختار وغیرہ کتابوں میں ہے۔ (ت)

تو یہاں موقع کی بحث ہی فضول ہے نہ یہاں اختلاف موقع کی کوئی وجہ چنداں معقول ہے ہاں کہہ سکتے ہیں **اولاً** اگر دادا مفلس اور بھائی غنی ہوں تو قولِ امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

ثانیاً بھائیوں میں کوئی فاسق و مسرف ہو کہ اسے مال دینا فسق پر اعانت کرنا ہے اور دادا صالح تو قولِ امام پر فتوٰی اولٰی ہے اور عکس تو مقاسمہ۔

ثالثاً اگر دادا اپنا حصہ لے کر امورِ خیر واشاعتِ علم دین میں وقف کردینا چاہتا ہے نہ بھائی تو قولِ امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع دین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ۔

رابعاً جد جواد وسخی ہے اور اس کا مال اکثر امورِ خیر میں صرف ہوتا ہے اور بھائی ایسے نہیں تو قولِ امام پر فتوٰی اولٰی ہے کہ نفع مساکین مسلمین ہے اور عکس ہو تو مقاسمہ مگر ان میں کوئی وجہ ایسی نہیں کہ مذہبِ مفتی بہ سے عدول چاہے عمل ہمیشہ اسی پر ہے جو مفتی بہ ہو۔ وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۳: ۱۰ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کسی وارث کے کان لم یکن (کالعدم) کرنے کی مثالیں ارشاد ہوں جن سے اس کے مواقع پر روشنی پڑے۔ بیّنوا توجروا۔

---

[1] البحر الرائق کتاب القضاء فصل فی التقلید ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۶/ ۲۷۰۔ ۲۶۹
[2] الفتاوی الخیریۃ کتاب الشہادات دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۳۳
[3] الدر المختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۴

الجواب

پہلی مثال: زید تین بھائی حقیقی یا تینوں علاتی چھوڑ کر مرگیا پھر اُن میں ایک بھائی نے قبل تقسیم ترکہ یہی دو بھائی اپنے وارث چھوڑ کر انتقال کیا اس صورت میں اس میت دوم کو کان لم یکن (کالعدم) کرکے مسئلہ صرف دو سے تقسیم کردیں گے اس شکل پر:

مسئلہ ۲ — زید

اخ	اخ	اخ
عمرو	بکر	خالد
کان لم یکن (کالعدم)	۱	۱

دوسری مثال: ایک شخص مرا اور ماں اور زوجہ اور بیٹا چھوڑے اور تقسیم ترکہ سے پہلے زوجہ مرجائے پھر اس کا وارث یہی بیٹا رہے تو زوجہ کو کان لم تکن (کالعدم) کردیں گے اس طرح:

مسئلہ ۶

زوجہ	ام	ابن
کان لم تکن (کالعدم)	۱	۵

تیسری مثال: اسی صورت میں اگر ماں قبل تقسیم ترکہ مرجائے تو وہ کان لم تکن (کالعدم) ہوگی اس طرح:

مسئلہ ۸

زوجہ	ام	ابن
۱	کان لم تکن (کالعدم)	۷

چوتھی مثال: مسئلہ ۴

زوجہ	ام	اخ متوفی
۱	۳	کان لم یکن (کالعدم)

اس کی صورت یہ ہے کہ زید نے ایک زوجہ اور ماں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر انتقال کیا پھر قبل تقسیم ترکہ اس بھائی نے انتقال کیا اور اس کے وارث یہی ماں رہی تو از انجا کہ اس کی موت وحیات سے صورت تقسیم نہیں بدلتی کہ حی مان کر دوسرا البطن قائم کریں جب بھی حاصل وہی ہوگا

کہ زوجہ کو ربع اور باقی ماں کو، سدس پہلی میت سے اور باقی دوسری میت سے، اور دوسرے سے کان لم یکن (کالعدم) مانیں جب بھی حاصل یہی ہوگا اس لئے کہ زوجہ اہلِ رد سے نہیں اُس کا حصہ ربع سے نہ بڑھے گا اور باقی ماں ہی کو ملے گا لہٰذا کان لم یکن (کالعدم) ہی کرنا اولیٰ ہوا۔

پانچویں مثال: مسئلہ ۲ ہندہ

زوج	ام	اخ	اخت	اخت
زید	لیلیٰ	عمرو	سلمیٰ	سعاد
۱	۱	کلھم کان لم یکونوا		

(وہ سب کالعدم ہیں)

اس کی صورت یہ ہے کہ اول ہندہ نے شوہر زید اور ماں لیلیٰ اور ایک بھائی حقیقی عمرو اور دو بہنیں حقیقی سلمیٰ، سعاد چھوڑ کر وفات پائی پھر عمرو مرا اور اس کے ورثہ یہی ماں اور دونوں بہنیں رہیں پھر سلمیٰ مری اور اُس کے وارث یہی ماں اور بہن ہوئی پھر سعاد مری اور اُس کی وارث صرف ماں رہی، اب اگر اس طریقہ پر مناسخہ کرتے جو لوگوں میں رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہوتی:

(۱) مسئلہ ۶ ۱۲×۵ ۶۰×۵ ۳۰۰ ہندہ

زوج	ام	اخ	اخت	اخت
زید	لیلیٰ	عمرو		

(۲) مسئلہ ۶ تروالی ۵ عمرو تبائن مصہ ۲

ام	اخت	اخت
۶ / ۳۰ / ۱۵۰	۲ / ۱۰ / ۵۰	۲
۱ / ۵	۱ / ۵ / ۲۵	۱ / ۲ / ۱۰
۲ / ۴	۲ / ۴ / ۲۰	

(۳) مسئلہ ۶ تروالی ۵ سلمیٰ تبائن مصہ ۹

ام	اخت
لیلیٰ	سعاد
۲ / ۱۸	۳ / ۲۷

1
1

(۴) مسئلہ سعاد مصہ ۲

ام لیلیٰ
۱/۲

مبلغ ۳۰۰
الاحیا (زندے)

زید	لیلیٰ
۱۵۰	۱۵۰

اس میں کس قدر تطویل ہوئی اور مآل وہی ہوا کہ نصف زوج نصف ماں کا، لہٰذا اول ہی سے بھائی بہنوں تینوں کو کان لم یکن (کالعدم) کردینا چاہیے، ہمارے اس بیان سے واضح ہوا کہ عام کتابوں میں جو کان لم یکن (کالعدم) کے لئے یہ قید لگائی ہے کہ جو وارث مرا سب اسکے وارث ہوں یہ قید ہرگز لازم نہیں اور بعض کتابوں میں جو یہ شرط کی کہ وہ ورثہ سب ایک جنس کے ہوں یہ بھی غلط ہے اس کی بھی حاجت نہیں صرف دو باتیں درکار ہیں ایک یہ کہ وارث کا وارث وارثان مورث کے سوا اور نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ تقسیم بدلے نہیں بلکہ حقیقۃً صرف یہی شرط ہے پہلی شرط بھی ہر جگہ لازم نہیں مثلاً مثال ثالث میں ام مری اور اپنی ایک بنت اور وارث چھوڑے کہ وہ ورثہ مورث اول کے سوا ہیں لیکن پھر یہ بنت مری اور ابن الاخ مذکور کے سوا وارث نہ چھوڑا تو حاصل وہی ہوا کہ ثمن زوجہ کے بعد باقی سب ابن کا۔
مناسخہ یوں ہوگا:

مسئلہ ۲۴ زید

زوجہ	ام	ابن
سعیدہ	حمیدہ	عمرو
۳	(۴)	۱۷

مسئلہ ۲ حمیدہ مصہ ۴

بنت	ابن الابن
رشیدہ	عمرو
(۱/۲)	(۱/۲)

مسئلہ رشیدہ مصہ ۲

ابن الاخ
عمرو
۱/۲

مبلغ ۲۴
الاحیاء (زندے)

سعیدہ	عمرو
۳	۲۱

مبلغ ۸
الاختصار

سعیدہ	عمرو
۱	۷

مآل وہی رہا یہاں ام کو کان لم یکن (کالعدم) یوں لکھا جائے گا:

مسئلہ زید

زوجہ سعیدہ	ام حمیدہ	ابن عمرو
۱	کان لم تکن لانھا خلفت ابن ابنھا عمرا وبنتا ماتت فلم تخلف الا ابن اخیھا عمرا (وہ کالعدم ہے کیونکہ اس نے ایک پوتا عمرو چھوڑا اور ایک بیٹی چھوڑی جو مرگئی اور سوائے ایک بھتیجے عمرو کے کوئی وارث نہیں چھوڑا)	۷

۱

یہ تمام بیان ہمارے فتاوٰی میں مشرح ہے اور اس میں صورکان لم یکن (کالعدم کی صورتوں) میں عجیب عجیب تصرفات بدیعہ ہیں کہ اس کے غیر میں نہ ملیں گے ازانجملہ ایک صورت تشحیذ اذہان فرائض دانان کے لئے لکھتے ہیں، ۲۷ جمادی الآخرہ ۱۳۱۸ھ کو سوال آیا تھا کہ محمد یار نے ایک زوجہ حافظ جان اور پانچ بیٹے نیاز علی، محمد علی، کلن، محمد حسین، امیر علی اور چار بیٹیاں احمدی، بی جان، بنی جان، حسین وارث چھوڑے پھر حافظ جان مری اور یہی بیٹے بیٹیاں وارث رہے پھر نیاز علی مرا اور یہی بہن بھائی وارث ہوئے۔ پھر محمد علی نے ایک زوجہ محبوبن اور دو بیٹے وزیر علی، احمد علی چھوڑ کر انتقال کیا جن میں محبوبن مری اور یہی دو بیٹے چھوڑے۔ پھر وزیر علی مرا اور یہی بھائی وارث رہا۔ پھر امیر علی مرا اور باقی دو بھائی اور چاروں بہنیں وارث ہوئیں۔ پھر حسین پھر بنی جان نے انتقال کیا اور یہی بقیہ بہن بھائی وارث چھوڑے۔ پھر احمدی نے شوہر و پسر و دختر محمدی چھوڑ کر انتقال کیا پھر شوہر کے وارث یہی بیٹا بیٹی ہوئے۔ پھر پسر کی وارثہ یہی ہمشیرہ محمدی رہی۔ پھر محمد حسین ایک زوجہ آسودہ اور بیٹا علی حسین اور بیٹیاں بنی، بتولا چھوڑ کر مرگیا۔ پھر بی جان مری اور صرف کلن اس کا وارث ہوا۔ پھر کلن نے زوجہ مونگا اور دو ابن واحد یار و حامد یار اور ایک بنت بسم اللہ چھوڑ کر وفات پائی اس مسئلہ کو جس میں پندرہ میت ہیں صرف پانچ بطن سے تقسیم کیا ہے تصحیح اخیر ۷۶۵ ہے اور بطن اول یوں بانٹا ہے:

مسئلہ ۳۶ محمد یار

ابن محمد علی	ابن کلن	ابن محمد حسین	بنت احمدی
۶	۱۵	۱۰	۵

باقی سب کان لم یکن (کالعدم) فرائض دان حضرات اس پر غور فرما کر بتائیں ورنہ فتاوائے فقیر کی طرف رجوع فرمائیں کہ اس میں اس کی توضیح کردی ہے۔

مسئلہ ۱۴۴ ۱۰ جمادی الاولی ۱۳۳۲ھ

فرائض میں قوانین وہ رکھے گئے ہیں کہ تقسیم چھوٹے سے چھوٹے عدد ممکن سے ہو ہر جگہ اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ باوصف اس کے تصحیح اخیر مناسخہ کبھی پھر قابل اختصار ہو جاتی ہے اگر ہو جاتی ہے تو وہاں خلاصہ عمل کہ آخر مناسخہ میں لکھا جاتا ہے کس طرح تحریر کیا جائے۔ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

ہاں بعض وقت یہ ہوتا ہے کہ بطون میں تقسیم مسائل جس طرح کی گئی ان سے کمی ناممکن تھی مگر جب زیر مداحیاء ہر ایک کے سہام مقبوضہ جمع کرکے لکھے تو ان میں باہم توافق ہو گیا کہ ہر ایک کو ایک عدد کاٹ سکتا ہے اس عدد کو مابہ التوافق کہتے ہیں اور فرائض میں حتی الامکان عدد اقل ہی لیا جاتا ہے ولہذا ہر نسبت میں مقدم علیہ اعظم اور ہر تصحیح میں ذو اضعاف اقل کا لحاظ رہتا ہے تو ہر بطن میں کم از کم دو وارثوں کے سہم میں تباین ضرور رہتا ہے جس کے سبب اختصار ناممکن مگر متباین متباین مل کر کبھی متوافق ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں مداحیاء کے بعد ایک مداختصار کھینچے اور اسمائے ورثہ ثبت کرکے ہر ایک کے سہم مکتوب مداحیاء اس مابہ التوافق مشترک پر تقسیم کرکے درج کرے یونہی مبلغ کو اوپر تقسیم کرکے یہ مبلغ دوم بالائے مداختصار لکھے اور آخر کی معمولی عبارت جو لکھی جاتی ہے کہ جب شرائط فرائض ترکہ فلاں اتنے سہام پر منقسم ہو کر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بمد احیاء اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے اس میں بجائے سہام مخرج بالا سہام مبلغ دوم تحریر کرے اور مداحیاء کے عوض مداختصار کا نام لے اس کی مختصر مثال دو ہی بطن میں اختصار کی ضرورت ہو یہ ہے:

(۱) مسئلہ ۱۲ × ۴ = ۹۶

زید

زوجہ	ام	بنت	اخت عینیہ
حسنی	اسماء	شیریں	نسرین
۳			۵
۱۲	۴	۱۲	
۱۲	۱۶	۴۸	

(۲) مسئلہ تروالی ۴ نسرین تباین مد ۵

ام	بنت	الاحیاء (زندے) المبلغ ۹۶			
اسماء	یاسمین	حسنی	اسماء	شیریں	یاسمین
۱/۵	۳/۱۵	۱۲	۲۱	۴۸	۱۵

ان کو دیکھا تو تمام اعداد توافق بالثلث رکھتے ہیں لہذا مبلغ وسہام سب کو تین پر تقسیم کرکے مد اختصار یوں لکھا:

المبلغ ۳۲

الاختصار			
حسنی	اسماء	شیریں	یاسمین
۴	۷	۱۶	۵

حسبِ شرائط فرائض ترکہ زید کا بتیس ۳۲ سہام ہوکر ہر وارث کو اس قدر سہم کہ بعد اختصار اس کے نام لکھے ہیں ملیں گے، واللہ تعالٰی اعلم۔

حسبِ شرائط فرائض ایک مجمل لفظ ہے تفصیل یوں لکھتے ہیں برتقدیر صدق مستفتی وعدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین وصحت ترتیب اموات وتقدیم امور مقدمہ علی المیراث مثل ادائے مہر ودیگر دیون وانفاذ وصایا من ثلث الباقی بعد الدین (قرض کی ادائیگی کے بعد باقی کے تہائی میں سے وصیتوں کو نافذ کرنا۔ ت) ترکہ زید کا الخ اور اسکا اختصار یہ ہے برتقدیر عدم مانع ارث و وارث آخر وصحت ترتیب اموات وتقدیم مہر و دیون ووصایا ترکہ الخ ذکر تجہیز وتکفین کی اس لئے حاجت نہیں کہ سوال غالباً بعد تجہیز وتکفین ہوتا ہے تو اس کی تقدیم خود ہولی اور اگر وہ ترکہ پر قرض لے کر کی گئی ہے تو دیون میں آگئی مہر کا ذکر اس وقت چاہئے جب اصل مورث خواہ مناسخہ میں کسی میت نے زوجہ یا زوجات چھوڑی ہوں جیسا کہ صحت ترتیب کی قید صرف مناسخہ میں ہے نہ کہ بطنِ واحد میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۴۵: از قصبہ بڑاودہ علاقہ ریاست مالوہ جاورہ مسئولہ محمد لیسین خاں صاحب ۴ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہند وتھا اس کے مادر اور ایک زوجہ و ۲ دختران و ۲ پسران تھے عرصہ چار سال کا ہوا کہ زید مذہب ہندو میں بقضائے الٰہی فوت ہوگیا اور اس کی مادر وزوجہ و ۲ دختران و ۲ پسران بقیدِ حیات رہے

زید کی زوجہ مسلمان ہوگئی اور دو پسران بھی کہ جن کی عمر ۸ و ۴ سال کی ہے اُن کو بھی مسلمان کیا اور دو دختران و مادرِ زید نے اسلام نا قبول کرکے زوجہ زید سے علیحدگی اختیار کی بعد انتقال زید کے زوجہ مال منقولہ وغیر منقولہ پر قابض ومتصرف رہی اور اب بھی قابض ہے مادر زید نے زوجہ زید کے مسلمان ہوجانے کی وجہ سے عدالتِ مجازمیں دعوٰی کیا ہے کہ مال منقولہ وغیر منقولہ اور دونوں پسر میرے سپرد کئے جائیں کیونکہ زوجہ زید مسلمان ہوچکی جب کہ زوجہ زید و دونوں پسران مسلمان ہوکر اسلام قبول کرچکے ہیں تو ایسی حالت میں کیا زوجہ زید شوہر کی جائداد سے محروم ہوسکتی ہے اور دونوں پسران جو اسلام لاچکے ہیں وہ سپرد زید کی مادر جو ہندو ہے ہوسکتے ہیں اور ان پسران کی پرورش کا اب اہل اسلام کو حق ہے یا اہل ہنود کو؟ اور کیا مسلمان ہونے کے بعد ہندو پسران کے حقدار ہوسکتے ہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

تقریرِ سوال سے صراحۃً ظاہر ہے کہ عورت بعد مرگِ زید مسلمان ہوئی ہے اس لئے وہ اور اس کی اولاد ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی اگرچہ اس کے بعد مسلمان ہوگئے، درمختار میں ہے:

الکافر یرث بالنسب والسبب کالمسلم[1]۔

کافر مسلمان کی طرح نسب اور سبب کی وجہ سے وارث ہوتا ہے۔(ت)

ردالمحتار میں ہے:

معلوم انہ حین موت مورثہ لم یکن مسلما فلم یوجد المانع حین استحقاقہ الارث وانما وجد بعدہ فکان کمن اسلم بعد موت مورثہ الکافر فلم یکن فی الحقیقۃ ارث مسلم من کافر بل ھو ارث کافر من کافر[2]۔

یہ معلوم ہے کہ وہ مورث کی موت کے وقت مسلمان نہیں تھا تو میراث کا مستحق ہونے کے وقت مانع نہیں پایا گیا بلکہ بعد میں پایا گیا تو گویا وہ اس شخص کی طرح ہوگیا جو کافر مورث کے مرنے کے بعد مسلمان ہوا، تو یہ درحقیقت مسلمان کا کافر کی میراث پانا نہ ہوا بلکہ کافر کا کافر کی میراث پانا ہوا۔(ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض فصل فی الغرقی والحرقی مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۵

[2] ردالمحتار دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۴۸۹

ماں کے مسلمان ہونے سے دونوں نابالغ بچے مسلمان ہوگئے، ہدایہ و درمختار وغیرہما میں ہے:

الولد یتبع خیر الابوین دینا[1] — بچہ والدین میں سے بہتر دین والے کے تابع ہوتا ہے۔ (ت)

زید کی ماں یا کسی ہندو کا اُن میں کچھ حق نہیں، قرآن عظیم میں ہے:

لن یجعل اللّٰہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا[2]۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم — اور اللہ تعالٰی نے ہرگز کافروں کو مومنین پر کوئی راہ نہیں دے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۶: از ریاست رامپور مرسلہ مولوی قاری محمد نور صاحب معرفت مولوی فضل حسن صاحب نائب ایڈیٹر دبدبہ سکندری ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ مسماۃ ہندہ نے وفات کی، وارثان دو پسر ایک دختر ایک مادر چھوڑی کچھ عرصہ کے بعد ہندہ سے ہندہ کے پسر خورد نے وفات کی، اس نے اپنے وارثان میں زید مذکور اور نانی اور ایک بھائی ایک بہن چھوڑی، بعد گزرنے عرصہ آٹھ سال ہندہ متوفیہ سے ہندہ کی مادر اور ہندہ کے پسر متوفی کی نانی ہوتی تھی وفات پائی اُس نے اپنا وارث ایک پسر یعنی عمرو چھوڑا، بعد گزرنے دو سال ہندہ متوفیہ کے زید نے اپنا عقد نکاح ثانی بدین مہر پچیس[25] ہزار روپیہ زبیدہ سے کیا اور اسی قدر مہر زوجہ اولٰی ہندہ متوفیہ تھا عرصہ سہ ماہ کا ہوا کہ زید نے وفات کی، زوجہ ثانیہ زبیدہ اور دو پسر جو زبیدہ سے ہوئے ہیں چھوڑے، آیا شرعاً ترکہ زید مکان و اثاثہ تقریباً آٹھ سو روپے کی مالیت کا ہے وارثان ہندہ متوفیہ و پسر ہندہ متوفی ہر ایک کو حصہ کس قدر پہنچے گا اور زید کے زوجۂ ثانی یعنی زبیدہ مع ہر دو پسران کو متروکہ زید دین مہر میں کس قدر پہنچے گا تشریحاً و تفصیلاً ارشاد فرمائیے۔ بیّنوا توجروا فقط۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں کہ مہر متروکہ سے زائد اور دونوں مہروں کی مقدار مساوی ہے اگر زید پر کوئی اور دین نہ ہو تو کل متروکہ زید دو سو اسّی سہم ہو کر حسبِ شرائط فرائض یوں تقسیم ہو:

---

[1] الدر المختار کتاب النکاح باب نکاح الکافر مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۲۱۰

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۴۱

۲۸۰ (دوسو اسّی)

زید

زوجۂ ثانیہ	برادر ہندہ زوجۂ اولیٰ	پسر زندہ ہندہ	دختر ہندہ
زبیدہ	عمرو	بکر	لیلیٰ
۱۸۰	۳۷	۴۲	۲۱

اور اگر زید پر اور دین بھی ہو تو دین مہر زبیدہ پچیس ہزار ۲۵۰۰۰، اور دین مہر ہندہ تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی (۱۳۸۸۸) روپیہ چودہ آنے ۲ ۲/۳ پائی، اور دین دیگر جو کچھ ہو ان سب پر متروکۂ زید کو حصہ رسد تقسیم کریں پھر جو حصۂ مہر ہندہ ہو وارثانِ ہندہ پر اُسی طرح سو حصے ہو کر بٹے ۳۷ برادر اور ۴۲ پسر ۲۱ دختر کو۔ اور بہر حال پسران زبیدہ کہ وارثانِ ہندہ نہیں اور زبیدہ خود زندہ ہے کچھ نہ پائیں گے۔ یہ مسئلہ وہاں اکثر علمائے زمان کی سمجھ میں سہل آنے کا نہیں اگرچہ ہمارے یہاں سے طریقۂ مسلوکہ واضح ہے۔ ذرا غور کو کام فرمائیں جلدی نہ کریں۔ حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: من استعجل اخطأ[1] جو جلدی کرتا ہے خطاء میں پڑتا ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اب بھی سمجھ میں نہ آئے تو فتاوائے فقیر میں اس کا ایضاح ہے اس کی طرف رجوع لائیں وباللہ التوفیق۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ جب ہندہ نے انتقال کیا اس کے وارث شوہر زید اور ماں سلمیٰ اور دو پسر بکر و خالد اور ایک دختر لیلیٰ ہوئے ربع کہ حق زید تھا اوپر سے ساقط ہو گیا تو بقیہ کی تقسیم یوں رہی:

بقیہ ۴۵ ہندہ

ام	ابن	ابن	بنت
لیلیٰ	بکر	خالد	لیلیٰ
۱۰	۱۴	۱۴	۷

پھر خالد کا انتقال ہوا اس کا سدس ام الام نے پایا اور باقی زید نے تو سہم خالد کے پانچ سدس زید پہلے[1] دیوا ساقط ہو گئے، ۱۴ کو ۶ سے توافق بثلث تھا لہذا بقیہ کا مسئلہ یوں ہوا:

---

[1] فوادر الاصول الاصل التاسع والثمانون والمائتان فی تمثیل الحرص الخ دار صادر بیروت ص ۴۲۳

الجامع الصغیر حدیث ۸۴۱۲ دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/۵۱۲

بقیہ ۱۳۵ — ہندہ

سلمیٰ	بکر	خالد	لیلیٰ
۳۰	۴۲	۴۲	۲۱

خالد کے ۴۲ سے ۳۵ بحق زید ساقط ہوئے اور سات سلمیٰ کو گئے جو اس کی موت پر اس کے بیٹے عمرو کو ملے اور حاصل یہ ہوا:

مسئلہ ۱۰۰ — ہندہ

عمرو	بکر	لیلیٰ
۳۷	۴۲	۲۱

تو مسئلہ ہندہ کہ ۱۸۰ سے ہو تو ۱۰۰ سے رہ گیا $\frac{۸۰}{۱۸۰}$ یعنی چار تسع بحق زید ساقط ہوئے تو پچیس ہزار سے تیرہ ہزار آٹھ سو اٹھاسی ڈو آنے ۲ $\frac{۲}{۳}$ پائی کا مطالبہ رہا۔ قنیہ میں ہے:

قال استاذنا سئلت عمن ماتت عن زوج وبنتين واخ لاب وام ولامال لها سوى مهر على زوجها مائة دينار ثم مات الزوج ولم يترك الا خمسين دينارا فقلت يقسم بين البنتين والاخ اتساعا بقدر سهامهم لانه ذكر فی كتاب العين والدين اذا كان على بعض الورثة دين من جنس عين التركة يحسب ما عليه من الدين كانه عين ويترك حصته عليه وتترك العين لانصباء غيره من الورثة فحسبنا على الزوج من المهر خمسة وعشرين دينارا كانه عين

ہمارے استاذ نے فرمایا کہ مجھ سے اس عورت کے بارے میں سوال کیا گیا جو خاوند، دو بیٹیاں اور ایک حقیقی بھائی چھوڑ کر فوت ہوگئی جبکہ سوائے سو دینار کے جو بطور مہر اس کے خاوند پر قرض ہیں اس نے کوئی اور شئی ترکہ میں نہیں چھوڑی، پھر اس کا خاوند صرف پچاس دینار چھوڑ کر مرگیا۔ تو میں نے جواب میں کہا کہ دونوں بیٹیوں اور بھائی پر ان کے سہام کے مطابق نو حصے بنا کر مال کو تقسیم کیا جائے گا کیونکہ کتاب العین والدین میں مذکور ہے کہ جب کسی وارث پر ترکہ کی جنس سے قرض ہو تو وہ قرض اس کے حصہ میں شمار ہوگا گویا کہ وہ عین ہے۔ مقروض وارث کا حصہ اس قرض پر چھوڑ دیا جائے گا اور عین دیگر وارثوں کے حصوں کیلئے چھوڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ ہم نے شوہر پر مہر میں سے پچیس دینار شمار کرلئے گویا کہ وہ عین

وبقي الخمسون دينارا في نصيب البنتين والاخ فتكون بينهم على سهامهم من اصل المسئلة وقد افتى به كثير من مفتي زماننا انه يقسم الخمسون بينهم اثلاثا و انه غلط فاحش[1] اھ اقول معنى حسبان ماعليه عينا وترك حصته عليه ان يجعل كانه وجد هذا لسهمه فيخرج من البين على رسم التخارج فتصحح المسئلة معه ثم يسقط سهمه ويقسم الباقي على الباقين بقدر سهامهم من اصل التصحيح لاان يجعل كأن لم يكن وتصحح المسئلة بدونه كما فعل اولٰئك وكما غلط مثله بعض الكبراء في مسئلة التخارج كما ذكره في الدر المختار وبه ظهران ماسقط منه لا يورث عنه لان الساقط غير مملوك و لا متروك فلا موروث الاترى ان لو ورث الربع من الزوج لكانت المسئلة

ہیں اور بیٹیوں اور بھائی کے حصے کیلئے پچاس دینار باقی بچے تو وہ اصل مسئلہ میں سے ان کے حصوں کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کئے جائیں گے۔ ہمارے زمانے کے بہت سے مفتیوں نے فتوٰی دیا ہے کہ پچاس دینار ان میں تین حصے بناکر تقسیم کئے جائیں گے حالانکہ یہ فاحش غلطی ہے اھ،

اقول (میں کہتا ہوں کہ) وارث پر جو قرض ہے اس کو عین شمار کرنے اور مقروض وارث کے حصہ کو اس پر چھوڑنے کا معنٰی یہ ہے کہ اس وارث کے بارے میں یہ فرض کیا جائے گا گویا کہ وہ اپنا حصہ لے کر تخارج کے طریقہ پر درمیان سے نکل گیا۔ لہذا مسئلہ کی تصحیح اس وارث سمیت کی جائیگی پھر اس کے حصہ کو تصحیح میں سے ساقط کیا جائیگا اور باقی کو باقی وارثوں پر تقسیم کیا جائیگا ان حصوں کے مطابق جو انکو اصل تصحیح میں ملے ہیں یوں نہیں ہے کہ اس وارث کو کالعدم قرار دے کر اس کے بغیر مسئلہ کی تصحیح کی جائے جیسا کہ ان مفتیوں نے کیا اور جیسا کہ بعض اکابر نے مسئلہ تخارج میں ایسی ہی غلطی کی ہے جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے۔ اسی سے ظاہر ہو گیا کہ جو کچھ ساقط ہو جائے اس کا کوئی وارث نہیں ہوتا کیونکہ ساقط نہ تو مملوک ہے اور نہ ہی متروک (ترکۂ میت) ہے لہذا اس کو میراث نہیں بنایا جائے گا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اگر (صورت مذکورہ میں) خاوند کو چوتھے حصے کا وارث بنایا جاتا

---

[1] القنیۃ المنیۃ لتتمیم الغنیۃ کتاب الفرائض مطبوعہ کلکتہ بھارت ص ۳۹۴

من ۴۲ لکل بنت ۱۱ و للاخ ۲ ولیس ھکذا بل ھو من ۹ لکل بنت ۲ وللاخ واحد فھذا ھو الفقہ فی المسئلۃ و باللہ التوفیق، واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

تو مسئلہ ۴۲ سے بنتا گیارہ گیارہ ہر بیٹی کو اور دو بھائی کو ملتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مسئلہ نو سے بنا کر چار چار ہر بیٹی کو اور ایک حصہ بھائی کو دینگے۔ چنانچہ مسئلہ میں یہی فقہ ہے، اور اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۴۷ از قصبہ بہار ضلع بھنڈ ریاست گوالیار مرسلہ قاضی یعقوب علی ۷ رجب ۱۳۳۲ھ

سوال اول: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔
امّا بعد کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین کہ ترکہ خسر میں بموجودگی دیگر ورثاء بلاواسطہ براہ مستقیم داماد کا کیا حق ہے یا نہیں ہے؟ بیّنوا توجروا۔
امید کہ جواب سے بغور ملاحظہ بصیغہ بیرنگ مشرف فرمائے۔ والسلام

الجواب

داماد یا خسر ہونا اصلاً کوئی حقِ وراثت ثابت نہیں کرسکتا خواہ دیگر ورثاء موجود ہوں یا نہ ہوں ہاں اگر اور رشتہ ہے تو اس کے ذریعہ سے وراثت ممکن ہے مثلاً داماد بھتیجا ہے خسر چچا ہے تو اس وجہ سے باہم وراثت ممکن ہے ایک شخص مرے اور دو وارث چھوڑے ایک دختر اور ایک بھتیجا کہ وہی اس کا داماد ہے تو داماد بوجہ برادرزادگی نصف مال پائے گا اور اگر اجنبی ہے تو کل مال دختر کو ملے گا داماد کا کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال دوم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم۔
متبنّٰی کرنا اور وارث بنانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

متبنّٰی کرنا اسلام میں کچھ اصل نہیں رکھتا نہ وہ وارث ہوسکے۔

قال اللہ تعالٰی ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم

اللہ تعالٰی نے فرمایا: انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک ٹھیک ہے پھر اگر تمھیں ان کے باپ معلوم

فی الدین وموالیکم[1] نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمہارے چچازاد۔ (ت)

وارث بنانے کی دو صورتیں ہیں ایک حقیقۃً وہ یہ کہ مثلاً کوئی نومسلم عاقل بالغ جس کا کوئی وارث نسبی نہیں اپنے مسلمان کرنے والے خواہ کسی دوسرے شخص سے کہے کہ تو میرا مولٰی ہے میں مرجاؤں تو تو میرا وارث ہو اور میں جرم کروں تو تو میری طرف سے جرمانہ دے اور وہ قبول کرلے تو یہ قبول کرنے والا اس کا شرعاً وارث ہوجاتا ہے کہ اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو یہ اس کا ترکہ پاتا ہے۔

دوم حکماً، وہ یہ کہ زید کسی کی نسبت اپنے ایسے رشتہ کا اقرار کرے جس سے وہ اس مقر کے کسی عزیز کی اولاد قرار پاتا ہو خود اپنی اولاد نہ بتائے مثلاً کہے میرا بھائی ہے یا بھتیجا ہے یا چچا ہے یا چچا کا بیٹا ہے اور جس سے اس کا نسب قرار دیا ہے اس سے نسب ثابت ہوجائے مثلاً بھائی کہا اور باپ نے تسلیم کیا کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے، تو وہ حقیقی بھائی ہوگیا اور یہ مقر اپنے اس اقرار سے کبھی پھرے نہیں تو اس صورت میں یہ شخص اس مقر کا ترکہ پائے گا جبکہ اس کا نہ کوئی رشتہ دار ہو نہ پہلی صورت کا حقیقی وارث بنایا ہوا۔ بس یہ دو صورتیں وارث بنانے کی ہیں اور کوئی نہیں۔ والمسائل مصرح بھا فی الکتاب (اور ان مسائل کی کتاب میں تصریح کردی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۴۹ تا ۱۵۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں (زوجہ غلام احمد خاں ساکن بریلی محلہ قلعہ) نے بسبب لاولد ہونے کے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں ساکن بدایوں کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالتِ شیرخواری بطور اپنے بیٹے کے پرورش کرکے تعلیم وتربیت میں کماحقہ کوشش کی اور شادی بیاہ وغیرہ کے تمام رسومات مثل اولادِ خود انجام دیئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کے زوجہ اولٰی سے علی مظفر خاں پیدا ہوئے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا جبکہ مولوی یعقوب علی خاں نے دوسری شادی کا قصد کیا تو ان کی پھوپھی مسماۃ عائشہ بیگم نے بنظر دُوراندیشی اپنی نصف جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ مولوی یعقوب علی خاں خلف غلام احمد خاں) اور نصف جائداد بنام علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں منتقل کردی بموجب اس کے سرکاری کاغذات میں عملدرآمد ہوکر اس جائداد پر قبضہ مالکانہ مولوی یعقوب علی خاں اور

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کا ہوگیا، مولوی یعقوب علی خاں پسر محمد وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں جیسا کہ ان کی پھوپھی نے کہلایا تھا تحریر کرتے تھے مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد ان کی دو بیویاں مسماۃ الطاف بیگم اور مسماۃ نادر النساء اور ایک لڑکا علی مظفر خاں باقی تھے۔ علی مظفر خاں اپنی اور اپنے باپ مولوی یعقوب علی خاں کی تمام جائداد کے مالک وقابض ہوگئے۔ مولوی یعقوب علی خاں کی ایک بیوی مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا دوسری بیوی مسماۃ نادر النساء موجود ہے۔ علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، علی مظفر خاں نے اپنی زندگی میں اپنی بیوی مسماۃ حسینی بیگم کا دین مہر ادا کردیا۔ اب علی مظفر خاں کا انتقال ہوگیا مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں کی موجود ہے۔ مسماۃ حسینی بیگم بیوہ علی مظفر خاں نے بحق زوجیت اور نواب عبدالقادر خاں نے بدعوی اس کے کہ نواب غلام احمد خاں میرے دادا کے بھائی تھے جائداد متروکہ علی مظفر خاں کو نصف نصف کرکے آپس میں تقسیم کرلیا اور اپنے اپنے حصوں پر قابض ہوگئے۔

سوال اول: اس صورت میں مولوی یعقوب علی خاں پسر وزیر خاں متصور ہوں گے یا نواب غلام احمد خاں کے اور (الف) لفظ خلف سے کیا مراد ہے؟

الجواب

اگر یہ بیان صحیح ہے تو مولوی یعقوب علی خاں صاحب وزیر خاں کے پسر ہیں نواب غلام احمد خاں سے کوئی تعلق نہیں، متبنّی بنانے کا مسئلہ ہنود کے یہاں ہے شریعتِ مطہرہ نے اسے باطل فرمادیا ہے۔

قال اللہ تعالٰی ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین ومو الیکم[1]۔ وقال اللہ تعالٰی ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولٰکن

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ انھیں ان کے باپ ہی کا کہہ کر پکارو یہ اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے پھر اگر تمھیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمھارے بھائی ہیں اور بشریت میں تمھارے چچازاد۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا: محمد (صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) تمھارے مردوں

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۵

رسول اللہ وخاتم النبیین[1]۔ وقال تعالٰی لکیلا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیائھم[2]۔

میں سے کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ تعالٰی کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ مسلمانوں پر کچھ حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیویوں میں۔ (ت)

خلف بمعنی جانشین ہے، اور بیٹے کو بھی کہتے ہیں جب کہ اپنے باپ کے بعد رہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

سوال دوم: اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا باپ کہے تو وہی شخص اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا یا نہیں؟

الجواب

ہرگز نہیں مگر اس صورت میں کہ یہ شخص مجہول النسب ہو اور بلحاظ عمر اس کا بیٹا ہو سکتا ہو اور اسے اپنا باپ بتائے اور وہ قبول کرے کہ واقعی یہ میرے نطفہ سے ہے تو وہ اس کا اصلی باپ سمجھا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال سوم: متروکہ علی مظفر خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں کے سمجھے جائیں گے یا خاندان نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی کے؟

الجواب

جب کہ علی مظفر خاں لاولد تھے اور کوئی بھائی بھتیجا بھی نہ تھا تو ان کے وارث وزیر خاں کے بیٹے پوتے ہوں گے نہ کہ خاندان نواب غلام احمد خاں۔

قال اللہ تعالٰی واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ[3]۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور رشتے والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

حدیث میں ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۰

[2] 〃 〃 ۳۳/ ۳۷

[3] 〃 〃 ۸/ ۷۵

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجل ذکر[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

فرائض اہلِ فرائض کو دو، جو باقی بچے وہ قریبی مرد کے لئے ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

سوال چہارم: اگر علی مظفر خاں پسر مولوی یعقوب علی خاں کے وارث شرعی خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں سے متصور ہوں تو جائداد متروکہ علی مظفر خاں حسب تفصیل مندرجہ شجرہ آپس میں کس طرح تقسیم ہوگی؟ امید کہ جواب باصواب بآیات قرآن و احادیث مرفوعہ موافق مذہب حنفیہ مع عبارات و حوالہ کتاب صحیح صحیح طور پر صاف صاف لفظوں میں بمصداق آیہ کریمہ:

ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق و انتم تعلمون[2]

اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ دانستہ حق کو نہ چھپاؤ۔ (ت)

مرحمت فرمایا جائے۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سائل نے نہ لکھا کہ علی مظفر خاں کے بعد ان کے پانچوں چچوں میں کوئی زندہ تھا یا نہیں۔ علی مظفر خاں کے ترکہ سے حسبِ شرائط فرائض چہارم حسینی بیگم کا ہے باقی حسین علی خاں کا ہے اگر وہ زندہ رہا ہو تو سوتیلے چاروں چچوں میں ایک یا زائد جتنے علی مظفر خاں کے بعد زندہ رہے ہوں وہ باقی ان سب کا بحصہ مساوی ہے اور اگر کوئی زندہ نہ تھا تو باقی اُن دسوں چچا زاد بھائیوں کا ہے ولایتی بیگم و اولاد افراد بیگم کا بہرحال کچھ نہیں۔ اسی طرح باقی آٹھوں دختران اعمام علاتی کچھ نہ پائیں گی۔ یہ سب جواب اُس تقدیر پر ہے کہ سائل نے پوری صحیح بات لکھی ہو حق نہ چھپایا ہو، نہ سچ میں جھوٹ ملایا ہو، ورنہ وبال اُس پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

(شجرہ اگلے صفحہ پر)

---

[1] صحیح البخاری کتاب الفرائض باب میراث الولد من ابیہ وامہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۹۹۷
صحیح مسلم " ۲/ ۳۴ و جامع الترمذی کتاب الفرائض ۲/ ۳۱
مسند احمد بن حنبل ۱/ ۳۲۵

[2] القرآن الکریم ۲/ ۴۲

شجرہ خاندان وزیر خاں ساکن بدایوں

نامدار خاں افغان قوم مہمند سکنہ قدیم برابیر علاقہ پشاور

مسماۃ عائشہ بیگم زوجہ نواب غلام احمد خاں لاولد

الف خاں لاولد

وزیر خاں ساکن بدایوں محلہ ٹاگران

مسماۃ عائشہ بیگم بنت نامدار خاں زوجہ نواب غلام احمد خاں ساکن بریلی محلہ قلعہ نے اپنے حقیقی بھائی وزیر خاں ولد نامدار خاں کے بیٹے مولوی یعقوب علی خاں کو بحالت شیر خواری بوجہ لاولد ہونے کے بطور اپنے بیٹے کے پرورش کیا اور مسماۃ عائشہ بیگم نے اپنی جائداد بنام مولوی یعقوب علی خاں (بلفظ خلف غلام احمد خاں) منتقل کر دی اور سرکاری کاغذات میں عملدرآمد کرا دیا اس لئے مولوی یعقوب علیخاں پسر وزیر خاں اپنے پھوپھا نواب غلام احمد خاں کو بطور اپنے باپ کے مانتے تھے اور اپنے نام کو مولوی یعقوب علی خاں خلف نواب غلام احمد خاں کے لفظ سے تحریر کرتے تھے۔

مسماۃ مصری بیگم زوجہ ثانیہ

مسماۃ عمدہ بیگم زوجہ اولیٰ

مولوی یعقوب علیخاں پسر — علی مظفر خاں پسر — زوجہ مسماۃ الطاف بیگم، زوجہ مسماۃ نادر النساء بیوہ، مسماۃ حسینی بیگم زوجہ لاولد

مسماۃ افراد بیگم دختر — محمد حسین خاں پسر

حسین علیخاں پسر — مسماۃ ولایتی بیگم دختر — محمد اکبر خاں پسر

احمد علیخاں پسر — ولایت علیخاں، یوسف علیخاں، مہدی علیخاں پسر ۳، اعجاز بیگم، امداد بیگم دختر ۲

سعادت علیخاں پسر — جعفر علیخاں، وارث علیخاں پسر ۲، بندی بیگم، سکینہ بیگم، مختار بیگم، فیاض بیگم دختر ۴

عباس علیخاں پسر — قاسم علیخاں، سردار علیخاں، محبوب علیخاں پسر ۳، فاطمہ بیگم دختر ۱

اصغر علیخاں پسر — باقر علی خاں، اکبر علی خاں پسر ۲، مسماۃ صفدری بیگم دختر ۱

جناب مولوی یعقوب علی خاں صاحب کی تین[۳] بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے علی مظفر خاں تھے، علی مظفر خاں کی ماں کا انتقال ہوگیا اس لئے مولوی صاحب موصوف نے دوسری شادی بمقام چھاؤنی اشرف خاں بانکے میں مسماۃ الطاف بیگم بنت زور باز خاں کے ساتھ کی، ان سے اولاد نہیں ہوئی اس لئے تیسری شادی مولوی یعقوب علی خاں نے شہر بریلی میں مسماۃ نادر النساء کے ساتھ کی ان سے اولاد ہوئی مگر زندہ نہیں رہی۔ مولوی یعقوب علی خاں کی وفات کے بعد مسماۃ الطاف بیگم کا انتقال ہوگیا۔ تیسری بیوی مسماۃ نادر النساء ہنوز موجود ہے۔

مسئلہ ۱۵۳ ۱۸ شعبان ۱۳۳۲ھ

ہندہ نے انتقال کیا اور ایک زوج (جو کہ متوفیہ کا ابن الخال بھی ہے)، ایک بنت العمہ اور ایک بنت الخال کو چھوڑا، اس صورتِ مسئولہ میں ترکہ متوفیہ کا از روئے فقہ احناف کس طرح تقسیم ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مذکورہ میں ترکہ ہندہ حسب شرائط فرائض اٹھارہ[۱۸] سہام ہو کر گیارہ[۱۱] سہم زوجہ کو تسعة للزوجية واثنان للرحم (نو بیوی ہونے کی وجہ سے اور دو ذوی الارحام میں سے ہونے کی وجہ سے۔ ت) اور ایک[۱] بنت الخال اور چھ[۶] بنت العمہ کو ملیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۵۴ از انولہ گھیرا نوخاں مرسلہ حاجی اللہ بخش صاحب ۸ ذی الحجہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ ہندہ نے انتقال کیا اور اس قدر وارث چھوڑے: شوہر، ماں، دو[۲] بہنیں، ایک لڑکا، ایک لڑکی۔ اور جو مال کہ ہندہ کے پاس تھا اُس میں بعض مال تو ایسا تھا کہ اس کو جہیز میں ملا تھا اور بعض مال اس کو بوقتِ شادی شوہر کی جانب سے بطور چڑھاوے کے ملا تھا اور بعض مال بعد شادی کے شوہر نے اُس کو پہنا دیا تھا اور بعض مال انتظام خانگی سے پس انداز کرکے اُس نے جمع کیا تھا اب ان اموال مذکورہ سے کون سا مال ہندہ کی ملکیت میں شرعًا متحقق ہے اور کون سا ہندہ کی ملکیت سے خارج ہے اور در صورت ہندہ کے مالکہ نہ ہونے کے اُس مال کا کون مالک ہے اور ہندہ کی قوم میں رواج ایسا بھی ہے کہ بعد انتقال کے لڑکی والے جہیز اپنا دیا ہوا جو کہ اس وقت موجود ہوتا ہے واپس کرلیتے ہیں اور لڑکے والے اپنا چڑھاوا موجود لے لیتے ہیں بعد معافی دینِ مہر کے، اور دینِ مہر شوہر پر اگر باقی ہے وہ کس کو ملنا چاہئے، اور جس مال کی ہندہ شرعًا مالکہ ہے اس کی تقسیم وارثوں مذکورہ بالا پر کتنے سہام کے منقسم ہونا چاہئے اور نابالغوں کا

2/2

ورثہ باپ کے پاس رہنا چاہیے یا نانی کے پاس اولٰی مستحق کون ہے اور بچّوں کی پرورش وخدمت کا حق کس کے ذمّہ ہے اور میّت کی قضا نمازوں اور روزوں کا کفارہ کس کے ذمّہ ہونا چاہیے ؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

جہیز میں عام عرف یہ ہے کہ عورت اس کی مالک ہوتی ہے۔ ردالمحتار باب النفقہ میں ہے :

کل احد یعلم ان الجہاز ملک المرأۃ وانہ اذا طلقہا تاخذہ کلہ واذا ماتت یورث عنہا[1]۔	ہر کوئی جانتا ہے کہ جہیز عورت کی ملک ہوتا ہے جب خاوند اس کو طلاق دے دے تو سارا جہیز لے لیتی ہے اور جب وہ مرجائے تو بطور میراث (عورت کے وارثوں میں) تقسیم کیا جاتا ہے۔ (ت)

ہندہ کی قوم میں بھی اگر یہی عرف ہے اور بعد موت جہیز موجود کا واپس لینا اس گمان پر ہے کہ لڑکی کو تاحینِ حیات اُس کا مالک کرتے ہیں بعد موت جو باقی رہا اپنی ملک سمجھ کر واپس لیتے ہیں تو یہ سخت غلطی ہے جو چیز تاحینِ حیات کسی کی ملک کرکے اس کے قبضہ میں دے دی گئی وہ اس کا مالکِ مستقل ہوجاتا ہے بعد موت اس کا واپس لینا ناممکن وحرام ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

العمرٰی میراث لاھلھا۔ رواہ مسلم[2] عن جابر۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کی میراث ہے جس کو وہ دیا گیا ہے۔ اس کو امام مسلم نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔ (ت)

دوسری روایت میں ہے فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم :

العمرٰی لمن وھبت لہ۔ رواہ عن جابر و ابوداؤد[3] والنسائی۔	عمرٰی (تاحیات ہبہ) اس کے لئے ہے جس کو ہبہ کیا گیا۔ اس کو امام مسلم نے جابر رضی اللہ عنہ سے نیز ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب المہر داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۶۸

[2] صحیح مسلم کتاب الہبات باب العمرٰی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۸

[3] 〃 〃 〃 〃 〃

سنن ابی داؤد کتاب البیوع باب فی العمرٰی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/ ۱۴۴

درمختار میں ہے :

جاز العمرٰی للمعمر لہ و لورثتہ بعدہ لبطلان الشرط[1] ۔

عمرٰی (تاحیات ہبہ) جائز ہے اس کے لئے جس کے لئے ہبہ کیا گیا اور اس کے بعد اس کے وارثوں کے لئے، کیونکہ اس میں شرط باطل ہے۔ (ت)

ہاں اگر قوم ہندہ میں یہ رواج ہے کہ جہیز عاریۃً دیا جاتا ہے عورت کو اس کا مالک نہیں سمجھا جاتا تو بیشک وہ مِلکِ ہندہ نہ ہوگا اور جس نے دیا تھا اُس کو واپس ملے گا،

فان العاریۃ مؤداۃ وعلی الید ما اخذت حتی تؤدّھا[2] ۔

عاریت پر لی ہُوئی چیز واپس کی جائیگی اور ہاتھ کے ذمّے ہے جو اس نے لیا یہاں تک کہ اسکو لوٹادے۔ (ت)

یُوں ہی چڑھاوے میں اگر اُس قوم کا عرف دُلہن کو مالک کردینا ہے اگرچہ تاحینِ حیات، تو چڑھاوا بھی ہندہ کی مِلک ہے ورنہ جس نے چڑھایا تھا اس کا ہے فان العادۃ محکمۃ (کیونکہ عادت مستحکم ہے۔ ت) بعد شادی جو زیور شوہر نے پہنایا وہ شوہر کی مِلک ہے مگر یہ کہ صراحۃً یا عرفاً ہندہ کو مالک کردینا مفہوم ہوا ہو۔

فی احکام الصغار والھندیۃ عن الملتقط وفی ردالمحتار عن العلامۃ بیری عن خزانۃ الفتاوٰی اذا دفع لابنہ مالا فتصرف فیہ الابن یکون للاب الا اذا دلت دلالۃ التملیک[3] ۔

احکام الصغار اور ہندیہ میں ملتقط سے اور ردالمحتار میں علامہ بیری سے بحوالہ خزانۃ الفتاوٰی منقول ہے جب کسی نے اپنے بیٹے کو کچھ مال دیا اور بیٹے نے اس میں تصرف کردیا تو وہ باپ کا ہی ہوگا سوائے اس کے کہ وہاں کوئی تملیک پر دلالت کرنیوالی دلیل پائی جائے۔ (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الہبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/۱۶۵
[2] جامع الترمذی ابواب البیوع باب ماجاء ان العاریۃ مؤداۃ امین کمپنی دہلی ۱/۱۵۲
[3] احکام الصغار مسائل الہبۃ دارالکتب العلمیۃ بیروت ص ۱۷۴
الفتاوی الہندیۃ کتاب الہبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/۳۹۲
ردالمحتار " داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/۵۰۸

جو مال ہندہ نے خرچ خانگی سے پس انداز کرکے جمع کیا اس کی دو[۲] صورتیں ہیں اگر شوہر انتظامات خانگی کے لئے اُسے روپیہ دیتا ہے جس سے سارے گھر کا خورد ونوش ہوتا ہے جس میں خود شوہر بھی داخل، اس میں نوکروں کی تنخواہیں وغیرہ بھی شامل جیسا کہ غالب رواج یہی ہے جب تو اس مال کا مالک شوہر ہے اور عورتیں جو اس میں سے خفیہ بچا کر جمع کرلیتی ہیں یہ جائز نہیں، اور اگر شوہر نے نفقہ زن میں کوئی مقدار مثلاً دس[۱۰] بیس[۲۰] یا سو[۱۰۰] دو سو[۲۰۰] روپے ماہوار مقرر کردی ہے کہ وہ خاص عورت کو دی جاتی ہے اس میں سے عورت نے پس انداز کیا تو وہ عورت کی ملک ہے۔ درمختار میں ہے:

وقالوا ما بقی من النفقۃ لہا فیقضی باخری[۱]

مشائخ نے کہا جو نفقہ سے بچ جائے وہ عورت کی ملکیت ہے اور قاضی مزید نفقہ اس کو دلائے گا۔ (ت)

طحطاوی میں ہے:

ویتفرع علیہ مالو قررلہا کل یوم مثلا قدرا معینا من الفضۃ فامرتہ بانفاق البعض وارادت ان تمسک الباقی فمقتضی التملیک ان لہا ذلک وقدمناہ[۲]

اسی پر متفرع ہے کہ اگر عورت کے لئے یومیہ چاندی کی ایک خاص مقدار معین کی گئی عورت نے اس میں سے بعض کو خرچ کرنے کا کہا اور ارادہ کیا کہ باقی کو روک رکھے تو تملیک کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ایسا کرسکتی ہے اور ہم اس کو پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ (ت)

پس ان سب باتوں سے حسب تفصیل بالا جو مال ملک ہندہ سمجھا جائے مع مہر ہندہ حسب شرائط فرائض سب کے چھتیس[۳۶] سہام ہو کر نو سہم شوہر اور چھ[۶] سہم مادر اور چودہ[۱۴] پسر اور سات دختر کو ملیں گے بہنوں کا کچھ نہیں، نابالغوں کا حصہ اُن کے باپ کے قبضہ میں رہے گا، نانی سے کچھ تعلق نہیں، لڑکا سات برس اور لڑکی نو برس کی عمر تک نانی کے پاس رہیں گے پھر باپ لے لے گا۔ نماز روزوں کے کفارہ کی اگر ہندہ نے وصیت کی ہے تو وہ قبل تقسیم ترکہ بعد ادائے

---

[۱] الدرالمختار کتاب الطلاق باب النفقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۶۹

[۲] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الطلاق المکتبۃ العربیہ کوئٹہ ۲/۲۶۰

دَین اگر ذمۂ ہندہ تھا تہائی مال تک وجوباً جاری کی جائے گی اور اگر وصیت نہ کی تو وہ کسی وارث پر واجب نہیں جو اپنی طرف سے کرے گا ثواب پائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۵۵۱: مسئولہ محمد حسین از جودھ پور ملک مارواڑ امام مسجد محلہ نائیکان متصل جونی بال زیر قلعہ بروز چہارشنبہ بتاریخ ۴ ذوالقعدہ ۱۳۳۲ھ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ از راہ عنایت مندرجہ ذیل کے استفتاء کا جواب مدلل تحریر فرما کر مشکور کریں، چونکہ اس مسئلہ کی اشد ضرورت ہے لہذا بہت ممنون فرمائیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی دختر ہندہ کو اپنی زندگی میں کل جائداد منقولہ اور غیر منقولہ ہبہ کرکے اس کا قبضہ کردیا جواب تک قابض ہے کیونکہ سوائے ہندہ کے اور کوئی اولاد زید کے نہیں ہے، زید کا انتقال ہوئے قریباً آٹھ دس برس کا عرصہ گزرچکا ہے، اب زید کے ایک چچا اور چچیرے بھائیوں نے اُس کی اور دختر ہندہ پر مکان سکنی کے بابت عدالت میں دعوٰی کیا ہے اور محض اپنے فائدے کے واسطے خلافِ واقعہ اپنے بیان میں یہ لکھایا ہے کہ یہ خاندان ہندو دھرم شاستری ہے اُسی حق بازگشت کا پابند ہے، جو مسلمان اپنے فائدہ کی غرض سے شرع شریف کے احکامات سے انحراف کرکے ہندو شاستر کا پابند بنے تو اس کے واسطے شرع شریف میں کیا حکم ہے؟ مع حوالہ کتب کے جواب دیں۔

الجواب

اپنے دُنیوی فائدے مال حرام خلافِ شرع ملنے کے لئے اپنے آپ کو برخلاف احکام قرآن مجید ہندو دھرم شاستر کا پابند بنانا معاذ اللہ اپنے کفر کا اقرار کرنا ہے اور اپنے سارے خاندان کی طرف اُسے نسبت کرنا سارے خاندان کو کافر بنانا ہے، ایسے لوگوں کو تجدیدِ اسلام کا حکم ہے، پھر اپنی عورتوں سے نکاح کریں۔

قال اللہ تعالٰی ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئک ھم الکٰفرون۔[1] والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

مسئلہ ۱۵۶ بروز یکشنبہ بتاریخ ۱۲ محرم ۱۳۳۴ھ

کیا حکم ہے شرع متین کا اس مسئلہ میں، زید نے انتقال کیا، ایک زوجہ، ایک دادی حقیقی کا بھائی، ایک والد کی سوتیلی ہمشیرہ کا لڑکا یعنی حقیقی دادا کا حقیقی نواسہ اور دو والد کے پھوپھیرے بھائی یعنی دادا کی بہن کے لڑکے۔ ترکہ زید کا اس صورت میں کس طرح تقسیم ہوگا؟ مذکورین کے سوا کوئی غیر وارث نہیں ہے۔

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں حسبِ شرائط فرائض بعد ادائے مہر وغیرہ ترکہ چار حصے ہوگا ایک حصہ زوجہ اور تین زید کی سوتیلی پھوپھی کے لپسر کو ملیں گے، باپ کا ماموں اور باپ کے پھوپھی زاد بھائی اس کے آگے محجوب ہیں کہ وہ خود زید کی پھوپھی کا بیٹا ہے تو پدر زید کے ماموں، پھوپھی اور ان کی اولاد پر مقدم ہے۔ درمختار میں ہے:

ثم جزء جدیہ او جدتیہ وھم الاخوال والخالات ثم عمات الاباء والامھات واخوالھم وخالاتھم واولاد ھؤلاء[1] (ملتقط)

پھر میت کے دونوں دادوں (دادا اور نانا) کی جزء یا اس کی دونوں دادیوں (دادی اور نانی) کی جزء جو کہ ماموں اور خالائیں ہیں۔ پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں اور ان کی اولادیں ہیں بالالتقاط (ت)

ردالمحتار میں ہے:

حاصلہ انہ اذالم یوجد عمومۃ المیت وخؤولتہ واولادھم انتقل حکمھم المذکور الی ھؤلاء ثم اولادھم[2] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب میت کے چچے، ماموں اور ان کی اولادیں موجود نہ ہوں تو مذکورہ بالا حکم ان لوگوں (میت کے آباء وامہات کی پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں) کی طرف پھر ان کی اولاد کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۶۴-۳۶۳

[2] ردالمحتار " " " " " " " " داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۵۰۸

مسئلہ ۱۵۷، ۱۵۸: مسئولہ حاجی لعل خان صاحب یکم صفر ۱۳۳۴ھ بروز پنجشنبہ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ جلیسن بی بی و صحیبن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم

سوال ۱: جناب والد صاحب مرحوم نے (یعنی شیخ امیر حسن صاحب مرحوم نے) جو مال و متاع منقولہ یا غیر منقولہ چھوڑ کر قضا کر گئے ان میں حصہ نثار حسین کا ہوتا ہے یا نہیں؟ کیا ہمارے بھائیوں کو شرعاً جائز ہے کہ ہم بہنوں کا حصہ شرعی ہضم کرکے نثار حسین کو مساوی یا اپنے سے کم و بیش حصہ دے دیں کاش وہ لوگ غلطی سے اگر ایسی کارروائی کر گزرے ہوں تو کیا یہ غلط تقسیم خلافِ شرع اور قابلِ استرداد نہیں ہے؟ اور کیا اس غلط کارروائی سے شرعاً ہم لوگوں کا شرعی حصہ سوخت ہوسکتا ہے؟

الجواب

باپ کے مال میں بیٹیوں کا حق بنصِ قطعی قرآن ہے جسے کوئی رَد نہیں کرسکتا، بیٹوں نے اگر بیٹیوں کو حصہ نہ دیا کُل آپ لے لیا یا بعض کسی غیر وارث کو دے دیا تو یہ ضرور ظلم ہے اور وہ تقسیم واجب الرد۔ نثار حسین اس مسئلہ میں محجوب الارث ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

سوال ۲: شیخ امیر بخش مرحوم نے جس وقت اپنے فرزند اصغر حسین کو جدا کیا تجارتی مال میں پانچواں حصہ دیا، اس عملی کارروائی سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ صاحب مرحوم کو اپنے فرزند زادہ یعنی نثار حسین کو باوجود محجوب ہونے کے حصہ دینا منظور تھا ورنہ اصغر حسین کو پانچواں حصہ نہ دیتے بلکہ چوتھائی حصہ دیتے کیونکہ لڑکے چار ہی موجود تھے۔ و نیز بعد وفات امیر بخش صاحب کے جب نثار حسین کے چچا لوگوں نے ترکہ تقسیم کیا تو نثار حسین کا بھی ایک حصہ اپنے برابر دے دیا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ امیر بخش مرحوم کے ارادہ کو اُن کے لڑکوں نے باوجود خود مختار ہونے کے قبول اور منظور کرلیا۔ پس اس صورت میں جو حصہ نثار حسین کے قبضہ میں آگیا وہ اس کے شرعاً مالک ہوگئے یا نہیں؟

الجواب

وراثت میں نہ نیت وارادہ مورث کو دخل ہے نہ بعض ورثہ کے عمل کو، ان اللّٰہ اعطی کل ذی حق حقہ[1] (بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرمادیا ہے۔ ت) بہنوں کے

---

[1] کنزالعمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ المؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۴

حصہ کا نثار حسین بے ان کی اجازت کے کسی طرح مالک نہیں ہوسکتا اور بھائیوں کے حصہ کی تفصیل وہ ہے جو ابھی گزری۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۵۹ از ضلع کانپور ڈاکخانہ موسٰی نگر موضع چاندپور مسئولہ عبدالحق کاشت کار موروثی بتاریخ ۱۷ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

بعد مرجانے عورت کے مہر کا روپیہ کس کو دینا چاہئے کس کا حق ہوتا ہے اور اگر حق تحریر کیا جائے تو افضل کون شخص ہوتا ہے جس کو مہر ادا کیا جائے؟

الجواب

مہر میراث ہے اور میراث میں افضل وغیر افضل نہیں دیکھے جاتے جس کا جتنا حق حضرت حق عزوجل جلالہ نے مقرر فرمادیا وہ اسے دینا لازم ہے اور وہ خود اس کے لینے پر مجبور ہے الارث جبری لایسقط بالاسقاط (میراث جبری ہے (اختیاری نہیں) لہذا ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی۔ ت) وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۰ تا ۱۶۲ مرزا بیگ مسئولہ محمد محی الدین موضع چاندیانہ ضلع بلند شہر روز یک شنبہ بتاریخ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

ایک مسلمان بدمذہب حنفی قتل ہوا اور قاتل ایک مرد اور دوسری اس کی زوجہ قرار دیئے، مرد کے ذمہ قتل کرنا اور عورت کے ذمہ قتل کرانے کا الزام عائد ہو کر قاتل کو حکم موت اور عورت کو بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی، چونکہ عورت حاملہ تھی متروکہ مقتول پر شمول پسران متوفی کے زوج کے نام بھی حصہ شرعی درج کاغذات ہوا، کیا فرماتے ہیں علماء اس مسئلہ میں کہ زوج مقتول کو محض شبہہ میں بلا شہادت عینی کے عدالت سے سزا ہوئی تو کیا ترکہ مقتول میں حصہ شرعی و مہر پانے کی مستحق ہے یا نہیں؟

دوم: قتل کے واسطے شہادت چشم دید یا شبہہ کے حالات میں شرعًا گواہی واجب ہے کیا؟

سوم: بعد مقتول جو لڑکا زوجہ کے پیدا ہوا وہ بھی مستحق ترکہ مقتول سے حصہ پانے کا ہے یا نہیں فقط؟

الجواب

بچہ اگر موتِ پدر سے دو برس کے اندر پیدا ہوا وارث ہوگا، یہ تو پانچ ہی مہینے کے اندر

پیدا ہوا ضرور وارث ہے، اور عورت اگر قتل بھی کرتی مہر نہ ساقط ہوتا لانہ دین واجب لایسقط بالقتل (کیونکہ وہ دین واجب ہے جو قتل کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتا ہے) ہاں اگر خود قتل کرتی تو میراث نہ پاتی۔ رہا اس کے ثبوت گویا عورت کا اقرار ہونا یا دوسرے ثقہ عادل کی شہادت معائنہ بغیر اُس کے ثبوت قتل نہ ہوتا یہاں تو اسے سزا بھی قتل کرنے کے جُرم میں نہ ہوتی بلکہ قتل کرانے کے، اگر واقع میں اس نے قتل کرایا بھی ہو تو قتل کرنا میراث سے محروم کرتا ہے۔ عالمگیریہ میں ہے:

التسبب الی القتل لایحرم المیراث[1] قتل کا سبب بننا میراث سے محروم نہیں کرتا۔ (ت)

بہرحال بچہ بھی وارث ہے اور عورت بھی مہر پائے گی اور بعد مہر و دیگر دیون ترکہ سے آٹھواں حصہ میراث بھی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۳: مسئولہ عبداللہ از بریلی محلہ گلاب نگر ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ بروز سہ شنبہ

کیا حکم فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اسلام ادام اللہ برکاتہم مسئلہ ذیل میں کہ مسماۃ زبیدہ مطلقہ نے اپنا عقدِ ثانی ساتھ مسمّی عبداللہ کے بمہر شرعی جس کی تعداد چارسو درہم چاندی وقت عقد وکیل نے قائم کردی تھی کیا۔ مسمّی عبداللہ مبلغ پانچسو روپیہ کا پہلے سے قرضدار تھا جب مسماۃ زبیدہ کو حال مقروضی شوہر معلوم ہوا تو اپنا مہر بخشنے پر از خود آمادہ ہوئی شوہر نے آئندہ وقت پر ملتوی رکھا، مسماۃ ساڑھے تین ماہ عبداللہ کے گھر زندہ رہی جب بیمار ہوئی عبداللہ کو روپیہ قرض لے کر علاج کرانے سے منع کرتی تھی علاج ہوا مگر مرگئی، متوفیہ کے وارث ایک شوہر ایک بیٹی جوان جو دوسرے شوہر سے پیدا تھی اور ایک بہن دو حقیقی بھائی ہیں۔ قبل وفات اپنے شوہر سے چھ روزہ کا کفارہ دے دینے کو کہا اور باوجود دریافت اپنے مہر کی بابت کچھ وصیت نہ کی اور اپنی بیٹی اپنی بہن کے سپرد کی اس کا باپ اسی شہر میں موجود تھا وقت وفات اس کے ایک بہن ایک بیوی موجود تھی بعد وفات اُنھوں نے کہا کہ گوروکفن فاتحہ خیرات اچھی طرح ہونا چاہئے، عبداللہ نے کہا کہ میں مقروض ہوں مگر مہر اس کا میرے ذمہ ضرور چاہئے بمقدار مہر تم چاہو تو میں روپیہ قرض لے کر گوروکفن اور فاتحہ خیرات حسب مرضی تمہاری کردوں تو انھوں نے رضامندی اپنی ظاہر کی تو عبداللہ نے روپیہ قرض لے کر گوروکفن و کفارہ و خیرات بروز دفن عہ/۱ اور فاتحہ سوم میں عہ اور

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الخامس فی الموانع نورانی کتب خانہ پشاور ۶/۴۵۴

فاتحہ چہلم میں عہ/۲ اور سہ ماہی اور ششماہی نوماہی میں لعہ/۱۵ صرف کر کے کھانا پکا کر قبر ذی قیمتوں اور مساکین کو دیا گیا اور دو جوڑے پارچہ جدید تیار کر کے دیئے گئے جملہ صلعہ/۱۱ فاتحہ وخیرات میں بہ نیت ادائے دین مہر صرف کیا عہ/۱۲ منجملہ ایک سو بارہ روپے آٹھ آنہ دین مہر باقی ہیں اور متوفیہ نے قبل وفات یہ کہا تھا کہ میری بیٹی کا خیال رکھنا چنانچہ للعہ/۱۱ کا پارچہ پوشیدنی جو وقت ولیمہ نکاح متوفیہ کی قرض لے کر بنایا تھا اور کچھ پارچہ اور جو اس کو دیا تھا جملہ الـعہ بمنشائے متوفیہ اس کی بیٹی کو دے دیا اور دیگر پارچہ فتح جان کو دیئے گئے متوفیہ کا ترکہ صرف چار سو درہم چاندی جس کے مامعہ ہوتے ہیں تھا اور کچھ زیور و نقد نہ تھا۔ فتویٰ یہ طلب ہے کہ مہر کے ترکہ میں ورثاء کا کتنا کتنا حصہ شرعی تھا اور صرفہ گور و کفن و فاتحہ وخیرات میں جو شوہر نے برضی بہن و بیٹی متوفیہ قرض لے کر مبلغ صلعہ/۱۱ صرف کیا اس قدر ذمہ شوہر سے دین مہر ادا ہوا یا نہیں، اس کے وارثان نے ایک پیسہ فاتحہ خیرات میں صرف نہیں کیا بلکہ اپنا خرچ بھی عبداللہ پر ڈالا تھا فقط۔

الجواب

اگر یہ بیان واقعی ہے کہ بیٹی اور بہن نے اس پر رضامندی ظاہر کی تھی کہ مہر میں سے یہ مصارف کردو اور ان کی اجازت سے یہ صرف ہوئے تو یہ مصارف شوہر اور بیٹی اور بہن کے حصص مہر پر پڑیں گے بھائی کہ اس اجازت سے الگ ہیں ان کے حصہ پر نہ پڑیں گے اور عہ کا کپڑا جو زبیدہ کی دختر کو دیا وہ صرف عبداللہ کے حصہ ہیں چار سو درم چاندی یہاں کے سکہ سے پورے ایک سو بارہ مامعہ روپے بھر ہے آٹھ (۸/) اوپر زائد نہیں سائل نے دین مہر حساب میں گور و کفن وخیرات برقبر و توشہ کفارہ ۶/ روزہ رمضان المبارک میں عہ/۱۱ بتایا اس میں سے قبر کی خیرات اور توشہ منہا کیا جائے گا باقی ضروری تھا کہ وارثوں پر تقسیم سے پہلے لازم تھا اس کے بعد جو کچھ بچا اس کے بیس۲۰ حصہ ہونگے پانچ شوہر کے، دس دختر کے، دو دو ہر بھائی کے، ایک بہن کا، اب جو توشہ وخیرات و سوم و چہلم وغیرہ میں صرف ہوا وہ جب کہ بیٹی اور بہن کی اجازت سے ہوا تو ان کے اور شوہر کے حصوں پر پڑے گا دونوں بھائیوں کو ان کا حصہ پورا پورا دیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۶۴ از گونڈل علاقہ کاٹھیاواڑ مرسلہ عبدالستار بروز چہارشنبہ تاریخ ۱۲/ رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

مسلمان سنی المذہب ورثہ لیتے وقت بجائے قانون شریعت مطہرہ کے ہندو لعنتی مطابق

احکام مذہب ہنود کے جس سے بہت حقوق شرعی باطل ہوتے ہیں ورثہ لے یا دے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب

قال اللہ عزوجل: (اللہ عزوجل نے فرمایا:)

الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطٰن ان یضلھم ضلٰلاً بعیدا[1]

کیا تم انھیں نہیں دیکھتے جن کا زبانی دعوٰی تو یہ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمھاری طرف اتارا گیا اور جو تم سے پہلے اتارا گیا پھر فیصلہ چاہتے ہیں کفر کا اور انھیں حکم تو یہ تھا کہ اس سے انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں گمراہ کرکے دور پھینک دے۔

جو لوگ شریعت مطہرہ کے خلاف میراث مانگیں یا لیں یا بخوشی دیں یا اس میں سعی کریں سب گمراہ ہیں اور عذابِ شدید کے سزاوار، اور اگر اسے پسند کریں تو کھلے کفار، بہرحال وہ مال اُن کے لئے حرام وقطعۂ نار، اور جو مجبور ہوکر دے وہ مظلوم ومعذور۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۵: از کوہ شملہ کفایت حسین یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ

ایک پھوپھی کا ترکہ دو بھتیجوں کو برابر ملا جس میں سے ایک بھتیجے نے پھوپھی کی بیماری کا خرچ اور تجہیز وتکفین کا خرچ مع برسی تک کا خرچ اپنے پاس سے کیا قریب ایک سو روپیہ کے اب نصف روپیہ دوسرے بھتیجے کو ادا کرنا واجب ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب

یہ اس نے اپنی خوشی سے اٹھایا دوسرے بھتیجے پر اس کا نصف یا کوئی جزء دینا لازم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۶۶: از بمبئی پوسٹ مانڈوی مکان چمناجی راجو بھائی پان والا نمبر ۲۸ ۔ ۱۳۲ ناگدیوی سٹریٹ مرسلہ مانک بھائی باپو بھائی ۱۳ شوال ۱۳۳۵ھ

ایک شخص چمنا جی دکھنی مسلمان فوت ہوگیا اس نے ایک عورت ایک لڑکا حسین میاں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۶۰

ایک لڑکی لال بائی یہ تین وارث چھوڑے پھر عورت بھی گزر گئی اور کچھ عرصہ کے بعد لڑکا بھی مرگیا حسین میاں مرحوم کے مرنے پر اس کی بی بی شرعی طور پر اپنا حصہ لے کر الگ ہوگئی اس کے ماسوا اور جو حقدار نکلے سب کو اُن کے حق کے مطابق ورثہ ملا لال بائی جو چمنا جی کی بیٹی تھی وُہ بھی اپنا حصہ لے کر الگ ہو گئی پہلے لال بائی کا شوہر مرگیا پھر وُہ مرگئی اس نے اپنا وارث ایک لڑکا ابراہیم چھوڑا ابراہیم بھی دو سال بعد مرگیا ابراہیم کے دو بیبیاں ہیں ایک بسم اللہ ایک مریم نیز چمنا جی کا سالا ڈھونڈھی بھائی لال بھائی کے مرحوم مرد کا ماموں قاسم حاشہ یا یہ دونوں دعوٰی کرتے ہوئے مرگئے، اب ان دونوں کے دو لڑکے دعوٰی کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں کیا حکم شرع ہے آخر وارث ابراہیم ہوا اس نے کوئی اولاد یا بھائی بہن وغیرہ نہ چھوڑا صرف دو بی بی ہیں لہٰذا کس طرح حق ہوتا ہے اور فی ہزار کیا ہر حقدار کا نکلے گا۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سوال میں رشتے بہت بعید الفاظ مجمل محتمل سے لکھے ہیں ڈھونڈھی بھائی کو چمنا جی کا سالا لکھا ممکن کہ وہ لال بائی کا ماموں ہو اور ممکن کہ چمنا جی کی کسی اور عورت کا بھائی ہو جسے لال بائی سے کوئی علاقہ نہیں یُوں ہی قاسم حاشہ کو لال بی کے شوہر کا ماموں لکھا محتمل کہ وُہ ابراہیم کے باپ کا ماموں ہو یا کسی دوسرے شوہر کا مگر سوال میں نہ چمنا جی کی کوئی اور عورت لکھی ہے نہ لال بائی کا دوسرا نکاح بتایا جس سے ظاہر یہی ہے کہ ڈھونڈھے بھائی ابراہیم کی ماں کا ماموں ہے اور قاسم حاشہ ابراہیم کے باپ کا ماموں، اگر واقعہ اسی طرح ہے اور ان کے سوا اور کوئی وارث نہیں تو بعد تقدیم حقوق مقدمہ مثل مہر ہر دو زوجہ وغیرہ ابراہیم کا ترکہ آٹھ سہم ہوکر ایک ایک سہم ہر زوجہ اور چار سہم قاسم حاشہ اور دو سہم ڈھونڈھے بھائی کو ملیں گے یعنی دونوں عورتوں کا مہر جس قدر ذمہ ابراہیم لازم رہا اور اسکے سوا اور جو دین ابراہیم پر ہو اول ادا کریں۔ پھر جو بچے اُس کے تہائی سے ابراہیم نے اگر کوئی جائز وصیت کی ہو نافذ کریں باقی مال میں فی ہزار ایک سو پچیس روپے ایک بی بی کو ایک سو پچیس روپے دوسری بی بی کو اور پانچ سو روپے قاسم حاشہ کو ڈھائی سو ڈھونڈھے بھائی کو دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

درمختار میں ہے:

ثم عمات الاٰباء والامہات واخوالھم وخالاتھم واذا استووا فی درجۃ واتحدت الجھۃ قدم

پھر میت کے باپوں اور ماؤں کی پھوپھیاں، ان کے ماموں اور ان کی خالائیں ہیں۔ جب ذوی الارحام درجے میں برابر ہوں اور قرابت

ولد الوارث فلواختلفت فلقرابة الاب الثلثان ولقرابة الام الثلث۔[1]

کی جہت بھی متحد ہو تو وارث کی اولاد مقدم کیجائیگی، اور اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت والوں کے لئے میّت کے ترکہ میں سے دو تہائی اور ماں کی قرابت والوں کے لئے ایک تہائی ہوگی۔ (ت) واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم

مسئلہ ۱۶۷: از علیگڑھ محلہ سرائے بی بی مرسلہ حافظ عبداللطیف صاحب مورخہ ۲ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان حنفی المذہب اپنے لڑکے مسلمان حافظ قرآن پابند صوم وصلوٰۃ کو کسی وجہ سے عاق کردے تو یہ حافظِ قرآن عاق ہوجائیگا یا نہیں؟ اور اپنے والد کا ترکہ پائے گا یا نہیں؟ اور بہ تقدیر پانے اور نہ پانے کے اس کا ثبوت قرآن وحدیث سے بیان فرمایئے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

عاق ہونا نہ ہونا اولاد کے فعل پر ہے جو بلاوجہ شرعی ماں یا باپ کو ایذا دے وہ عاق ہے اگرچہ ماں باپ اس سے راضی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ ماں باپ بلاوجہ اس سے ناراض ہوں۔ ماں یا باپ کا عاق کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عوام کے خیال میں یہ ہے کہ اولاد کو عاق کرنا ایسا ہے جیسا عورت کو طلاق دینا، طلاق دینے سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے، یونہی ماں باپ کے عاق کرنے سے اولاد اولاد ہونے سے خارج اور ترکہ سے محروم ہوجاتی ہے، یہ محض باطل ہے، اولاد کسی طرح اولاد ہونے سے خارج نہیں ہوسکتی سوا کفر کے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اور کسی طرح ترکہ سے محروم نہیں ہوسکتی سوا موانع خمسہ معلومہ کے کہ دین مختلف ہو یا دار مختلف یا مملوک ہو یا معاذ اللہ مورث کو قتل کرے یا دونوں کا اس طرح انتقال ہو کہ معلوم نہ ہو ان میں پہلے کون مرا ان کے سوا وہی عام حکم ہے کہ:

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی تمھیں حکم دیتا ہے تمھاری اولاد کے بارے میں کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۳۶۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

مسئلہ ۱۶۸ از قصبہ سانگود سوائے مادھوپور مدرسہ انجمن اسلامیہ ریاست کوٹہ راجپوتانہ مرسلہ الف خاں مہتمم انجمن ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۵ھ

ایک شخص متوفی کی جائداد قیمتی ۱۰۰ روپے ایک شخص کے پاس ایک صدروپے میں رہن ہے اور متوفی کا کوئی اصلی وارث نہیں ہے تو کارروائی بیع کی کس کے ساتھ کی جائے گی؟

الجواب

بحکم حاکم شرع فقرائے کے ساتھ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۶۹ تا ۱۷۲ مرسلہ مولوی محمد ظہور حسین صاحب فاروقی رامپوری ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں:

(۱) زید نے اپنی زندگی کے وقت دو نکاح کئے، زوجہ اولٰی کا انتقال زید کے سامنے ہوا، بعد عقد ثانی زید نے انتقال کیا اور ایک مکان قیمتی تین چار سو روپے کا چھوڑا۔ زوجہ اولٰی کا دین مہر ڈھائی ہزار روپے کا تھا اور زوجہ ثانیہ کا نوسو روپے کا۔ زوجہ ثانیہ خود موجود ہے اور زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تین بھائی، ایک بہن، دو بھتیجیاں، ایک زوج یعنی زید مرحوم کا کہ جس کی وارث اس وقت زوجہ ثانیہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا مکان مذکور کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اولاً دونوں دین مہروں میں مکان نصف نصف ہوجائے گا من بعد نصف ثانی جو زوجہ اولٰی کا حصہ ہے اس میں سے بحق زوجیت زید کو نصف ملے گا اور یہ نصف زوجہ ثانیہ کی طرف منتقل ہوجائیگا باقی ایک ربع جو رہے گا وہ زوجہ اولٰی کے ورثہ میں تقسیم ہوجائے گا۔

(۲) ایسی حالت میں کہ مکان متروکہ زید دونوں دین مہر سے قیمتاً کم ہے کل مکان دونوں دین مہروں میں مستغرق ہوکر نصف نصف ہوگا یا جس زوجہ کا دین مہر نوسو کا ہے اس کو مکان مذکور میں سے ایک حصہ اور جس کا دین مہر ڈھائی ہزار کا ہے اُس کے ورثہ کو باقی مکان ملے گا تقسیم ورثہ کی اس وقت کیا صورت ہوگی؟

(۳) یہ کہ زید کی تجہیز و تکفین اور زوجہ ثانیہ کی عدت و چار ماہ تک فاتحہ وغیرہ کا خرچ جو مجموعہ تین سو روپیہ کا ہوا وہ اسی مکان سے لیا جائے گا یا نہیں؟

(۴) زید نے اپنے حین حیات جو کچھ خرچ اور روپیہ زوجہ ثانیہ کے ہاتھ میں دیا وہ اس کے واسطے ہبہ تھا یا نہیں اور اس روپے سے جو اسباب زوجہ ثانیہ اپنے استعمال کا جیسے کپڑا،

زیور وغیرہ جو خاص عورتوں کے استعمال کا ہے کیا اس کی بھی تقسیم ہوگی؟

(۵) زید کی زوجہ اولیٰ کا اسباب اس قسم کا تقسیم ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

زوجہ اولیٰ جو جہیز لائی وہ اس کا متروکہ ہے حسب شرائط فرائض اس میں سے نصف شوہر کا ہے، جو کچھ روپیہ زید نے زوجہ اولیٰ یا ثانیہ کو دیا اگر تملیکاً دیا اس کی مالک زوجات ہیں اور اس سے جو اسباب خریدا انھیں کا ہے اور اگر تملیکاً نہ دیا گھر کے خرچ کے لئے دیا اور عورات کو حسب دستور اسباب خانگی خریدنے کی اجازت دی تو وہ اسباب اور جتنا روپیہ بچا ہو سب ملک زید ہے۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ تجہیز و تکفین میں صرف پندرہ[۱۵] روپے خرچ ہوئے باقی فاتحہ و خرچ عدت ہے خرچ عدت تو زوجہ کسی سے مجرا نہیں لے سکتی کہ معتدہ وفات کے لئے نفقہ نہیں یوں ہی جو کچھ فاتحہ میں اٹھایا تبرع ہے اس کا بھی معاوضہ نہیں پاسکتی، ہاں وہ پندرہ[۱۵] کہ تجہیز و تکفین میں اُٹھے ازانجا کہ زوجہ وارثہ ہے اور وارث کہ تجہیز و تکفین کرے مجرا پاتا ہے یہ پندرہ[۱۵] پائے گی مگر اس وجہ سے کہ تجہیز و تکفین جو ہر حق پر مقدم تھی ہو چکی زوجہ کا مطالبہ باقی رہا تو یہ پندرہ[۱۵] بھی دَین میں آگئے اور اس کا دَین نوسو پندرہ[۹۱۵] روپے ہوئے اور زوجہ اولیٰ کا نصف مہر کہ شوہر ساقط ہو کر اس کا دین ساڑھے بارہ[۱۲۵۰] سو روپے ہوئے مجموع دین اکیس سو پینسٹھ[۲۱۶۵] روپے ہیں متروکہ زید کہ تین چار سو کا مکان ہے اگر اس زر و اسباب وغیرہ سے مل کر جو اُسے ترکہ زوجہ اولیٰ سے ملا یا دونوں زوجہ کے پاس اس کی اپنی ملک تھا اگر اس مجموع کے برابر ہو اور زید پر اور کوئی دَین نہ ہو تو ۱۲۵۰ زوجہ اولیٰ کے ورثہ کو دین اور ۹۱۵ زوجہ ثانیہ کو۔ اور اگر اس سے زائد ہے تو دونوں دَین پورے ادا کرکے جو بچے اس کے ثلث سے وصیت اگر زید نے کی ہو نافذ کرکے باقی سے ایک ربع زوجہ ثانیہ کو دیں اور تین ربع اور جو کوئی وارث زید عصبات یا ذوی الارحام سے ہو اُسے دیں اور کوئی نہ ہو اور کسی کے لئے ثلث سے زائد کی وصیت کی ہو اس کی وصیت کی تکمیل کریں اگرچہ یہ تین ربع کل اس وصیت میں چلے جائیں اور اگر موصیٰ لہ بھی کوئی نہ ہو تو یہ تینوں ربع اور اگر ہو اور اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد بھی کچھ بچے تو وہ باقی سب زوجہ ثانیہ کو دے دیں فان الازواج یرد علیھا عند عدم انتظام بیت المال (بیت المال منظم نہ ہونے کے وقت خاوند اور بیوی پر رُد کیا جائے گا۔ ت) اور اگر کل متروکہ زید اس مجموع دین ۲۱۶۵ سے کم ہے اور زید پر اور دین نہیں تو اس کا کل متروکہ چار سو تینتیس[۴۳۳] سہام کرکے دوسو پچاس[۲۵۰] سہم وارثان زوجہ اولیٰ کو دیں اور ایک سو تراسی[۱۸۳] سہم زوجہ ثانیہ کو۔ اور

اس صورت میں اگر یہ چاہیں کہ ورثۂ زوجۂ اولٰی بھی ساتھ ہی تقسیم ہو جائے تو کل متروکۂ زید تین ہزار اکتیس ۳۰۳۱ سہم کرکے زوجۂ اولٰی کے ہر بھائی کو پانچ سو سہم، بہن کو دو سو پچاس ۲۵۰، زوجۂ ثانیہ کو بارہ سو اکیاسی ۱۲۸۱ دیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۴: از احمد آباد محلہ مرزا پور مرسلہ شاہ محمد مورخہ ۱۶ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

جناب مخدوما مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب، السلام علیکم! واضح رائے عالی ہو کہ شہر احمد آباد میں جماعت گا وقصابوں میں یہ رواج ہے کہ لڑکی اور بہن کو ورثہ مال متروکہ میت سے کبھی کچھ نہیں دیا کرتے اور ان کا مقولہ یہ ہے کہ لڑکی اور بہن کا ورثہ میت کے مال میں سے کسی چیز میں نہیں پہنچتا۔ لہذا آپ پر فرض ہے کہ فتوٰی لکھ کر روانہ کریں تاکہ وارث اس شخص کی اپنا پورا حق عدالت سے لڑکر وصول کریں لہذا ٹکٹ ۳/ کی اس رجسٹری لفافہ میں ملفوف ہیں، مولانا صاحب تخمیناً پندرہ ۱۵ سال کا عرصہ ہوا کہ ایک رجسٹری سوال سود کے بارہ میں حضور کے یہاں روانہ کیا تھا مگر بالکل جواب سے آپ نے مجھے محروم رکھا تھا شاید کہ آپ سے وہ استفتاء گم ہو گیا ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وفقہائے متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص گزر گیا اس نے ایک لڑکی اور دو بہنیں حقیقی اور چار بھتیجے اور ایک زوجہ چھوڑے۔ اب ان میں کون کون سے وارث کو حق پہنچتا ہے اور کون سے وارث محروم رہتے ہیں بینوا حکم الکتاب توجروا بیوم الحساب (کتاب کا حکم بیان کرو قیامت کے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ اس شخص کا سولہ ۱۶ سہام ہو کر دو سہم اس کی زوجہ اور آٹھ سہم دختر اور تین تین سہم ہر بہن کو ملیں گے اور بھتیجے کچھ نہ پائیں گے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم[1] پھر اگر تمھاری اولاد ہو تو ان (بیویوں) کا تمھارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

2 وان کانت واحدۃ فلہا النصف[1] اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کا حصہ آدھا ہے (یعنی ترکہ کا نصف)۔ (ت)

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجعلوا الاخوات مع البنات عصبۃ۔[2] بہنوں کو بیٹیوں کے ساتھ عصبہ بنا دو (ت)

اور اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واولوا الارحام بعضھم اولٰی ببعض فی کتاب اللہ[3] اور رشتہ والے ایک سے دوسرے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں۔ (ت)

جو لوگ بیٹیوں اور بہنوں کو ترکہ نہیں دیتے قرآن مجید کے خلاف ہیں، اور جن کا یہ قول ہو کہ ان کو میت کے مال سے کچھ نہیں پہنچتا جس کے ظاہر معنٰی یہ ہیں کہ اُن کا ترکہ میں کوئی حق نہیں ہوتا یہ صریح کلمۂ کفر ہے، ایسوں پر توبہ فرض ہے نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اس کے بعد اپنی عورتوں سے نکاح دوبارہ کریں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۵، ۱۷۶: از کراچی جھونہ مارکیٹ مرسلہ سید کریم شاہ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس جماعت کے بارے میں جو کچھ عرصے سے مسلمان ہوئے ہیں اور تمام احکامِ شریعت کو وہ تسلیم کرتے ہیں مگر قانونِ شریعت وراثت کے بالکل منکر ہیں اور اپنے آباء قدیم ہنود کے قانون کو صراحۃً اپنا قانون بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اپنے آباء ہنود کے اس قانون وراثت کو نہیں چھوڑ سکتے اور کچہری میں بیان کیا ہے کہ ہم مسلمان ہیں مگر شریعت محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو وراثت کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے بلکہ ہندو لایعنی قانونِ وراثت اہل ہنود کو اپنا قانون تسلیم کرتے ہیں اور کچہری سے خواہش کرتے ہیں کہ ہمارے احکام وراثت ہندو قانون پر ہونے چاہئیں۔ اس جماعت کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے، یہ لوگ منکر نص قرآن ہیں یا نہیں

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۱

[2] سنن الدارمی کتاب الفرائض باب فی بنت واخت حدیث ۲۸۸۸ دار المحاسن للطباعۃ القاہرہ ۲/ ۲۵۱
السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۲

[3] القرآن الکریم ۸/ ۷۵

اور جو نص قرآن کو جان بوجھ کر نہ مانے وہ دائرۂ اسلام میں رہ سکتا ہے یا نہیں؟ قال اللہ تعالٰی:

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك هم الکٰفرون[1]۔

اور جو اللہ تعالٰی کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں۔ (ت)

سوال دوم: وہ لوگ جن کا سوال اول میں ذکر ہے مسلمانوں کے اوقاف یا مسجد دونوں کے متولی ہو سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب

یہ لوگ ہرگز مسلمان نہیں، اگر مسلمان ہوئے بھی تھے تو در بارہ وراثت احکام شرعیہ ماننے سے انکار کرکے مرتد ہوگئے، وہ نہ مسجد کے متولی کئے جا سکتے ہیں نہ اوقاف مسلمین کے۔

قال اللہ تعالٰی فلا وربك لایؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لایجدوا فی انفسهم حرجا مما قضیت ویسلموا تسلیما[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرما دو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از ترگہ گوری ڈاکخانہ کچھا ضلع نینی تال مرسلہ ملا نذیر احمد صاحب مورخہ ۸ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک بیوی کی، اس کے ساتھ ایک لڑکی آئی اور لڑکی ایک اسی بیوی سے زید کی پیدا ہوئی، بعد چند روز کے زید کا انتقال ہوگیا اب یہ دو لڑکیاں ایک تو زید کی ہے اور ایک جو بیوی اگلے خاوند کی ساتھ لائی تھی بعد وفات زید کے بھتیجا نے یعنی حقیقی تایا کے بیٹے نے اپنا حق معاف کردیا اور بیوی نے بھی معاف کرکے وہ جائداد دونوں لڑکیوں پر تقسیم کردی، اب زید کی بیوی اپنا مہر لینا چاہتی ہے اب یہ تقسیم جائز ہے یا نہیں؟ شرع شریف سے آگاہی

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۴۴

[2] القرآن الکریم ۴/ ۶۵

بخشی جائے۔

الجواب

مہر معاف کرنے سے معاف ہوگیا اب دوبارہ نہیں لے سکتی مگر ترکہ معاف کرنے سے معاف نہیں ہوسکتا اگر وارث یہی ہیں تو حسب شرائط فرائض زید کا ترکہ آٹھ حصہ ہوکر ایک حصہ بی بی کو اور چار حصے زید کی لڑکی کو اور تین بھتیجے کو ملیں گے اور اگلے شوہر کی بیٹی کچھ نہ پائے گی، بھتیجا اگر نہ لینا چاہے تو لے کر تقسیم کرا کر پھر زید کی دختر کو ہبہ کرکے قبضہ دے دے یا یوں ہی بلا تقسیم اپنا حصہ اس کے ہاتھ بیع کر قیمت اُسے معاف کردے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۸ از گونڈیا ضلع بھنڈارا ملک متوسط ۸ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

ایک مسماۃ نے اپنی کچھ رقم مالی کے لئے اپنے حین حیات میں وصیت کی کہ بعد وفات میرے ایک فرزند میرا جو نابالغ ہے یہ رقم اس کو دی جائے اگر فرزند میرا قضا کر جائے تو یہ رقم مالی مکہ مدینہ کے کسی کار خیر میں بھیج دی جائے، بعد وفات مسماۃ اُس کا فرزند بالغ ہوکر فوت ہوا تو اب اس کی وہ رقم کس کو دی جائے چونکہ اس کا ایک چچا زندہ ہے مگر لڑکے کی پرورش بعد اس کی والدہ کے ماموں نے کی اور ایک اس کی مدد میں شریک رہا، اس کا چچا مالدار ہے اس کے کسی امر میں مونس بھی نہیں ہوا بجز ماموں کے، لہٰذا ہم اُس لڑکے کی رقم کو اس کے ماموں کو دینا چاہتے ہیں چونکہ اُس کا ماموں بہت غریب مفلس معذور شخص ہے محض اس کے عزیز و اقارب اس کی اعانت کیا کرتے ہیں لہٰذا یہ رقم ہم اس کے ماموں کو دینا پسند کرتے ہیں چونکہ شرعاً بھی مفلس عزیز کو مدد دینا لازم ہے۔

الجواب

فرزند کے لئے وصیت تو بیکار تھی وہ خود ہی مالک ہوا جبکہ عورت کا اُس کے سوا اور کوئی وارث نہ تھا جیسا کہ ظاہر سوال ہے اب اس کے انتقال کے بعد اس کے جو وارث ہیں ان کو پہنچے گی اگر صرف یہی چچا وارث ہے تو یہی پائے گا وارث ہونے کے لئے کچھ یہ شرط نہیں کہ وہ اس کے کسی امر میں شریک ہوا ہو، ماموں کتنا ہی محتاج ہو نہ بہن کے ترکہ میں اس کا کچھ حق ہے کہ بیٹا موجود تھا نہ بھانجے کے ترکہ میں کہ اس کا چچا موجود ہے قریب غریب کی اعانت کا بیشک حکم ہے مگر اپنے مال سے نہ کہ پرائے مال سے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۷۹ از جتیرہ ڈاکخانہ امال پور پرگنہ سہاور ضلع ایٹہ مرسلہ عبداللہ خاں صاحب ۲۶ جمادی الاول ۱۳۳۶ھ

زید سے وقت مناکحت مہر معجل قرار پایا اور بعد از مدت دراز وولادت طفل یازدہ سالہ مرحوم

حیات طفل مرحوم میں زید نے بواسطہ کچہری وہ مہر ادا کر دیا بعدہٗ زید کا انتقال ہوگیا اب زوجہ اپنے حق ربع کی مدعیہ ہے مقدمہ کچہری میں زیر بحث ہے کوئی تحریری تقریری ثبوتِ طلاق نہیں ہے نہ قبل ازادائے مہر نہ مابعد آں، پس حکمِ شرع شریف سے مطلع فرمائیں۔

الجواب

مہر معجل کا ادا کرنا پیش رخصت ضرور ہوتا ہے اور اگر عورت قبل رخصت نہ مانگے تو جب طلب کرے اس کا ادا کرنا کسی طرح طلاق دینے کی دلیل کیا شُبہہ بھی نہیں ہوسکتا اور بے ثبوت شرعی طلاق ہرگز نہیں مانی جاسکتی عورت ضرور مستحقِ میراث ہے۔

قال اللہ تعالٰی ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بھا او دین[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا، اور تمہارے ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو، پھر اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں حصہ ہے جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکال کر۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۰: از لکھنؤ بلوچ دروازہ مسجد متصل اکھاڑہ مرسلہ مولوی محمد عثمان طالب علم ۵ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

بعد تحیۃ سلام گزارش ہے کہ یہاں علماء مسائل ذوالارحام میں مختلف ہیں بعض امام ابو یوسف کے قول کے موافق جواب دیتے ہیں بعض امام محمد کے قول کے موافق جناب کی رائے میں کس قول کے موافق عمل درآمد ہونا چاہئے اور جناب کا معمول کیا ہے۔

الجواب

اصل فتوٰی قولِ امام محمد علیہ الرحمہ پر ہے فقیر کا اسی پر عمل ہے مگر اس کے استخراج میں قدرے دشواری ہوتی ہے لہذا بعض مشائخ نے بغرض آسانی قول امام ثانی علیہ الرحمہ پر فتوٰی دیا۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۱: ۱۴ شعبان ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اس نے ایک دادی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۲

اور ایک نانی اور باپ اور بہن وارث چھوڑے تو از روئے شرع شریف ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا ؟

الجواب

صورت مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض ترکہ چھ سہم ہو ایک سہم نانی اور پانچ باپ کو پہنچیں گے اور دادی اور بہن کو کچھ نہیں، ھذا ھو قضیۃ النظر الفقھی وان کانت الروایات فیہ مختلفۃ (نظر فقہی کا تقاضا یہی ہے اگرچہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ ت) اختیار شرح مختار پھر فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے :

لوترك اباوام اب وام ام فام الاب محجوبۃ بالاب واختلفوا ماذا لام الام قیل لھا السدس وقیل لھا نصف السدس[1] اھ اقول ما منزع القول الاخر الا القیاس علی مسئلۃ اب وام واخوین فانھما محجوبان بالاب و یحجبانھا من الثلث الی السدس کذالك ام الاب محجوبۃ بالاب وتحجب الامیۃ من السدس الی نصفہ وھذا لیس بشئ۔ اما اولا فلان حجب النقصان یکون من فرض الی فرض دونہ ولا فرض للجدۃ الا السدس وما کان التنصیف

اگر کسی شخص نے باپ، دادی اور نانی چھوڑی تو دادی باپ کی وجہ سے میراث سے محروم ہوگی، اور نانی کے بارے میں مشائخ نے اختلاف کیا۔ ایک قول ہے کہ اس کو چھٹا حصہ دیا جائیگا اور دوسرا قول ہے کہ اس کو بارھواں حصہ ملے گا الخ۔ میں کہتا ہوں دوسرے قول کا ماخذ تو فقط باپ، ماں اور دو بھائیوں کے مسئلہ پر قیاس ہے کیونکہ دونوں بھائی باپ کی وجہ سے محروم ہوں گے اور وہ دونوں ماں کو تہائی سے محروم کرکے چھٹے حصے کی طرف منتقل کردیں گے۔ اسی طرح دادی باپ کی وجہ سے محروم ہوگی حالانکہ وہ نانی کو چھٹے حصے سے بارھویں حصے کی طرف منتقل کردے گی۔ اور یہ بوجوہ کوئی شئی نہیں۔ **وجہ اول** کیونکہ حجب نقصان ایک مقررہ حصے سے دوسرے مقررہ حصے کی طرف ہوتا ہے جو پہلے حصے سے کمتر ہو جبکہ جدہ کا مقررہ حصہ صرف چھٹا ہے اور اس کو

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب الفرائض الباب الرابع فی الحجب نورانی کتب خانہ پشاور ۶/ ۴۵۳

لان فرضها اذ ذاك نصف السدس بل ليس فرضها الا السدس وكانت كل منهما تدعيه لنفسها كملا فجعلناه بينهما نصفين على سبيل المنازعة لعدم المرجح كما اذا اقام كل من الخارجين على ان الارض له فانها تنصف بينهما كذلك ھٰھنا فاذا سقطت مزاحمة الابوية لحجب الاب اياها بقيت دعوى الامية بلا معارض فكان لها السدس كملا كما اذا كان لدار شفيعان متساويان وادعى كل منهما جميع الدار المشفوعة ثم عرض لاحدهما ما يسقط حقه كانت الدار كلها للثانی لزوال المزاحمة واما ثانيا فلان الله سبحانه وتعالٰی قد اعطى كل ذی حق حقه فلا يجوز ان ينقل من فرض احد شئ الى غيره وقد

نصف نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ اس صورت میں جدّہ کا مقررہ حصہ چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) ہوجائے گا حالانکہ ایسا نہیں بلکہ اس کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے تو ان دونوں (دادی اور نانی) میں سے ہر ایک اپنے لئے پورے چھٹے حصے کا دعوٰی کرے گی۔ چنانچہ ہم نے منازعت کے باعث اور مرجح نہ ہونے کی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ان دونوں کے درمیان نصف نصف کر دیا، جیسا کہ بائع اور مشتری کے علاوہ دو اجنبی مردوں میں سے ہر ایک نے اس بات پر گواہ قائم کر دیئے کہ فروخت شدہ زمین اس کی ہے تو وہ زمین دونوں کے درمیان نصف نصف کر دی جائے گی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہوگا۔ جب دادی کی مزاحمت اس وجہ سے ختم ہوگئی کہ باپ نے اس کو محروم کر دیا ہے تو نانی کا دعوٰی بلا منازعت رہا لہٰذا اس کو مکمل چھٹا حصہ دیا جائیگا۔ جیسے کسی گھر کے دو مساوی شفیع ہوں اور ہر ایک شفعہ والے پورے گھر کا دعوٰی کرے پھر ان میں سے ایک کو ایسا عارضہ لاحق ہو جس کی وجہ سے اس کا حق ساقط ہوجائے تو مزاحمت کے ختم ہوجانے کی وجہ سے پورا گھر دوسرے کو ملے گا۔ **وجہ دوم** کیونکہ اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے لہٰذا یہ جائز نہ ہوگا کہ کسی کے مقررہ حصے سے کوئی شئے دوسرے کی طرف منتقل ہوجائے۔ بیشک

۱؎ کنز العمال، حدیث ۳۰۵۶ و ۳۰۵۷ — مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/۴۱۲

اجمعنا ان فرض الجدۃ السدس فان نصفناہ ھٰھنا ولاحق للابویۃ یوجع النصف لامحالۃ الی الاب فیشارك الجدۃ فی فرضہا ولانظیرلہ فی الشرع فتبین ان الاول ھوالمرجح وکانہا لھذا قدمہ فی الاختیار۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہمارا اس پر اجماع ہے کہ جدہ کا مقررہ حصہ فقط چھٹا ہے۔ اگر یہاں ہم اس کو نصف کردیں (یعنی بارھواں بنا دیں) حالانکہ دادی کا یہاں کوئی حق نہیں تو یقیناً چھٹے کا نصف (بارھواں حصہ) باپ کی طرف لوٹے گا تو اس طرح وہ جدہ کے مقررہ حصے میں شریک ہوجائیگا اور شریعت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی تو واضح ہوگیا کہ پہلے قول کو ہی ترجیح دی جائیگی گویا اسی وجہ سے اختیار میں اس کو مقدم کیا ہے۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۱۸۲

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ مفصلہ ذیل میں:

ناصر علی
- اکبر علی مرحوم
  - یار علی مرحوم
    - تفضل حسین مرحوم
      - چراغ علی مرحوم
- برہان علی
  - جعفر علی و مسماۃ تیرن زوجہ میر سلطان علی مرحوم والدہ مولوی مہدی حسن مرحوم
    - ارشد علی و نجم النساء۔ زوجہ مولوی مہدی حسن مرحوم و نیز والدہ مولوی عبدالعلیم عرف شہرو
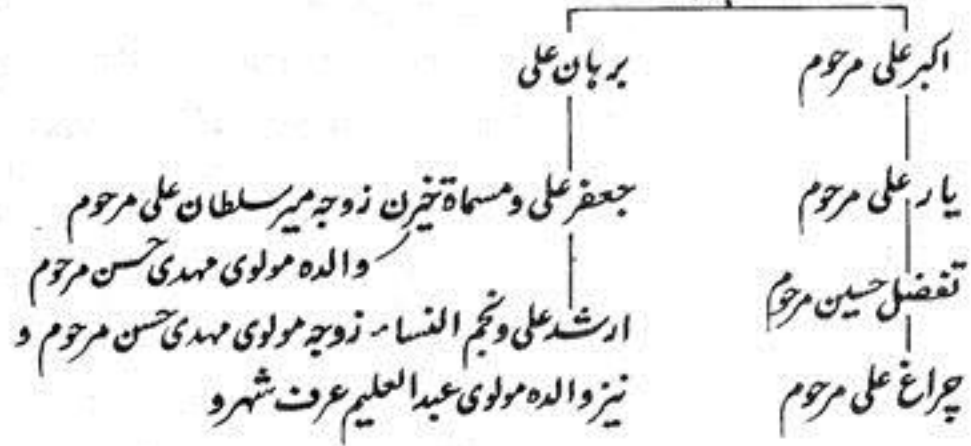
اور چراغ علی مرحوم کے محمد مسیح اپنے خلیرے بھائی اور مسماۃ فاطمہ زہرا اپنی خلیری بہن بھی ہیں، اب چراغ علی مرحوم کا متروکہ کس کو ملے گا عبدالعلیم عرف شہرو کو ملے گا یا خلیرے بھائی و بہن کو ملے گا؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض چراغ علی کا کل ترکہ تین حصہ ہوکر دو حصے اس کے

خالہ زاد بھائی کو اور ایک حصہ اس کی خالہ زاد بہن کو ملے گا عبد العلیم کچھ نہ پائے گا کہ وہ بہت دور رشتہ دار ہے ایک رشتہ پر ابن بنت ابن عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے پردادا کے باپ ناصری کے پوتے کا نواسہ ہے اور دوسرے رشتہ پر ابن ابن بنت عم الجد ہے یعنی چراغ علی کے باپ کے پردادا کے پوتی کا پوتا ہے بہر حال ذوی الارحام سے ہے خود عصبہ وارث نہیں اور اولاد خالہ سے درجے میں بعید ہے لہٰذا ان کے سامنے اُسے کچھ نہ ملے گا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

یقدم الاقرب فی کل صنف و اذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

ہر صنف میں زیادہ قریبی کو مقدم کیا جائے گا اگر وہ درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۳ از بہٹ ضلع سہارنپور مرسلہ مشتاق حسین ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے بعد معاف کرنے مہر شرعی جن کے شاہد اس کی ماں اور بہن نیز ماموں حقیقی ہیں انتقال کیا ایک لڑکی ۳ سالہ اور خاوند چھوڑے اسباب جہیزی میں سے کچھ زیور اور کپڑا اس کے شوہر کے یہاں سے اس کی ماں اور بہن لے گئے باقی کی ایک فہرست اس کے شوہر کو دی اور کہا کہ اس کو بیچ کر ایصال ثواب اور فاتحہ میں خرچ کریں، پس کیا حکم شرعی ہے اس بارے میں پسماندہ اسباب کا کون مالک اور مصرف ہے اور ماں باپ اور بہن اس کی واپسی کا کیا حق ہے؟

الجواب

جہیز وغیرہ جو کچھ عورت کی ملک تھا صورت مذکورہ میں حسب شرائط فرائض اگر وارث صرف یہی ہیں ہر ہر چیز کے بارہ ۱۲ حصہ ہوں گے تین ۳ حصہ شوہر کے، دو ۲ ماں کے، چھ ۶ بیٹی کے، ایک بہن کا۔ ماں بہن جو کچھ لے گئیں واپس لاکر سب ملاکر بارہ حصہ کرکے اپنے تین حصے لے کر ان کو فاتحہ وغیرہ جس میں چاہیں صرف کریں شوہر کے تین حصوں کا اختیار شوہر کو ہے اور دختر کے چھ ۶، تو کوئی بھی فاتحہ وغیرہ میں صرف نہیں کرسکتا وہ اس کے باپ کے قبضے میں رہ کر خود

---

[1] الدر المختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۴

اس کے خورد ونوش میں صرف ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۴ از پنڈول بزرگ ڈاک خانہ رائے پور ضلع مظفر پور مرسلہ نعمت علی صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو بھائی کافر میں سے ایک مسلمان ہوگیا تو اب وہ بھائی کافر اس کا اس کو حق حصہ نہیں دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ہمارے مذہب سے نکل گئے تمہارا حق کیسا آیا اس کا حق ہوگا یا نہیں؟

الجواب

اگر مثلاً باپ کا ترکہ دونوں بھائیوں نے پایا تھا اب ایک مسلمان ہوگیا تو وہ اپنے حصے کا مالک ہے مسلمان ہوجانے سے ملک زائل نہ ہوئی ہاں اس کے اسلام کے بعد اُن کافروں میں جو مرا اس کا ترکہ اُسے نہ ملے گا لاختلاف الدین (دین کے مختلف ہونے کی وجہ سے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۵ از دربھنگہ قلعہ گھاٹ مرسلہ غلام اکبر ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ہندو مرا اور اس کی بی بی مرنے کے بعد اُس کی کُل جائداد پر قابض ودخیل ہوئی اور اپنا اندراج نام بھی دفاتر گورنمنٹ میں کرایا۔ چند سال کے بعد وہ مسلمان ہوگئی تو اب جائداد مذکورہ بعد تبدیل مذہب زنِ نومسلمہ کو شرعاً ملے گی یا نہیں؟

الجواب

جو چیز اُس وقت اُس کی ملک سمجھی جاتی تھی وہ بعد اسلام بھی اس کی مِلک رہے گی، اسلام قاطع مِلک نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۸۶ از جبہ کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور براستہ چھانگا مانگا سب آفس بلوکی مرسلہ عبدالرحمن صاحب ۵ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے حقیقی بھائی خورد عمرو کو بصد محنت تعلیم کتب دینیہ کی دے کر اچھا خاصہ اہل علم بنادیا اور دیگر حقوق خورد ہونے کے بھی ادا کئے مگر عمرو اس جوہر کا نکلا کہ جملہ حقوق پر خاک ڈال کر بے مروّتی پر کمر باندھ لی اور اپنے بڑے بھائی واستاد وہمسایہ کی ایذا رسانی پر کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا حتی کہ فی الحال بلا ولد زید کے

عمرو زید کی موت کا ملتجی ہے اور زید نے ان حرکاتِ ناشائستہ سے تخمیناً عرصہ سات برس تک صبر کیا مگر جب طاقت بشری تحمل کی نہ رہی تو مجبوراً زید کو عمرو کا عاق کرنا پڑا، کیا یہ عمرو عاق کرنے کے لائق ہے یا نہیں؟ اور عاق ہونے کے بعد وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

صورتِ مذکورہ میں عمرو ضرور عاق و فاسق و مستحق عذاب النار ہے مگر عقوق بمعنی ارث نہیں۔

ان اللہ اعطی کل ذی حق حقہ[1]۔ بیشک اللہ تعالٰی نے ہر حقدار کو اس کا حق عطا فرما دیا ہے۔ (ت)

نہ عاق کر دینا شرع میں کوئی اصل رکھتا ہے نہ اس سے میراث ساقط ہو، ہاں اگر زید چاہے تو اپنی جائداد وقف اہلی کر دے اور اس میں عمرو کے لئے شرط لگا دے کہ اگر وہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور ان ان باتوں کا پابند ہو تو اس قدر پائے ورنہ نہ پائے، یوں مقصودِ زید حاصل ہو سکتا ہے، اور اگر امید اصلاح نہ ہو اور بالکل محروم کر دے جب بھی حرج نہیں کہ فاسق کو میراث سے محروم کر دینے کی اجازت ہے یہ تو وقف ہے۔ فتاوٰی خلاصہ و لسان الحکام و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

لوکان ولدہ فاسقا واراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اگر اس کی اولاد فاسق ہو اور وہ چاہے کہ اپنا مال نیکی کے کاموں میں خرچ کر دے اور فاسق اولاد کو اس سے محروم کر دے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے بنسبت اس کے کہ وہ فاسق اولاد کے لئے مال چھوڑ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۸۰: از شہر سیالکوٹ بازار پینچ پورہ زیر قلعہ مرسلہ امام الدین صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید تین لڑکے چھوڑ کر مرگیا دو بڑے

---

[1] کنز العمال حدیث ۴۶۰۵۶ و ۴۶۰۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۶/ ۶۱۲

[2] فتاوٰی ہندیۃ کتاب الہبۃ الباب السادس نورانی کتب خانہ پشاور ۴/ ۳۹۱

عمرو بکر شادی شدہ تھے اور تیسرا خالد کم سن غیر شادی شدہ تھا عمرو بکر نے جو قرضہ والد کا تھا وہ اپنے ذمے لے لیا اور مکان کا تیسرا حصہ اور مبلغ دو صد ۲۰۰ روپیہ شادی کے واسطے اس چھوٹے بھائی خالد کو دے دیئے اور قرضہ اور جائداد دونوں بڑے بھائیوں نے نصف نصف کر لیا اس کے بعد بڑا بھائی عمرو فوت ہوا اور اس کی عورت کو چھوٹے بھائی خالد نے اپنے ساتھ نکاح کر لیا، عمرو کی دو لڑکیاں تھیں چونکہ وہ کم سن غیر شادی شدہ ہیں اس واسطے وہ بھی اپنی والدہ کے ہمراہ خالد اپنے چچا کے پاس آئیں۔ اس نے اپنی مرضی سے بڑی لڑکی کا نکاح کر دیا اس کے بعد دونوں لڑکیاں فوت ہو گئیں، اب اس کے پاس عمرو کی سب جائداد معہ عورت موجود ہے اور دوسرے بھائی بکر کو کچھ نہیں دیتا اور جو رقم مبلغ دو صد روپیہ کی اس کو قبل تقسیم اس کی شادی کے واسطے دیئے گئے تھے وہ بھی اس کے پاس ہے کیونکہ اس کی شادی پر وہ خرچ نہیں ہوئے کیونکہ رانڈ بھاوج سے نکاح کر لیا ہے اب کس طرح اس جائداد کو تقسیم کیا جائے نیز ان تینوں بھائیوں کی نانی حقیقی کو اُن کے والد مرحوم زید نے کچھ حصہ مکان کا بیع کر دیا ہوا تھا وہ بھی مر گئی وہ بھی اسی خالد کے قبضے میں ہے اس میں سے بھی عمرو بکر کو حصہ آتا ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال میں کچھ نہ بتایا کہ مکان کے علاوہ زید کی باقی جائداد منقولہ وغیر منقولہ وجنس ترکہ کس قدر تھا اور اس پر قرض کتنا، نہ یہ کہ دونوں لڑکیوں میں پہلے کون مری، اور جس کی شادی ہو گئی تھی اس کے بعد اُس کا شوہر یا کوئی بچہ رہا یا نہیں، اور دوسری کی شادی ہوئی تھی یا نہیں ہوئی تو اس کے وارث کون کون سے رہے، اُن کی ماں اُن کی نانی سے پہلے مری یا بعد، اسکے کون کون ورثہ رہے، تقسیم جائداد کا جواب بے تفصیل کامل ورثہ وترتیب اموات نہیں ہو سکتا، اتنا اجمالاً کہا جا سکتا ہے کہ اگر بعد ادائے قرضہ زید اُس کا متروکہ چھ ۶۰۰ سو روپے سے زیادہ کا تھا اور خالد کو صرف دو ۲۰۰ سو پہنچے تو عمرو بکر کے پاس خالد کا حق رہا اور جائداد باہم بانٹ لینا اور خالد نابالغ کو روپیہ دینا یہ بھی ناجائز تھا پھر خالد کا جتنا حق عمرو کے پاس رہا وہ تو خالد کے قبضے میں آ ہی گیا جتنا بکر کو گیا تھا اگر وہ اُن حصّوں کے برابر ہے جو بکر کو دختران عمرو اور اپنی نانی کے مال سے پہنچتے ہیں تو برابر ہو گئے ورنہ بکر یا خالد جس کے پاس زیادہ پہنچا ہوا ہے وہ دوسرے کو دے کر حق العباد سے پاک ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۸۸ ۲۶ رمضان ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں اور لڑکے کی ولایت ثابت ہوچکی ہے لڑکا بدچلن اور بدوضع ہے اور اپنی ہمشیرگان و پدر کو نہایت تکلیف دہ ہے زید اسے عاق کرنا چاہتا ہے کہ وہ آئندہ میری لڑکیوں کے اور میرے متروکہ میں اگر کچھ میرے پاس باقی بچے تو وہ اس حق سے جو مجھ سے پہنچے اور لڑکیوں کے حقوق کی حفاظت کی غرض سے عاق کرنا کس حد تک جائز ہے؟

الجواب

عاق کرنا شرع میں کوئی چیز نہیں، نہ وہ اس کے سبب ترکہ سے محروم ہوسکے، ہاں اگر وہ واقعی فاسق و آوارہ ہے تو یہ جائز ہے کہ اپنا سب مال بذریعہ وقف علی الاولاد یا بذریعہ ہبہ نامہ یا جدا جدا تقسیم کرکے قبضہ دے کر بذریعہ ہبہ نامہ اپنی بیٹیوں کے نام کردے یوں بیٹے کو آپ ہی کچھ نہ پہنچے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۸۹ از شہر بریلی محلہ گندانالہ مسئولہ حافظ محمد جان صاحب ۱۱ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت نے انتقال کیا اس نے دو لڑکے چھوڑے، ایک لڑکے کو اپنی زندگی میں جو کچھ اس کے پاس چیز تھی وہ دے دی اور اس پر اُس کو قابض کرگئی، لڑکے نے والدہ کی زندگی میں اس میں سے صرف بھی کیا اپنے اختیار سے، اور جو کچھ باقی رہا وہ اس کے قبضہ میں ہے، پس اس صورت میں شریعت مطہرہ دوسرے لڑکے کو کچھ دلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر مرض الموت سے پہلے دے کر قبضہ تام دے گئی تھی تو دوسرے لڑکے کا اس میں کچھ حق نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۰ از شاہجہانپور مرسلہ شیخ علی حسین صاحب ۱۹ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کہ کوئی وراثت کا نہیں حق رکھتا اور شرعًا ترکہ کا بوجہ من الوجوہ ذی استحقاق نہیں ہوسکتا، اب بحالت مول لینے جائداد ترکے کے ترکہ دین مہر پانے کا جو حق بیچنے والے وارثوں کا ہے کیا یہ خریدنے والا دعوٰی کرسکتا ہے کہ جائداد ترکہ لینے سے مجھ کو ترکہ دین مہر پانے کا حق حاصل ہے اور دعوٰی اس کا شرعًا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

ہرگز خریدارِ ترکہ کو کوئی استحقاق دعوی مہر کا نہیں مہر کی مالک عورت ہے نہ کہ یہ مشتری متروکہ بلکہ اگر قبل ادائے دینِ مہر و دیگر دیون (اگر ہوں) ورثہ غیر زوجہ نے جائداد بیع کردی اور مہر تنہا یا مع دیگر دیون جائداد متروکہ کو محیط یعنی اس کے مساوی یا زائد ہے تو زوجہ و دیگر دائنان کو اختیار ہے کہ یہ بیع رَد کردیں اور اپنے مہر و دیون اس سے وصول کریں،

فان الترکۃ المستغرقۃ بالدیون لاتصیر ملکا للورثۃ کما فی الاشباہ[1] وغیرھا۔ جس ترکہ کو قرضوں نے گھیر رکھا ہو وہ وارثوں کی ملکیت نہیں ہوتا جیسا کہ اشباہ وغیرہ میں ہے۔ (ت)

اور اگر متروکہ کے ساتھ عورت سے اُس کا مہر بھی مشتری نے خرید لیا ہے جب بھی اُس کا دعوٰی باطل ہے کہ دین غیر مدیون کے ہاتھ بیع نہیں ہوسکتا، اشباہ و درمختار وغیرہا میں تصریح ہے کہ:

بیع الدین ممن لیس علیہ باطل[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔ قرض کی بیع اس شخص کے ہاتھ کرنا جس پر وہ قرض نہیں ہے باطل ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۱: از ہلدوانی ضلع نینی تال مدرسہ اسلامیہ مرسلہ حافظ اسرار الحق صاحب ۱۶ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زوج زوجہ کا انتقال ہوگیا بعد انتقال کے روپیہ نقد اور زیور چھوڑا، روپیہ اور زیور کو برادری نے جمع کرلیا شخص مرنے والے کی ایک بھتیجی حقیقی یعنی حقیقی بھائی کی لڑکی بیوہ اور یتیم بچے ہمراہ، اور برادری یہ بات کہتی ہے کہ یہ روپیہ اور زیور مسجد کو دے دینا چاہئے اور بھتیجی کو نہ دینا آیا اس صورت میں بھتیجی بیوہ کا حق نکلتا ہے یا نہیں یا کہ مسجد کو دے دیں، اس صورت میں مسجد کو دینا جائز ہے یا ناجائز؟ زوجہ مرنے والی کے بھائی بھانجے ہیں وہ بھی اس روپیہ زیور میں سے حصّہ کے دعویدار ہیں یا نہیں؟ مگر یہ بھائی بھانجے حقیقی نہیں ہیں دور رشتہ کے ہیں ان کا بھی حق روپیہ زیور میں سے نکلتا ہے یا نہیں؟

---

[1] الاشباہ والنظائر الفن الثالث القول فی الملک ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۲۰۴
[2] الدرالمختار کتاب الھبۃ فصل فی مسائل متفرقۃ مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۱۶۵-۱۶۶

الجواب

برادری کا کہنا قابلِ سماعت نہیں، وہ مال وارثوں کا ہے، زوج یا زوجہ جس کا مال ہے:
اس کے جو وارث ہوں اگرچہ کتنے ہی دُور کے رشتہ کے بھائی یعنی دادا پردادا کی اولاد کے بھائی
اُن میں جو قریب تر ہے وہ وارث ہوگا اُس کے ہوتے بھتیجی بھی وارث نہیں، نہ بے اجازت وارث،
ایک حبّہ اس میں سے مسجد میں لگانا جائز۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۲ از چتور گڈھ میواڑ مرسلہ فتح محمد ۲۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قوم میں تقسیم ترکہ کا رواج نہیں تو ایسے مال سے
کہ جس میں بالغ اور نابالغ وارث ہیں کھانا لینا دینا خیرات کا ہونا جائز ہے یا ناجائز جب کہ بالغ
بھی وارثِ مال ہیں اور وہ کریں جیسے کاکو کریم بخش کی صورت کہ تقسیم ترکہ ہوتا ہی نہیں اناث تو
متروک الارث سمجھے جاتے ہوں اور ذکور ہی صرف وارث بنے جاتے ہیں ہمارے یہاں تو بالغین
کا صرف کرنا کیسا؟

الجواب

اناث کو محروم کرنا حرام قطعی ہے ہنود کا اتباع اور شریعت مطہرہ سے منہ پھیرنا ہے جبکہ اس میں
نابالغوں کا حق مخلوط ہے اور معلوم ہے کہ یہ خالص اپنے حصّے سے نہیں کرتے بلکہ کُل کو اپنا ہی حصّہ جانتے
ہیں تو اس میں سے نہ کھانا جائز نہ کچھ لینا۔

قال اللہ تعالٰی ان الذین یاکلون اموال الیتٰمٰی ظلما انما یاکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا[1]۔

(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نہیں بھرتے مگر آگ اور عنقریب بھڑکتی آگ میں جائیں گے۔

والعیاذ باللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۳ از دفتر صدر اول بزم حنفیہ لاہور خواجگان منزل مرسلہ مولوی حکیم عبدالحمید صاحب
صدر اول ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے اہل اسلام مفتیان حنفیہ کرام اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نہایت
متشرع فوت ہوا۔ زید، عمرو، بکر، خالد اور زبیدہ و ہندہ یہ چھ اولادیں چھوڑیں۔ نمبر ۱ و ۲ و ۴

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۱۰

نے اس کے ترکہ کو بقوانین شرع تقسیم پر صاف انکار کیا، نمبر ۲ کی طرف سے اس پر ڈیڑھ سال تک
اعتراض اور انکار ہوتا رہا بالآخر انھوں نے جو ثالث کیا اُس نے بھی فیصلہ بحق ہر سہ بالا بخلاف
شریعت کردیا۔ اس فیصلہ میں نمبر ۲ کا بہت سا حق زائل کرلیا گیا زبیدہ بھی خلافِ شرع حصہ
پاچکی ہے مگر ہندہ جو بعد متوفی فوت ہوگئی، اب فریق نمبر ۲ اپنے قلیل حصہ سے بھی جو اس کو وراثۃً
ملا ہے اپنی ہمشیرہ مرحومہ کے شرعی حصہ سے سبکدوش ہونا چاہتا ہے مرحومہ کی سسرال اور بالخصوص
خاوند فاسق فاجر عقائد میں صلح کل جس کا پسر الولد سرٌّ لابیہ (بیٹا اپنے باپ کا بھید ہوتا ہے) ہے
پس فریق نمبر ۲ حیرت میں ہے کہ مرحومہ کا ورثہ کس کو ادا کیا جائے اس کا ارادہ ہے کہ یہ حصہ بنام
بزم حنفیہ کردیا جائے اور وہ بتدریج اشاعت مذہب حنفیہ وحمایت کلام مجید صرف کرے، اب استفسار ہے
کہ کیا اس صورت میں جب کہ لڑکا بھی فاسق فاجر کے قبضہ میں۔ ہے اگر روپیہ اس کو دے دیا جائے تو فسق و
فجور اور بد مذہبی میں صرف ہوگا تو کیا اُس ترکہ کو (جو یک صد روپے کے اندر اندر ہوگا) بزم حنفیہ
حمایت کلام مجید اور اشاعت مذہب اہلسنت میں صرف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

سوال زائد باتوں سے بہت مفصل اور ضروری باتوں سے نہایت مجمل ہے کیسی تقسیم
خلافِ شرع ہوئی اگر اُس شیطانی مسئلہ پر عمل ہوا جو آج کل شیاطین الانس میں ہے کہ بنات
کو ترکہ نہیں دیتے تو زبیدہ کو کیسے ملا اور پسر سوم کا حق کیسے زائل ہوا اور اگر یہ ہے کہ تینوں بیٹوں اور
ایک بیٹی نے باہم لے لیا ایک دختر کو کچھ نہ دیا اور پسر سوم کو اس کے حصہ سے بہت کم دیا اس صورت
میں اُس دختر کے حصہ کا اس پسر پر کیا بار ہے؟ اس نے اس کا کیا دبایا ہے جس سے سبکدوشی
چاہتا ہے؟ ترکہ کیا چیز ہے اور تقسیم کس طرح؟ صاف تحریر فرمائیں کہ جواب دیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۱۹۴ تا ۱۹۶ از کانپور نئی سڑک دکان حاجی رحیم بخش وحاجی فہیم بخش مرسلہ کاظم حسین صاحب
۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ زید فوت ہوگیا اور
اپنی بیوی اور ایک نابالغہ لڑکی چھوڑی، عمرو جو زید کا باپ ہے اس وجہ سے کہ اس نے ایک غیر کفو
کی عورت سے بعد وفات والدہ زید نکاح کرلیا تھا ہمیشہ زید سے علیحدہ رہا۔ اب بعد وفاتِ زید
زید کی جائداد پر ناجائز صورت سے قابض ہوگیا ہے اور اتلاف جائداد کی نیت سے لڑکی نابالغہ
کا ولی بننا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کیا حکم ہے؟

اوّل زید کی متروکہ جائداد زید کی لڑکی و بیوی پر تقسیم ہونے کی کیا صورت ہے؟

دوم زید کے متروکہ میں عمرو کا اور زید کے علاتی بھائی خالد کا کوئی حق ہے یا نہیں؟ ہے تو کتنا؟

سوم ایسی حالت میں جبکہ عمرو کی ولایت سے جائداد کے تلف ہوجانے کا احتمال ہے تو نابالغہ کی ماں ولیہ نابالغہ ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب

بعد ادائے مہر و دیگر دیون حسب شرائط فرائض متروکہ زید کے آٹھ حصّوں سے ایک حصہ اس کی زوجہ اور چار سہم دختر اور تین سہم عمرو کو ملیں گے فرضًا وعصوبةً (بطور فرض اور بطور عصبہ) اور علاتی بھائی کا کوئی حق نہیں شریعت مطہرہ نے پدر و وصی پدر کے بعد نابالغ کے مال کا ولی اس کے دادا کو بنایا ہے ماں کسی طرح ولی مال نہیں نہ کہ دادا پر اُس کو ترجیح ہو۔ درمختار میں ہے:

ولیہ فی المال ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ[1] الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

نابالغ کا ولی اس کے مال میں اس کا باپ پھر باپ کا وصی پھر اس کا دادا پھر دادا کا وصی ہوتا ہے الخ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۱۹۷: مرسلہ حافظ جان محمد صاحب ساکن گندہ نالہ شہر بریلی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے انتقال کیا اور ایک مکان واسطے ادائیگی مہر اپنی بیوی کے چھوڑا ایک لڑکا پانچ لڑکیاں اولاد چھوڑی ایک لڑکی کی شادی والد نے خود کردی ۴ لڑکیاں رہیں ان لڑکیوں کی والدہ نے اپنے لڑکے سے کہا کہ تم اپنی کمائی سے ان کے عقدِ نکاح کا انتظام کردو اس مکان کا تم کو مالک کیا چنانچہ لڑکے نے حسبِ فرمان اپنی والدہ کے چاروں کا عقد نکاح کردیا بعد کو والدہ نے انتقال کیا اس کے بعد دو لڑکیاں انتقال کرگئیں بعد اس کے اس لڑکے نے بھی انتقال کیا اس نے تین ہمشیرہ اور اپنی بیوی اور دو لڑکے اور چار لڑکیاں چھوڑیں بعد کو ایک ہمشیرہ اور انتقال کرگئی لیکن ان سب کی اولاد موجود ہیں کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اپنا حصہ طلب کرتے ہیں اور ایک وہ ہمشیرہ جس کی شادی خود والد نے کی زندگی میں نہ کسی نے مکان پر قبضہ کیا نہ طلب کیا اور اس لڑکی کے ذمہ قرضہ دینا ہے جتنے کا مکان کا حصہ ہے اُتنا قرضہ بھی ہے

---

[1] الدرالمختار کتاب الماذون مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۰۳

پس اس صورت میں شریعتِ مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟ آیا لڑکی یا ان کی اولاد کو حصہ مل سکتا ہے یا نہیں؟ اور لڑکے کی بیوی کو اور اولاد کو حق پہنچے گا یا قرض ادا کیا جائے گا؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ماں نے جو لفظ لڑکے سے کہے تھے کہ ان کا نکاح کردو تمہیں مکان کا مالک کیا اس سے ہبہ خواہ بیع کہ ٹھہرائیں جبکہ ماں بلکہ لڑکا بھی قبلِ قبضۂ مکان انتقال کرگئے لڑکا کسی طرح اس مکان کا مالک نہ ہوا ہبہ میں تو ظاہر کہ قبلِ قبضہ اُن میں ایک کی موت سے باطل ہوتا ہے اور بیع میں یوں کہ یہ بیع بوجہ جہالت ثمن باطل تھی اور بیع فاسد میں قبلِ قبضہ مشتری مالک نہیں ہوتا۔ درمختار میں ہے:

اذا قبض المشتری المبیع برضاء بائعہ فی البیع الفاسد ولم ینھہ ملکہ[1] (ملتقطا)

جب مشتری بیع فاسد میں بائع کی رضامندی سے مبیع پر قبضہ کرلے اور بائع اس کو منع نہ کرے تو وہ مبیع کا مالک ہوجائے گا۔ (بالالتقاط)۔ (ت)

تو مکان کہ ماں کے مہر میں تھا اُسی کی ملک رہا اس کے لڑکے اور پانچوں لڑکیوں سب کا اس میں حصہ ہوا جو موجود ہیں اُن کو اور جن کا انتقال ہوگیا اُن کی اولاد و ورثہ کو حصہ پہنچے گا، جو حصہ اس پسر کا ہوگا اس سے جو قرضہ اس پر ہے ادا کیا جائے گا اگر کچھ بچا تو اس کی زوجہ اور بیٹے بیٹیاں پائیں گے ورنہ کچھ نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱۹۸: از پولیس لائن ضلع سیتاپور مرسلہ عرفان خاں کانسٹیبل محرر ۲ شعبان ۱۳۳۸ھ

اصغری بیگم کا خاوند مرگیا، اصغری بیگم کے ایک لڑکا بالغ عرفان خاں اور ایک نابالغہ لڑکی مظہری بیگم ہے، مسماۃ بیوہ نے مظہری کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہا اور عرفان خاں کو خط لکھا کہ میں تمہاری بہن مظہری بیگم کا عقد بکر کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں تمہاری کیا رائے ہے۔ عرفان خاں نے اپنی ماں کو جواب دیا کہ بکر بدچلن اور خلافِ شرع شخص ہے مجھے اپنی بہن کا عقد اس سے منظور نہیں باوجود ممانعت عرفان خاں ماں نے بولایت خود خلافِ مرضی عرفان خاں بکر کے ساتھ مظہری کا عقد کردیا اور پندرہ دن بعد بذریعہ خط عرفان خاں کو عقد مذکور کی اطلاع دی عرفان خاں نے جواب دیا کہ تم نے میری بلا اجازت اور خلافِ مرضی جو نکاح مظہری کا بکر کے ساتھ کردیا ہے میں اُس کو ہرگز نہ مانوں گا اور مظہری کی رخصت بکر کے ساتھ نہ کروں گا نکاح کو ڈھائی سال ہوئے مظہری اب بالغہ ہے اور

---

[1] الدرالمختار کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۸

اس نکاح سے اپنی نارضامندی ظاہر کرتی ہے اور فسخ کرانا چاہتی ہے کیا حکم ہے؟

الجواب

اگر یہ بیان صحیح ہے تو عرفان خاں نے جس وقت نکاح کی اطلاع پانے پر اس نکاح کے ماننے سے انکار کیا اسی وقت وُہ نکاح رَد ہوگیا اور مظہری کو بکر سے کچھ علاقہ نہ رہا فسخ کی کیا حاجت کہ وہ سرے سے نہ رہا مظہری کو اختیار ہے جس مناسب جگہ چاہے نکاح کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۱۹۹: از مدرسہ عین العلوم پوسٹ برتلہ ۲۴ پرگنہ مرسلہ محمد سراج الدین صاحب
۱۲ رمضان ۱۳۳۸ھ

زید نے انتقال کیا اور زوجہ و اب و ام و ایک اخت علّتی وارث چھوڑے ہر ایک کا حصہ کیا ہوگا اگر اس صورت میں ام کو ثلث مابقی ملے تو سراجی کی عبارت ذیل کا کیا مطلب ہوگا:

وثلث مابقی بعد فرض احد الزوجین وذٰلک فی مسألتین زوج وابوین او زوجۃ وابوین۔ بینوا توجروا۔

ماں کو زوج یا زوجہ کا حصہ نکالنے کے بعد باقی کا تہائی ملے گا اور وہ دو مسئلوں میں ہوتا ہے: (۱) میّت نے خاوند اور والدین چھوڑے ہوں۔ (۲) میت نے بیوی اور والدین چھوڑے ہوں۔ بیان کیجئے اجر پاؤ گے۔ (ت)

الجواب

ہاں اس صورت میں ام کو ثلث باقی ملیگا اور یہ عبارت سراجیہ کے مخالف نہیں، وہی صورت زوجہ والوین کی ہے کہ اخت عینیہ کا وجود و عدم یکساں ہے کہ خود محجوب بالاب ہے اور ام کو حاجبہ عن الثلث نہیں، ہاں دو عینیہ ہوتیں تو ام کو سدس ملتا زوجہ کو ربع باقی اب کو عصوبۃً۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۰: لکھنؤ محلہ رکاب گنج گڈھیا متصل احاطہ کمال خاں ۱/۲ مکان
مرسلہ مہدی حسن خاں صاحب مورخہ ۱۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر اوّل سے دو پسر زید وبکر اور ہندہ کے شوہر ثانی سے ایک پسر خالد ہے اور ہندہ کے شوہر ثانی کی زوجہ اولٰی سے ایک پسر ولید ہے۔ خالد فوت ہوا اس نے ورثہ ذیل چھوڑے ایک بیوہ لاولد

---

[1] السراجی فی المیراث فصل فی النساء مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی ص ۱۸

اور زید و بکر برادران اخیافی اور برادر علاتی ولید جو کہ رافضی المذہب ہے۔ تو ایسی صورت میں تقسیم ترکہ کن کن ورثہ پر ہوگا؟ دیگر یہ کہ متوفی نے جو جائداد چھوڑی ہے وہ متوفی کی خاص قوتِ بازو سے حاصل کی ہوئی ہے کسی مورث قدیم کا کچھ ترکہ اس میں شامل نہیں ہے اور بیوہ لاولد متوفی کی کسی ورثان استحقاق شدہ کو کچھ حصہ نہیں دیتی ہے بلکہ آمادۂ جنگ و جدال ہے تو اس صورت میں نزدیک شرع شریف کے عنداللہ گنہ گار ہوگی یا نہیں؟ فقط۔ بیّنوا توجروا

الجواب

بیوہ کا مہر واجب الادا اگر قدر متروکہ سے زائد یا برابر ہے اور وہ اس دعوٰی سے کسی وارث کو کچھ دینا نہیں چاہتی تو گنہگار نہیں، وارث اگر مہر میں جائداد دینا نہ چاہیں مہر ادا کردیں اس کے بعد جائداد میں حصہ لیں، اور اگر مہر نہیں یا قدر متروکہ سے کم ہے تو بیوہ کا کل جائداد پر قبضہ کرنا اور وارثوں کو نہ دینا ظلم ہے اور وہ گنہگار۔ خالد کا ترکہ حسبِ شرائط فرائض بعد ادائے مہر و دیگر دیون و انفاذ وصایا و انحصار ورثہ فی المذکورین آٹھ سہم ہوکر ۲ دو سہم زوجہ اور تین تین سہم دونوں اخیافی بھائیوں کو ملیں گے اور ولید برادر علاتی کو بوجہ اختلافِ دین کچھ نہ ملے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں فتاوٰی ظہیریہ سے دربارۂ روافض ہے:

احکامھم احکام المرتدین[1]۔ رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام کی طرح ہیں۔ (ت)

اور اسی میں ہے:

واختلاف الدین یمنع الارث[2] دین کا مختلف ہونا میراث سے مانع ہے (ت)

واللہ تعالٰی اعلم۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از سنبھل ضلع مراد آباد محلہ کوٹ غربی متولیان مسئولہ سید محمد علی صاحب ۴ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ ایک شخص سنّی المذہب کا انتقال ہوا اور اس نے اپنی ۲ دو بہنیں سنّی المذہب اور ایک بیٹی شیعی المذہب چھوڑیں، شرعاً اس صورت

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/ ۲۶۴

[2] ؍؍ ؍؍ کتاب الفرائض الباب الخامس ؍؍ ۶/ ۴۵۴

میں ترکہ متوفی کس طرح تقسیم کیا جائیگا؟ بیّنوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب سے بیان کرو حساب کے روز اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

صورتِ مستفسرہ میں حسب شرائط فرائض متوفی کا ترکہ نصف نصف دونوں بہنوں کو پہنچے گا اور بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔ عالمگیریہ میں ہے:

احکامھم احکام المرتدین کذا فی الفتاوی الظھیریۃ[1]

رافضیوں کے احکام مرتدوں کے احکام جیسے ہیں۔ فتاوٰی ظہیریہ میں یوں ہی ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

المرتد لایرث من مسلم ولامن مرتد مثلہ کذا فی المحیط[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مرتد نہ تو مسلمانوں کا وارث بنتا ہے اور نہ ہی اپنے جیسے مرتد کا۔ ایسا ہی محیط میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۲: از شہر بہار چوک بازار پٹنہ دکان پارچہ حاجی ناصر علی محمد ابراہیم
۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

زید نے انتقال کیا، تین لڑکے چھ لڑکیاں چھوڑیں جن میں چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں اور دو نابالغہ، اور ایک لڑکا نابالغ، اور احمد و محمود دو لڑکے بالغ، یہ پانچوں اور ان کی والدہ ایک ساتھ رہے، اور کل متروکہ انھیں کے قبضہ میں رہا۔ وہ چار لڑکیاں شادی شدہ تھیں، وقتِ انتقالِ زید حقِ پدری کی طالب نہ ہوئیں، متروکہ پدری سے احمد و محمود نے تجارتیں کیں کچھ ایسے ہی اور کچھ میں مضارب بن کر جس سے عظیم کاروبار ہوگیا وہ چاروں دختر اب پدری حق چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ جو کچھ تجارتوں میں زیادتی ہوئی ہے وہ بھی ہمارے ہی باپ کا مال ہے اس میں بھی ہمارا حق ہونا چاہئے، اس صورت میں کیا حکم ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دئے جاؤ گے۔ ت) اور اگر نفع میں بھی اُن کو حصہ دیا جائے تو کیا اس نفع سے بھی حصہ ملے گا جس میں احمد و محمود مضارب ہوئے تھے؟

---

[1] الفتاوی الہندیۃ کتاب السیر الباب التاسع نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۲۶۴
[2] 〃 کتاب الفرائض الباب السادس 〃 〃 〃 ۶/۴۵۵

الجواب

جبکہ نہ اُن لڑکیوں نے اپنا حصہ مانگا نہ لڑکوں نے دیا اور بطور خود اس میں تجارت کرتے رہے تو وُہ چاروں لڑکیاں اصل متروکہ میں اپنا حصہ طلب کرسکتی ہیں تجارت سے جو نفع ہوا وہ لڑکیاں اسکی مالک نہیں، ہاں اُن کے حصّہ پر جو نفع ہوا لڑکوں کے لئے ملک خبیث ہے لڑکوں کو جائز نہیں کہ اسے اپنے تصرف میں لائیں' ان پر واجب ہے کہ یا تو وہ نفع فقراء مسلمین پر تصدق کریں یا چاروں لڑکیوں کو دے دیں اور یہی بوجوہ افضل واَولیٰ ہے اور اُن لڑکیوں کے لئے حلال طیب ہے کہ انھیں کی ملک کا نفع ہے جبکہ لڑکوں پر شرعًا حرام ہے کہ ان لڑکیوں کے حصہ کا نفع اپنے صرف میں لائیں تو لڑکیوں ہی کو کیوں نہ دیں کہ ان کی دلجوئی ہو صلہ رحم ہو صاحبِ حق کی ملک کا نفع اسی کو پہنچے، واللہ تعالٰی اعلم

اور اس میں برابر ہے وُہ نفع کہ انھیں مال متروکہ کی تجارت پر ملا اور وہ جس میں احمد ومحمود مضارب ہے کہ ان چار لڑکیوں نے نہ حصّہ طلب کیا نہ ان کو مضارب کیا بطورِ خود مضارب بن جانا مہمل محض ہے اور اگر ماں نے مضارب کیا تو اُن چار لڑکیوں کے حصوں پر اُسے بھی کوئی اختیار نہ تھا بہرحال اُن کا حصہ اُن کے ہاتھ میں بطورِ غصب رہا اور اس پر نفع جس طرح بھی حاصل ہوا خبیث ہوا اور اس کا وہی حکم ہے جو گزرا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۰۳: از بمبئی محلہ کماٹی پورہ دوسری گلی مسئولہ محمد عثمان صاحب سنی حنفی قادری ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ایک نادار شخص ہے جس کی اہلیہ اور ایک دختر تین سال کی ہے قرض لے کر اپنی زوجہ و دختر کو زیور بنا دیا اور اب بھی مقروض ہے اسکی خوشدامن بغیر اجازت زید اپنی لڑکی اور نواسی کو اپنے مکان پر لے گئی اور آنے نہ دیا اس درمیان میں زوجۂ زید بیمار ہوگئی اور بحالتِ بیماری میں اپنے شوہر کو دو آدمیوں کے رُوبرو بلوا کر مہر معاف کردیا۔ زید نے قرض لے کر تجہیز وتکفین کردی اب خسر زید زیور اور نواسی کو دینے سے انکار کرتا ہے کہ تمھارا اب کوئی حق نہیں اور نہ تمھاری ہمشیرہ کو لڑکی کے پرورش کرنے کا کوئی حق ہے لہذا صورت مسئولہ میں زیور اور نواسی کو نہ دینا کیا حکم شرع رکھتا ہے؟ بیّنوا بیانًا شافیًا توجروا اجرًا وافیًا (تسلی بخش طور پر بیان کرو بھرپور اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

اگر زوجہ و دختر کو زیور کا مالک ذکر دیا تھا نہ وہاں کے عرف و رواج سے مالک کر دینا مفہوم ہوتا ہو تو اس زیور کا مالک خود زید ہے عورت کے ماں باپ کو اس کے رکھ لینے کا کوئی حق نہیں اور اگر مالک کر دیا تھا جب بھی لڑکی کا زیور وہ نہیں رکھ سکتے کہ نابالغہ لڑکی کا ولی اس کا باپ ہے نہ کہ نانا نانی۔ رہا عورت کا زیور اس کے تیرہ حصوں میں سے چار حصے اس کے ماں باپ کے اور تین حصے شوہر اور چھ حصے لڑکی کے، عورت کے والدین اپنے چار حصے لے سکتے ہیں، باقی نو حصے لینے اور رکھنے کا مستحق اس کا شوہر ہے۔ یوں ہی مہر کے تیرہ حصوں میں سے تین حصے بحق شوہر ساقط ہوگئے اور چھ حصے کہ حقِ دختر ہیں نانا نانی اُن کا مطالبہ نہیں کر سکتے اپنے چار حصے مانگ سکتے ہیں، اگر عورت کا معاف کرنا کہ مرض الموت میں تھا منظور نہ رکھیں اور اگر بعد مرگ زن اس معافی کو منظور کر چکے ہوں تو ان کا مہر میں کوئی حق نہ رہا لڑکی نو برس کی عمر ہونے تک نانی کے پاس رہے گی پھر باپ لے لے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰: از چاچڑاں شریف ریاست بہاولپور مرسلہ جناب احمد بخش صاحب چشتی سجادہ نشین ۱۳ ذی القعدہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موجب روایت متون سراجی وہدایہ وکنز وملتقی الابحر عنداختلاف الجھۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ وبکون الاصل وارثا معتبر نہیں یعنی بنت العم وابن الخال میں سے کسی کو ترجیح نہیں بلکہ بنت العم کو دو حصہ ابن الخال کو ایک حصہ دیا جائے گا اور اسی روایت کو صاحب فتاوٰی حامدیہ نے مفتی بہ قرار دیا ہے بقولہ المعتبر ما فی المتون لانھا موضوعۃ لنقل المذھب[1] (اپنے اس قول کے ساتھ کہ معتبر وہی ہے جو کچھ متون میں ہے کیونکہ وہ نقل مذہب کیلئے وضع کئے گئے ہیں۔ ت) اور صاحب فتاوٰی خیریہ نے روایت شمس الائمہ سرخسی کو بہت نقول کے ساتھ مؤید کرکے مفتٰی بہ قرار دیا یعنی عند اختلاف الجھۃ ولد عصبہ کو ترجیح ہے، علامہ شامی نے بھی اسی روایت کی بڑی تائید کرتے ہوئے اپنی کتاب تنقیح حامدیہ میں مفتی بہ قرار دیا مگر عند اختلاف الجھۃ ترجیح بقوۃ القرابۃ (اختلافِ جہت کے وقت قوتِ قرابت کے ساتھ ترجیح۔ ت) میں اضطراب کرکے امر بمراجعۃ کتب کیا ہے،

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۰

بقوله بقي ما اذا اختلفت الجهة
فهل يرجح بقوة القرابة ام
لا، اما على رواية انه لا ترجيح
لولد العصبة على ولد ذي
الرحم فقد صرحوا بانه لا ترجيح
ايضًا بقوة القرابة فلا يرجح
ولد العمة لابوين على ولد
الخال أو الخالة لاب، قالوا وانما يعتبر
ذلك في كل فريق بخصوصه فالمدلون
بقرابة الاب يعتبر فيما بينهم قوة
القرابة ثم ولد العصبة اي فيقدم
ولد العمة لابوين على ولد العمة او العم لاب، و
كذا المدلون بقرابة الام فيعتبر
فيهم قوة القرابة ولا تتصور
عصوبة في قرابة الام فولد
الخالة لابوين مقدم على ولد
الخال لاب، واما على رواية
ترجيح ولد العصبة عند اختلاف
الجهة فلم ار من ذكر انه يرجح
بقوة القرابة، بل ظاهر
اطلاق هذه الرواية
ترجيح بنت العم لاب على ابن
الخال لابوين وان كان ابن
الخال اقوى منها، ومقتضى
ما مر عن السيد من التعليل بان

اپنے اس قول کے ساتھ، باقی رہی اختلاف جہت
کی صورت کہ کیا اس میں قرابت کی قوت سے ترجیح
ہوگی یا نہیں۔ اس روایت کی بنیاد پر کہ عصبہ کی
اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر کوئی ترجیح نہیں مشائخ نے
اس بات کی تصریح کی ہے کہ قوتِ قرابت کے ساتھ
بھی ترجیح نہیں ہوگی۔ چنانچہ حقیقی پھوپھی کی اولاد کو
علاتی ماموں یا علاتی خالہ کی اولاد پر ترجیح نہ ہوگی۔
مشائخ نے کہا کہ قوتِ قرابت کا اعتبار ہر فریق
میں علیحدہ ہوگا۔ لہذا جو رشتہ دار باپ کی قرابت
سے میت کی طرف منسوب ہیں ان کے درمیان
قوتِ قرابت پھر عصبہ کی اولاد ہونا معتبر ہوگا
یعنی سگی پھوپھی کی اولاد علاتی پھوپھی یا علاتی چچا
کی اولاد پر مقدم ہوگی۔ یونہی ماں کی قرابت سے
میت کی طرف منسوب ہونے والوں کے درمیان
قرابت کی قوت معتبر ہوگی مگر ان میں عصبہ ہونا
متصور نہیں ہے۔ چنانچہ حقیقی خالہ کی اولاد علاتی
ماموں کی اولاد پر مقدم ہوگی۔ لیکن اس روایت کی
بنیاد پر کہ جہت مختلف ہونے کے باوجود عصبہ
کی اولاد کو ترجیح ہوگی میں نے کسی شخص کو نہیں
دیکھا جس نے قوتِ قرابت کے ساتھ ترجیح کا
ذکر کیا ہو بلکہ اس روایت کے اطلاق کا ظاہر
تو یہ ہے کہ حقیقی ماموں کے بیٹے پر علاتی چچا
کی بیٹی کو ترجیح حاصل ہوگی حالانکہ ماموں کا بیٹا
چچا کی بیٹی سے اقوٰی ہے۔ اور سید کے حوالے
سے جو دلیل پہلے گزری کہ کسی شخص کو اس معنٰی کے

ترجیح شخص بمعنی فیہ اقوی من الترجیح بمعنی فی غیرہ یقتضی ترجیح ابن الخال فی المثال المذکور، ویؤیدہ ان الترجیح بقوۃ القرابۃ اقوی من الترجیح بکون الاصل وارثا فمن قال یرجح ولد العصبۃ علی ولد ذی الرحم یلزمہ ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانہا اقوی فتامل وراجعہ[1] اھ۔

اعتبار سے ترجیح جو اس کی ذات میں پایا جاتا ہے اقوی ہے اس ترجیح سے جو اس کو غیر میں پائے جانے والے معنی کے اعتبار سے حاصل ہو اس کا مقتضی تو مثالِ مذکور میں ماموں کے بیٹے کی ترجیح کو چاہتا ہے، اس کی تائید یہ بات کرتی ہے کہ قرابت کی قوت سے حاصل ہونے والی ترجیح اس ترجیح سے اقوی ہے جو اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ جس نے کہا کہ عصبہ کی اولاد کو ذی رحم کی اولاد پر ترجیح ہے۔ اس کیلئے قوتِ قرابت سے ترجیح دینا بھی لازم ہوگا کیونکہ یہ زیادہ قوی ہے۔ غور کرا ور مراجعت کر الخ (ت)

الغرض آپ کے نزدیک روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ ہے یا متون، اگر روایت شمس الائمہ مفتٰی بہ ہے تو ترجیح قوت قرابت بھی کی جائے گی،

کما ھو رای الشامی بقولہ ویؤیدہ الخ یا نہ کما ھو الظاھر من اطلاق روایۃ السرخسی۔

جیسا کہ شامی کی رائے ہے اس قول کے ساتھ کہ اس کی تائید کرتا ہے الخ یا نہیں جیسا کہ سرخسی کی روایت کے اطلاق سے ظاہر ہے۔ (ت)

پس بموجب متون قاعدہ اولاد صنف رابع اس طرح ہے:

یرجعون بقرب الدرجۃ ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق علیحدۃ الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بولد العصبۃ۔

وہ قربِ درجہ کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا پھر ہر فریق میں علیحدہ قوتِ قرابت، پھر اولاد عصبہ ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب ظاہر اطلاق سرخسی قاعدہ یہ ہے:

---

[1] العقود الدریۃ کتاب الفرائض ارگ بازار قندھار افغانستان ۲/ ۳۴۱

یرجعون بقرب الدرجة ثم بکون الاصل وارثا ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث ثم یعتبر فی کل فریق الترجیح بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثا۔

وہ قربِ درجہ پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں۔ پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا۔ پھر ہر فریق میں قوتِ قرابت پھر اصل کے وارث ہونے سے ترجیح ہوگی۔ (ت)

اور بموجب مذاق شامی قاعدہ یہ ہے:

یرجعون بقرب الدرجۃ ثم بقوۃ القرابۃ ثم بکون الاصل وارثا اتحدت الجھۃ او اختلفت ثم یعطی لفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث۔

وہ قربِ درجہ پھر قوتِ قرابت پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں چاہے جہت متحد ہو یا مختلف، پھر باپ کے تعلق والے فریق کو دو تہائی اور ماں کے تعلق والے فریق کو ایک تہائی دیا جائے گا (ت)

پس ان میں سے کس قاعدہ کو معمول بہ کیا جائے؟ بینوا توجروا۔

بخدمت حضرت مولانا صاحب علامۃ الدہر مولوی احمد رضا خاں سلمہ الرحمن، السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

چونکہ یہ خاکسار اس وقت ایک ایسے رسالہ علم میراث کی تصنیف میں لگا ہوا ہے جو نہایت سہل، مختصر اور منضبط قواعد پر مشتمل ہو، تقلید قواعد قدیمہ کی بالکل ترک کرکے جدید قواعد ایسے ایجاد ہو چکے ہیں جو ایک ہی عمل کے ذریعہ سے مناسخہ تک مسئلہ بن جاتا ہے کہ دوسرے عمل رد، عول تصحیح وغیرہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ علیٰ ہذا القیاس ذوی الارحام اور اس کے مناسخہ کی تسہیل بھی پرلے درجہ تک کی گئی ہے امید کہ بعد تکمیل وہی رسالہ بنا بر تقریظ حضور کی خدمت میں بھی ارسال کیا جائے گا چونکہ اولاد صنف رابع کے قاعدہ تخریج میں سخت اختلاف ہے لہذا حل ہونا اس مشکل کا بغیر امداد آں حل المشکلات صاحب کمال کے سخت مشکل ہے اور کوئی دوسرا اہل فن باکمال میری رائے میں موجود نہیں کہ حل کرسکے، پس بہرحال دوسرے شغل کو بالفعل بند فرماکر مکمل قاعدہ مفتی بہ مع نقل عبارات فقہیہ لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ بعینہٖ آپ کے فتوٰی کو درج رسالہ کیا جائے میرے پاس کوئی اور کتاب بجز شامی و ذرد

فتاویٰ تنقیح الحامدیہ کے نہیں ہے تاکہ صریح جزئی کا مسئلہ حاصل کرسکوں، جوابی لفافہ مرسل خدمت ہے، جب تک جواب نہیں آئے گا میں سخت انتظار میں مضطرب رہوں گا اور رسالہ بھی ناقص رہیگا، ختم ۲۸ مارچ ۱۹۱۸ء راقم خادم الشرع سراج احمد مدرس علوم عربیہ ججہ ریاست بہاولپور از طرف فقیر احمد بخش چشتی سجادہ نشین ججہ شریف۔ تاکید مزید بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بخدمت جناب ابو العلا امجد علی صاحب سلمہ المذہب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ! مسئلہ قاعدہ تحرم صنف رابع ذوی الارحام مندرجہ لفافہ ہمارے علماء۔ گردونواح کا مختلف فیہ واقع ہوا ہے کوئی متون کو ترجیح دیتے ہیں دیوبندیوں کا فتویٰ بھی یہی ہے حتی کہ کتاب مفید الوارثین میں بالتصریح مذکور ہے اور کوئی فتاویٰ خیریہ کو مقدم سمجھتے جس کی شامی نے بھی تائید کی۔ اب مسئلہ معرکہ آرا بن گیا ہے ایک نقل اس استفتاء کا مولوی عبد الغفور ہمایونی کو بھیجا گیا ہے مگر افسوس ہے وہ فوت ہوگئے ہیں باقی دیوبندی علماء غیر مقلد ہیں ان کے فتوے پر اعتبار نہیں آتا۔ آج کل فقہ حنفی کا عالم متبحر بغیر مولوی صاحب مولوی احمد رضا خاں صاحب کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا، ایک خط پہلے دربارۂ استفتائے مذکور مولوی احمد رضا خاں صاحب کے پاس بھیجا گیا سب علماء اس جگہ والے منتظر جواب ہیں اس لئے آج دوسرا استفتائے مذکور کی نقل آپ کی وساطت سے بجناب مولوی صاحب بھیجی جاتی ہے براہ عنایت واعانت دین آپ بنفس نفیس یہ استفتاء مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کرکے جواب لکھوا کر واپس فرمائیں اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کو اس تکلیف کا نعم البدل عطا فرمائے گا مگر جواب صرف نعم اور لا میں نہ ہو بلکہ بہ نقول وحوالہ کتب فقہ حنفی مستدل ومبرہن لکھوادیں ایسے اختلاف عظیم کا مٹانا اور حق دریافت کرنا جس میں علامہ شامی جیسا محقق بھی عاجز ہوکر دوسروں کو فیصلہ پر امر بمراجعہ کتب فرمارہا ہے بجز مولوی صاحب جیسے علامہ متبحر کے اور کوئی قادر نہ ہوسکے گا۔ آج مولوی صاحب جیسی شمع روشن ہے کل کو خدانخواستہ کوئی شخص اس کو حل نہ کرسکے گا۔ مولوی صاحب کے ہاں ذخیرۂ کتب موجود ہے امید ہے کہ کسی عالم مصر یا شام نے اپنے فتاویٰ میں ذکر اس جزئی کا کیا ہو وہ ضرور نقل فرمائیں فقط ۱۱ اگست ۱۹۱۸ء

راقم فقیر احمد بخش سجادہ نشین شہر ججہ ریاست بہاولپور

الجواب

یہاں دو مسئلے ہیں: اوّل بحالت اختلاف حیز بھی ولد الوارث کو ترجیح ہے یا نہیں۔

دوم اگر ہے تو قوت قرابت بھی مرجح ہے یا نہیں۔

مسئلہ اولٰی کو علامہ خیر الدین رملی نے فتاوٰی خیریہ لنفع البریہ پھر علامہ شامی نے عقود الدریہ میں صاف فرمادیا ہے کہ دونوں کو ظاہر الروایۃ کہا گیا اور ترجیح متون التزامی ہے اور جانب اثبات صریح تصحیحات، تو معتمد یہی ہے کہ ولد وارث مرجح ہے اگرچہ حیز مختلف ہو۔ عقود الدریہ سائل فاضل سلمہ اللہ تعالٰی کے پیش نظر ہے اور فقیر نے خیریہ سے مقابلہ کیا اس کی عبارات بتمامہا عقود میں منقول ہے ان دونوں عبارتوں سے مستفاد کہ قول اول یعنی عدم ترجیح کو کوکب مضیہ میں ظاہر الروایۃ کہا اور سراجی و صاحب ہدایہ و متن کنز و ملتقی و اکثر شروح کنز و ہدایہ نے اس پر مشی کی اور اس بنا پر کہ وضع متون نقل مذہب کے لئے ہے۔ علامہ حامد آفندی عالم متاخر نے اسے اختیار کیا

اقول اسی پر فاضل شجاع بن نور اللہ انقروی مدرس ادرنہ نے اپنی کتاب "حل المشکلات"[1] تصنیف ۹۶۴ھ میں مشی کی۔

حیث قال بنت عم لابوین وبنت خال لام یقسم اثلاثا لان قوۃ القرابۃ وولد العصبۃ غیر معتبرۃ بین فریق الاب وفریق الام آہ بالتخصیص۔

جہاں فرمایا کہ حقیقی چچا کی بیٹی اور اخیافی ماموں کی بیٹی میں مال تین حصے بناکر تقسیم کیا جائے گا (اول الذکر کو دو تہائی اور موخر الذکر کو ایک تہائی) کیونکہ باپ کے فریق اور ماں کے فریق کے درمیان قرابت کی قوت اور عصبہ کی اولاد ہونا معتبر نہیں اھ تلخیص (ت)

بعد کے بہت متاخر رسائل مثل مختصر الفرائض مولوی نجابت حسین بن عبد الواحد الصدیقی البریلوی تصنیف ۱۲۴۱ھ و زبدۃ الفرائض مولوی عبد الباسط بن رستم علی بن علی اصغر قنوجی اس طرف جانا ہی چاہیں کہ ان کا ماخذ سراجیہ ہے، اول کی عبارت یہ ہے:

وان کان واسطۃ قرابتھم مختلفۃ فثلثا المال لقرابۃ الاب وثلثہ لقرابۃ الام ولا اعتبار

اور اگر ان کی قرابت کا واسطہ مختلف ہو تو دو تہائی مال باپ کی قرابت اور ایک تہائی ماں کی قرابت کے لئے ہوگا۔ ان کے درمیان قوت قرابت

---

[1] حل المشکلات فی الفرائض

بقوۃ القرابة وولدیة العصبة بینہا کما لو ترك اخت الاب لاب وام و اخت الام لاب لیس للاولیٰ ترجیح علی الثانیة وان کانت الاولیٰ ولد العصبة وایضا لہا قوۃ القرابة کذا ھذا۔[1]

اور عصبہ کی اولاد ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ جیسے کسی نے باپ کی حقیقی بہن اور ماں کی علاتی بہن چھوڑی ہو تو پہلی کو دوسری پر ترجیح نہیں ہوگی حالانکہ پہلی عصبہ کی اولاد ہے اور اُسے قوتِ قرابت بھی حاصل ہے۔ (ت)

دوم میں ہے:

واگرہم بدرجۂ قرابت برابر باشند و در حیز قرابت مختلف کہ بعض از جانب اب بوند و بعض از جانب ام دریں ہنگام در ظاہر الروایۃ مر قوت قرابت و ولد عصبہ را اعتبار نہ باشد پس ولد عمہ اعیانی از ولد خال یا خالہ علاتی یا اخیافی اولیٰ نبود کہ قوت قرابت ولد عمہ را اعتبار نیست وہم چنیں بنت عم اعیانی از بنت خال یا خالہ اعیانی اولیٰ نباشد کہ ولد عصبہ را اعتبار نیست بر قیاس آنکہ عمہ اعیانی از خالہ علاتی یا اخیافی اولے نہ بود باوجود آنکہ عمہ اعیانی ذو قرابتین است و ولد وارث از جہتین یعنی از جہت اب وام زیراکہ پدر او جد صحیح است ام او جدہ صحیحہ۔[2]

اگر قرابت کے درجہ میں برابر ہوں اور جہتِ قرابت میں مختلف یعنی بعض باپ کی جانب سے اور بعض ماں کی جانب سے ہوں تو اس وقت ظاہر الروایہ میں قوتِ قرابت اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ لہٰذا حقیقی پھوپھی کی اولاد علاتی یا اخیافی ماموں یا خالہ کی اولاد سے اولیٰ نہ ہوگی کیونکہ پھوپھی کی اولاد کے لئے قوتِ قرابت کا اعتبار نہیں ہے۔ اسی طرح حقیقی چچا کی بیٹی حقیقی ماموں یا خالہ کی بیٹی سے اولےٰ نہ ہوگی کیونکہ عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہیں ہے جیسا کہ حقیقی پھوپھی علاتی یا اخیافی خالہ سے اولےٰ نہیں ہوتی باوجودیکہ حقیقی پھوپھی دو قرابتوں والی ہے اور دو جہتوں سے وارث کی اولاد ہے یعنی باپ کی طرف سے بھی اور ماں کی طرف سے بھی کیونکہ اس کا باپ میّت کا جدِ صحیح اور اس کی ماں میّت کی جدۂ صحیحہ ہے۔ (ت)

---

[1] مختصر الفرائض

[2] زبدۃ الفرائض

اسے ظاہر الروایہ کہنا اور یہ دلیل کہ ان دونوں کتابوں میں ہے بعینہٖ سراجی سے ماخوذ ہے، اور علامہ سید شریف نے اسے مقرر رکھا۔ علامہ مدقق علائی نے درمختار میں اسی کو مختار رکھا یوں کہ قولِ متن:

واذا استووا فی درجۃ قدم ولد الوارث۔	جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ (ت)

میں واتحدت الجھۃ[1] (اور جہت متحد ہو۔ ت) کی قید بڑھادی اور آگے فرمایا:

فلو اختلفت فلقرابۃ الاب الثلثان ولقرابۃ الام الثلث[2]۔	اگر جہت مختلف ہو تو باپ کی قرابت کو دو تہائی اور ماں کی قرابت کو ایک تہائی ملے گا (ت)

علامہ سید احمد مصری طحطاوی نے اسے مقرر رکھا بلکہ تصریح کی کہ:

ان اختلف حیز القرابۃ فلا عبرۃ للاقوی ولا لولد العصبۃ[3]۔	اگر قرابت کی جہت مختلف ہو تو اقوٰی اور عصبہ کی اولاد ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ (ت)

یونہی علامہ شیخی زادہ نے مجمع الانہر میں نص ملتقی پر تقریر کی۔

یہ ہیں وہ عبارات جو اس قول پر نظر حاضر میں ہیں اور یہاں چند ضروری تنبیہات ہیں۔

فاقول ظاہر عبارت خیریہ سے متوہم ہوتا ہے کہ یہ قول ہدایہ و کنز میں ہے اور ان دونوں کے اکثر شراح نے اس پر مشی کی پھر ملتقی و سراجیہ اسی پر ہیں لہذا علامہ حامد آفندی نے اسے مسئلہ متون قرار دیا مگر **اولاً** وہ ہدایہ میں نہیں بلکہ امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے اپنی کتاب "فرائض عثمانی" میں کہ رسالہ فرائض شیخ عثمانی کا تکملہ ہے ذکر فرمایا۔ ہدایہ میں سرے سے کتاب الفرائض ہی نہیں حالانکہ اس کے ماخذ ثانی مختصر القدوری میں فرائض ہے۔ ردالمحتار میں ہے:

ھذا ظاھر الروایۃ کما فی السراجیۃ والفرائض العثمانیۃ لصاحب الھدایۃ[4]۔	یہ ظاہر الروایہ ہے جیسا کہ سراجیہ اور صاحبِ ہدایہ کی فرائض عثمانیہ میں ہے۔ (ت)

ثانیاً شروحِ ہدایہ سے کفایہ امام کرمانی و عنایہ امام اکمل و بنایہ امام عینی و غایۃ البیان

---

[1] الدرالمختار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ۲/۳۶۴

[2] " " " " " "

[3] حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار کتاب الفرائض " " " المکتبۃ العربیۃ کانسی روڈ کوئٹہ ۴/۴۰۱

[4] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث فی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۵۰۷

امام اتقانی و نتائج الافکار قاضی زادہ تکملہ فتح القدیر پیش نظر ہیں۔ ان میں مثل ہدایہ کے فرائض نہیں اور معراج الدرایہ میں قول دوم کی تصحیح نقل کی۔ غالباً یہ زیادت کتاب الفرائض میں ہو جس طرح نہایہ نے اسے تکمیلاً اضافہ کیا اور محقق بابرتی نے اس کی تلخیص میں پھر حذف فرما دیا تو ظاہراً غالب شروح ہدایہ کہنا خیریہ کا سبق قلم ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

ثالثاً کنز کی عبارت یہ ہے:

وذورحم وھو قریب لیس بذی سھم و عصبة (الٰی ان قال) وترتیبھم کترتیب العصبات والترجیح بقرب الدرجة ثم بکون الاصل وارثا وعند اختلاف جھة القرابة فلقرابة الاب ضعف قرابة الام[1]

ذورحم وہ قریبی رشتہ دار ہے جو صاحبِ فرض اور عصبہ نہ ہو (یہاں تک کہ فرمایا) اور ان کی ترتیب عصبات کی ترتیب کی طرح ہے اور ترجیح قرب درجہ پھر اصل کے وارث ہونے سے ہے جہتِ قرابت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔ (ت)

حضرت علامہ شامی اس میں محل استدلال جملہ اخرہ کا اطلاق اور اسی بناء پر اسے متون و شروح کی طرف نسبت کیا جانا بتاتے ہیں۔ ردالمحتار میں بعد عبارت مذکورہ الفاً ہے:

وھو ظاھر اطلاق المتون والشروح حیث قالوا وعند اختلاف جھة القرابة فلقرابة الاب ضعف قرابة الام فلم یفرقوا بین ولد العصبة وغیرہ[2]

وہ متون و شروح کا ظاہر اطلاق ہے جہاں مشائخ نے فرمایا کہ جہت مختلف ہوئی تو باپ کی قرابت کو ماں کی قرابت سے دوگنا ملے گا۔ چنانچہ انھوں نے عصبہ کی اولاد اور اس کے غیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔ (ت)

اقول یہ جملہ ان دو قاعدۂ ترجیح کے بعد مذکور ہے وہ قواعد عامہ تھے کہ جمیع اصناف و احوال ذوی الارحام کو شامل تھے تو یہ قطعاً ان سے مقید ہے ورنہ اختلافِ جہت کے وقت قرب درجہ سے بھی ترجیح نہ ہو اور وہ بالاجماع باطل ہے وعلی التنزیل وہ دونوں قاعدے بھی مطلق ہیں وہاں بھی اختلاف و اتحادِ جہت سے فرق نہ فرمایا تو یہ اطلاق اس اطلاق سے معارض ہے۔

---

[1] کنز الدقائق کتاب الفرائض ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۳۷

[2] ردالمحتار کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/۰۷-۵۰۶

رابعًا مختصر امام اجل قدوری میں صاف فرمایا ذوی الارحام کے اقسام بیان کرکے حکم عام ارشاد فرماتے ہیں:

واذا استوی وارثان فی درجة واحدة فاولٰهم من ادلی بوارث واقربهم اولٰی من ابعدهم[1]

جب دو وارث ایک درجے میں برابر ہوں تو وارث کے ذریعے میت کی طرف منسوب ہونے والا اولٰی ہوگا اور ذوی الارحام میں سے اقرب کو ابعد پر ترجیح ہوگی۔ (ت)

خامسًا اسی طرح متنِ تنویر میں تمام اصناف ذکر کرکے فرمایا:

واذا استووا فی درجة قدم ولد الوارث واذا اختلفت الاصول اعتبر محمد من الاصول وقسم علیهم اثلاثا[2] الخ۔ (ملتقطًا)

جب درجہ میں برابر ہوں تو وارث کی اولاد کو مقدم کیا جائیگا، اور جب اصول مختلف ہوں تو امام محمد علیہ الرحمہ اصول کا اعتبار کرتے ہوئے مال کے تین حصے بنا کر ان پر تقسیم کرتے ہیں الخ (ملتقطًا)۔ (ت)

اس نے بھی صاف کر دیا کہ بعد استواء درجہ تقدم ولد وارث کا حکم عام ہے اس کے بعد مسئلہ اختلاف جہت نہ لائے جس سے اشتباہ ہو بلکہ مسئلہ اختلاف اصول ذکر ہ وانوشہ میں یہی نکتہ ہے کہ ان تینوں متون اعنی قدوری وکنز وتنویر نے یہاں قوت قرابت کی ترجیح ذکر نہ فرمائی کہ منظور افادہ قواعد عامہ ہے اور وہ عام نہ تھی بلکہ اتحاد (حیز) سے خاص ھکذا ینبغی ان یفهم کلام الکرام (بزرگوں کے کلام کو یُوں ہی سمجھنا چاہیے۔ ت)

اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ واذا استووا فی درجة (جب درجہ میں برابر ہوں۔ ت) کے بعد درمختار کا "واتحدت الجهة"[3] (اور جہت متحد ہو۔ ت) کی طرف خود ان کا میل برخلاف متن ہے۔

سادسًا ہدایہ، وقایہ، نقایہ، اصلاح، غرر ان متون میں مسئلہ کا ذکر ہی نہیں۔

---

[1] القدوری کتاب الفرائض باب توریث ذوی الارحام مطبع مجتبائی دہلی ص ۳۱۸

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب الفرائض 〃 〃 〃 〃 〃 ۲/۳۶۴

[3] الدرالمختار 〃 〃 〃 〃 ۲/۳۶۴

قدوری، کنز و تنویر کا حال معلوم ہُوا سراجیہ اگرچہ ابتدائی کتاب ہے مگر اصطلاح فقہ پر متن نہیں اس کا مرتبہ فتاوٰی یا غایت درجہ شروح کا ہے جیسے غنیہ و اشباہ بھی ابتدائی کتب ہیں اور مرتبہ متون میں ہرگز نہیں بلکہ فتاوٰی میں کما بیّنّاہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے۔ ت) متون وہ مختصرات ہیں کہ ائمہ حفظ مذہب کے لئے لکھتے ہیں جیسے مختصرات طحاوی و کرخی و قدوری اور سراجیہ میں بکثرت روایات نادرہ بلکہ بعض اقوال مشائخ کے ذکر تک تنزل ہے، لاجرم علامہ سید شریف نے نقل فرمایا کہ سراجیہ درحقیقت فرائض امام احمد علاء الملت والدین سمرقندی کی شرح ہے۔

ان المصنف لما خرج من فرغانۃ الی بخارا وجد فیھا الفرائض المنسوبۃ الی القاضی الامام علاء الدین السمرقندی فی ورقتین فاستحسنھا واخذ فی تصنیف ھذا الکتاب شرحا لھا[1]

مصنف علیہ الرحمہ جب فرغانہ سے بخارا گئے تو وہاں قاضی امام علاء الدین السمرقندی کی طرف منسوب فرائض کو دو ورقوں میں پایا جو انھیں پسند آئے تو ان کی شرح کے طور پر اس کتاب (سراجیہ) کو لکھنا شروع کیا (ت)

تو نہ رہی مگر ایک ملتقی، اس میں بیشک یہ قول مصرح ہے:

حیث قال یرجحون بقرب الدرجۃ ثم بقوۃ القرابۃ ثم یکون الاصل وارثا عند اتحاد الجھۃ[2]

جہاں فرمایا کہ اتحادِ جہت کے وقت وہ قربِ درجہ پھر قوتِ قرابت پھر اصل کے وارث ہونے کی وجہ سے ترجیح پاتے ہیں (ت)

تو اسے مسئلہ متون ٹھہرا کر قول ثانی پر ترجیح دینی صحیح نہیں بلکہ اکثر متون قول ثانی ہی پر ہیں۔

سابعًا شروحِ ہدایہ کا حال معلوم ہوا اور شروحِ کنز نے مسئلہ متن کو معرّد رکھا اور اس کا مفاد ظاہر ہولیا وللہ الحمد۔

قول دوم کو مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی و فتاوٰی امام تمرتاشی و مجمع الفتاوٰی و فتاوٰی خلاصہ میں ظاہر الروایۃ و مذہب کہا۔ مواریث الملتقط للامام نصر و تاتارخانیہ میں اسی پر مشی کی۔ ضوء السراج میں ہے: علیہ الفتوٰی[3]۔ جامع المضمرات میں ہے: ھو الصحیح۔ معراج الدرایہ میں ہے: ھو الاولٰی بالاخذ للفتوٰی[5] (فتوٰی کیلئے اخذ

---

[1] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب ذوی الارحام مطبع علیمی لاہور ص ۹۲
[2] ملتقی الابحر کتاب الفرائض فصل ذوالرحم قریب مؤسسۃ الرسالہ بیروت ص ۳۵۱
[3] و [4] الفتاوی الخیریۃ کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۲۲

کرنے کے زیادہ لائق یہی ہے۔ت) علامہ محقق خیر الدین رملی[1] نے اسی پر فتوٰی دیا۔ 25

اقول بلکہ مبسوط امام سرخسی جلد ثلاثین ص۷ میں ہے:

اجمعنا انه لوکان احد هما ولد عصبة اوصاحب فرض کان اولی من الاٰخر[2] (ہمارا اس پر اجماع ہے کہ اگر ان دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو تو وہ دوسرے سے اولٰی ہوگا۔ ت)

اسی کے صفحہ ۵ میں ہے:

من کان منهم ولد عصبة اوصاحب فرض فانه یقدم علی من لیس بعصبة ولا صاحب فرض[3] (ان میں سے جو عصبہ یا صاحب فرض کی اولاد ہو وہ مقدم ہوگا اس پر جو عصبہ یا صاحب فرض نہیں ہے۔ ت)

اسی طرح علامہ سید شریف نے زیر قول مصنف اولٰهم بالمیراث اقربهم[4] (ان میں میراث کا زیادہ حقدار وُہ ہے جو میت کے زیادہ قریب ہے۔ ت) نقل فرمایا اور مقرر رکھا۔

پھر مبسوط امام سرخسی اس کافی امام حاکم شہید کی شرح حامل المتن ہے جس میں انھوں نے کتب ظاہر الروایہ کو جمع فرمایا ہے اس میں انھوں نے صرف اسے ظاہر الروایۃ ہی نہ فرمایا بلکہ قول اول کے روایت نادرہ ہونے کی بھی تصریح فرمائی اسی طرح تکملۃ البحر للعلامۃ الطوری میں میں ہے نیز ہندیہ میں اسے مقرر رکھا۔ مبسوط کی عبارت یہ ہے:

ان کان احد هما ولد عصبة اوولد صاحب فرض فعند اتحاد الجهة یقدم ولد العصبة وصاحب الفرض وعند اختلاف الجهة لایقع الترجیح بهذا بل یعتبر المساواة فی الاتصال بالمیت، (اگر دونوں میں سے ایک عصبہ یا صاحبِ فرض کی اولاد ہے تو اتحادِ جہت کی صورت میں عصبہ اور صاحبِ فرض کی اولاد کو مقدم کیا جائے گا۔ اختلافِ جہت کی صورت میں اس سے ترجیح نہیں ہوگی بلکہ میت سے تعلق میں مساوات کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس کا بیان یہ ہے کہ مثلاً کوئی

---

[1] الفتاوی الخیریۃ کتاب الفرائض دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۲۴۲

[2] مبسوط الامام السرخسی باب میراث ذوی الارحام " " ۳۰/ ۷

[3] " " " " " " ۳۰/ ۵

[4] الشریفیۃ شرح السراجیۃ باب ذوی الارحام فصل فی الصنف الاول مطبع علیمی لاہور ص ۱۰۰

بيانه فيما اذا ترك ابنة عم لاب
و امٍّ اولاب و ابنة عمة فالمال
كله لابنة العم لانها ولد
عصبة ولو ترك ابنة عم و
ابنة خال او خالة فلابنة العم
الثلثان ولابنة الخال او الخالة
الثلث لان الجهة مختلفة هنا فلا
يترجح احدهما بكونه ولد عصبة
وهذا في رواية ابن ابي عمران عن
ابي يوسف فاما في ظاهر المذهب
ولد العصبة اولى سواء اختلفت
الجهة او اتحدت لان ولد العصبة اقرب
اتصالا بوارث الميت فكان اقرب اتصالا بالميت
فان قيل فعلى هذا ينبغي ان العمة
تكون احق بجميع المال من
الخالة لان العمة ولد العصبة
وهو اب الاب والخالة ليست بولد
عصبة و لا ولد صاحب فرض لانها
ولد اب الام قلنا لا كذلك فان
الخالة ولد ام الام وهي صاحبة فرض
فمن هذا الوجه تتحقق المساواة بينهما
في الاتصال بوارث الميت الا ان اتصال
الخالة بوارث وهي ام فتستحق
فريضة الام و اتصال
العمة بوارث وهو اب

شخص حقیقی یا علاتی چچا کی بیٹی اور پھوپھی کی بیٹی
چھوڑ کر فوت ہوا تو تمام مال چچا کی بیٹی کو ملے گا
کیونکہ وہ عصبہ کی اولاد ہے۔ اور اگر چچا کی
بیٹی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی چھوڑ کر فوت ہوا تو
چچا کی بیٹی کو دو تہائی اور ماموں یا خالہ کی بیٹی
کو ایک تہائی ملے گا، کیونکہ یہاں جہت مختلف
ہے۔ دونوں میں سے ایک کے عصبہ کی اولاد ہونے
کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی۔ یہ امام ابو یوسف
علیہ الرحمہ سے ابن ابی عمران کی روایت ہے۔
لیکن ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولیٰ ہے
چاہے جہت مختلف ہو یا متحد، کیونکہ عصبہ کی
اولاد کا میّت کے وارث سے زیادہ قریبی
تعلق ہے گویا میّت سے اقرب ہے۔
اگر کہا جائے اس بنا پر چاہیے کہ پھوپھی خالہ
کی بنسبت تمام مال کی زیادہ حقدار ہو کیونکہ
پھوپھی عصبہ یعنی دادا کی اولاد ہے جبکہ خالہ
نہ تو عصبہ کی اولاد ہے اور نہ ہی صاحب فرض
کی، کیونکہ وہ نانا کی اولاد ہے۔ تو ہم کہیں گے
کہ اس طرح نہیں کیونکہ خالہ نانی کی اولاد ہے
اور وہ صاحب فرض ہے۔ اس اعتبار سے پھوپھی
اور خالہ میں میّت کے وارث سے متصل ہونے میں
مساوات پائی جائے گی مگر خالہ کا جس وارث
کے ذریعے تعلق ہے وہ ماں (نانی) ہے لہذا
ماں کے حصے کی مستحق ہوگی اور پھوپھی کا جس وارث
کے ذریعے تعلق ہے وہ باپ (دادا) ہے لہذا

فتستحق نصیب الاب فلھذا کان المال بینھما اثلاثا[1]

وہ باپ کے حصے کی مستحق ہوگی۔ اسی لئے ان میں مال تین حصے بناکر تقسیم کیا جائے گا (دو حصے پھوپھی کے اور ایک حصہ خالہ کا)۔ (ت)

بعینہٖ یہی مضمون تمام وکمال تکملہ بحر میں ہے اور ہندیہ میں لفظ اتصالا بالمیت تک۔ اس میں امام جلیل نے دلیل قول اول سے جواب کا بھی افادہ فرمادیا:

اقول ولا یقدح فی تحقق المساواۃ ان العمۃ اذا کانت لاب وام کانت ولد الوارث من کلا الجھتین و یستحیل ھذا فی الخالۃ لان ھذا قوۃ القرابۃ ولا نظر الیھا عند اختلاف الحیز کما صرحوا بہ قاطبۃ نعم رایتنی کتبت علٰی ھامش تکملۃ البحر مانصہ۔ اقول لایتمشّٰی اذا کانت الخالۃ اخت الام لاب اھ ای فانھا لاحظ لھا من ولدیۃ وارث اصلا۔ لایقال نصوا انھا اقوٰی من الخالۃ لام فاذا مات عن خالۃ بالاب واخرٰی لام احرزت الاولٰی جمیع المال ولا شیئ للاخرٰی والخالۃ لام لاتحجبھا العمۃ لاستوائھا معھا فی ولدیۃ الوارث فاذا لم تحجب

میں کہتا ہوں مساوات کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کیونکہ پھوپھی جبکہ حقیقی ہو تو وہ دونوں جہتوں سے وارث کی اولاد ہے اور یہ بات خالہ میں محال ہے (کیونکہ وہ صرف ایک جہت سے وارث کی اولاد ہے) اس لئے کہ یہ قرابت کی قوت ہے جس کا اختلافِ جہت کی صورت میں اعتبار نہیں ہوتا جیسا کہ تمام مشائخ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے تکملۂ بحر کے حاشیہ پر لکھا ہے کہ میں کہتا ہوں یہ جواب اس وقت نہیں چلے گا جب خالہ ماں کی علاتی بہن ہو الخ کیونکہ وہ بالکل وارث کی اولاد نہیں۔ یوں نہ کہا جائے کہ مشائخ نے تصریح فرمائی ہے کہ علاتی خالہ اخیافی خالہ سے اقوی ہے لہٰذا اگر کوئی شخص علاتی خالہ اور اخیافی خالہ چھوڑکر مرا تو سارا مال پہلی خالہ لے گی دوسری کے لئے کچھ نہیں ہوگا۔ پھوپھی اخیافی خالہ کو محروم نہیں کرسکتی کیونکہ وارث کی اولاد ہونے میں وہ اس کے ساتھ شریک ہے۔ جب پھوپھی

[1] المبسوط للامام السرخسی کتاب الفرائض باب میراث ذوی الارحام دار المعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

الاضعف وجب ان لا تحجب الاقوی
لانی اقول انما قوتها قوة قرابتها
فان الانتماء بالاب اقوی من
الانتماء بالام وهٰذه قوة لانظر
الیها عند اختلاف الجهة
فتبقی ولدیة العمة
للوارث قوة بلا معارض
فیلزم ان تحجب الخالة
لاب وهو باطل فعلم ان
ولدیة الوارث ایضا
لاتلاحظ فی الحیز
المختلفة۔ اقول وباللہ
التوفیق توریث الخالة مع
العمة اثلاثا عند الفقهاء رضی اللہ
تعالٰی عنهم لاقامة العمة مقام العم
والخالة مکان الام قال الامام شمس الائمة
اعلم بان العمة بمنزلة العم
عندنا والخالة بمنزلة الام وقال
اهل التنزیل العمة بمنزلة الاب و
الخالة بمنزلة الام قالوا اتفقت الصحابة
رضی اللہ تعالٰی عنهم علی ان للعمة الثلثان
وللخالة الثلث اذا اجتمعتا
ولاوجه لذلك الا بان
تجعل العمة کالاب باعتبار
ان قرابتها قرابة الاب

اضعف کو محروم نہیں کرسکتی تو ضروری ہے کہ اقوی
یعنی علاتی خالہ کو بھی محروم نہ کرے اس لئے کہ
میں کہتا ہوں پہلی خالہ کی قوت قوتِ قرابت ہے
کیونکہ باپ کے ذریعے سے میت کی طرف
منسوب ہونا ماں کے ذریعے منسوب ہونے سے
زیادہ قوی ہے لیکن اختلافِ جہت کے وقت
اس قوت کا اعتبار نہیں۔ لہذا پھوپھی کے اولادِ
وارث ہونے والی قوت کسی معارض کے بغیر
باقی رہے گی۔ اور لازم آئے گا کہ پھوپھی علاتی خالہ
کو محروم کردے، حالانکہ یہ غلط ہے۔ معلوم ہوا
کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں وارث
کی اولاد ہونے کا بھی اعتبار نہیں۔ میں اللہ تعالٰی
کی توفیق سے کہتا ہوں کہ فقہائے کرام کے
نزدیک خالہ کو پھوپھی کی موجودگی میں اس لئے
تہائی حصہ ملتا ہے کہ پھوپھی کو چچا کے اور خالہ کو
ماں کے قائم مقام رکھا جاتا ہے، امام شمس الائمہ
نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک پھوپھی، چچا اور خالہ
ماں کے مرتبہ میں ہے۔ اہل تنزیل نے کہا کہ
پھوپھی بمنزلہ باپ کے اور خالہ بمنزلہ ماں کے ہے۔
مشائخ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم
اس پر متفق ہیں کہ جب خالہ اور پھوپھی جمع ہوں تو
پھوپھی کے لئے دو تہائی اور خالہ کیلئے ایک تہائی
ہوگا۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں
ہوسکتی کہ پھوپھی کو باپ کے قائم مقام رکھا جائے
اس اعتبار سے کہ اس کی قرابت باپ کی

والخالة كالام باعتبار ان قرابتها
قرابة الام، وجه قول علمائنا
رحمهم الله تعالیٰ ان الاصل
ان الانثیٰ متی اقیمت مقام
ذکر فانها تقوم مقام ذکر فی
درجتها. والذکر الذی
فی درجة العمة العم و
هو الوارث فتجعل العمة
بمنزلة العم، والخالة لو
اقمناها مقام ذکر فی درجتها
وهو الخال لم ترث مع العمة
فلهذه الضرورة اقمناها مقام الام
فالعمة ترث الثلثین والخالة الثلث
بهذا الطریق بمنزلة مالوترك اما
وعما اھ[1] (مختصراً) فاذا كان الامر
علی هذا اسقط تقدم العمة لولدیة
العصبة فانها قد اقیمت مقام العصبة فضلا
عن الوالدیة ولم تحجب الخالة لاقامتها
مقام الام والام لاتحجب بالعم وفی هذه
الحالات كلهن سواء قد رأینا
ان مثل الاقامة تمنع الحجب بما
هو اقوی اسبابه وهو
قرب درجة، الا تری ان من

قرابت کی وجہ سے ہے۔ اور خالہ کو ماں کے
قائم مقام رکھا جائے اس اعتبار سے کہ اسکی
قرابت ماں کی قرابت کی وجہ سے ہے۔ ہمارے
علماء کے قول کہ "خالہ ماں کی طرح ہے" کی
وجہ یہ ہے کہ قاعدہ کی رُو سے عورت کو جب
کسی مرد کے قائم مقام کیا جائے تو اپنے ہم مرتبہ
مرد کے قائم مقام ہوگی۔ پھوپھی کا ہم مرتبہ مرد چچا
ہے جو کہ وارث ہے لہذا اسے چچا کے قائم مقام
کیا جاتا ہے۔ اور خالہ کو اگر اس کے ہم درجہ مرد یعنی ماموں کے
قائم مقام کیا جائے تو وہ پھوپھی کے ساتھ وارث نہیں بن سکےگی۔
اس ضرورت کے پیش نظر ہم نے اسے ماں کے قائم مقام کیا لہذا اس طرح
پھوپھی کو دو تہائی اور خالہ کو ایک تہائی ملے گا
جیسا کہ ماں اور چچا کو چھوڑ کر فوت ہونے کی صورت
میں ہوتا (اختصار) جب معاملہ اس طرح
ہے تو پھوپھی کو عصبہ کی اولاد ہونے کی وجہ سے
ترجیح نہیں ہوگی کیونکہ اس کو عصبہ کی اولاد کے
بجائے خود عصبہ کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے
پھوپھی خالہ کو محروم نہیں کر سکے گی کیونکہ خالہ کو ماں
کی جگہ رکھا گیا ہے اور ماں چچا سے محروم نہیں
ہوتی۔ ان حالات میں تمام برابر ہیں۔ تحقیق ہم
نے دیکھا کہ قائم مقام قرار دینے کی وجہ سے
قرب درجہ جیسا قوی ترین سبب بھی محروم
نہیں کرسکتا۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ کوئی شخص اگر

---

[1] المبسوط للامام السرخسی كتاب الفرائض باب میراث العمات والاخوال والخالات دار المعرفة بیروت ۳۰/۱۸

خلف بنتا وبنات ابن فلهن السدس تکملة للثلثین لاقامتهن مقام بنت فلم یحجبهن بعد درجتهن عن درجة البنت وکذلك اذا مات عن بنتین وبنت ابن وبنت ابن ابن وابن ابن ابن لم تحجب بنت الابن وبنت ابن الابن لانهما اقیمتا فی درجة الذکر کی تتعصب به فهذا هو السر فی وراثة الخالة لاب مع العمات واللہ تعالٰی اعلم ثم اقول لا یذهبن عنك ان هذه الاقامة تقتصر علی الذوات ولا تتعدی الی الاولاد فاولاد الخالة لایجعلون کاولاد الام الا تری ان ذکورهم لایساوون اناثهم بل للذکر مثل حظ الانثیین وهذا کولدیة العصبة لاتسری من الولد الی ولد الولد کما فی رد المحتار وغیره عن سکب الانهر وغیرہ فا بنت العم لایقدم علی بنت ابن العمة او الخال او الخالة فاحفظ۔

ایک بیٹی اور چند پوتیاں چھوڑ کر مرجائے تو دوتہائی کی تکمیل کے لئے پوتیوں کو چھٹا حصہ ملے گا، کیونکہ انھیں بیٹی کے قائم مقام رکھا گیا ہے لہذا بیٹی کے درجہ سے دوری انھیں محروم نہیں کرے گی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو بیٹیاں، ایک پوتی، ایک پوتے کی بیٹی اور ایک پوتے کا بیٹا چھوڑکر مرگیا تو پوتی اور پوتے کی بیٹی محروم نہ ہوں گی کیونکہ ان کو مرد کے درجے میں رکھا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے وہ عصبہ بن جائیں۔ علاتی خالہ کے پھوپھیوں کے ساتھ وارث بننے میں یہی راز ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ میں پھر کہتا ہوں تجھے ہرگز یہ نہ بھولے کہ قائمقام قرار دینا صرف ذوات تک محدود ہے اولاد کی طرف یہ حکم متعدی نہیں ہوتا۔ لہذا خالہ کی اولاد کو ماں کی اولاد کی طرح نہیں بنایا جائے گا۔ کیا تُو نہیں دیکھتا کہ خالہ کی اولاد میں مذکر و مونث آپس میں برابر نہیں بلکہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ یہ عصبہ کی ولدیت کی طرح ہے کہ اولاد سے اولاد کی اولاد کی طرف منتقل نہیں ہوتی جیسا کہ ردالمحتار وغیرہ میں سکب الانہر وغیرہ سے منقول ہے۔ چنانچہ چچا کا نواسہ پھوپھی، ماموں یا خالہ کی پوتی سے مقدم نہ ہوگا۔ پس اس کو یاد کرلے۔ (ت)

بالجملہ قولِ دوم پر ہی اکثر متون ہیں اور اسی کو اکثر نے ظاہر الروایۃ اور مذہب بتایا اور

تصحیحاتِ صریحہ اسی کے لئے ہیں، خصوصاً آکد تصحیحات علیہ الفتوٰی، تو اسی پر اعتماد واجب ہے اور اس سے عدول ساقط وذاہب۔ درمختار و تصحیح علامہ قاسم میں ہے:

اما نحن فعلینا اتباع ما رجحوہ وصححوہ کما لو افتونا فی حیاتہم[1]، واللہ سبحانہ تعالٰی اعلم۔

ہم پر ان کی ترجیح و تصحیح کی اتباع ضروری ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں ہمیں فتوٰی دیتے۔ واللہ سبحٰنہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ثانیہ: جبکہ یہاں اختلافِ جہت کے وقت مذہب صحیح ومفتٰی بہ میں ولدیت وارث معتبر ہے، آیا قوتِ قرابت معتبر ہوگی یا نہیں؟ علامہ شامی نے نفی کو مفاد اطلاق روایت بتایا اور خود اثبات کا استظہار کیا کہ قوتِ قرابت ولدیت وارث سے اقوٰی ہے جب یہ معتبر تو اس کا اعتبار بدرجۂ اولٰی ہے۔

عبارتِ عقود سائل فاضل کے پیشِ نظر ہے فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اپنے نسخۂ عقود پر یہاں یہ حاشیہ لکھا تھا:

قولہ رحمہ اللہ تعالٰی یلزم ان یرجح بقوۃ القرابۃ ایضا لانھا اقوی اقول قد اجمعوا فی الروایات الظاھرۃ ان لانظر بقوۃ القرابۃ مع اختلاف الحیز فلا تقدم العمۃ الشقیقۃ علی الخالۃ لام ولا الخالۃ العینیۃ علی العمۃ لام۔ وکون قوۃ القرابۃ اقوی من ولدیۃ الوارث فی حیز واحد لایوجب اعتبارھا مع اختلاف الحیز وھی ساقطۃ الاعتبار فیہ فجریان الاضعف فی محل لکونہ محل

مصنف علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ قوتِ قرابت سے بھی ترجیح دینا ضروری ہے کیونکہ وہ (عصبہ کی اولاد ہونے سے) زیادہ قوی ہے۔ میں کہتا ہوں روایاتِ ظاہرہ میں مشائخ اس پر متفق ہیں کہ جہت مختلف ہونے کی صورت میں قوتِ قرابت کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا حقیقی پھوپھی کو اخیافی خالہ پر ترجیح نہیں ہوگی اور نہ ہی حقیقی خالہ کو اخیافی پھوپھی پر ترجیح ہوگی۔ جہت واحدہ میں قوتِ قرابت کے ولدیتِ عصبہ سے زیادہ قوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اختلافِ جہت کے وقت بھی اس کا اعتبار کیا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں قوتِ قرابت کا اعتبار ساقط ہوتا ہے۔ چنانچہ اضعف کے برمحل معتبر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں

---

[1] الدرالمختار رسم المفتی مطبع مجتبائی دہلی ۱۱/۱۵

جريانه لا يستلزم جريان الاقوى
فيه مع انعدام المحلية له ، والحق
ان لا معنى لقوة القرابة فی حيز الا كون
قريب ذا جهتين كالعينی او ذا جهة
اقوى كالعلاتی مع الاخيافی وظاهر
ان اجتماع الجهتين فی حيز لا يلغی
الحيز الآخر واذا كان نفس احد
الحيزين اعنی الاب اقوى من
الآخر اعنی الام ثم لم تورث قوته
الغاء الحيز الآخر فكيف تورث
قوة جهته الغاء الآخر وتعليل
قوة القرابة انما هو فی
الحيز الواحد لا تقديم
ذی حيز علی ذی حيز
آخر لقوة القرابة فی حيزه و
والا يقدم الحيز الابوی مطلقا علی الامی
وايضا لو نظر الی قوة القرابة لعاد نقضا علی
المقصود فان الاقوی غير معتبر مع اختلاف
الحيز باجماع الروايات الظاهرة فكيف
تعتبرون فيه الاضعف ويؤول الامر
الی الغاء كلا الترجيحين وهو خلاف
ما قررتم انه صحيح
مفتی به وانما الجواب
ما قدمت ان الاقوی
لم يعتبر لعدم المحل

اقوٰی بے محل بھی معتبر ہو۔ اور حق یہ ہے کہ ایک
جہت میں قوتِ قرابت کا معنٰی فقط یہ ہے کہ
ایک قریبی رشتہ دار دو جہتیں رکھتا ہو جیسے
سگا رشتہ دار یا ایک زیادہ قوی جہت رکھتا ہو
جیسے علاتی رشتہ دار اخیافی رشتہ دار کے ساتھ۔
ظاہر ہے کہ ایک جانب میں دو جہتوں کا اجتماع
دوسری جانب کو محروم نہیں کرتا۔ جب خود ایک
حیز یعنی باپ جو کہ اقوٰی ہے دوسرے حیز یعنی
ماں سے۔ اس کے باوجود اس کی قوت دوسرے
حیز کو محروم نہیں کرتی تو اس کی جانب سے حاصل
ہونے والی قوت دوسری جانب کو کیسے محروم
کر سکے گی۔ قوتِ قرابت فقط ایک جہت میں
معتبر ہے۔ اس کی وجہ سے ایک جانب کو
دوسری پر تقدیم حاصل نہ ہوگی ورنہ لازم آئے گا
کہ باپ کی جانب کو مطلقاً ماں کی جانب پر
تقدیم حاصل ہو، نیز قوتِ قرابت کا اعتبار
مقصود پر بطورِ نقض لوٹے گا کیونکہ اختلافِ جہت
کے وقت تمام روایاتِ ظاہرہ کے مطابق
اقوٰی معتبر نہیں تو تم اس میں اضعف کا اعتبار
کیسے کرتے ہو۔ چنانچہ معاملہ دونوں ترجیحوں کو
لغو قرار دینے کی طرف لوٹ آئے گا اور یہ خود
تمہاری تقریر کے خلاف ہے کہ وہ (ولد عصبہ سے
ترجیح) صحیح اور مفتٰی بہ ہے۔ اس کا جواب وہی
ہے جو میں نے اس سے پہلے ذکر کیا کہ اقوٰی کا
اس لئے اعتبار نہیں ہے کہ اس کا محل نہیں۔

فلا یلغی الآخر مع حصول المحلیة و ذٰلک لان ولدیة العصبة تستحق من العصوبة والعصوبة تقتضی علیٰ غیرھا مطلقا وان کان من غیرحیزھا کالعم یحجب الخال فکذا ولدیة العصبة وبھٰذا تنحل الشبھتان معا اعنی وجوب اعتبار الاقویٰ کما ذھب الیہ العلامة الشامی ووجوب اسقاط الاضعف لسقوط الاقوی کما قررنا فی الالزام واللہ تعالیٰ اعلم ولی الانعام۔

لہذا دوسری ترجیح برمحل ہونے کی وجہ سے لغو نہ ہوگی۔ یہ اس لئے ہے کہ عصبہ کی اولاد کو عصوبت سے حصہ ملتا ہے اور عصبہ کو غیر پر مطلقاً ترجیح ہوتی ہے اگرچہ جہت مختلف ہو مثلاً چچا (جو کہ عصبہ ہے) ماموں کو محروم کرے گا اسی طرح عصبہ کی اولاد بھی محروم کردیتی ہے۔ اس تقریر سے دونوں شبہے مندفع ہوجاتے ہیں یعنی اقویٰ کے اعتبار کا وجوب جیسا کہ علامہ شامی اس کی طرف گئے ہیں اور اقویٰ کے سقوط کی وجہ سے اضعف کو ساقط کرنے کا وجوب جیسا کہ ہم نے الزام کی تقریر میں بیان کیا۔ اور اللہ تعالٰی ہی انعام عطا فرمانے والا ہے۔ (ت)

اس حاشیہ نے بحمدہٖ تعالٰی کشف شبہہ کردیا اس وقت تک مبسوط امام شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ تعالٰی فقیر کے پاس نہ تھی۔ اب اس کے مطالعہ نے واضح کردیا کہ وہ صرف اطلاق روایت سرخسی نہیں بلکہ خاص نص صریح ہے بحث علامہ شامی مصادم نص واقع ہوئی اور بحث فقیر بحمد اللہ القدیر نص کے موافق آئی وللہ الحمد۔

مبسوط شریف کا نص ملخص یہ ہے:

فی ظاھر المذھب ولد العصبة اولٰی سواء اختلفت الجھة او اتحدت، فان کان قوم من ھٰؤلاء من قبل الام من بنات الاخوال او الخالات وقوم من قبل الاب من بنات الاعمام او العمات لام فالمال مقسوم بین الفریقین اثلاثا سواء من کل جانب ذوقرابتین

ظاہر مذہب میں عصبہ کی اولاد اولٰی ہے چاہے جہت مختلف ہو یا متحد۔ اگر ان میں سے ایک جماعت ماں کی طرف سے ہو مثلاً ماموں یا خالاؤں کی بیٹیاں اور ایک جماعت باپ کی طرف سے ہو مثلاً اخیافی پھوپھیوں یا اخیافی چچوں کی بیٹیاں، تو مال دونوں فریقوں میں تین حصے بناکر تقسیم کیا جائے گا چاہے ہر جانب دو قرابتیں ہوں

او من احد الجانبين ذو قرابة واحدة ثم ما اصاب کل فریق فیما بینھم یترجح جھة ذی القرابتین علی ذی قرابة واحدة۔[1]

یا ایک جانب فقط ایک قرابت ہو، پھر ہر فریق کو جو ملا ہے وہ ان کے درمیان تقسیم کیا جائے گا درانحالیکہ دو قرابتوں والے کو ایک قرابت والے پر ترجیح ہوگی۔ (ت)

یہ نص صریح ہے وللہ الحمد کہ اختلاف جہت کے وقت ولدیت وارث سے ترجیح ہے اور قوتِ قرابت سے نہیں تو اولاد صنف رابع کا قانون صحیح ومعتمد یہ ہے۔

یقدم الاقرب مطلقاثم ان اختلف الحیز فولد الوارث وان اتفق فالاقوی قرابة ثم ولد الوارث وبعد ھذہ الشرائط ان استحق الفریقان فلفریق الاب الثلثان ولفریق الام الثلث واللہ تعالٰی اعلم۔

اقرب ہر حال میں مقدم ہوگا پھر اگر جہت مختلف ہو تو عصبہ کی اولاد کو اور اگر متحد ہو تو پہلے اقوٰی کو پھر عصبہ کی اولاد کو ترجیح ہوگی۔ ان شرائط کے بعد اگر دونوں فریق مستحق ہوں تو باپ کے فریق کو دو تہائی اور ماں کے فریق کو ایک تہائی ملے گا واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] مبسوط امام السرخسی کتاب الفرائض فصل فی میراث اولاد العمات الخ دارالمعرفۃ بیروت ۳۰/ ۲۱

کتابُ الشتّٰی (حصّہ اوّل)

(متفرق موضوعات)

تاریخ و تذکرہ و حکایاتِ صالحین

مسئلہ ۲۰۵ از توپ خانہ بازار قدیم مسجد صوبہ دار مدرسہ فیض احمدی کانپور بروز چہار شنبہ بتاریخ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ مولوی عبید اللہ صاحب

یہ مسئلہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سورۂ بقر کے ختم فرمانے کے شکریہ میں دعوت فرمائی؟ اور نسیم الریاض کے کس جلد کے کس صفحہ میں ہے کہ جو شخص مخلوق میں سے کسی کے علم کو حضرت سید السادات صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلٰی آلہٖ واصحابہ وبارک وسلم کے علم سے اشرف واوسع کہے گا؟

الجواب

وہ عبارت نسیم الریاض کی جلد رابع ص ۳۰۷ طابع قسطنطنیہ میں ہے:

من قال فلان اعلم منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقد عابہ ونقصہ (الٰی قولہ) فھو ساب ای کالساب والحکم فیہ

جس شخص نے کہا فلاں شخص رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے زیادہ علم والا ہے اس نے آپ کو عیب لگایا اور تنقیص کی (مصنف کے اس قول تک) چنانچہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گالی دینے والا ہے یعنی گالی دینے والے کی مثل ہے اس کا حکم گالی

حکم الساب من غیر فرق بینھما۔[1] | دینے والے کی طرح ہے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔(ت)

خطیب نے رواۃ مالک میں عبداللہ بن عمر فاروق علیہما الرضوان سے روایت کی:

قال تعلم عمر البقرۃ فی اثنتی عشرۃ سنۃ فلما ختمھا نحر جزورا۔[2] واللہ تعالٰی اعلم۔ | کہا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہ سال میں سورۃ بقرہ سیکھی جب مکمل کر لی تو (شکرانے کے طورپر) اونٹ ذبح فرمایا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۰۶ تا ۲۰۷: از بمبئی مرسلہ مولوی محمد عثمان صاحب بوساطت ضیاء الاسلام پیلی بھیت
۸ ارجب ۱۳۲۴ھ

(۱) شیطان کے انڈا دینے کا ثبوت۔

(۲) نمازِ خمسہ معراج میں نہیں فرض ہوئیں۔

الجواب

(۱) مفسرین نے ذریتِ شیطان میں چند اقوال لکھے ہیں، ان میں سے ایک قول یہ بھی ہے کہ انڈے دیتا ہے اس سے اس کی نسل چلتی ہے۔

(۲) یہ محض غلط ہے، صحیحین وغیرہما کی احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے کہ شبِ معراج ہی میں پانچوں نمازیں فرض ہوئیں۔[3]

مسئلہ ۲۰۸: از شہر کہنہ مرسلہ منشی قاضی عبدالحق صاحب ۳۰ ربیع الآخر ۱۳۲۷ھ

بشرفِ ملاحظہ خدامانِ بارگاہ شریعت پناہ، صاحبِ حجۃ قاہرہ، مجدد مائۃ حاضرہ، حامی ملت، حضرت عالم اہلسنت مدظلہم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کمترین عقیدت گزیں عبدالحق عرض پرداز ہے کہ اگر خادمانِ عالی کا حرج اوقات نہ ہو تو تفصیل اس امر کی فرما دی جائے کہ ہاروت و ماروت جو چاہِ بابل میں قید ہیں فرشتے ہیں یا جن یا انسان؟ اگر ان کو فرشتہ مانا جائے تو عصمت فرشتوں کی کس دلیل سے ثابت کی جائے؟ اور اگر جن و انس کہا جائے تو درازی عمر کے واسطے کیا حجت پیش کی جائے؟ اور جلال الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے جو تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ آسمان میں ایک دروازہ پیدا ہوا

---

[1] نسیم الریاض القسم الرابع الباب الاول مرکز اہلسنت برکات رضا ۴/ ۳۳۵

[2] الجامع لاحکام القرآن للقرطبی بحوالہ مالک باب کیفیۃ التعلم والفقہ الخ داراحیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۴۰

[3] صحیح البخاری باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ۱/ ۵۱ و صحیح مسلم باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۱/ ۹۱

اور ایک فرشتہ طوق وزنجیر پہنے ہوئے وسط میں حاضر ہوا' اور منادی نے ندا کی کہ اس فرشتہ نے خدا کی نافرمانی کی اور اس کی یہ سزا ملی کہاں تک صحیح ہے؟ چونکہ قدیم سے میرے تمام اسقام کا چارہ اسی آستانے سے ہوتا رہا ہے اس واسطے اس سمع خراشی کی جرأت پڑگئی۔ والسلام

الجواب

جنابِ من! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قصہ ہاروت وماروت جس طرح عام میں شائع ہے ائمہ کرام کو اس پر سخت انکار شدید ہے جس کی تفصیل شفاء شریف اور اس کی شروح میں ہے یہاں تک کہ امامِ اجل قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا:

ھذہ الاخبار من کتب الیھود وافترائتھم[1] یہ خبریں یہودیوں کی کتابوں اور انکی افتراؤں سے ہیں۔

ان کو جن یا انس مانا جائے جب بھی درازیٔ عمر مستبعد نہیں۔ سیدنا خضر وسیدنا الیاس و سیدنا عیسٰی صلوات اللہ تعالٰی وسلامہ علیہم انس ہیں اور ابلیس جن ہے۔

اور راجح یہی ہے کہ ہاروت وماروت دو فرشتے ہیں جن کو رب عزوجل نے ابتلائے خلق کیلئے مقرر فرمایا کہ جو سحر سیکھنا چاہے اسے نصیحت کریں کہ:

انما نحن فتنۃ فلا تکفر[2] ہم تو آزمائش ہی کے لئے مقرر ہوئے ہیں تو کفر نہ کر۔

اور جو نہ مانے اپنے پاؤں جہنم میں جائے اسے تعلیم کریں تو وہ طاعت میں ہیں نہ کہ معصیت میں۔

بہ قال اکثر المفسرین علی ماعزا الیھم فی الشفاء الشریف[3] اکثر مفسرین نے یہی کہا ہے جیسا کہ شفا شریف میں ان کی طرف منسوب ہے (ت)

اور یہ روایت کہ تاریخ الخلفاء کی طرف نسبت کی قطعاً باطل اور بے اصل محض ہے، نہ اس وقت تاریخ الخلفاء میں اس کا ہونا یاد فقیر میں ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۰۹: مسئولہ از مولوی نور احمد کانپوری ملازم کارخانہ میل کاٹ واقع ریواں ۹ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

ماقولکم یا علماء الملۃ السمحۃ البیضاء ومفاتی الشریعۃ الغراء فی ھذہ (اے ملت مقدسہ نورانیہ کے علماء کرام اور روشن شریعت کے مفتیانِ عظام آپ کا کیا ارشاد ہے اس بارے میں کہ ت) مولوی غلام امام شہید نے

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی القول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۰

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۰۲

[3] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی فصل فی القول فی عصمۃ الملائکۃ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۱۷۱

ص ۹۵ سطر ۱۱ میں لکھا ہے کہ شبِ معراج میں حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی روح پاک نے حاضر ہوکر گردنِ نیاز صاحبِ لولاک کے قدم سراپا اعجاز کے نیچے رکھ دی اور خواجۂ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم گردنِ غوث اعظم پر قدم مبارک رکھ کر براق پر سوار ہوئے اور اس روح پاک سے استفسار فرمایا کہ تو کون ہے؟ عرض کیا کہ میں آپ کے فرزندوں اور ذریات طیبات سے ہوں اگر آج نعمت سے کچھ منزلت بخشئے گا تو آپ کے دین کو زندہ کروں گا۔ فرمایا کہ تو محی الدین ہے اور جس طرح آج میرا قدم تیری گردن پر ہے اسی طرح کل تیرا قدم تمام اولیاء کی گردن پر ہوگا۔ اور اس روایت کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صاحبِ منازل اثنا عشریہ بھی تحفہ قادریہ سے لکھتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص۳ سطر ۵ میں مرقوم ہے کہ خواجۂ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم خوش ہوکر سوار ہونے لگے براق نے شوخی شروع کی۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا یہ کیا بے حرمتی ہے تو نہیں جانتا کہ تیرا راکب کون ہے، خلاصہ ہیجدہ ہزار عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ براق نے کہا اے امینِ وحی الٰہی! تم اس وقت خفگی مت کرو مجھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ایک التماس کرنی ہے۔ فرمایا بیان کرو۔ عرض کیا آج میں دولتِ زیارت سے مشرف ہوں، کل قیامت کے دن مجھ سے بہتر براق آپ کی سواری کے واسطے آئیں گے امیدوار ہوں کہ حضور سوائے میرے اور کسی براق کو پسند نہ فرمائیں۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے التجا اس کی قبول فرمائی۔ صاحبِ تحفۃ القادریہ لکھتے ہیں کہ وہ براق خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اتنا بڑھا اور اونچا ہوا کہ صاحبِ معراج کا ہاتھ زین تک اور پاؤں رکاب تک نہ پہنچا۔

میرا استفسار اس امر کا ہے کہ آیا یہ روایت صحاح ستہ وغیرہ کتبِ احادیث میں شفائے قاضی عیاض وغیرہ کتبِ معتبرہ فنِ سیر میں موجود ہے یا نہ؟ بینوا توجروا بیانا کافیا وشافیا بالاسانید من المعتبرات المعتمدات بالبسط والتفصیل جزاکم اللہ خیر الجزاء (قابلِ اعتبار واعتماد اسانید کے ساتھ مکمل وضاحت وتفصیل کی روشنی میں تسلی بخش طور پر بیان فرمائیں اجر پاؤ گے۔ اللہ تعالٰی تمھیں بہترین صلہ عطا فرمائے۔ ت)

الجواب

کتبِ احادیث وسیر میں اس روایت کا نشان نہیں۔ رسالہ غلام امام شہید محض نامعتبر بلکہ صریح اباطیل وموضوعات پر مشتمل ہے۔ منازل اثنا عشریہ کوئی کتاب فقیر کی نظر سے نہ گزری، نہ کہیں اس کا تذکرہ دیکھا۔ تحفہ قادریہ شریف اعلٰی درجہ کی مستند کتاب ہے، میں اس کے مطالعہ بالاستیعاب سے بارہا مشرف ہوا، جو نسخہ میرے پاس ہے یا جو میری نظر سے گزرا اس میں یہ روایت اصلاً نہیں۔

بااینہمہ اس زمانے کے بعض مفتیان جہول یعنی دیوبندیان نامعقول اور مخبطیان غفول نے جو اس کا بطلان اس طرح ثابت کرنا چاہا ہے کہ سدرۃ المنتہٰی سے بالا عروج کیسا اور اس میں معاذاللہ حضور اقدس و انور سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر حضور پُرنور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بُوئے تفضیل نکلتی ہے، یہ محض تعصب و جہالت ہے جس کا رد فقیر نے ایک مفصل فتوٰی میں سترہ سال ہوئے کر دیا جبکہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۱۰ھ کو کھنور ضلع سورت سے اس کا سوال آیا تھا، ہاں فاضل عبدالقادر قادری ابن شیخ محی اربلی نے کتاب تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبدالقادر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں یہ روایت لکھی ہے اور اسے جامع شریعت و حقیقت شیخ رشید ابن محمد جنیدی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کی کتاب "حرز العاشقین" سے نقل کیا، اور ایسے امور کو اتنی ہی سند بس ہے۔ اس کا بیان فقیر کے دوسرے فتوٰی میں ہے جس کا سوال ۱۷ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ کو اوجین سے آیا تھا وباللہ التوفیق (اور توفیق اللہ تعالٰی سے حاصل ہوتی ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۰: از ملک بنگال ضلع فریدپور موضع ٹیوراکاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

اعرابِ قرآنی کی ایجاد کس سنہ میں ہوئی اور اس کا بانی کون ہے؟ یہ بدعت حسنہ ہے یا سیئہ؟ اگر بدعتِ حسنہ ہے تو کل بدعۃ ضلالۃ (ہر بدعت گمراہی ہے۔ ت) کے کیا معنی؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

زمن عبدالملک بن مروان میں اس کی درخواست سے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم کے شاگرد رشید حضرت ابوالاسود دؤلی نے یہ کارِ نیک کیا، بدعتِ حسنہ تھا، اور تمام ممالک عجم میں یقیناً واجب کہ عام لوگ بے اس کے اس کی صحیح تلاوت نہیں کرسکتے۔ بدعتِ ضلالت وہ ہے کہ رد و مزاحمتِ سنّت کرے، اور یہ تو مؤید و معینِ سنّت، بلکہ ذریعہ ادائے فرض ہے،

فان اللحن حرام بلاخلاف کما فی العٰلمگیریۃ[1] فترکہ فرض وھذا سبیلہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

کیونکہ لحن بلاخلاف حرام ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ لہٰذا اس کا چھوڑنا فرض ہے اور یہ اس سے بچنے کا راستہ ہے

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الکراہیۃ الباب الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۵/۳۱۷

مسئلہ ۲۱۱: از بھوپال مکان منشی سید سعید احمد صاحب متصل نور محل مرسلہ سید احمد علی

مکرم و معظم بعد آدابِ نیاز کے گزارش ہے کہ اگر برائے مہربانی ان واقعات کے جن کی بنا پر حضرت منصور کے بارے میں فتوٰی دیا گیا تھا، مطلع فرمائیں تو بہت ممنون ہوں۔ اگر فتوٰی میں کسی آیت شریف کا حوالہ دیا گیا ہو تو اس کو بھی لکھ دیجئے گا۔ اس تکلیف دہی کو معاف فرمائیے گا۔ ایک معاملہ میں اس کی بہت ضرورت ہے۔

الجواب

حضرت سیدی حسین بن منصور حلاج قدس سرہ، جن کو عوام منصور کہتے ہیں، منصور ان کے والد کا نام تھا اور ان کا اسم گرامی حسین عہ، اکابر اہل حال سے تھے۔ ان کی ایک بہن ان سے بدرجہا مرتبہ ولایت و معرفت میں زائد تھیں۔ وہ آخر شب کو جنگل تشریف لے جاتیں اور یادِ الٰہی میں مصروف ہوتیں۔ ایک دن ان کی آنکھ کھلی بہن کو نہ پایا، گھر میں ہر جگہ تلاش کیا، پتا نہ چلا، ان کو وسوسہ گزرا۔ دوسری شب میں قصدًا سوتے میں جان ڈال کر جاگتے رہے، وہ اپنے وقت پر اُٹھ کر چلیں، یہ آہستہ آہستہ پیچھے ہولئے، دیکھتے رہے، آسمان سے سونے کی زنجیر میں یاقوت کا جام اُترا اور اُن کے دہن مبارک کے برابر آلگا، انھوں نے پینا شروع کیا، ان سے صبر نہ ہو سکا کہ یہ جنّت کی نعمت نہ ملے بے اختیار کہہ اُٹھے کہ بہن تمھیں اللہ کی قسم کہ تھوڑا میرے لئے چھوڑ دو، انھوں نے ایک جرعہ چھوڑ دیا انھوں نے پیا، اسکے پیتے ہی ہر جڑی بوٹی ہر در و دیوار سے ان کو یہ آواز آنے لگی کہ کون اس کا زیادہ مستحق ہے کہ ہماری راہ میں قتل کیا جائے۔ انھوں نے کہنا شروع کیا "اَنَا لَاَحَق" بیشک میں سب سے زیادہ اس کا سزاوار ہوں۔ لوگوں کے سُننے میں آیا "انا الحق" (میں حق ہوں۔ ت)، وہ دعوٰی خدائی سمجھے اور یہ کفر ہے۔ اور مسلمان ہو کر جو کفر کرے مرتد ہے اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من بدل دینه فاقتلوه، رواه احمد[1] والستة الا مسلما عن

جو اپنا دین بدل دے اسے قتل کرو۔ اس حدیث کو اصحابِ ستہ میں سے مسلم کے علاوہ سب نے

عہ فی الاصل منصور

[1] جامع الترمذی ۱/ ۱۷۶ و سنن ابی داؤد ۲/ ۲۴۲ و سنن ابن ماجہ باب المرتد عن دینہ ص ۱۸۵
مسند احمد بن حنبل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۱۷ و ۲۸۲ و ۲۸۳
صحیح البخاری کتاب المغازی باب لایعذب بعذاب اللہ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۳

ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔ | اور امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۲ از بریلی بازار لال کرتی مرسلہ حاجی غلام نبی صاحب ساکن پاپتن شریف معرفت حاجی ابوالحسن صاحب ۲۸ رجب ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ حضرت خواجہ خضر علیہ السلام اور حضرت الیاس علیہ السلام کا آپس میں کیا رشتہ ہے اور ان دونوں کو اللہ تعالٰی نے کس کس کام پر مختار کیا ہے اور کیا کیا مرتبہ دیا ہے ؟ فقط ۔

الجواب

سیدنا الیاس علیہ السلام نبی مرسل ہیں ،

قال اللہ تعالٰی ان الیاس لمن المرسلین[1] | اللہ تعالٰی نے فرمایا : بے شک الیاس (علیہ السلام) مرسلین میں سے ہیں (ت)

اور سیدنا خضر علیہ السلام بھی جمہور کے نزدیک نبی ہیں اور ان کو خاص طور سے علم غیب عطا ہوا ہے ،

قال اللہ تعالٰی وعلمناہ من لدنا علما[2] | اللہ تعالٰی نے فرمایا ، اور ہم نے اسے اپنا علم لدنی عطا فرمایا ۔ (ت)

یہ دونوں حضرات ان چار انبیاء میں ہیں جن کی وفات ابھی واقع ہی نہیں ہوئی ۔ دو آسمان پر زندہ اٹھالئے گئے ، سیدنا ادریس وسیدنا عیسٰی علیہما الصلوٰۃ والسلام ۔ اور یہ دونوں زمین پر تشریف فرما ہیں دریا سیدنا خضر علیہ السلام کے متعلق ہے اور خشکی سیدنا الیاس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ۔ دونوں صاحبان حج کو ہر سال تشریف لاتے ہیں ، بعدِ حج آبِ زمزم شریف پیتے ہیں کہ وہی سال بھر تک ان کے کھانے پینے کو کفایت کرتا ہے ۔ دونوں صاحب اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپس میں بھائی ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں :

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۱۲۳

[2] " " ۱۸/ ۶۵

الانبیاء بنو علات[1] سارے نبی آپس میں بھائی ہیں (ت)

اس کے سوا ان دونوں صاحبوں کا اور کوئی رشتہ معلوم نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۳ ۱۷ رجب ۱۳۳۲ھ

حائکہ کا پیشہ کون سے اولیاء و علماء نے کیا ہے؟ مع حدیث حوالہ کتاب کے تحریر فرمائیے گا۔

الجواب

بعض اولیاء و علماء نے جس طرح بضرورت جُوتا سینے کا پیشہ کیا ہے جیسے امام خصاف۔ یوں ہی بعض نے بضرورت کپڑا بھی بُنا ہے جیسے ابو الخیر نساج و علامہ اسمٰعیل حائک مفتی دمشق و شام رحمہم اللہ تعالٰی، مگر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ قوم کے جلاہے تھے جہالت ہے ویظھر الفرق بمطالعۃ رسالتنا اراءۃ الادب لفاضل النسب ف (اور ہمارے رسالے "اراءۃ الادب لفاضل النسب" کے مطالعہ سے فرق ظاہر ہوجاتا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۴ از ضلع سیالکوٹ تحصیل ڈسکہ ڈاکخانہ دبانوں مسئولہ محمد قاسم کھوکھر مدرس مدرسہ دبانوں روز دوشنبہ ۱۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

نسب نامہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب

سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ اولاد سلاطین کیان سے ہیں اور ان کا مرتبہ اس سے اجل و اعظم ہے کہ نسب سے انھیں فخر ہو۔ ان کا یہ شرف نہیں کہ وہ دنیوی بادشاہوں کی اولاد ہیں، ان کا یہ فضل ہے کہ وہ ہزار ہا دینی بادشاہوں کے باپ ہیں۔ سیدنا امام شافعی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

الفقھاء کلھم علی عیال تمام مجتہدین امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالٰی کے

[1] مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۹، ۳۷۰، ۴۶۳، ۴۸۲، ۵۴۱

صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۹

صحیح مسلم کتاب الفضائل باب فضائل عیسٰی علیہ السلام " " " ۲/ ۲۶۴ و ۲۶۵

ف: رسالہ "اراءۃ الادب لفاضل النسب" فتاوٰی رضویہ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور، کی تیئیسویں (۲۳) جلد کے صفحہ ۲۰۱ پر موجود ہے۔

ابی حنیفۃ [1] واللہ تعالٰے اعلم۔ بال بچّوں کی طرح ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۱۵: مسئولہ حاجی کریم نور محمد جنرل مرچنٹ اتواری چوک شہر ناگپور بروز پنجشنبہ بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

شہادت امام حسین رضی اللہ تعالٰی عنہ کی نہر فرات پر ہوئی یا نہیں؟ علمائے حنفیہ کا اس پر اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب

امام رضی اللہ تعالٰی عنہ کی شہادت ضرور برحق ہے، نہ فقط حنفیہ بلکہ جملہ اہلسنت کا اس پر اجماع ہے، اس کا منکر مبتدع گمراہ ہے۔

مسئلہ ۲۱۶: از علیگڑھ مرسلہ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری ۲۵ صفر ۱۳۳۸ھ

مولانا المعظم و برادر محترم مولانا مصطفٰی رضا خاں صاحب ارفع اللہ شانہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ کالج کا ایک کام آگیا ہے جس میں ضرورت ہے چند اسماء ان علمائے کرام کے لکھے جانے کی، جو سندھ کے تھے یا سندھ میں آئے کم از کم پانچ نام ہونا چاہئے۔ انساب سمعانی میں بعض اسماء ملے لیکن صرف نام، اس کی خبر نہ ملی کہ انہوں نے کیا خدمت انجام دی۔ طبقات حنفیہ کی فہرست میں کوئی نام نہ ملا۔ آنجناب براہِ کرم اعلٰحضرت سے استفسار فرمائیں۔ متقدمین یا متاخرین علماءِ اہلسنت، محدثین میں ہوں یا فقہاء ہیں۔ اگر اس قدر فرصت نہ ہو تو صرف ان کتابوں کے نام لکھ بھیجئے جن میں تلاش کروں۔ آپ کی خدمت میں نیاز نامہ اس لئے لکھا کہ آپ کو اعلٰحضرت کی حضوری حاصل ہے۔ فقیر کا سلام وقدمبوسی فرمادیجئے۔ مستحقِ دعا ہوں اور بڑا محتاج ہوں۔

الجواب

(۱) مولانا رحمت اللہ سندھی تلمیذ امام ابن ہمام مصنف منسک کبیر، منسک صغیر و منسک متوسط معروف بہ لباب المناسک جس کی شرح ملا علی قاری نے کی ہے المسلک المتقسط فی شرح المنسک المتوسط۔

(۲) مولانا محمد عابد سندھی مدنی محدث صاحب حصر الشارد۔

(۳) مولانا محمد حیات سندھی شارح کتاب الترغیب والترہیب۔

---

[1] الخیرات الحسان الفصل الثالث عشر فی ثناء الائمۃ علیہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۴۷
تاریخ بغداد ترجمہ ۷۲۹۷ نعمان بن ثابت دار الکتاب العربی بیروت ۱۳/ ۳۴۶

(۴) مولانا محمد ہاشم سندھی، یہ بھی فقہ میں صاحب تصنیف ہیں۔

(۵) علامہ محمد ابن الہادی سندھی محشی فتح القدیر وصحاح ستہ ومسند امام احمد، استاذ علامہ محمد حیات سندھی متوفی ۱۱۳۸ھ۔

(۶) شیخ نظام الدین سندھی نزیل دمشق تلمیذ جلیل ومحبوب حضرت قدوۃ العارفین سید صبغۃ اللہ بروجی۔

(۷) علامہ سندھی مصنف غایۃ التحقیق جن سے سید علامہ طحطاوی مصری نے حاشیہ درمختار باب الامامۃ میں استناد کیا۔

(۸) شیخ محمد حسین انصاری سندھی عم شیخ عابد سندھی محدثین ورجال اسانید حصر الشارد سے ہیں ــــ اس وقت یہی نام خیال میں آئے۔

رسالہ

نطق الهلال بارخ ولاد الحبیب والوصال

(حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت ووصال پر ہلال کی گواہی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فصل اوّل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں:

مسئلہ ۲۱۷ اولیٰ: استقرار نطفہ زکیہ سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کس ماہ وتاریخ میں ہوا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

بعض غرۂ رجب کہتے ہیں رواہ الخطیب عن سیدنا سھل التستری قدس سرہ (اس کو خطیب نے سیدنا سہل تستری قدس سرہ سے روایت کیا۔ت) اور بعض دہم محرم،

اخرج ابونعیم وابن عساکر عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال حمل برسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی عاشوراء المحرم وولد

اس کو ابونعیم اور ابن عساکر نے عمرو بن شعیب سے انھوں نے اپنے باپ سے انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا استقرار حمل دس محرم ہوا اور ولادت

يوم الاثنين لثنتى عشرة ليلة خلت من رمضان[1] اقول فيه مسيب بن شريك ضعيف جدا۔

باسعادت بروز پیر دس رمضان المبارک کو ہوئی۔ میں کہتا ہوں اس میں مسیب بن شریک ہے جو انتہائی ضعیف ہے۔ (ت)

اور صحیح یہ ہے کہ ماہِ حج کی بارھویں تاریخ هكذا صححه فى المدارج كما سيأتى (مدارج میں اسی کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ ت) **اقول** (میں کہتا ہوں۔ ت) اس کی مؤید ہے حدیث ابن سعد و ابن عساکر کہ زن خثعمیہ نے حضرت عبداللہ کو اپنی طرف بلایا رمی جمار کا عذر فرمایا بعد رمی حضرت آمنہ سے مقاربت کی اور حمل اقدس مستقر ہوا، پھر خثعمیہ نے دیکھ کر کہا کیا ہمبستری کی؟ فرمایا ہاں، کہا کہ وہ نور کہ میں نے آپ کی پیشانی سے آسمان تک بلند دیکھا تھا نہ رہا آمنہ کو مژدہ دیجئے کہ اُن کے حمل میں افضل اہلِ زمین ہے۔

قال ابن سعد انا وهب بن جرير بن حازم ثنا ابى سمعت ابا يزيد المدنى قال نبئت ان عبد الله ابا رسول الله صلى الله تعالٰى عليه وسلم اتى امرأة من خثعم فرأت النور بين عينيه نورا ساطعا الى السماء فقالت هل لك فىّ قال نعم حتى ارمى الجمرة[2] الحديث۔

ابن سعد نے کہا ہمیں وہب بن جریر بن حازم نے خبر دی انھوں نے کہا مجھے میرے باپ نے بتایا کہ میں نے ابو یزید مدنی کو کہتے ہوئے سنا مجھے خبر دی گئی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے والد ماجد سیدنا حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہ قبیلہ بنی خثعم کی ایک عورت کے پاس تشریف لائے تو اس نے آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک نور آسمان تک بلند دیکھا اور کہا کہ کیا آپ کو مجھ میں کوئی رغبت ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں، یہاں تک کہ میں جمرات کو رمی کرلوں، حدیث۔ (ت)

ظاہر ہے کہ رمی جمار نہیں ہوتی مگر حج میں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۱۸ ثانیہ دن کیا تھا؟

الجواب

کہا گیا روز دوشنبہ ذکرہ الزبیر بن بکار وبہ جزم

ع۔ اس کی تحقیق مسئلہ پنجم میں آتی ہے ۱۲ منہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر باب ذکر مولد النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم داراحیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۹

[2] 〃 〃 باب ذکر طہارۃ مولدہ وطیب اصلہ الخ ۳/ ۲۲۸

فی مجمع البحار[1] (اس کو زبیر نے ذکر کیا اور مجمع البحار میں اسی پر جزم فرمایا۔ ت) اور اصح یہ ہے کہ شبِ جمعہ تھی، اسی لئے امام احمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شبِ جمعہ کو شبِ قدر سے افضل کہتے ہیں کہ یہ خیر وبرکت وکرامت وسعادت جو اس میں اُتری اس کے ہمسر نہ کبھی اُتری نہ قیامت تک اُترے، وہاں تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا[2] (اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے ہیں۔ ت) ہے یہاں مولائے ملائکہ وآقائے روح کا نزولِ اجلال عظیم الفتوح ہے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔ مدارج النبوۃ میں ہے:

استقرار نطفہ زکیہ در ایام حج بر قول اصح در اوسط ایام تشریق شبِ جمعہ بود کہ ازیں جہت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ لیلۃ الجمعہ را فاضل تر از لیلۃ القدر داشتہ[3] الخ۔

اصح قول کے مطابق نطفہ مطہرہ کا استقرار حج کے دنوں میں ایام تشریق کے درمیان جمعہ کی رات کو ہوا۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شبِ جمعہ کو شبِ قدر سے افضل سمجھتے ہیں الخ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۱۹ ثالثہ مدتِ حمل شریف کس قدر تھی؟

الجواب

۱۰ ۹ ۷ ۶ ۹
دہ ونہ وہفت وشش ماہ سب کچھ کہا گیا اور صحیح نو مہینے ہیں،

فی شرح الزرقانی للمواھب اختلف فی مدۃ الحمل بہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل تسعۃ اشھر کاملۃ وبہ صدر مغلطائی قال فی الغرر وھو الصحیح[4] الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مواہب کی شرح زرقانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مدتِ حمل میں اختلاف ہے، چنانچہ کہا گیا کہ پورے نو ماہ ہے۔ مغلطائی نے اسی قول کو مقدم کیا۔ غرر میں فرمایا کہ یہی صحیح ہے الخ، اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔ (ت)

---

[1] مجمع بحار الانوار بیان نسبہ صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورہ ۵/۲۶۵

[2] القرآن الکریم ۹۷/۴

[3] مدارج النبوۃ باب اول نور مصطفٰی استقرار نطفہ زکیہ الخ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ملتان ۲/۱۳

[4] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبد اللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۳۶

مسئلہ ۲۲۰ رابعہ ولادت شریف کا دن کیا ہے؟

الجواب

بالاتفاق دوشنبہ صرح بہ العلامۃ ابن حجر فی افضل القری (علامہ ابن حجر نے افضل القری میں اس کی تصریح فرمائی۔ت) سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پیر کے دن کو فرماتے ہیں:

ذٰلک یوم ولدت فیہ، رواہ مسلم[1] عن ابی قتادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

میں اسی دن پیدا ہوا ہوں (اس کو امام مسلم نے ابوقتادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۱ خامسہ کیا مہینہ تھا؟

الجواب

رجب، صفر، ربیع الاول، محرم، رمضان سب کچھ کہا گیا اور صحیح و مشہور و قول جمہور ربیع الاول ہے، مدارج میں ہے:

مشہور آنست کہ در ربیع الاول بود[2]۔

مشہور یہ ہے کہ ولادت مبارکہ ماہ ربیع الاول شریف میں ہوئی۔(ت)

شرح الہمزیہ میں ہے:

الاصح فی شھر ربیع الاول[3]۔

اصح یہ ہے کہ ماہ ربیع الاول میں آپ کی ولادتِ باسعادت ہوئی۔(ت)

ربیع الاول، مواہب میں ہے: وھو قول جمھور العلماء[4] (اور وہ جمہور علماء کا قول ہے۔ت) پھر کہا فی شھر ربیع الاول علی الصحیح[5] (صحیح قول کے مطابق ربیع الاول میں۔ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلاثۃ الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۳۶۸

[2] مدارج النبوۃ باب اول ولادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۲/۱۴

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الھمزیۃ قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

[4] المواہب اللدنیۃ المقصد الاول یوم الولادۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۱۴۰

[5] 〃 〃 شہر الولادۃ 〃 〃 ۱/۱۴۲

شرح زرقانی میں ہے :

قال ابن کثیر ھو المشھور عند الجمھور[1] ابن کثیر نے کہا جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے (ت)

اسی میں ہے : وعلیہ العمل[2] (اور اسی پر عمل ہے ۔ ت)

علمائے باآنکہ اقوال مذکورہ سے آگاہ تھے محرم و رمضان و رجب کی نفی فرمائی، مواہب میں ہے :

لم یکن فی المحرم ولا فی رجب ولا فی رمضان[3] ولادت مبارکہ نہ تو محرم میں ہوئی اور نہ ہی رجب میں اور نہ رمضان میں ۔ (ت)

شرح ام القرٰی میں ہے :

لم یکن فی الاشھر الحرم او رمضان[4] حرمت والے مہینوں یا رمضان میں ولادت مبارکہ نہیں ہوئی (ت)

یہاں تک کہ علامہ ابن الجوزی و ابن جزار نے اسی پر اجماع نقل کیا۔ نسیم الریاض میں تلقیح سے ہے :

اتفقوا علٰی انہ ولد یوم الاثنین فی شھر ربیع الاول[5] اس پر علماء متفق ہیں کہ آپ ماہ ربیع الاول میں پیر کے روز پیدا ہوئے ۔ (ت)

اسی طرح ان کی صفوہ میں ہے، کما للزرقانی ثم عزاہ ایضا لابن الجزار (جیسا کہ زرقانی کا قول ہے، پھر اس کو ابن جزار کی طرف منسوب کیا ۔ ت) پس اس کا انکار اگر ترجیحات علماء و اختیار جمہور کی ناواقفی سے ہو تو جہل ورنہ مرکب کہ اس سے بدتر۔ فقیر کہتا ہے مگر اس تقدیر پر استقرار حمل ماہ ذی الحجہ میں صریح اشکال کہ دربارہ حمل چھ مہینے سے کمی عادۃً محال، اور خود اوپر گزرا کہ مدتِ حمل شریف ۹ ماہ ہونا اصح الاقوال، تو یہ تینوں تصحیحیں کیونکر مطابق ہوں **لکنی اقول** وباللہ التوفیق (لیکن میں اللہ تعالٰی کی توفیق سے کہتا ہوں ۔ ت) مہینے زمانہ جاہلیت میں معین نہ تھے اہل عرب ہمیشہ شہر حرم کی تقدیم

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد الاول دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۳۲

[2] " " " " " "

[3] المواہب اللدنیہ المقصد الاول یوم ولادۃ المکتب الاسلامی " ۱/۱۴۲

[4] شرح ام القرٰی

[5] نسیم الریاض فصل ومن ذٰلک ما ظہر من الآیات عند مولدہ مرکز اہل سنت برکات رضا ۳/۲۷۵

تاخیر کر لیتے جس کے سبب ذی الحجہ ہر ماہ میں دورہ کر جاتا،

قال اللہ تعالیٰ انما النسئ زیادۃ فی الکفر یضل بہ الذین کفروا یحلونہ عاما ویحرمونہ عاما لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ[1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا، اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں۔ ایک برس اسے حلال ٹھہراتے ہیں اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمائی(ت)

یہاں تک کہ صدیق اکبر و مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہما نے جو ہجرت سے نویں سال حج کیا وہ مہینا واقع میں ذیقعدہ تھا[ع] سال دہم میں ذی الحجہ اپنے ٹھکانے سے آیا سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حج فرمایا اور ارشاد کیا:

ان الزمان قد استدار کھیأتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض الحدیث۔ رواہ الشیخان[2]۔

یعنی زمانہ دورہ کرکے اُسی حالت پر آگیا جس پر روزِ تخلیق زمین و آسمان تھا اس حدیث کو امام بخاری و امام مسلم نے روایت فرمایا ہے۔ت)

اُس دن سے نسئ نسیاً منسیا ہوا اور یہی دورہ دوازدہ ماہہ قیامت تک رہا تو کچھ بعید نہیں کہ اُس ذی الحجہ سے ربیع الاول تک نو مہینے ہوں شاید شیخ محقق اسی نکتہ کی طرف مشیر ہیں کہ زمانۂ استقرار مبارک

ع اس پر اعتراض ہے کہ بروزِ عرفہ صدیق و مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اعلان احکام الٰہیہ فرمایا جسے رب عزوجل نے واذان من اللہ ورسولہ الی الناس یوم الحج الاکبر ان اللہ بریئ من المشرکین ورسولہ[3] (اور منادی پکار دینا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ت) فرمایا اگر وہ ذی الحجہ نہ ہوتا ایسا نہ فرماتا۔ اقول وفیہ نظر بوجوہ فتامل منہ غفرلہ (میں کہتا ہوں اس میں کئی وجوہ سے نظر ہے پس غور کرو۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۷

[2] صحیح البخاری کتاب التفسیر سورۃ براءۃ باب قولہ ان عدۃ الشہور الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۷۲
صحیح مسلم کتاب القسامۃ باب تغلیظ تحریم الدماء " " " ۲/ ۶۰

[3] القرآن الکریم ۹/ ۳

کو ایامِ حج سے تعبیر کیا نہ کہ ذی الحجہ سے، اگرچہ اُس وقت کے عُرف میں اُسے ذی الحجہ بھی کہنا ممکن تھا۔

اقول اب مسئلہ ثالثہ وخامسہ کی تصحیحوں پر مسئلہ اولیٰ کا جواب ۱۲ جمادی الآخرہ ہوگا مگر جاہلیت کا دورِ نسیٔ اگر منتظم مانا جائے یعنی علی التوالی ایک ایک مہینا ہٹاتے ہوں تو سال استقرار حمل اقدس ذی الحجہ شعبان میں پڑتا ہے نہ کہ جمادی الآخرہ میں کہ ذی الحجہ حجۃ الوداع شریف جب عمر اقدس حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے تریسٹھواں سال تھا ذی الحجہ میں آیا تو ۱۲، ۱۲ کے اسقاط سے جب عمر اقدس سے تیسرا سال تھا ذی الحجہ میں ہوا اور دوسرا سال ذی القعدہ اور پہلا سال شوال، ولادت شریفہ رمضان اور سال استقرار حمل مبارک شعبان میں لیکن اُن نا منتظموں کی کوئی بات منتظم نہ تھی جب جیسی چاہتے کر لیتے لُٹیرے لوگ جب لُوٹ مار چاہتے اور مہینا ان کے حسابوں اشہر حرم سے ہوتا، اپنے سردار کے پاس آتے اور کہتے اس سال یہ مہینا حلال کردے، وہ حلال کر دیتا، اور دوسرے سال گنتی پوری کرنے کو حرام ٹھہرا دیتا کما رواہ ابناء جریر والمنذر و مردویہ و ابی حاتم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما (جیسا کہ اس کو جریر، منذر، مردویہ اور ابوحاتم کے بیٹوں نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا۔ت) تو اس سال جمادی الآخرہ میں ذی الحجہ ہونا کچھ بعید نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم[1]

فائدہ: سائل نے یہاں تاریخ سے سوال نہ کیا اس میں اقوال بہت مختلف ہیں، دو ۲، آٹھ ۸، دس ۱۰، بارہ ۱۲، سترہ ۱۷، اٹھارہ ۱۸، بائیس ۲۲، سات قول ہیں مگر اشہر واکثر ماخوذ و معتبر بارھویں ہے۔ مکہ معظمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں کما فی المواھب والمدارج[2] (جیسا کہ مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ میں ہے۔ت) اور خاص اس مکان جنت نشان میں اسی تاریخ مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔

علامہ قسطلانی وفاضل زرقانی فرماتے ہیں:

المشھور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولد یوم الاثنین ثانی عشر ربیع الاول وھو قول محمد بن اسحاق امام المغازی وغیرہ[3]

مشہور یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بارہ ربیع الاول بروز پیر کو پیدا ہوئے، امام المغازی محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔(ت)

---

[1] الدر المنثور تحت الآیۃ ۹/ ۳۷ ۴/ ۱۶۳ [2] المواھب اللدنیۃ المقصد الاول ۱/ ۱۳۲

[3] شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/ ۱۳۲

شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے:

ھو المشھور عند الجمھور[1] جمہور کے نزدیک یہی مشہور ہے۔ (ت)

اسی میں ہے: ھو الذی علیہ العمل[2] (یہی وہ ہے جس پر عمل ہے۔ ت)

شرح الہمزیہ میں ہے: ھو المشھور وعلیہ العمل[3] (یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل ہے۔ ت)

اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی:

وان کان اکثر المحدثین والمؤرخین علی ثمان خلون وعلیہ اجمع اھل الزیجات واختارہ ابن حزم والحمیدی وروی عن ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنھم وبالاول صدر مغلطائی واعتمدہ الذھبی فی تھذیب التھذیب تبعا للمزی وحکم المشھور بقیل وصحح الدمیاطی عشرا خلت اقول وحاسبنا فوجدنا غرۃ المحرم الوسطیۃ عام ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الخمیس فکانت غرۃ شھر الولادۃ الکریمۃ الوسطیۃ یوم الاحد والھلالیۃ یوم الاثنین فکان یوم الاثنین الثامن من الشھر، ولذا اجمع

اگرچہ اکثر محدثین ومورخین کا نظریہ ہے کہ ولادت باسعادت آٹھ تاریخ کو ہوئی، اہل زیجات کا اسی پر اجماع ہے۔ ابن حزم وحمیدی کا یہی مختار ہے اور ابن عباس وجبیر بن مطعم رضی اللہ تعالٰی عنہم سے بھی مروی ہے۔ مغلطائی نے قول اول سے آغاز فرمایا اور امام ذہبی نے مزی کی پیروی کرتے ہوئے تہذیب التہذیب میں اسی پر اعتماد کیا اور قیل کے ساتھ مشہور کا حکم لگایا اور دمیاطی نے دس تاریخ کو صحیح قرار دیا۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) ہم نے حساب لگایا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت اقدس والے سال محرم کا غرّہ وسطیہ (آغاز) جمعرات کے روز پایا تو اس طرح ماہِ ولادتِ کریمہ کا غرّہ وسطیہ بروز اتوار اور غرّہ ہلالیہ بروز پیر ہوا تو اس طرح پیر کے روز ماہ ولادت مبارکہ کی آٹھ تاریخ بنتی ہے یہی وجہ

---

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول ذکر تزوج عبداللہ آمنہ دار المعرفۃ بیروت ۱/۱۳۲

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] الفتوحات الاحمدیۃ بالمنح المحمدیۃ شرح الہمزیۃ تحت قولہ لیلۃ المولد جمالیہ قاہرہ ص ۱۰

علیه اصحاب الزیج ومجرد ملاحظة الغرة الوسطیة یظهر استحالة سائر الاقوال ماخلا الطرفین والعلم بالحق عند مقلب الملوین ۔

ہے کہ اہل زیجات کا اس پر اجماع ہے۔ محض غرۂ وسطیہ کو دیکھنے سے طرفین کے علاوہ تمام اقوال کا محال ہونا ظاہر ہوجاتا ہے اور حق کا علم شب و روز کو بدلنے والے کے پاس ہے۔ (ت)

اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لئے شان عظیم ہے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الفطر یوم یفطر الناس والاضحٰی یوم یضحی الناس، رواه الترمذی[1] عن ام المؤمنین الصدیقة رضی الله تعالٰی عنها بسند صحیح ۔

عید الفطر اس دن ہے جس دن لوگ عید کریں اور عید اضحٰی اُس روز ہے جس روز لوگ عید سمجھیں (اس کو امام ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا ہے۔ (ت)

اور فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم،

فطرکم یوم تفطرون واضحاکم یوم تضحون ۔ رواه ابوداؤد[2] والبیهقی فی السنن عن ابی هریرة رضی الله تعالٰی عنه بسند صحیح ورواه الترمذی وحسنه فزاد فی اوله الصوم یوم تصومون والفطر[3] الحدیث وارسله الشافعی فی مسنده والبیهقی فی سننه عن عطاء فزاد فی اٰخره وعرفة یوم تعرفون[4]۔

تمہاری عید الفطر اس دن ہے جس دن تم عید الفطر کرو اور تمہاری عید الاضحٰی اس دن ہے جس دن کو تم عید الاضحٰی سمجھو۔ اس کو ابوداؤد اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ترمذی نے اس کو روایت کرکے حسن قرار دیا اور اس کے شروع میں یہ بڑھایا کہ روزہ کا دن وہی ہے جس کو تم سب روزہ کا دن قرار دو اور عید الفطر کا دن وہ ہے (حدیث کے آخر تک)۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی مسند میں اسکو بطور ارسال ذکر فرمایا۔

---

[1] جامع الترمذی ابواب الصوم باب ماجاء فی الفطر والاضحٰی متی یکون امین کمپنی دہلی ۱/ ۹۹

[2] سنن ابی داؤد کتاب الصیام باب اذا اخطأ القوم الہلال آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳۱۸

[3] جامع الترمذی ابواب الصیام باب ماجاء ان الفطر یوم تفطرون الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۸۸

[4] السنن الکبرٰی کتاب الحج باب خطأ الناس یوم عرفۃ دار صادر بیروت ۵/ ۱۷۶

بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عطاء سے روایت کرتے ہوئے آخر میں یہ اضافہ کیا کہ یوم عرفہ وہی ہے جس کو تم سب یوم عرفہ سمجھو۔ (ت)

یعنی مسلمانوں کا روزِ عید الفطر، عید الاضحی، روزِ عرفہ سب اُس دن ہے جس دن جمہور مسلمین خیال کریں اسے وان لم یصادف الواقع ونظیرہ قبلۃ التحری (اگرچہ وہ واقع کے مطابق نہ ہو اس کی نظیر قبلۂ تحری ہے۔ت) لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے قول وعمل جمہور مسلمین ہی کے مطابق بہتر ہے فلا وفق العمل ما علیہ العمل (بہترین ومناسب ترین عمل وہی ہے جس پر جمہور مسلمانوں کا عمل ہو۔ت) یہ ہے ان مسائل میں کلام مجمل، اور تفصیل کے لئے دوسرا محل۔ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

مسئلہ ۲۲۲ سادسہ شمسی تاریخ کیا تھی؟

الجواب

ولادتِ اقدس ہجرتِ مقدسہ سے ترپن ۵۳ برس پہلے ہے، مرفوع ۶۰ سال ۵ نداک، مرفوع ۷ سال مرکا۔ ۵ لحا کہ ۱۸۷۸۱ یوم ہوئے یعنی اس سال کا محرم وسطے سال ہجرت کے محرم وسطے سے اتنے دن پہلے تھا ان سات پر تقسیم کئے سے کچھ نہ بچا اور ابتدائے سال ہجری بحساب اوسط پنجشنبہ ہے تو ان ایام مذکورہ کا پچھلا دن چارشنبہ تھا اور جبکہ یہ پورے ہفتے ہیں تو ان کا پہلا دن پنجشنبہ تھا، اور جب اس سال کا مدخل پنجشنبہ ہوا تو اُس ربیع الاول کا مدخل یکشنبہ تو دوشنبہ کو نویں تھی یعنی یکم وسطے وہ ہلالی سے ایک دن پہلے ہوئی اب مابین التاریخین ہماری تحقیق میں ۱۷۷ لط ہے ۵ لجا۔ نرھ لج محرم وصفر نط۔ ط ربیع الاول۔ زنامو۔ ۵۰۰ ۵ سال ھ مح مط رر ضر، ۷ سال رو ر اھ مارچ ال ک تاریخ مطلوب بستم اپریل ۱۷۱ ۵ ۶ معرفت یوم ہماری جداول سے ۱۷۱ ۵ - ۲۳۶ - ۲۲۵ - ۲۸ باقی ۱۱ پس جدول ر میں مقابل ۱۱ دیکھا مدخل ۵۷۱ھ پنجشنبہ ہوا اور مدخل اپریل چارشنبہ پس بستم اپریل دوشنبہ، وھو المطلوب واللہ تعالٰی اعلم۔

فصل دوم

مسئلہ ۲۲۳ ۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ وفات شریف حضور پُرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تاریخ کیا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

قول مشہور و معتمد جمہور دوازدہم ربیع الاول شریف ہے، ابن سعد نے طبقات میں بطریق عمر بن علی مرتضٰی رضی اللہ تعالٰی عنہما امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم سے روایت کی:

قال مات رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین لاثنتی عشرۃ مضت من ربیع الاول[1]

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وفات شریف روز دوشنبہ بارھویں تاریخ ربیع الاول شریف کو ہوئی۔

شرح مواہب علامہ زرقانی آخر مقصد اول میں ہے:

الذی عند ابن اسحٰق والجمہور انہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مات لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من شہر ربیع الاول[2]

امام ابن اسحاق اور جمہور کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کا وصال اقدس ماہ ربیع الاول کی بارہ تاریخ کو ہوا۔ (ت)

اسی میں آغاز مقصد دہم میں ہے:

قول الجمہور انہ توفی ثانی عشر ربیع الاول[3]

جمہور کا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بارہ ربیع الاول کو وصال فرمایا۔ (ت)

خمیس فی احوال انفس نفیس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یوم الاثنین نصف النہار لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول سنۃ احدی عشرۃ من الہجرۃ ضحی فی مثل الوقت الذی دخل فیہ المدینۃ[4]

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا وصال مبارک بارہ ربیع الاول شریف ۱۱ھ بروز پیر دوپہر کے وقت ہوا جس وقت آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ (ت)

---

[1] الطبقات الکبرٰی ابن سعد ذکر کم مرض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الخ دار صادر بیروت ۲/ ۲۷۲

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰

[3] شرح العلامۃ الزرقانی علی المواہب اللدنیہ المقصد العاشرہ " " " ۸/ ۲۵۰

[4] تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس ذکر وقت موتہ علیہ السلام موسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۶

اسی میں امام ابوحاتم رازی و امام رزین عبدری و کتاب الوفاء امام ابن جوزی سے ہے:

مرض فی صفر لعشر بقین منه و توفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم لاثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول یوم الاثنین[1]

حضور پرنور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیس[2] صفر کو بیمار ہوئے اور بارہ[12] ربیع الاول پیر کے روز آپ کا وصال ہوا۔ (ت)

کامل ابن اثیر جزری میں ہے:

کان موته صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم یوم الاثنین لثنتی عشرۃ لیلۃ خلت من ربیع الاول[2]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال بارہ ربیع الاول پیر کے روز ہوا۔ (ت)

مجمع بحار الانوار میں ہے:

وصل بالحق فی نصف نہارہ لاثنتی عشر من ربیع الاول وقیل لمستہله وقیل للیلتین خلتا منه الاول اکثر من الاخیرین[3]

آپ بارہ[12] ربیع الاول کو واصل بحق ہوئے، ایک قول یکم ربیع الاول اور ایک قول دو[2] ربیع الاول کا ہے مگر پہلا قول (۱۲ ربیع الاول) آخری دونوں سے اکثر ہے۔ (ت)

اسعاف الراغبین فاضل محمد صبان میں ہے:

توفی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فی بیت عائشۃ یوم الاثنین قبیل الزوال للیلتین مضتا من ربیع الاول وقیل لیلۃ مضت منه وقیل لاثنتی عشرۃ لیلۃ مضت منه وعلیه الجمہور[4]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے حجرہ مبارکہ میں دو[2] ربیع الاول شریف بروز پیر زوال سے تھوڑی دیر پہلے وصال فرمایا۔ ایک قول میں یکم اور ایک قول میں بارہ[12] ربیع الاول ہے اور جمہور اسی قول پر ہیں۔ (ت)

---

[1] تاریخ الخمیس ابتداء مرضہ علیہ الصلوٰۃ والسلام موسسۃ شعبان بیروت ۲/ ۱۶۱

[2] الکامل فی التاریخ ابن اثیر ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۳۲۳

[3] مجمع بحار الانوار فصل فی السیر من سیرنا المختصر فی سبب قدوم الحبشۃ الخ مکتبۃ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۵/ ۲۹۴

[4] اسعاف الراغبین

27

اور تحقیق یہ ہے کہ حقیقۃً بحسب رؤیت مکہ معظمہ ربیع الاول شریف کی تیرھویں تھی مدینہ طیبہ میں رؤیت نہ ہوئی لہذا اُن کے حساب سے بارھویں ٹھہری، وہی رواۃ نے اپنے حساب کی بنا پر روایت کی اور مشہور و مقبول جمہور ہوئی، یہ حاصلِ تحقیق امام بارزی و امام عماد الدین بن کثیر و امام بدر الدین بن جماعہ وغیرہم اکابر محدثین و محققین ہے، اس کے سوا دو قول ایک یکم ربیع الاول شریف ذکرہ موسٰی بن عقبۃ واللیث والخوارزمی وابن زبیر[1] (اس کو موسٰی بن عقبہ، لیث، خوارزمی اور ابن زبیر نے ذکر کیا۔ ت)، دوسرا دوم ربیع الاول شریف کہ دو رافضیان کذاب ابو مخنف و کلبی کا قول ہے،

ففی الزرقانی بعد عزو الاول الٰی من ذکرنا وعند ابی مخنف والکلبی فی ثانیۃ[2]۔

زرقانی میں یکم ربیع الاول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کے بعد جن کا ہم نے ذکر کیا ہے فرمایا کہ ابو مخنف اور کلبی کے نزدیک دو ربیع الاول کو وصال ہوا۔ (ت)

یہ دونوں اقوال محض باطل و نامعتبر بلکہ سراسر محال و نامتصور ہیں،

وان میل الٰی کل نظر الی الحساب لامن حیث ان روایتھا اثبت فی الباب و انما یقضی الحساب علی القولین بالبطلان والذھاب کما ستعرف بعون الملک الوھاب، ووقع فی الکامل حکایۃ ثالث حیث قال بعد ما اعتمد قول الجمھور کما نقلنا وقیل مات نصف النھار یوم الاثنین للیلتین بقیتا من ربیع الاول[3] اقول وھو

ان دونوں قولوں میں سے ہر ایک کا میلان نظر حساب کی طرف ہے، اس حیثیت سے نہیں کہ ان کی روایت اس باب میں اثبت ہے، جبکہ حساب تو ان کے بطلان کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ عنقریب تو اس کی مدد سے جان لے گا جو بہت عطا فرمانے والا بادشاہ ہے۔ کامل میں ایک تیسری حکایت واقع ہوئی ہے جہاں صاحبِ کامل نے جمہور کا معتمد قول جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ایک قول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اٹھائیس ربیع الاول

[1] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیۃ المقصد الاول آخر البعوث النبویۃ دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۱۰

[2] ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ” ”

[3] الکامل فی التاریخ ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار صادر بیروت ۲/ ۳۲۳

وھم وکانہ شبہ علیہ خلتا بقیتا فان الحفاظ انما ذکروا ھٰھنا سوی المشھور قولین لاغیر۔

بروز پیر وصال فرمایا **اقول** (میں کہتا ہوں) یہ وہم ہے گویا کہ قائل کو خلتا کے بجائے بقیتا کا اشتباہ ہوا کیونکہ حفاظ نے یہاں پر قول مشہور کے علاوہ فقط دو ہی قول ذکر کئے ہیں (ت)

تفصیلِ مقام و توضیحِ مرام یہ ہے کہ وفاتِ اقدس ماہِ ربیع الاول شریف روزِ دوشنبہ میں واقع ہوئی، اس قدر ثابت و مستحکم و یقینی ہے جس میں اصلاً جائے نزاع نہیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری و مواہب لدنیہ و شرح زرقانی میں ہے:

(ثم ان وفاتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی یوم الاثنین) کما ثبت فی الصحیح عن انس ورواہ ابن سعد باسانیدہ عن عائشۃ وعلی وسعد وعروۃ وابن المسیب وابن شھاب وغیرھم (من ربیع الاول بلاخلاف) کما قال ابن عبدالبر بل کاد یکون اجماعاً[1] الخ۔

(پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال پیر کے روز ہے) جیسا کہ صحیح میں حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ثابت ہے۔ اس کو ابن سعد نے اپنی صحیح سندوں کے ساتھ سیدتنا عائشہ صدیقہ، علی مرتضٰی، سعد، عروہ، ابن مسیب اور ابن شہاب وغیرہ سے روایت کیا ہے رضی اللہ تعالٰی عنہم (ربیع الاول میں وصال مبارک کے ہونے میں کوئی اختلاف نہیں) جیسا کہ ابن عبدالبر نے کہا بلکہ تقریباً اس پر اجماع ہے الخ (ت)

اُدھر یہ بلاشبہ ثابت کہ اس ربیع الاول سے پہلے جو ذی الحجہ تھا اس کی پہلی روزِ پنجشنبہ تھی کہ حجۃ الوداع شریف بالاجماع روزِ جمعہ ہے،

وقد ثبت ذٰلک فی احادیث صحاح لامنازع لھا فلا حاجۃ بنا الی اطالۃ الکلام بسردھا۔

تحقیق یہ ایسی صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے جن کا کوئی مزاحم نہیں لہٰذا ہمیں اس کی تفصیل میں طویل کلام کی کوئی ضرورت نہیں (ت)

اور جب ذی الحجہ ۱۰ھ کی ۲۹ روزِ پنجشنبہ تھی تو ربیع الاول ۱۱ھ کی ۱۲ کسی طرح روزِ دوشنبہ نہیں آتی کہ اگر ذی الحجہ، محرم، صفر تینوں مہینے ۳۰ کے لئے جائیں تو غرہ ربیع الاول روز

---

[1] المواہب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۲۴۹
شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۱

چارشنبہ ہوتا ہے اور پیر کی چھٹی اور تیرھویں، اور اگر تینوں ۲۹ کے لیں تو غرہ روز یکشنبہ پڑتا ہے اور پیر کی دوسری اور نویں، اور اگر ان میں کوئی سا ایک ناقص اور باقی دو کامل لیجئے تو پہلی سہ شنبہ کی ہوتی ہے اور پیر کی ساتویں چودھویں اور اگر ایک کامل دو ناقص مانئے تو پہلی پیر کی ہوتی ہے پھر پیر کی آٹھویں پندرھویں، غرض بارھویں کسی حساب سے نہیں آتی، اور ان چار کے سوا پانچویں کوئی صورت نہیں، قولِ جمہور پر یہ اشکال پہلے امام سہیلی کے خیال میں آیا اور اسے لاحل سمجھ کر انھوں نے قول یکم اور امام ابن حجر عسقلانی نے دوم کی طرف عدول فرمایا۔

فی المواھب بعد ذکر القول المشھور (استشکلہ السھیلی وذٰلک انھم اتفقوا ان ذاالحجۃ کان اولہ یوم الخمیس) للاجماع ان وقفۃ عرفۃ کانت الجمعۃ (فمھما فرضت الشھور الثلٰثۃ توام اونواقص اوبعضھا لم یصح) ان الثانی عشر من ربیع الاول یوم الاثنین (قال الحافظ ابن حجر وھوظاھر لمن تاملہ وقد جزم سلیمٰن التیمی احد الثقات بان ابتداء مرضہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یوم السبت الثانی والعشرین من صفر ومات یوم الاثنین للیلتین خلتا من ربیع الاول فعلی ھذا یکون صفر ناقصا ولا یمکن ان یکون اول صفر السبت الا ان یکون ذوالحجہ والمحرم ناقصین فیلزم منہ نقص ثلٰثۃ

مواہبِ لدنیہ میں قولِ مشہور کے ذکر کے بعد ہے۔ سہیلی نے اس پر اعتراض وارد کیا ہے وہ یہ ہے کہ علماء ذوالحجہ کے جمعرات کو شروع ہونے پر متفق ہیں کیونکہ وقوف عرفہ بروز جمعہ ہونے پر اجماع ہے۔ تو اب اگر تینوں مہینے (ذوالحجہ، محرم، صفر) کامل (تیس تیس دن کے) فرض کئے جائیں یا تینوں ناقص (انتیس انتیس دن کے) فرض کئے جائیں یا بعض کامل اور بعض ناقص فرض کئے جائیں کسی صورت میں یہ صحیح نہ ہوگا کہ بارہ[۱۲] ربیع الاول شریف پیر کے دن ہو۔ حافظ ابن حجر نے کہا یہ اشکال اس شخص پر ظاہر ہے جو تامل کرے۔ سلیمان تیمی جو کہ ثقہ ہیں قطعی طور پر کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کی بیماری کا آغاز بائیس[۲۲] صفر بروز ہفتہ ہوا اور آپ کا وصال دو ربیع الاول شریف کو ہوا، اس حساب سے ماہِ صفر ناقص ہوگا۔ اور جب تک ذوالحجہ اور محرم ناقص نہ ہوں صفر کا آغاز ہفتہ کے روز ہونا ممکن نہیں۔ اس طرح تین مسلسل مہینوں کا ناقص ہونا لازم آئے گا جو کہ مسلسل

اشھر متوالیۃ) وھی غایۃ ما یتوالی قال الحافظ واما من قال مات اول یوم من ربیع الاول فیکون اثنان ناقصین وواحد کاملا ولذا رجحہ السھیلی (والمعتمد ما قالہ ابو مخنف) الاخباری الشیعی قال فی المیزان وغیرہ کذاب تالف متروك، وقد وافقہ ابن الکلبی (انہ توفی ثانی ربیع الاول وکان سبب غلط غیرہ انھم قالوا مات فی ثانی شھر ربیع الاول فغیرت فصارت ثانی عشر واستمر الوھم بذلك یتبع بعضھم بعضا من غیر تامل[1] اھ مختصرا مزیدا من الشرح[2]۔ **اقول** ویظھر لمن تامل ھذا الکلام منشأ اختلاف نظر الامامین فی المیل الی القولین فکان السھیلی نظر ان قول ابی مخنف لایتأتی الا ان تتوالی الاشھر الثلثۃ ذوالحجۃ ومحرم وصفر نواقص وھذا فی غایۃ الندرۃ

ناقص ہونے کی آخری حد ہے۔ حافظ نے فرمایا جس شخص نے کہا ہے کہ آپ کا وصال یکم ربیع الاول کو ہے تو اس حساب سے دو۲ مہینے ناقص اور ایک کامل ہوگا۔ اسی لئے سہیلی نے اس کو ترجیح دی ہے۔ اس باب میں ابو مخنف مؤرخ شیعہ کا قول معتمد ہے۔ میزان وغیرہ میں ہے کہ وہ کذاب، تالف اور متروک ہے۔ ابن کلبی نے اس کی موافقت کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ۲ ربیع الاول کو ہوا۔ ابو مخنف کے غیر کی غلطی کا سبب یہ ہے کہ علماء نے کہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال شہر (ربیع الاول) کی ثانی (دو۲) کو ہے، اس میں تغیر کردیا گیا تو یہ اس طرح ہوگیا کہ آپ کا وصال ربیع الاول کی ثانی عشر (بارہ۱۲) کو ہے (یعنی لفظ شہر کی بجائے لفظ عشر ہوگیا) پھر یہ وہم چلتا رہا اور اس میں بعض علماء بعض کی بلا تامل پیروی کرتے رہے اھ اختصاراً شرح میں کچھ اضافے کے ساتھ۔ **اقول** (میں کہتا ہوں) اس کلام میں تامل کرنے والے پر دونوں اماموں کے دو۲ قولوں کی طرف میلان کے بارے میں نقطۂ نظر کے اختلاف کا منشا ظاہر ہوجاتا ہے، سہیلی نے دیکھا کہ ابو مخنف کا قول تب ہی متحقق ہوسکتا ہے جب تینوں مہینے یعنی ذوالحجہ، محرم اور صفر پے درپے ناقص ہوں اور یہ انتہائی نادر ہے

[1] المواہب اللدنیہ آخر البعوث النبویہ المکتب الاسلامی بیروت ۱/ ۶۴۸-۴۹

[2] شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ " دار المعرفۃ بیروت ۳/ ۱۱۰ و ۱۱۱

بخلاف القول الاوّل فان علیہ یکون شھران کاملا وشھران ناقصین وھذا کثیر فترجح ذٰلک فی نظرہ مع انہ اشد ثبوت بالنسبۃ الی ذٰلک وکان الحافظ نظر ان علی القول الاول لایبقی للجمھور عذر فی الباب فالمیل الی مایکون فیہ ابداء عذر لھم کما ذکر من وقوع تصحیف شھر بعشر احسن او امتن۔

بخلاف قول اول کے کہ اس پر ایک مہینہ کامل اور دو ناقص ہوتے ہیں اور یہ کثیر الوقوع ہے۔ چنانچہ سہیلی کی نظر میں یہ راجح ہے باوجودیکہ یہ ثبوت میں اس کی بنسبت اقوٰی ہے جبکہ حافظ نے اس بات کو ملحوظ رکھا کہ قول اول پر جمہور کے لئے اس باب میں کوئی عذر باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اس قول کی طرف میلان کرنا جس میں ان کے لئے عذر کا اظہار ہو زیادہ بہتر اور زیادہ قوی ہے جیسا کہ لفظ شھر کے لفظ عشر کے ساتھ تبدیل ہوجانے کا ذکر گزرچکا ہے۔ (ت)

مگر امام بدر بن جماعہ نے قول جمہور کی یہ تاویل کی کہ اثنی عشر خلت سے بارہ[۱۲] دن گزرنا مراد ہے نہ کہ صرف بارہ[۱۲] راتیں، اور ظاہر کہ بارہ[۱۲] دن گزرنا تیرھویں ہی تاریخ پر صادق آئے گا اور دوشنبہ کی تیرھویں بے تکلف صحیح ہے جبکہ پہلے تینوں مہینے کامل ہوں کما علمت، اور امام بارزی و امام ابن کثیر نے یُوں توجیہ فرمائی کہ مکہ معظمہ میں ہلال ذی الحجہ کی روئیت شام چارشنبہ کو ہوئی پنجشنبہ کا غرہ اور جمعہ کا عرفہ مگر مدینہ طیبہ میں روئیت دوسرے دن ہوئی تو ذی الحجہ کی پہلی جمعہ کی ٹھہری اور تینوں مہینے ذی الحجہ، محرم، صفر تیس تیس کے ہوئے تو غرہ ربیع الاول پنجشنبہ اور بارھویں دوشنبہ آئی ذکرھا الحافظ فی الفتح (اس کو حافظ نے فتح میں ذکر کیا۔ ت)

اقول مدینہ طیبہ مکہ معظمہ سے اگرچہ طول میں غربی اور عرض میں شمالی ہے،

اما الثانی فظاھر معروف لکل من حج وزار واما الاول فثابت مثبت کالشافی فی الزیجات والاطالس من قدیم الاعصار۔

لیکن قول ثانی ہر اس شخص کے لئے ظاہر اور معروف ہے جو حج و زیارت کی سعادت سے بہرہ ور ہوا جبکہ قول اول قول ثانی کی طرح زمانہ قدیم سے زیجات و اطلس میں ثابت و مثبت ہے۔ (ت)

اور ان دونوں اختلافوں کو اختلاف روئیت میں دخل بیّن ہے کہ اختلاف طول سے بعد نیرین کم و بیش ہوتا ہے اور اختلاف عرض سے قمر کے ارتفاع مدار کے انتصاب اور بالائے افق

اُس کی بقامیں تفاوت پڑتا ہے اور کثرت بعدوزیادت انتصاب مدار وارتفاع قمروطول مکث سب معین رویت ہیں اور ان کی کمی مخل رؤیت، مگر بلدین کریمین کے طول وعرض میں چنداں تفاوت کثیر نہیں اور جو کچھ ہے یعنی طول میں دوؔ درجے اور عرض میں تین درجے وہ مانحن فیہ میں ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ مکہ معظمہ میں تو رؤیت ہو اور مدینہ طیبہ میں نہ ہو بلکہ اگر مقتضی ہوگا تو اس کے عکس کا کہ مقام جس قدر غربی تر ہو امکان رؤیت بیشتر ہوگا کہ دورۂ معدل میں مواضع غربیہ پر نیرین کا گزر مواضع شرقیہ کے بعد ہوتا ہے اور حرکت قمر توالی بروج پر غرب سے شرق کو ہے تو جب موضع شرقی میں فصل قمرین حد رؤیت پر ہو غربی میں اور زیادہ ہوگا کہ وہاں تک پہنچنے میں قمر نے قدرے اور حرکت شرق کو کی اور شمس سے اس کا فاصلہ بڑھ گیا یوں ہی جب عرض مرئی قمر شمالی ہو جیسا کہ یہاں تھا تو عرض بلد کا شمالی تر ہونا موجب زیادت تعدیل الغروب زائد ہو کر زیادت بُعد معدل وطول مکث قمر ہوگا مگر ہے یہ کہ موانع رؤیت حد انضباط سے خارج ہیں تو دفع استحالہ وتوجیہ مقالہ کے لئے احتمال کافی اور قواعد پر نظر کیجئے تو واقعی وہ دن مدینہ طیبہ میں رؤیت عادیہ کا نہ تھا سلخ ذی القعدہ وسطیہ روز چار شنبہ کو غروب شرعی شمس کے وقت افق کریم مدینہ منورہ میں مؤامرہ رؤیت کے مقدمات یہ تھے۔

ماج ے ا	تقویم شمس
مائح مد	تقویم مرئی قمر
ح صح الب	عرض مرئی قمر شمالی
ط قہ	تعدیل الغروب
مائح الحہ	قمر معدل
طصہ لو لح	بُعد معدل
ح صہ کح	بُعد سوا

ظاہر کہ جب بُعد معدل وبعد سوا دونوں دس درجے سے کم ہیں تو یہ حالت حالتِ رؤیت نہیں قریب قریب اسی حالت کے مکہ معظمہ میں بھی مگر از انجا کہ وہ نو درجے یہ آٹھ درجے سے زائد ہے رؤیت پر حکم استحالہ بھی نہ تھا حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی برکات بے نہایات کے حضور یہ کیا بات تھی کہ ایسے امکان غیر متوقع کی حالت میں فصل وقفہ جمعہ ملنے کے لئے بحکم الٰہی مکہ معظمہ میں شام چار شنبہ کو رؤیت واقع ہوگئی افق مدینہ طیبہ میں حسب عادت معہودہ نہ ہوئی پھر روز رؤیت ایام حمل ثور

وجوزاً خصوصاً ان بلاد گرم سیر میں گرد وغبار ہونا کوئی نامتوقع بات نہیں۔ یہ تحقیق کلام علماء ہے مگر امام عسقلانی نے ان توجیہوں پر قناعت نہ کی، پہلی پر مخالفت محاورہ سے اعتراض فرمایا کہ اہلِ زبان جب یہ لفظ بولتے ہیں بارہ ۱۲ راتیں ہی گزرنا مراد لیتے ہیں نہ بارہ ۱۲ دن کہ یہ تیرھویں پر صادق ہو اور اول و دوم دونوں میں یہ استبعاد بتایا کہ چار مہینے متواتر تیس ۳۰ دن کے ہوئے جاتے ہیں،

فی المواھب عن الفتح ھذا الجواب بعید من حیث انه یلزم منه توالی اربعة اشھر کوامل[1]

مواہب میں فتح سے منقول ہے کہ یہ جواب اس لئے بعید ہے کہ اس سے چار مہینوں کا پے درپے کامل ہونا لازم آتا ہے۔ (ت)

اقول اگر ندرت مقصود تو الزام مفقود کہ دفع استحالہ کو احتمال کافی، خود امام عسقلانی نے جو قول اختیار فرمایا اُس پر تین مہینے متوالی ناقص آتے ہیں یہ کیا نادر نہیں، اور اگر امتناع مراد تو ظاہر الفساد تین سے زیادہ متواتر ۲۹ کے مہینے نہیں ہوتے تیس ۳۰ کے چار تک آتے ہیں ہاں پانچ نہیں ہوتے۔ تحفہ شاہیہ علامہ قطب الدین شیرازی و زیج الغ بیگی میں ہے،

واللفظ له "اہلِ شرع ماہ ہائے ایں تاریخ از رؤیت ہلال گیرند وآں ہرگز از سی روز زیادہ نباشد واز بست ۲۹ ونہ روز کمتر نے وتا چہار ماہ متوالی سی سی آید وزیادہ نے وتا سہ ماہ متوالی بست ونہ بست ونہ آید وزیادہ نے"[2]

اور لفظ اسی کے ہیں۔ اہلِ شرع اس تاریخ کے مہینوں کو چاند کی رؤیت سے لیتے ہیں اور وہ ہرگز تیس ۳۰ دن سے زائد اور انتیس ۲۹ سے کم نہیں ہوتے اور چار ماہ تک متواتر تیس تیس ۳۰ کے ہوسکتے ہیں زیادہ نہیں، اور تین ماہ تک متواتر انتیس انتیس ۲۹ کے ہوسکتے ہیں زیادہ نہیں۔ (ت)

ثم **اقول** وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور اللہ تعالٰی کی توفیق کے ساتھ۔ ت) قولِ جمہور سے قولِ مہجور کی طرف عدول نامقبول ہونے کے لئے اسی قدر بس تھا کہ اس کے لئے توجیہ وجیہ موجود ہے نہ کہ جب وہ اقوال مہجورہ دلائل قاطعہ سے باطل ہوں کہ اب تو ان کی طرف کوئی راہ نہیں۔ اوپر واضح ہوا کہ ان دونوں حضرات کا منشائے عدول تمسک بالحساب ہے کہ پیر کا دن

---

[1] المواھب اللدنیۃ آخر البعوث النبویۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۶۴۹

[2] زیج الغ بیگ

یقینی تھا اور وہ بارھویں پر منطبق نہیں آتا پہلی دوسری پر آسکتا ہے مگر حساب ہی شاہد عدل ہے کہ اس سال ربیع الاول شریف کی پہلی یا دوسری پیر کو ہونا باطل و محال ہے، فقیر اس پر دو حجت قاطعہ رکھتا ہے :

دلیل اوّل : غرہ وسطیہ کہ علمائے زیج بحساب اوسط لیتے ہیں نیرّین کے اجتماع وسطی سے اخذ کرتے ہیں اور بداہۃً واضح کہ رؤیت ہلال اجتماع قرین سے ایک مدّت معتد بہا کے بعد واقع ہوتی ہے تو غرۂ ہلالیہ کبھی غرۂ وسطیہ سے مقدم نہ آئے گا وانما غایتہ التساوی (اس کی غایت تو محض تساوی ہے) اور اجتماع و رؤیت میں کبھی اتنا فصل بھی نہیں ہوتا کہ قمر ڈیڑھ دو برج طے کرجائے لہذا تقدم وسطیہ کی نہایت ایک دو دن ہے وبس، کل ذٰلک ظاھر من لہ اشتغال بالفن (یہ سب ظاہر ہے اس شخص کے لئے جو فن کے ساتھ مشغولیت رکھتا ہے۔ ت) اور آشنائے فن جانتا ہے کہ ۱۱ھ ہجریہ میں ماہ مبارک ربیع الاول شریف کا غرہ وسطیہ روز سہ شنبہ تھا تو غرہ ہلالیہ یک شنبہ یا دو شنبہ کیونکر متصور کہ اگر یہ سہ شنبہ متاخر ہے تو ہلالیہ کا وسطیہ پر تقدم لازم آتا ہے اور اگر مقدم ہے تو اجتماع سے چار پانچ روز تک رؤیت نہ ہونے کا لزوم ہوتا ہے اور دونوں باطل ہیں،

وبعین الدلیل یستحیل ما نقل عن سلیمٰن التیمی من کون غرۃ صفر یوم السبت فان غرتہ الوسطیۃ یوم الاثنین فکیف یمکن ان تتقدمھا الھلالیۃ بیومین او تتاخر عنھا بخمسۃ ایام وبہ یظھر استحالۃ ما اعتمدہ الحافظ بوجہ اٰخر فان مبناہ انما کان علی ھذا کما علمت۔

اور اسی دلیل سے سلیمان تیمی کے اس قول کا محال ہونا ثابت ہوتا ہے جو پہلے گزر چکا یعنی ماہ صفر کا آغاز بروز ہفتہ ہوا اس لئے کہ جب اس کا غرۂ وسطیہ بروز پیر ہے تو غرۂ ہلالیہ کا اس پر دو دن مقدم ہونا یا اس سے پانچ دن مؤخر ہونا کیسے ممکن ہے، اور اسی سے حافظ کے قول معتمد کا محال ہونا ایک اور وجہ سے ظاہر ہوتا ہے کیونکہ اس کی بنیاد بھی اسی دلیل پر ہے جیسا کہ تو جان چکا ہے۔ (ت)

دلیل دوم : فقیر نے شام دو شنبہ ۲۹ صفر وسطے ۱۱ھ کے لئے افق کریم مدینہ طیبہ میں نیرّین کی تقویمات استخراج کیں اور حساب صحیح معتمد نے شہادت دی کہ اس وقت تک فصل قرین حد رؤیت معتادہ پر نہ تھا آفتاب جوزا کے ۶ درجے ستّرہ[۱۷] دقیقے باون[۵۲] ثانیے پر تھا اور چاند کی تقویم مرئی جوزا کے پندرہ[۱۵] درجے ستائیس[۲۷] دقیقے اکتیس[۳۱] ثانیے، فاصلہ صرف ۹ درجے ۹ دقیقے

۳۹ ثانیے تھا، اور حسبِ قول متعارف اہل عمل رؤیت کے لئے کم سے کم دس درجے سے زیادہ فاصلہ چاہیے۔ حاشیہ شرح چغمینی للعلامہ عبد العلی البرجندی میں ہے:

المذکور فی الکتب المشهورة انه ینبغی ان یکون البعد بین تقویمی النیرین اکثر من عشرة اجزاء وقیل ینبغی ان یکون مابین مغاربهما عشرة اجزاء او اکثر حتی یکون القمر فوق الارض بعد غروب الشمس مقدار ثلثی ساعة او اکثر والمشهور فی هذا الزمان بین اهل العمل انه ینبغی ان یتحقق الشرطان حتی تمکن الرؤیة ویسمون البعد الاول بعد السواء والبعد الثانی بعد المعدل[1]

مشہور کتابوں میں مذکور ہے کہ نیرین (شمس و قمر) کی تقویموں کے درمیان دس درجے سے زائد فاصلہ نہ چاہیے۔ اور کہا گیا ہے کہ انکی مغربوں کے درمیان دس درجے یا اس سے زائد فاصلہ ہونا چاہیے یہاں تک کہ چاند غروب آفتاب کے بعد دو تہائی ساعت یا اس سے زائد مقدار پر زمین سے اوپر ہو۔ اور اس زمانہ میں اہل عمل کے درمیان مشہور یہ ہے کہ دونوں شرطیں متحقق ہونی چاہئیں تاکہ رؤیت ممکن ہو۔ بُعد اول کا نام بُعد سواء اور بُعد ثانی کا نام بعد معدل رکھتے ہیں۔ (ت)

شرح زیج سلطانی میں ہے:

باید کہ بعد معدل دہ درجہ باشد یا زیادہ و بعد میان دو تقویم ایشاں از دہ زیادہ باشد تا ہر دو شرط وجود نگیرد ہلال مرئی نہ شود و متعارف دریں زمان این ست[2]

بُعد معدل دس درجے یا اس سے زائد ہونا چاہیے اور ان کی دو تقویموں کے درمیان بُعد دس سے زائد ہوگا۔ جب تک دونوں شرطیں موجود نہ ہوں چاند دکھائی نہیں دے گا۔ اس زمانہ میں یہی متعارف ہے۔ (ت)

---

[1] حاشیۂ شرح چغمینی

[2] شرح زیج سلطانی

جزئیاتِ مؤامرہ کی جدول یہ ہے

و تم	وقت غروب شرعی بعد نصف النہار وسطے زیجی
ج و سرب	تقویم حقیقی شمس بوقت مذکور
ج لوے الب	تقویم حقیقی قمر بوقت مذکور
ح سم	عرض حقیقی قمر شمالی
مـ قـ نا	اختلاف منظر قمر طولی جدولی
الح قرح	اختلاف منظر قمر عرضی جدولی
ج ہ الرلا	تقویم مرئی قمر ....
ج مح لب	عرض مرئی قمر شمالی
آ ر	تعدیل الغروب ....
ج سو لدلا	قمر معدل ....
ز ند ھ لح	مطالع نظیر جزء الشمس ....
ز سو لود	مطالع نظیر جزء القمر المعدل ....
ما مہ لح	بعد معدل ....
ط ط لط	بعد سوائے ....
غیر متوقع	حکم رویت ہلال ....

جب شب سہ شنبہ تک نیرین کا یہ حال تھا کہ وقوع رویت ہلال ایک محض غیر متوقع احتمال تھا تو اس سے دو ایک رات پہلے کا وقوع بداہۃً محال تھا جب اس رات قمر صرف نو درجے آفتاب سے شرقی ہوا تھا تو شام یک شنبہ کو قطعاً کئی درجے اس سے غربی تھا اور غروبِ شمس سے کوئی پاؤ گھنٹے پہلے ڈوبا اور شام شنبہ کو تو عصر کا اعلیٰ مستحب وقت تھا جب چاند تجلہ نشین مغرب ہو چکا، پھر رات کو رویت ہلال کیا زمین چیر کر ہوتی۔ غرض دلائل ساطعہ سے ثابت ہے کہ اس ماہ مبارک کی پہلی یا دوسری دوشنبہ کی ہرگز نہ تھی اور روزِ وفاتِ اقدس یقیناً دوشنبہ ہے تو وہ دونوں قول قطعاً باطل ہیں اور حق وصواب وہی قول جمہور بمعنی مذکور ہے یعنی واقع میں تیرھویں اور بوجہ مسطور تعبیر میں بارھویں کہ بحساب شمسی نہم

جزیران ۹۴۳ھ روی نوسو تینتالیس رومی اسکندرانی ہشتم جون ۶۳۲ھ چھ سو بتیس عیسوی تھی۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۲۴ از فیروزپور محلہ پیراں والا مسئولہ غیاث اللہ شاہ دبیر انجمن تعلیم الدین والقرآن علی مذہب النعمان ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ۔

مشہور ہے کہ حضور پُرنور شافع یوم النشور صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ولادت باسعادت بارھویں ربیع الاول کو ہوئی ہے چنانچہ تواریخ حبیب الٰہ[1] اور مولود برزنجی میں یہی لکھا ہے اور اذاقۃ الآثام[2] کے ص ۱۰۱ پر لکھا ہے کہ:

"مولینا رفیع الدین خاں مراد آبادی اپنے سفر کے حالات میں تحریر کرتے ہیں کہ بارھویں تاریخ ربیع الاول کو حرمین شریفین میں یہ محفل منعقد ہوتی ہے۔"

مگر زید کہتا ہے کہ دراصل پیدائش کی تاریخ ۹ ربیع الاول ہے اور سال فیل کے حساب کرنے سے ۹ تاریخ ربیع الاول کی آتی ہے اس لئے ۱۲ ربیع الاول جو روز وفات ہے عید میلاد کرنی ممنوع ہے اور ایک کتاب رحمۃ اللعالمین ایک شخص نے بٹیالہ میں حال میں لکھی ہے اس میں بھی ۹ تاریخ ولادت بحساب سالِ فیل تحریر کیا ہے اور شبلی نعمانی نے بھی اپنی سوانح میں ایسا درج کیا ہے تو اب ان میں صحیح اور معتبر کون سی تاریخ ہے؟ اور اگر دراصل ۹ تاریخ ولادت تو کیا عید میلاد ۹ کو کی جایا کرے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرماؤ اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

شرع مطہر میں مشہور بین الجمہور ہونے کے لئے وقعت عظیم ہے اور مشہور عند الجمہور ہی ۱۲ ربیع الاول ہے اور علم ہیأت و زیجات کے حساب سے روزِ ولادت شریف ۸ ربیع الاول ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت)

یہ جو شبلی وغیرہ نے ۹ ربیع الاول لکھی کسی حساب سے صحیح نہیں۔ تعامل مسلمین حرمین شریفین و

عہ یعنی اس وقت جو شمار رائج تھا اس کے حساب سے ۸ جون اور اصلی حساب سے ۱۲ تھی زیج بہادر خانی سے بستم جون آتی ہے مگر یہ اس کی غلطی ہے کہ ہم نے اپنے رسالہ "تحقیقات سال مسیحی" میں واضح کیا ہے ۱۲ منہ غفرلہ

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر   جامعہ اسلامیہ لاہور   ص ۲۱

[2] اذاقۃ الآثام

مصروشام بلاد اسلام وہندوستان میں ۱۲ ہی پر ہے اس پر عمل کیا جائے، اور روزِ ولادت شریف اگر آٹھ یا بالفرض غلط تو یا کوئی تاریخ ہو جب بھی بارہ کو عید میلاد کرنے سے کون سی ممانعت ہے وہ وجہ کہ اُس شخص نے بیان کی خود جہالت ہے، اگر مشہور کا اعتبار کرتا ہے تو ولادت شریف اور وفات شریف دونوں کی تاریخ بارہ ہے ہمیں شریعت نے نعمتِ الٰہی کا چرچا کرنے اور غم پر صبر کرنے کا حکم دیا لہذا اس تاریخ کو روزِ ماتم وفات نہ کیا روزِ سرورِ ولادت شریفہ کیا کما فی مجمع البحار الانوار (جیسا کہ مجمع البحار الانوار میں ہے۔ ت) اور اگر ہیأت وزیج کا حساب لیتا ہے تو تاریخ وفات شریف بھی بارہ نہیں بلکہ تیرہ ربیع الاول کما حققناہ فی فتاوٰنا (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں اس کی تحقیق کردی ہے۔ ت) بہر حال معترض کا اعتراض بے معنٰی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۵ مرسلہ جناب قاضی ارشاد علی صاحب از بیسلپور ضلع پیلی بھیت ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ استن حنانہ یعنی وہ چوب خشک جس سے حضور پرنور علیہ الصلوۃ والسلام تکیہ لگا کر وعظ فرمایا کرتے تھے اور جس کا قصہ مولانا روم رحمہ اللہ تعالٰی نے مثنوی شریف میں تحریر فرمایا ہے، کیا اس کو حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دفن کیا اور اس کی نماز جنازہ پڑھی؟

الجواب

نماز جنازہ پڑھنا غلط ہے اور منبر شریف کے نیچے دفن کرنا ایک روایت میں آیا ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۲۶ از پورسہ پوسٹ آفس نیت پور ضلع دیناج پور مرسلہ محمد حافظ علی صاحب امام رجسترار پورسہ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

شخصے می گوید کہ سوائے قصہ ابن الصیاد رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم با دجال ملاقات کردہ بودند و دجال بر صورت خود کہ بوقت خروج باشد بود وحضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ممانعت آنحضرت گوش نکردہ برآں دجال تلوار زدہ بودند اما بر دجال نہ افتادہ بر پیشانی مبارک حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ او فتادہ بود بنا برآں ازآں

ایک شخص کہتا ہے کہ ابن صیاد کے قصہ کے علاوہ رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دجال کے ساتھ ملاقات کی جبکہ دجال اپنی اصلی صورت پر تھا جیسا کہ خروج کے وقت وہ ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ممانعت پر کان نہ دھرتے ہوئے دجال کو تلوار ماردی جو اس کو نہ لگی بلکہ خود حضرت عمر

پیشانی مبارک بے انتہا خون جاری شدہ بود وہم برآں نشانے باقی ماندہ ایں روایتش صحیح است یا غلط؟

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مبارک پیشانی پر جالگی جس سے بہت زیادہ خون جاری ہوا اور پیشانی پر زخم کا نشان باقی رہا، کیا یہ روایت صحیح ہے یا غلط؟

الجواب

ایں کذب وافترائے محض ست یا ناکہ از مختلقات اہلِ رفض ست قاتلھم اللہ انی یؤفکون[1]۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ خالص جھوٹ اور افتراء ہے۔ یقیناً رافضیوں کی من گھڑت روایتوں میں سے ہے۔ اللہ انھیں مارے کہاں اوندھے جاتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (ت)

مسئلہ ۲۲۷ از شہر محلہ قلعہ مرسلہ حامد حسین خاں مؤرخہ ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۶ھ

مخدومی مکرمی محتشمی دامت برکاتہ سلام علیکم۔ جناب مہربانہ توجہ مبذول فرماکر تحریر فرمائیں کہ مفتیانِ ذیل کس مذہب وملت واعتقاد کے لوگ ہیں اور ان کے افعال واقوال کس درجہ تک قابلِ تسلیم ہیں؟ خادم نوازی سے ممنون ہوں گا۔ اور یہ ان کی کتب مندرجہ ذیل بطور استدلال میں کس پایہ کی سمجھی جاتی ہیں؟ زیادہ والسلام علامہ طبرانی، صاحب عقد الفرید، صاحب خلل ایام فی الخلفاء الاسلام۔

الجواب

وعلیکم السلام، محمد بن جریر طبرانی دو گزرے ہیں، ایک مفسر، محدث، سُنّی، شافعی المذہب، ان کی تاریخ کبیر کمیاب ونادر الوجود ہے۔ دوسرا رافضی مصنف مطاعن صحابہ والیضاح المسترشد۔ اکثر لوگوں کو دھوکا ہوتا ہے اس کے اقوال کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر تاریخ کسی کی تصنیف ہو مدارِ عقیدہ نہیں ہوسکتی، مورخ رطب ویابس، مسند، مرسل، مقطوع، معضل سب کچھ بھر دیتے ہیں۔ ایک عقد الفرید تو دربارہ تقلید علامہ ابوالاخلاص حسن شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف ہے یہ گیارھویں صدی کے ایک متاخر سُنّی عالم فقیہ حنفی ہیں، فقہ حنفی میں نور الایضاح ومراقی الفلاح وامداد الفتاح وغیرہ بہت کتب ورسائل اُن کی تصنیف ہیں، عقد الفرید میں ان کی رائے نہ محققین کو قبول نہ خود ان کی معمول۔ دوسرا رسالہ اس نام کا شیخ علاء الدین علی سمہودی کا اس باب میں ہے تیسرا انساب چوتھا علم تجوید، پانچواں کلام، چھٹا اخلاق ہیں۔ صاحبِ کشف الظنون نے اور ذکر کئے جن کے نام اس کتاب میں

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۳۰

دیکھے جاتے ہیں وبس۔ خلل ایام کسی کتاب کا نام بھی سُننے میں نہ آیا، نہ کشف الظنون میں کوئی کتاب اس نام کی لکھی شاید حال کے کسی شخص کی ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۲۸ از ضلع سیتاپور محلہ قضیارہ مرسلہ الیاس حسین ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان میں باستثنائے جناب امام علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ، حضرت امام حسن وحضرت امام حسین وحضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارۃً یا صراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہیے ان کے عقائد و احکام و اعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یا سب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یا مقلد؟ بعض اعمال وجفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہوسکتی ہے اہلسنت کی کتابوں میں ان کے حالات کم لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب

امام باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ اُن سے ہمارا سلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالٰی عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس آئے اُنھوں نے اُن کی غایت تکریم کی اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یسلم علیک[1] رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور اخرج منکما الکثیرا الطیب[2] (اللہ تعالٰی تم دونوں کثیر پاکیزہ اولاد عطا فرمائے) میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدٰی فی الدین ہونے کے ہے تو بلا شبہہ ان کے غلام اور غلاموں کے غلام مقتدٰی فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبدالملک و عبدالرب، انھیں امامین کہتے ہیں، تو بلا شبہہ یہ سب حضرات خود غوث ہوئے۔ اور اگر امامت بمعنی خلافت عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولٰی علی وسیدنا امام حسن مجتبٰی کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے

[1] تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ ۶۹۰۱ محمد بن علی بن حسین دار احیاء التراث العربی بیروت ۵۷/ ۲۱۵ و ۲۱۶

[2] تنزیہ الشریعۃ باب فی مناقب السبطین وامہما وآل البیت دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱/ ۴۱۱

وہ خاصہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا انی جاعلك للناس اماما[1] (میں تمھیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم[2] (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ ت) ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا، وجعلنٰھم ائمۃ یھدون بامرنا[3] (اور ہم نے انھیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ ت) مگر اطیعوا الرسول کے مرتبہ تک نہیں ہوسکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت و بے دینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالٰی عنہ تک تو بلاشبہہ یہ حضرات مجتہدین و ائمہ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالباً مجتہد ہوں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

یہ نظر بظاہر ہے ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبرٰی تک واصل تھے، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائیگا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب و یابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمتِ الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیے ہیں کسی کو خدمت الفاظ کسی کو خدمتِ معانی، کسی کو تحصیلِ مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب۔ نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہِ افضلیت ہے نہ اس کی قلت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم و امام شافعی سے ایک بھی نہیں، اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذ و نادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین، بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت ارفع و اعلٰی ہے مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں رُبع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تھے اُن سے جتنی روایات صحاح میں ملیں گی صدیق و فاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط و افتراء ہے کہ ان کے احوال اہلسنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہلسنت کی جتنی کتابیں بیانِ حالاتِ اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبانِ خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۲۴
[2] " " ۴/ ۵۹
[3] " " ۲۱/ ۷۳

خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۲۹ از گونڈل کاٹھیاواڑ مرسلہ سیٹھ عبدالستار صاحب قادری برکاتی رضوی
۹ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

حضرت مولائے مسلمین امیر المؤمنین مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ نجف اشرف میں قبر شریف کے اندر پردہ پوش ہیں یا آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون نہیں ہوئے اور نجف اشرف میں آپ کی قبر شریف نہیں ہے؟ بر تقدیر ثانی حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیت سے نجف اشرف جانا کیسا ہے؟ شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں آرام فرماتے ہیں؟

الجواب

روایات مختلف ہیں، یہ بھی روایت آئی کہ نعش مبارک کو مدینہ طیبہ لے جانے کی غرض سے ایک بغلہ پر رکھ کر چلے اور وہ چھوٹا اور غائب ہوگیا اور منع زیارت کے لئے عدم مزار کا یقین چاہیے اور جواز زیارت کے لئے ایک روایت و احتمال کافی ہے اور یہ لوگ اللہ کے نور ہیں انھیں جہاں سے پکارو گے فیض پہنچائیں گے۔ حضرت بتول زہرا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ ابیہا الکریم وعلیہا وعلیٰ بعلہا و ابنیہا و بارک وسلم کے مزار اطہر میں بھی دو روایتیں ہیں، بقیع شریف میں اور خاص جوار روضۂ اقدس میں۔ ایک صاحبِ دل نے مدینہ طیبہ کے ایک عالم سے کہا میں دونوں جگہ حاضر ہوکر سلام عرض کرتا ہوں انوار پاتا ہوں۔ فرمایا: یہ کریم ذاتیں جگہ کی پابند نہیں تمھاری توجہ چاہیے پھر نور باری اُن کا کام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۰ از ضلع خاندیش پچھم بھاگ تعلقہ ڈاکخانہ نگر منداسوستان کاٹھی مقام علاکوا مرسلہ محمد اسمٰعیل ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

حضرت پیران پیر دستگیر کے گیارہ نام کیا کیا ہیں؟

الجواب

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسماء شریفہ یہ ہیں:

سید محی الدین سلطان، محی الدین قطب، محی الدین خواجہ، محی الدین مخدوم، محی الدین ولی، محی الدین بادشاہ، محی الدین شیخ، محی الدین مولنا، محی الدین غوث، محی الدین خلیل، محی الدین۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۳۱ ازمقام کاٹھیاواڑ ترسالی احمد داد صاحب یکم جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

یہ روایت صحیح ہے کہ حضرت قطب الاقطاب شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب دیکھا کہ "حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرا مذہب ضعیف ہوا جاتا ہے لہٰذا تم میرے مذہب میں آجاؤ میرے مذہب میں آنے سے میرے مذہب کو تقویت ہوجائے گی" اُس لئے حضرت غوث پاک حنفی سے حنبلی ہوگئے۔

الجواب

یہ روایت صحیح نہیں، حضور ہمیشہ سے حنبلی تھے اور بعد کو جب عین الشریعۃ الکبرٰی تک پہنچ کر منصب اجتہاد مطلق حاصل ہوا مذہب حنبل کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر اُس کے مطابق فتوٰی دیا کہ حضور محی الدین اور دین متین کے یہ چاروں ستون ہیں لوگوں کی طرف سے جس ستون میں ضعف آتا دیکھا اس کی تقویت فرمائی۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۳۲ از حیدر آباد قریب ڈیوڑھی نواب نصرت جنگ بہادر مرسلہ سید غلام فضل بیابانی قاضی ورنگل یکم ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ

حضرت سید احمد کبیر رفاعی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی تھی یا نہیں؟ مولانا کی تحقیقات میں جو بات ثابت ہو اُس سے بھی بحوالہ کتب حسن ایما ہو۔

الجواب

حضرت سید احمد کبیر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے اولاد صلبی نہ تھی حضرت کے بھانجے تھے، وفیات الاعیان میں ہے: لم یکن لہ عقب[1] (آپ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ ت) قلائد الجواہر میں ہے:

قال العلامۃ شمس الدین بن ناصر الدین الدمشقی سیدی الشیخ الکبیر محی الدین سلطان العارفین ابو العباس احمد بن الرفاعی لم یبلغنا انہ اعقب کما جزم بہ غیر واحد من الائمۃ المرضیۃ[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم

علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی نے فرمایا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ ہمارے سردار، شیخ کبیر، محی الدین، سلطان العارفین، ابوالعباس احمد بن رفاعی علیہ الرحمۃ نے کوئی اولاد چھوڑی ہو، جیسا کہ متعدد پسندیدہ ائمہ نے اس پر جزم فرمایا ہے، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

---

[1] وفیات الاعیان ترجمہ ابوالعباس احمد بن علی المعروف بابن الرفاعی ۷۰ دارالثقافۃ بیروت ۱/ ۱۷۲

[2] قلائد الجواہر فی مناقب عبدالقادر

مسئلہ ۲۳۳ مسئولہ غلام رسول محلہ بہاری پور ۱۱ شوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے واقع شہادت میں جتنی روایتیں ہیں سب کی سب ضعیف ہیں کیونکہ اس وقت تمام مخالفین موجود تھے وہ ہی راوی ہونگے لہذا کوئی ثقہ نہ پایا گیا اور نیز اصحاب رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین موجود نہ تھے بالفرض مان لیا جائے کہ موجود تھے تو اپنی اپنی جگہ، لہذا ان کو خبر ملے تو ان مخالفین سے اس وجہ سے یہ بھی ضعیف ہوگی۔ اور بکر کہتا ہے کہ ایسے واقع میں خبر صحیح ہوسکتی ہے۔ زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ موجود تھے اور حرم محترم بھی موجود تھے اور موافقین تھے لہذا روایتیں صحیح ہوسکتی ہیں ان دونوں سے کون حق پر ہے؟ بینوا توجروا

الجواب

بکر حق پر ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۳۴ تا ۲۴۱ از میونڈی ڈاکخانہ شاہی پرگنہ اجاؤں ضلع بریلی مرسلہ امیر عالم حسن صاحب ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ ہم اولاد سید بدیع الدین صاحب عرف شاہ مدار کے ہوں اور اُن ہی سے ہمیں خلافت پہنچی۔ عمرو نے اس پر جواب دیا کہ سید بدیع الدین صاحب نے نہ شادی کی نہ اُن کی اولاد ہوئی پھر تم کہاں سے پیدا ہوئے اور تمھیں خلافت کس نے دی۔ زید نے اس پر جواب دیا کہ نہیں سید بدیع الدین صاحب نے دو خلیفہ کئے ہم انھیں کی اولاد میں ہیں اور انھیں سے خلافت چلی آرہی ہے۔

(۲) زید کہتا ہے کہ ہم مدار صاحب کے بھتیجوں کی اولاد میں ہیں۔

(۳) زید کہتا ہے کہ سید مدار صاحب نے ایک نقش لکھ کر ایک عورت کو دکھایا کہ جس کے دیکھنے سے وہ حاملہ ہوگئی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی ہم اس کی اولاد میں ہیں یہاں تک کہ ایک گاؤں اس کی اولاد سے آباد ہے۔

(۴) زید کا مرید مع زید یہ بات کہتا ہے کہ جب ہماری خلافت ثابت نہیں تو آج تک کسی عالم نے کیوں نہیں منع کیا۔

(۵) یہ کہ اب علماء فرمائیں کہ سید مدار صاحب نے کسی کو خلیفہ کیا یا نہیں یا شادی کی یا نہیں

یا کوئی بھتیجا ہمراہ آیا تھا یا نہیں، اور اگر کسی کو خلیفہ کیا تو اس کی اولاد ہوئی یا نہیں اور وہ خلیفہ کہاں گئے اور کیا ہوئے؟

(۶) سید مدار صاحب کا وصال مکن پور ہوا یا کہیں اور؟ اور وہ خلیفہ کہاں مدفون ہیں؟

(۷) یہ کہ وہ خلیفہ ہندوستان میں گئے یا عرب میں یا کہاں؟

(۸) یہ کہ وہ خلیفہ سید مدار صاحب سے پہلے رحلت کر گئے یا بعد کو؟ بینوا توجروا

الجواب

بے اصل و بے سروپا باتیں ہیں جن کا کہیں پتا نہیں، سبع سنابل شریف میں ہے، حضرت مدار صاحب قدس سرہٗ نے فرمایا ہے: خلافت نہ کسے دادہ ام نخواہم داد[1]، میں نے خلافت نہ کسی کو دی ہے نہ آگے دوں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۲ از موصل تحصیل جامپور ضلع ڈیرہ غازی خاں مسئولہ عبدالغفور صاحب
۱۴ محرم الحرام ۱۳۳۹ھ

سورۂ فاتحہ کا شانِ نزول کہیں نہیں ملتا، شانِ نزول بیان فرمائیں۔

الجواب

سورۂ فاتحہ رحمتِ الٰہی ہے، دعا و ثنا ہے کہ رب عزوجل نے اپنے بندوں کو تعلیم فرمائی، کسی خاص واقع کے لئے اس کا نزول نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۳ حافظ نجم الدین صاحب نجم چرتھائی نیب ۲۹ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیات: انما اموالکم واولادکم فتنۃ[2] و یایھا الذین اٰمنوا لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ[3] کے مصداق کون لوگ ہیں؟ اور ان کا ترجمہ کیا ہے؟

الجواب

یہ خطاب عام ہے خاص اشخاص اس سے مراد نہیں، سب مسلمانوں سے فرمایا جاتا ہے کہ

---

[1] سبع سنابل مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۱۴۱
[2] القرآن الکریم ۶۴/ ۱۵
[3] " " ۶۳/ ۹

تمہارے مال واولاد آزمائش ہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے سبب یادِ الٰہی سے تم غافل ہو جاؤ اور جو ایسا کرے گا وہ نقصان پائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۴: از شہر گیا محلہ نذر گنج مسئولہ شمس الدین احمد اللہ خاں ۸ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ خضر علیہ السلام مالک بری ہیں یا بحری ؟ اور ادریس علیہ السلام اب کہاں ہیں ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

مالک بحر وبر وہر خشک وتر اللہ عزوجل ہے اور اس کی عطا سے حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم، حضور کی نیابت سے خضر علیہ السلام کے تصرفات خشکی ودریا دونوں میں ہیں۔ ادریس علیہ السلام آسمان پر ہیں، قال اللہ تعالٰی ورفعنٰہ مکانا علیا[1] (اللہ تعالٰی کا فرمان ہے اور ہم نے اسے بلند مکان پر اٹھالیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۴۵: از شفاخانہ فرید پور ڈاکخانہ خاص اسٹیشن پتمبر پور مسئولہ عظیم اللہ کمپونڈر ۷ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ جنید ایک بزرگ کامل تھے انھوں نے سفر کیا، راستے میں ایک دریا پڑا اس کو پار کرتے وقت ایک آدمی نے کہا کہ مجھ کو بھی دریا کے پار کر دیجئے، تب ان بزرگ کامل نے کہا تم میرے پیچھے یا جنید یا جنید کہتے چلو اور میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا" درمیان میں وہ آدمی بھی اللہ اللہ کہنے لگا تب وہ ڈوبنے لگا، اس وقت اُن بزرگ نے کہا کہ تو اللہ اللہ مت کہہ یا جنید یا جنید کہہ، تب اس آدمی نے یا جنید یا جنید کہا جب وہ نہیں ڈوبا۔ یہ درست ہے یا نہیں ؟ اور بزرگ کامل کے لئے کیا حکم ہے اور آدمی کے لئے کیا حکم ہے ؟ بینوا توجروا۔

الجواب

یہ غلط ہے کہ سفر میں دریا ملا بلکہ دجلہ ہی کے پار جانا تھا، اور یہ بھی زیادہ ہے کہ میں اللہ اللہ کہتا چلوں گا، اور یہ محض افترا ہے کہ انھوں نے فرمایا تو اللہ اللہ مت کہہ۔ یا جنید کہنا خصوصاً حیاتِ دنیاوی میں خصوصاً جبکہ پیش نظر موجود ہیں اسے کون منع کرسکتا ہے کہ آدمی کا حکم پوچھا جائے اور حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے لئے حکم پوچھنا کمال بے ادبی وگستاخی و دریدہ دہنی ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۵۷

مسئلہ ۲۴۶ از سہسوان ضلع بدایوں مسئولہ سید پرورش علی صاحب ۲۸ شوال ۱۳۳۹ھ

بخدمت فیض درجت خدام ذوی الاحتشام حضرت نعمان الزمان مولانا و بالفضل اولٰینا مولوی احمد رضا خاں صاحب دامت شموس افاداتہ بازغہ معروض باد۔ معراج میں ایک قطار اونٹوں کی کہ ہر ایک پر دو صندوق، ہر صندوق میں انڈے بھرے، ہر انڈے میں ایک عالم مثل اس عالم کے، اس قطار کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے رواں ہی دیکھا ابتدا انتہا نہیں دیکھی، حضرت کی درخواست پر منظور ہوکر اجازت دی اور انڈا کھولا گیا' حضرت ایک شہر کی ایک مسجد میں تشریف لے گئے وہاں ایک واعظ حضرت خاتم النبیین کا ذکر فرماتے تھے واعظ نے یہ بھی کہا کہ حضرت اس جہاں میں ایک بار تشریف لائیں گے، سر اٹھا کر دیکھا اور قدمبوسی کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم تو بے شمار مگر خاتم ایک ہی ہے۔ یہ روایت کس کتاب میں ہے؟ بیّنوا توجروا

الجواب

یہ روایت بعض کتب[1] تصوف میں ہے، حدیث میں اس کی کچھ اصل نہیں، اور ہو تو وہ عالم مثال کی تصویریں ہیں۔

قال اللہ تعالٰی وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا: اور کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے نہ ہوں، ہم اسے نہیں اتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے۔ (ت)

مسئلہ ۲۴۷ از وزیر آباد محلہ لکڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ مسئولہ نظام الدین عثمانی ۱۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سید نہیں اور نہ حسن مثنّٰی کی اولاد میں ہیں۔ مہربانی فرماکر کتب معتبرہ شیعہ وسُنّی سے نقل عبارت مع صفحہ و نام کتاب تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا

الجواب

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ یقیناً قطعاً اجل سادات کرام سے ہیں، حضور کی سیادت متواتر ہے، حضرت سیدی امام اوحد ابوالحسن لخمی قدس سرہ کی بہجۃ الاسرار شریف

---

[1] رہبر حق ص ۴۰

[2] القرآن الکریم ۱۵/ ۲۱

اور امام جلیل عبداللہ بن اسعد یافعی شافعی کی اسنی المفاخر و علامہ علی قاری کی نزہۃ النواظر اور مولینا نور الدین جامی کی نفحات الانس اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی زبدۃ الآثار وغیرہم اجلّہ اکابر کی معتمدات اسفار ملاحظہ ہوں۔ فقیر بوجہ علالت تبدیل ہوا کے لئے پہاڑ پر آیا ہوا ہے ورنہ کتابوں کے حوالے اور صفحات کے نشان لکھتا۔ رافضیوں کی کتابیں میرے کتب خانہ میں نہیں، نہ مسلمانوں کو اُن کی بات پر کان رکھنا جائز۔ میں رسالہ رد الرفضہ میں کتب معتمدہ کثیرہ و دلائل قاطعہ منیرہ سے ثابت کرچکا ہوں کہ روافض زمانہ سب کفار مرتدین ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

ایاکم وایاھم لایضلونکم ولایفتنونکم۔[1] اُن سے دُور رہو اور انھیں اپنے سے دُور کرو کہیں وہ تمھیں بہکا نہ دیں کہیں وہ تمھیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (ت)

رافضیوں کے یہاں تو معیارِ سیادت رفض ہے، سُنّی کیسا ہو جلیل القدر سید ہو اسے ہرگز سید نہ مانیں گے اور کوئی کیسا ہی رذیل ذلیل قوم کا آج رافضی ہو جائے کل سے میر صاحب ہے وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔[2] (اور عنقریب ظالم جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح مسلم باب النہی عن الروایۃ عن الضعفاء الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۰
[2] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

رسالہ

جمع القراٰن وبمَ عزوہ لعثمان

۱۳۲۲ھ

(قرآن کو جمع کرنا اور اس کی نسبت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کیوں کرتے ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

مسئلہ ۲۴۸ ازشہر کہنہ بریلی ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ قرآن شریف حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا تھا یا اُن سے پہلے بھی کسی نے جمع کیا؟ اور یہ جو سُنا جاتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے جمع کیا اور اُن کا جمع کیا ہوا مدفون کردیا گیا، یہ سچ ہے یا غلط؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

قرآن عظیم کی جمع وترتیب آیات وتکمیل وتفصیل سُوَر زمانہ اقدس حضور پُرنور سیّد المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بامر الٰہی حسبِ بیان جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم وارشاد وتعلیم حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واقع ہُوئی تھی، مگر قرآنِ عظیم صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے

سینوں اور متفرق کاغذوں، پتھر کی تختیوں، بکری، دُنبے کی پوستوں شانوں، پسلیوں وغیرہا میں تھا ایک جگہ سارا قرآن عظیم مجموع نہ تھا۔ جب جنگ یمامہ میں کہ مسیلمہ کذاب ملعون مدعی نبوت سے زمانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ہوئی صدہا صحابہ کرام حفاظِ قرآن نے شہادت پائی، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے دلِ الہام منزل میں حق جل وعلا نے القا کیا کہ حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گزارش کی کہ اس لڑائی میں بہت صحابہ جن کے سینوں میں قرآن عظیم تھا شہید ہوئے، یونہی جہادوں میں حفاظ صحابہ شہید ہوتے گئے اور قرآن عظیم متفرق رہا تو بہت قرآن جاتے رہنے کا اندیشہ ہے میری رائے میں حکم دیجئے کہ قرآن عظیم کی سب صورتیں یکجا کرلی جائیں۔ خلیفۂ رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کی رائے پسند فرمائی اور حضرت زید بن ثابت وغیرہ حفاظ صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کو اس امر جلیل کا حکم دیا کہ بحمد اللہ تعالٰی سارا قرآن عظیم یکجا ہوگیا، ہر سورت ایک جُدا صحیفے میں تھی، وہ صحیفے تاحیاتِ صدیقی حضرت خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے بعد حضرت امیر المومنین سیدنا فاروقِ اعظم اور ان کے بعد حضرت ام المومنین حفصہ بنت الفاروق زوجۂ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس رہے۔ عرب میں ہر قوم وقبیلہ کی زبان بعض الفاظ کے تلفظ میں مختلف تھی، مثلاً حرفِ تعریف میں کوئی الف لام کہتا تھا کوئی الف میم کہ اسی لغت پر حدیث:

لیس من امبر الصیام فی امسفر[1] سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔ (ت)

وارد ہے علامات مضارع حروف اتین کو کوئی مفتوح پڑھاتا تھا کوئی مکسور، ماشبیہ بلیس کی خبر کو کوئی منصوب کرتا کوئی مرفوع، اِنَّ و اَنَّ وغیرہما کے اسم کو کوئی نصب دیتا کوئی رفع پر رکھتا، بعض قبائل ہر جگہ (ب) کو (م) بولتے، (م) کو (ب)، تا رحمۃ ونحوہا کو کوئی حالت وقفی میں کوئی (ہ) کہتا کوئی (ت) منصوب منون پر، کوئی الف سے وقف کرتا کوئی صرف سکون سے، بعض مرفوع ومجرور پر بھی واؤ و یا سے وقف کرتے۔ بعض قومیں حروف مدہ حرکاتِ موافقہ پر قناعت کرتیں اَعُوْذُ کو اَعُذُ، تعَالٰی کو تعَالَ وغیرہ ذلک کہتیں۔ اسی قسم کے بہت سے تفاوتِ لہجہ وطرزِ ادا تھے۔ قرآن عظیم خاص لغتِ قریش پر اُترا تھا کہ صاحبِ قرآن صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم قریشی تھے ؎

گلبن تو کہ زگلزار قریشی گل کرد ۔۔۔ زان سبب آمدہ قرآن بزبان قرشی

---

[1] شرح معانی الآثار کتاب الصیام باب الصیام فی السفر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱/۳۸۵

(آپ کا شجرہ گلاب چونکہ قریش کے باغ سے ظاہر ہوا اسی سبب سے قرآن مجید قریش کی لغت پر آیا۔ت)

زمانۂ اقدس حضور پر نور صلوات اللہ وسلامہ علیہ میں کہ قرآن عظیم نیا نیا اُترا تھا اور ہر قوم وقبیلہ کو اپنے مادری لہجہ قدیمی عادات کا دفعۃً بدل دینا دشوار تھا آسانی فرمائی گئی تھی کہ ہر قوم عرب اپنے طرز ولہجہ میں قراءتِ قرآن عظیم کرے، زمانۂ نبوت کے بعد شدہ شدہ اقوامِ مختلفہ سے بعض بعض لوگوں کے ذہن میں جم گیا جس لہجہ ولغت میں ہم پڑھتے ہیں اسی میں قرآن کریم نازل ہوا ہے یہاں تک کہ زمانۂ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں بعض لوگوں کو اس بات پر باہم جنگ وجدل وزدوکوب کی نوبت پہنچی یہ کہتا تھا قرآن اس لہجہ میں ہے وہ کہتا تھا نہیں بلکہ دوسرے میں ہے، ہر ایک اپنے لغت پر دعوٰی کرتا تھا جب یہ خبر امیر المومنین عثمان غنی کو پہنچی فرمایا ابھی سے تم میں یہ اختلاف پیدا ہُوا تو آئندہ کیا اُمید ہے۔ لہٰذا حسبِ مشورہ امیر المومنین سیدنا علی مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم و دیگر اعیان صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم یہ قرار پایا کہ اب ہر قوم کو اس کے لب ولہجہ کی اجازت میں مصلحت نہ رہی بلکہ فتنہ اُٹھتا ہے لہٰذا تمام امت کو خاص لغتِ قریش پر جس میں قرآن عظیم نازل ہوا ہے جمع کردینا اور باقی لغات سے باز رکھنا چاہیے،

صحیفہائے خلیفہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ حضرت ام المومنین بنت الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہا کے پاس محفوظ ہیں منگا کر اُن کی نقلیں لے کر تمام سُورتیں ایک مصحف میں جمع کریں اور وہ مصاحف بلادِ اسلام میں بھیج دیں کہ سب اسی لہجہ کا اتباع کریں اس کے خلاف اپنے اپنے طرزِ ادا کے مطابق جو صحائف یا مصاحف بعض لوگوں نے لکھے ہیں دفعِ فتنہ کے لئے تلف کردئے جائیں، اسی رائے صائب کی بناء پر امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا سے کہلا بھیجا کہ صحیفہائے صدیقی بھیج دیجئے ہم ان کی نقلیں لے کر شہروں کو بھیجیں اور اصل آپ کو واپس کردیں گے۔ ام المومنین نے بھیج دئے امیر المومنین نے زید بن ثابت وعبد اللہ بن زبیر وسعید بن عاص وعبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم کو نقلیں کرنے کا حکم دیا وہ نقلیں مکہ معظمہ وشام ویمن و بحرین وبصرہ وکوفہ کو بھیجی گئیں اور ایک مدینہ طیبہ میں رہی اور اصل صحیفے جمع فرمودۂ صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ جس سے یہ نقلیں ہوئی تھیں حضرت ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس دئے ان کی نسبت معاذ اللہ دفن کرنے یا کسی طرح تلف کرا دینے کا بیان محض جھوٹ ہے وہ مبارک صحیفے خلافت عثمانی پھر خلافت مرتضوی پھر خلافت امام حسن پھر خلافت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰی عنہم تک بعینہا محفوظ تھے یہاں تک کہ مروان نے لے کر چاک کر دئے۔ بالجملہ اصل جمع قرآن تو بحکم رب العزۃ

حسبِ ارشادِ حضور پُرنور سید الاسیاد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہولیا تھا سب سُور کا یکجا کرنا باقی تھا امیر المومنین صدیق اکبر نے بمشورۂ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما کیا پھر اُسی جمع فرمودۂ صدیقی کی نقلوں سے مصاحف بنا کر امیر المومنین عثمان غنی نے بمشورۂ امیر المومنین مولٰی علی رضی اللہ تعالٰی عنہما بلادِ اسلام میں شائع کئے اور تمام امت کو اصل لہجۂ قریش پر مجتمع ہونے کی ہدایت فرمائی اسی وجہ سے وہ جناب جامع القرآن کہلائے ورنہ حقیقۃً جامع القرآن رب العزۃ تعالٰی شانہ ہے، کما قال عزمن قائل:

اِنَّ عَلَیۡنَا جَمۡعَہٗ وَقُرۡاٰنَہٗ[1] | بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمّے ہے۔ (ت)

اور بنظرِ ظاہر حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ایک جگہ اجتماع کے لحاظ سے سب میں پہلے جامع القرآن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ، حاکم مستدرک میں بشرط بخاری و مسلم حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال کنا عند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نؤلف القراٰن من الرقاع[2] | یعنی ہم زمانۂ اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں قرآن پارچوں میں جمع کرتے تھے۔

امام جلال الدین سیوطی اتقان شریف میں فرماتے ہیں:

قد کان القراٰن کتب کلہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکن غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور[3] | سارا قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عہد اقدس میں لکھا گیا تھا لیکن وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا اور سورتیں مرتب نہیں ہوئی تھیں۔ (ت)

صحیح بخاری شریف میں اُنھیں سے مروی:

قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر بن الخطاب | حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا جنگِ یمامہ کے موقع پر حضرت ابوبکر صدیق

---

[1] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر جمع القرآن لم یکن مرۃ واحدۃ دار الفکر بیروت ۲/ ۲۲۹

[3] الاتقان النوع الثامن عشر فی جمعہ و ترتیبہ مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

عندہ فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بقراء القرآن وانی اخشی ان یستحر القتل بقراء بالمواطن فیذھب کثیر من القرآن وانی اری ان تأمر بجمع القرآن قال زید قال ابوبکر انک رجل شاب عاقل لانتھمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فتتبع القرآن فاجمعہ فتتبعت القرآن اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال فکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر[1] ھذا مختصرًا۔

رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ بھی وہاں موجود تھے، ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا میرے پاس حضرت عمر آئے ہیں اور کہا ہے کہ جنگِ یمامہ میں بہت سے قراءِ قرآن شہید ہوئے ہیں، مجھے خوف ہے کہ اگر جنگوں میں قراء کثرت سے شہید ہوتے رہے تو قرآن مجید کا بہت سا حصہ ضائع ہوجائیگا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کو جمع کرنے کا حکم دیں، حضرت زید نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے فرمایا تم ایک نوجوان عقلمند مرد ہو ہم آپ کو کسی معاملے میں تہمت نہیں لگاتے اور آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے۔ قرآن مجید کو تلاش کرو اور اُس کو جمع کردو۔ چنانچہ میں نے قرآن مجید کو ڈھونڈا اور اس کو کھجور کے پٹھوں، پتھر کی سِلوں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا تھا۔ وہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کی وفات تک ان کے پاس رہے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس رہے۔ آپ کے وصال کے بعد سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کے پاس موجود رہے (اختصار)۔ (ت)

اس حدیثِ طویل کا خلاصہ وہی ہے کہ بعد جنگِ یمامہ فاروق نے صدیق کو جمع قرآن کا مشورہ اور صدیق نے زید بن ثابت کو اس کا حکم دیا کہ متفرق پرچوں سے سب سورتیں یکجا ہو کر صدیق پھر عمر فاروق پھر ام المومنین کے پاس رہیں رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

اعظم الناس فی المصاحف اجرا ابوبکر

مصاحف میں سب سے زیادہ ثواب ابوبکر کا

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۴۵ و ۷۴۶

رحمة الله علی ابی بکر هو اول من جمع کتاب الله ، رواه ابن ابی داؤد المصاحف[1] بسند حسن عن عبد خیر قال سمعت علیا یقول فذکرہ۔

اللہ ابوبکر پر رحمت کرے سب سے پہلے انھیں نے قرآن جمع کیا۔ (اسکو ابن ابی داؤد نے مصاحف میں سندِ حسن کے ساتھ عبد خیر سے روایت کیا انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو فرماتے سنا، پھر وہی حدیث ذکر کی۔ ت)

امام اجل عارف باللہ محاسبی رضی اللہ تعالٰی عنہ کتاب فہم السنن میں فرماتے ہیں:

کتابة القراٰن لیست بمحدثة فانه صلی الله تعالٰی علیه وسلم کان یأمر بکتابته ولکنه کان مفرقا فی الرقاع والاکتاف والعسب فانما امر الصدیق بنسخها من مکان الی مکان مجتمعا وکان ذٰلك بمنزلة اوراق وجدت فی بیت رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فیها القراٰن منتشر فجمعها جامع وربطها بخیط حتی لا یضیع منها شیئ۔ نقله فی الاتقان[2]۔

یعنی قرآن کا لکھنا کوئی نیا کام نہیں یہ تو زمانہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں بحکمِ اقدس ہوچکا تھا مگر متفرق تھا پارچوں، شانے کی ہڈیوں اور کھجور کے پٹھوں پر لکھا ہوا تھا صدیق نے یکجا کردیا تو گویا کہ یہ ایسا ہوا کہ قرآن کے اوراق جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کاشانۂ مبارک میں منتشر تھے وہ جمع کرنے والے نے ایک ڈورے میں باندھ دئے تاکہ اس میں سے کوئی شَے ضائع نہ ہو۔ (اس کو اتقان میں نقل کیا۔ ت)

صحیح بخاری شریف میں ہے:

حدثنا موسٰی ثنا ابراھیم ثنا ابن شھاب ان انس بن مالك حدثه ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمٰن وکان یغازی اھل الشام فی فتح ارمینیة

ہمیں موسٰی نے حدیث بیان کی انھوں نے کہا ہمیں ابراہیم نے انھوں نے کہا ہمیں ابن شہاب نے حدیث بیان کی کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ نے انھیں حدیث بیان کی کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالٰی عنہ

---

[1] الاتقان بحوالہ ابن ابی داؤد فی المصاحف النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۵۷

[2] " " الحارث المحاسبی فی کتاب فہم السنن " " " " " " ۱/ ۵۸

واذربيجان مع اهل العراق فافزع
حذيفة اختلافهم فى القراءة فقال
حذيفة لعثمان يا امير المؤمنين ادرك
هذه الامة قبل ان يختلفوا فى
الكتاب اختلاف اليهود والنصارٰى
فارسل عثمٰن الى حفصة رضى الله تعالٰى
عنها ان ارسلى الينا بالصحف ننسخها
فى المصاحف ثم نردها اليك فارسلت
بها حفصة الى عثمٰن فامر زيد بن
ثابت وعبد الله بن زبير و سعيد
بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحارث
بن هشام فنسخوها فى المصاحف و
قال عثمٰن للرهط القرشيين الثلثة
اذا اختلفتم انتم وزيد بن ثابت فى
شئ من القراٰن فاكتبوه بلسان
قريش فانما نزل بلسانهم ففعلوا حتّٰى
اذا نسخوا الصحف فى المصاحف رد
عثمٰن الصحف الى حفصة وارسل الى
كل افق بمصحف مما نسخوا وامر
بما سواه من القراٰن فى كل صحيفة او
مصحف ان يحرق [1]

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ کے
پاس آئے جبکہ وہ اہل شام اور اہل عراق کو
آرمینیہ اور آذربیجان کے ساتھ جنگ کرنے اور
ان کو فتح کرنے کے لئے لشکر تیار کر رہے تھے،
حذیفہ کو اہل شام اور اہل عراق کے قرآن پڑھنے
کے اختلاف نے گھبراہٹ میں ڈال دیا تو انھوں
نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے کہا
اے امیر المؤمنین! اس امت کو یہود و نصارٰی کی
طرح کتاب اللہ میں اختلاف کرنے سے روکیں۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کسی کو
ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کے
پاس بھیجا کہ وہ صحیفے ہمارے پاس بھیج دیں ہم
ان کو مصاحف میں لکھ کر پھر آپ کو واپس کر دینگے۔
ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے صحیفے
امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیے تو انھوں نے
زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن عاص اور
عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالٰی عنہم
کو حکم دیا، انھوں نے اس کو مصاحف میں لکھ دیا۔
حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تینوں قریشیوں
کو حکم دیا کہ جب تمہارا اور زید بن ثابت کا قرآن مجید
کے کسی کلمے میں اختلاف ہو جائے تو اس کو
لغتِ قریش کے مطابق لکھو کیونکہ قرآن مجید صرف لغتِ قریش پر نازل ہوا۔ انھوں نے حضرت عثمان غنی
رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ جب انھوں نے صحیفوں کو مصاحف میں لکھ دیا تو حضرت عثمان غنی

---

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۴۶

رضی اللہ تعالٰی عنہ نے وہ صحیفے ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو واپس بھیج دیے، اور ملک کے ہر کونے میں ایک مصحف بھیج دیا جو انھوں نے لکھا تھا اور حکم دیا اس کے سوا جو قرآن کسی صحیفہ یا مصحف میں ہے اس کو جلا دیا جائے۔ (ت)

دیکھو یہ حدیث صحیح بخاری صاف گواہ عدل ہے کہ امیر المؤمنین عثمان غنی نے اختلاف لہجہ و لغات سن کر صحیفہائے صدیقی حضرت حفصہ سے منگائے اور انھیں کی نقلوں سے مصحف بنا کر بلادِ اسلام میں بھیجے اور وہ صحیفے بعد نقل حضرت ام المؤمنین کو واپس دے رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔

ابن اشتہ کتاب المصاحف میں راوی:

اختلفوا فی القراءۃ علی عہد عثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہ حتی اقتتل الغلمان والمعلمون فبلغ ذٰلک عثمان بن عفان رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال عندی تکذبون بہ وتلحنون فیہ، فمن نأی عنی کان اشد تکذیبا و اکثر لحنا یا اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اجتمعوا فاکتبوا للناس اماما فاجتمعوا فکتبوا الحدیث رواہ من طریق ایوب عن ابی قلابۃ قال حدثنی رجل من بنی عامر یقال لہ انس بن مالک[1]، فذکرہ۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد میں لوگوں میں قرآن مجید کے اندر اس قدر اختلاف پڑ گیا جس کی وجہ سے پڑھنے والے بچوں اور پڑھانے والے اساتذہ میں لڑائی ہونے لگی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو خبر پہنچی تو انھوں نے فرمایا کہ تم میرے سامنے قرآن کو جھٹلاتے اور اس میں غلطی کرتے ہو تو جو مجھ سے دُور ہیں وہ اس سے بھی زیادہ جھٹلاتے اور غلطی کرتے ہوں گے، اے اصحاب محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم! جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لئے ایک امام (قرآن) لکھو۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے جمع ہو کر قرآن لکھا۔ اس حدیث کو ابن اشتہ نے ایوب کے طریق پر ابو قلابہ سے روایت کیا، اس نے کہا مجھ سے بنی عامر کے ایک مرد نے بیان کیا جس کو انس بن مالک کہا جاتا ہے، پھر وہی حدیث مذکور ذکر کی۔ (ت)

سیدنا مولا علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم فرماتے ہیں:

---

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشتہ النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/۵۹

لا تقولوا فی عثمٰن الاخیرا فواللّٰہ ما فعل فی المصاحف الا من ملأ منا قال ما تقولون فی ھذا القراءۃ فقد بلغنی ان بعضھم یقول ان قراءتی خیر من قراءتک وھذا یکاد یکون کفرا قلنا فما تری قال اری ان یجمع الناس علٰی مصحف واحد فلا تکون فرقۃ ولا اختلاف قلنا نعم ما رأیت[1] رواہ ابوبکر بن ابی داؤد بسند صحیح عن سوید بن غفلۃ قال قال علی رضی اللّٰہ تعالٰی فذکرہ۔

یعنی عثمان کے حق میں سوا رکلمہ خیر کے کچھ نہ کہو خدا کی قسم معاملہ مصاحف میں انھوں نے جو کچھ کیا ہم سب کے مشورہ واتفاق سے کیا انھوں نے ہم سے کہا کہ تم ان مختلف لہجوں میں کیا کہتے ہو مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ اوروں سے کہتے ہیں میری قراءت تیری قراءت سے اچھی ہے اور یہ بات کفر کے قریب تک پہنچی ہوئی ہے، ہم نے کہا بھلا آپ کی کیا رائے ہے، فرمایا میری رائے یہ ہے کہ سب لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کردیں کہ پھر باہم نزاع واختلاف نہ ہو، ہم سب نے کہا آپ کی رائے بہت خوب ہے (اس کو ابوبکر بن ابوداؤد نے سندِ صحیح کے ساتھ سُوید بن غفلہ سے ذکر کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا پھر حدیث مذکور ذکر کی۔ ت)

اتقان میں ہے:

قال ابن التین وغیرہ الفرق بین جمع ابی بکر وجمع عثمٰن ان جمع ابی بکر کان لخشیۃ ان یذھب من القراٰن شیئ بذھاب حملتہ لانہ لم یکن مجموعا فی موضع واحد فجمعہ فی صحائف مرتبا لاٰیات سورۃ علی ما وقفھم علیہ النبی صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم وجمع عثمٰن

ابن تین وغیرہ نے کہا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قرآن جمع کرنے میں فرق یہ ہے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا جمع کرنا اس خوف سے تھا کہ قرّاءِ قرآن کی شہادت کے سبب سے قرآن کا کچھ حصہ ضائع نہ ہوجائے کیونکہ قرآن مجید یکجا نہ تھا، چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے قرآن مجید کو صحیفوں میں اس طرح جمع کردیا کہ ہر ایک سورت کی آیتیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے بیان کے مطابق مرتب

---

[1] الاتقان بحوالہ ابن اشتہ النوع الثامن عشر مصطفٰی البابی مصر ۱/ ۵۹

کان لما کثر الاختلاف فی وجوہ القراءۃ حین قرؤوہ بلغاتھم علی اتساع اللغات فادی ذلک بعضھم الی تخطئۃ بعض فخشی من تفاقم الامر فی ذلک فنسخ تلک الصحف فی مصحف واحد مرتبا لسورہ واقتصر من سائر اللغات علی لغۃ قریش محتجا بانہ نزل بلغتھم وان کان قد وسع فی قراءتہ بلغۃ غیرھم دفعا للحرج والمشقۃ فی ابتداء الامر فرأی ان الحاجۃ الی ذلک انتھت فاقتصر علی لغۃ واحدۃ۔[1]

کر کے درج فرما دیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اس وقت قرآن مجید جمع فرمایا جب قرات کی وجوہ میں بکثرت اختلاف واقع ہوا، جبکہ عربوں نے وسیع لغات کی بناء پر اپنی اپنی زبانوں میں الگ الگ قراءت میں قرآن پڑھنا شروع کردیا اور ایک زبان والے دوسری زبان والوں کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو لوگوں کے درمیان معاملہ حد سے بڑھ جانے کا خوف محسوس ہوا اس لئے آپ نے تمام صحیفوں کو ایک مصحف میں سورتوں کی ترتیب کے ساتھ جمع کردیا اور تمام لغات کو چھوڑ کر صرف لغتِ قریش پر اکتفاء کیا۔ اس بات سے استدلال کرتے ہوئے کہ قرآن مجید لغتِ قریش پر نازل ہوا اگرچہ حرج اور مشقت سے بچنے کے لئے شروع شروع غیر قریش کی لغات میں پڑھنے کی بھی اجازت تھی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے سمجھا کہ اب اس کی حاجت نہیں رہی، لہذا آپ نے ایک ہی لغت پر انحصار فرمایا۔ (ت)

امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری میں فرماتے ہیں:

کان ھذا سببا لجمع عثمٰن القراٰن فی المصحف والفرق بینہ وبین الصحف ان الصحف ھی الاوراق المحررۃ التی جمع فیھا القراٰن فی عھد ابی بکر رضی اللہ تعالٰی عنہ وکانت سورا مفرقۃ کل سورۃ مرتبۃ بایاتھا علی حدۃ لکن

یہ تھا سبب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مصحف میں قرآن جمع کرنے کا۔ صحیفوں اور مصحف میں فرق یہ ہے کہ صحیفے وہ اوراق ہیں جن میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے عہد مبارک میں قرآن مجید لکھا گیا تھا اس میں سورتیں الگ الگ تھیں، ہر سورت اپنی آیات کے ساتھ الگ مرتب تھی لیکن بعض کو بعض کے بعد

---

[1] الاتقان النوع الثامن عشر مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۰-۵۹

لم یرتب بعضہا اثر بعض فلما نسخت و رتب بعضہا اثر بعض صارت مصحفا ولم یکن مصحفا الا فی عہد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ[۱]

بالترتیب نہیں رکھا گیا تھا، جب ان کو اس طرح لکھا گیا بعض صورتوں کو بعض کے بعد بالترتیب رکھا گیا تو مصحف بن گیا۔ چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے پہلے مصحف نہ تھا۔ (ت)

عمدۃ القاری و اتقان شریف میں ابوبکر بن ابی داؤد سے منقول:

قال سمعت اباحاتم السجستانی یقول کتب سبعۃ مصاحف فارسل الی مکۃ و الی الشام والی الیمن والی البحرین و الی البصرۃ و الی الکوفۃ و حبس بالمدینۃ واحدا[۲]

اس نے کہا میں نے ابوحاتم سجستانی کو کہتے سنا کہ حضرت عثمان نے سات مصحف تحریر فرمائے۔ ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ میں بھیج دیا جبکہ ایک مدینہ منورہ میں رکھ لیا۔ (ت)

امام قسطلانی ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

(حتی اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمن الصحف الی حفصۃ) فکانت عندھا حتی توفیت فاخذھا مروان حین کان امیرا علی المدینۃ من قبل معٰویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فامر بہا فشققت وقال انما فعلت ھذا لانی خشیت ان طال بالناس زمان ان یرتاب فیہا مرتاب رواہ ابن ابی داؤد وغیرہ۔[۳]

یہاں تک کہ جب انھوں نے صحیفے مصحف میں رکھ لے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو واپس بھیج دیئے، وہ وصال تک حضرت حفصہ کے پاس رہے، پھر مروان امیر معاویہ کی طرف سے مدینہ منورہ کا امیر بنا تو اس نے ان کو لے کر پھاڑ دینے کا حکم دیا اور کہا کہ میں نے یہ اس لئے کیا ہے کہ زیادہ عرصہ گزر جانے پر کوئی شک کرنیوالا اس میں شک نہ کرے۔ اسکو ابن ابی داؤد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (ت)

---

[۱] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن ادارۃ الطباعۃ المنیریہ مصر ۲۰/۱۶

[۲] " " " " " " " " " "

[۳] ارشاد الساری " " " کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دار الکتاب العربی بیروت ۷/۴۴۹

اُسی میں ہے :

کان التالیف فی الزمن النبوی والجمع فی المصحف فی زمن الصدیق والنسخ فی المصاحف فی زمن عثمٰن وقد کان القراٰن کلہ مکتوبا فی عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لکنہ غیر مجموع فی موضع واحد ولامرتب السور[1] انتہی واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

قرآن مجید کی تالیف عہد نبوی میں ہوئی۔ صحیفوں میں جمع زمانہ صدیقی میں ہوا اور مصاحف میں اس کی کتابت زمانہ عثمانی میں ہوئی۔ بے شک سارا قرآن مجید نبی اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھا ہوا تھا لیکن وہ سارا یکجا لکھا ہوا نہیں تھا اور نہ ہی سورتیں ترتیب وار لکھی ہوئی تھیں۔(ت) واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۴۹: از پٹنہ عظیم آباد ۲۲ ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کو جامع قرآن مجید کس رُو سے کہتے ہیں؟ اس کا جواب کتب احادیث وتواریخ سے تحریر فرمائیں۔ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالٰی ہے، قال جل وعلا:

اِنَّ علینا جمعہ وقراٰنہ[2]

بے شک ہمارے ذمّے ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔

پھر جامع عزوجل کے مظہر اول واتم واکمل حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہوئے۔ آیاتِ قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مطابق ترتیب لوحِ محفوظ حسبِ تبلیغ جبریل وتعلیم جلیل صاحبِ تنزیل صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم زمانہ اقدس میں اپنی اپنی سُورتوں میں جمع ہولیں، قرآن عظیم ۲۳ برس میں حسب حاجت عبادت متفرق آیتیں ہوکر اُترا، کسی سُورت کی کچھ آیات اتریں پھر دوسری سورت کی آیتیں آئیں پھر سورتِ اولٰی کی نازل ہوئیں، حضور پُرنور سید عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں،

---

[1] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن دارالکتاب العربی بیروت ۷/ ۴۴۶
[2] القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷

اسی طرح سورۂ قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پھر حضور سے سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی ترتیب پر اُسے نمازوں تلاوتوں میں پڑھتے، قرآن عظیم صرف ایک واحد لغتِ قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اور ان کے لہجے باہم حرکات وسکنات وبعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامتِ مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل ات ن کو مکسور کرکے نِعبُد نِستعین کہتے، لغتِ قریش میں تابوت آخر میں تائے قرشت سے تھا دوسروں کے لغت میں تابوہ ہائے ہوز سے۔ اسی قسم کے بالائی اختیارات بکثرت تھے جن سے معنی کلام بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا دفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔ لہذا حضور پُر نور رحمت عہدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے رب سے عرض کرکے دیگر قبائل والوں کے لئے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اُتر چکا ہوتا حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ اس کا دور کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمد اللہ تعالٰی حفاظِ اہلسنت میں باقی ہے اور باقی رہے گی حتی یاتی امر اللہ وھم علٰی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی کا امر آجائیگا اور وہ اس پر قائم ہونگے۔ت) سالِ آخر میں حاملِ وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا حضور پُر نور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ دور کیا اور اس کی تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے استقرار امر ہوا۔ سُور اگرچہ زمانۂ اقدس میں مرتب ہوچکی تھیں مگر یکجا مجتمع نہ تھیں متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں سوا اُن مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم محفوظ تھا حال یہی تھا یہاں تک کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نظر عوام سے احتجاب فرمایا، خلافتِ خلیفۂ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابۂ کرام حافظانِ قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنا وعدہ صادقہ وانا لہ لحٰفظون[1] (اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ت) پورا فرمانے کو پہلے یہ کریم داعیہ قلب کریم حضرت موافق الرائے بالوحی والکتاب سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ڈالا حضرت فاروق نے بارگاہِ صدیقی میں عرض کی کہ جنگِ یمامہ میں بہت حُفّاظ شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوں ہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پاگئے تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا میری رائے ہے کہ حضرت جمع قرآن کا حکم فرمائیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ابتداءً اس میں تامل ہوا کہ جو فعل

---

[1] القرآن الکریم ۱۵/ ۹

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا ہم کیونکر کریں۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پر نور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمان خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی وہی شبہہ پیش کہ کیونکر کیجئے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے یہاں تک کہ صدیق وفاروق وزید بن ثابت وجملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کرلیا گیا اور وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دارومدار ہے کہ جو فعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ کیا دوسرا کیا اُن سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اُسے کرے گا باجماع صحابہ مردود قرار پایا، والحمد للہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہوگئی تھیں اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کا ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اُس مصحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام مملکت اسلامیہ کے عظیم عظیم قسموں میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جُدا تھے دفع فتنہ کے لئے اُن کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسب وعدۂ الٰہیہ تام وکامل ہوا اس لئے اس جناب کو جامع القرآن کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

عفی عنہ بمحمدن المصطفٰے النبی الامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

محمدی سنی حنفی قادری
احمد رضا خاں

فوائدِ تفسیریہ وعلومِ قرآن

مسئلہ ۲۵۰ از مدرسہ منظر اسلام ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین کہ شانِ نزول اِس آیت شریفہ کی:

ومنھم من عاھد اللہ لئن اٰتٰنا من فضلہ لنصدقن ولنکونن من الصالحین[1] الاٰیۃ

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دے گا تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ہم ضرور بھلے آدمی ہوجائیں گے (ت)

حدیثِ ثعلبہ ابنِ حاطب ہے یا اور کوئی حدیث؟ حدیث ثعلبہ کی صحیح یا حسن یا ضعیف یا موضوع؟ یہ ثعلبہ ابن حاطب بدری ہے یا اور کوئی؟

الجواب

بدری حضرت سیدنا ثعلبہ بن حاطب بن عمرو بن عبید انصاری ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اور یہ شخص جس کے باب میں یہ آیت اتری ثعلبہ ابن ابی حاطب ہے اگرچہ یہ بھی قوم اوس سے تھا۔ اور بعض نے اس کا نام بھی ثعلبہ ابن حاطب کہا۔ مگر وہ بدری خود زمانہ اقدس حضور پرنور صلی اللہ

---

[1] القرآن الکریم ۹/ ۷۵

علیہ وسلم میں جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔ اور یہ منافق زمانۂ خلافت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مرا۔ جب اس نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا اور آیۂ کریمہ میں اس کی مذمت میں اتری۔ حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا حضور نے قبول نہ فرمائی۔ پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں لایا انھوں نے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تیری زکوٰۃ قبول نہ فرمائی اور میں قبول کرلوں، ہرگز نہ ہوگا۔ پھر خلافتِ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حاضر لایا، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و ابو بکر قبول نہ فرمائیں اور میں لے لوں یہ کبھی نہ ہوگا۔ پھر خلافتِ عثمٰن ذی النورین غنی رضی اللہ عنہ میں لایا، فرمایا رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و صدیق و فاروق نے قبول نہ فرمائی میں بھی نہ لوں گا۔ آخر انھیں کی خلافت میں مرگیا۔

اللہ عزوجل اہلِ بدر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرماچکا:

اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم۔ جو چاہو کرو میں تمھیں بخش چکا۔

اور اس منافق کے باب میں فرماتا ہے:

فاعقبھم نفاقا فی قلوبھم الی یوم یلقونہ[2] اس کے پیچھے اللہ نے اُن کے دلوں میں نفاق پیدا کیا کہ مرتے دم تک نہ جائے گا۔

حاشا للہ نور وظلمت کیونکر جمع ہوسکتے ہیں۔

امام حافظ الشان اصابہ میں فرماتے ہیں:

ثعلبۃ بن حاطب بن عمرو الانصاری ذکرہ موسٰی بن عقبۃ وابن اسحٰق فی البدریین وکذا ذکرہ ابن الکلبی وزاد انہ قتل باحد[3] ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری کو موسٰی بن عقبہ اور ابن اسحاق نے اہلِ بدر میں ذکر کیا۔ اسی طرح ابن کلبی نے ذکر کیا اور یہ اضافہ کیا کہ وہ اُحد میں شہید ہوئے۔ (ت)

تفسیر امام ابن جریر میں ہے:

حدثنی محمد ابن سعد حدثنی مجھ سے محمد بن سعد نے بیان کیا انھوں نے کہا

---

[1] کنز العمال حدیث ۳۷۹۵۷ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴/ ۶۹
[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۷
[3] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۷ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

ابی حدثنی عمی حدثنی ابی عن ابیہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنھما ان رجلا یقال لہ ثعلبۃ ابن ابی حاطب اخلف ما وعدہ فقص اللہ تعالٰی شانہ فی القراٰن ومنھم عاھد اللہ الٰی قولہ یکذبون[1]

مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا اس نے کہا مجھ سے میرے چچا نے بیان کیا اس نے کہا مجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا انھوں نے ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے روایت کیا ایک شخص کو ثعلبہ بن ابی حاطب کہا جاتا ہے جس نے اللہ تعالٰی کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی کی اللہ تعالٰی نے اس کے حال کو قرآن مجید میں بیان فرمایا یعنی "ومنھم من عٰھد اللہ" سے "یکذبون" تک۔ (ت)

تفسیر معالم میں ہے:

قال الحسن ومجاھد نزلت فی ثعلبۃ بن ابی حاطب[2] الخ۔

امام حسن اور مجاہد نے کہا یہ آیت ثعلبہ بن ابی حاطب کے بارے میں نازل ہوئی الخ (ت)

تفسیر ابن جریر وثعلبی وغیرہم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی:

فانزل اللہ تعالٰی فیہ ومنھم من عاھد اللہ الخ وعند رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رجل من اقارب ثعلبۃ فسمع ذٰلک فخرج حتی اتاہ فقال ویحک یا ثعلبۃ قد انزل اللہ فیک کذا وکذا فخرج ثعلبۃ حتی اتی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

تو اللہ تعالٰی نے اس کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی "اور ان میں کوئی وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا" الخ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس ثعلبہ کے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک شخص موجود تھا جس نے اس آیت کو سنا تو وہ وہاں سے نکلا اور ثعلبہ کے پاس آکے کہا اے ثعلبہ! تیرے لئے ہلاکت ہو اللہ تعالٰی نے تیرے بارے میں ایسا ایسا حکم نازل فرمایا ہے۔ تو ثعلبہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۳
[2] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) " " " دار الکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۶۴

فسأله ان يقبل منه صدقته فقال ان الله منعني ان اقبل منك صدقتك ثم اتى ابا بكر حين استخلف فقال اقبل صدقتي فقال ابوبكر لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰی علیه وسلم وانا اقبلها؟ فلما ولی عمر اتاه فقال يا امير المؤمنين اقبل صدقتي فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰی علیه وسلم ولا ابوبکر وانا لا اقبلها ثم ولی عثمان فاتاه فسأله فقال لم يقبلها رسول الله صلى الله تعالٰی علیه وسلم ولا ابوبکر ولا عمر رضوان الله تعالٰی علیهما وانا لا اقبلها منك فلم يقبلها منه وهلك ثعلبة فی خلافة عثمان رضی الله تعالٰی عنه[1] اھ مختصرًا۔

حاضر ہوا اور درخواست کی کہ اس کا صدقہ قبول کیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی نے مجھے منع فرما دیا ہے کہ میں تیرا صدقہ قبول کروں۔ پھر جب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ خلیفہ بنے تو ثعلبہ نے ان کے پاس آکر کہا میرا صدقہ قبول کرلیں۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور میں قبول کرلوں؟ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو ثعلبہ نے آکر کہا اے امیر المومنین! میرا صدقہ قبول فرمالیں تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اسے قبول فرمایا اور میں بھی اس کو قبول نہیں کرتا۔ پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ امیر المومنین بنے تو اس نے آکر صدقہ قبول کرنے کی درخواست پیش کی آپ نے فرمایا اسے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا اور نہ ہی ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما نے قبول فرمایا تو میں بھی اسے قبول نہیں کرتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے قبول نہیں فرمایا اور آپ ہی کی خلافت میں ثعلبہ مرگیا اھ اختصارًا (ت)

یہ سب اس حدیثِ ثعلبہ کی تسلیم پر ہے، ورنہ وہ سرے سے ثابت الصحت نہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں فرمایا:

ان صح الخبر ولا اظنه یصح[2]

اگر یہ خبر صحیح ہو اور میں اسکو صحیح گمان نہیں کرتا (ت)

---

[1] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۹/ ۷۵ دار احیاء التراث العربی بیروت ۱۰/ ۲۱۴

[2] الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ترجمہ ۹۲۸ دار صادر بیروت ۱/ ۱۹۸

اقول یہ حدیث ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ جس میں بجائے ابن ابی حاطب، ابن حاطب کہا۔ ابن جریر وبغوی وثعلبی وابن السکن وابن شاہین وباوردی سب کے یہاں بطریق معاذ ابن رفاعہ عن علی بن یزید عن القاسم عن ابی امامہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ہے، اور علی بن یزید میں کلام معلوم ہے۔ حافظ الشان نے تقریب میں فرمایا: ضعیفٌ[1]۔ امام دارقطنی نے فرمایا: متروکٌ[2]۔ امام بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث[3]۔ اور فرمایا:

کل من اقول فیہ منکر الحدیث لاتحل الروایۃ عنہ[4] جسے میں منکر الحدیث کہوں اس سے روایت حلال نہیں۔ (ت)

واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۱ (سوال مذکور نہیں) ۲۸ صفر ۱۳۳۸ھ

الجواب

(بجواب مسئلہ مولوی حکیم غلام محی الدین صاحب لاہوری)

فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیں محفوظ رہیں:

(۱) وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیئے جائیں۔

(۲) مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے سردست بس ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

(۳) اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے، مثلاً غیر المغضوب علیہم[5] کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا یا تُو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھو کے ہیں یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا، جیسے طعاما ذا غصۃ[6] فرمایا۔

---

[1] تقریب التہذیب ترجمہ علی بن یزید ۴۸۳۳ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱/۷۰۵

[2] میزان الاعتدال بحوالہ الدارقطنی ترجمہ علی بن یزید ۵۹۶۶ دارالمعرفۃ بیروت ۳/۱۶۱

[3] میزان الاعتدال 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[4] 〃 〃 ترجمہ ابان بن جبلہ ۳ 〃 〃 ۱/۶

[5] القرآن الکریم ۱/۷

[6] 〃 〃 ۷۳/۱۳

اس سے استعارہ کر کے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کر سکے، گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں۔ مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہُوا: "نہ ان کی جن پر تُو نے غضب فرمایا" یا جن پر تیرا غضب ہے، یا جن پر غضب ہوا، یا جو غضب میں ہیں۔" خیال کرنے سے ان کے ترجمہ میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہوسکتی ہیں۔

(۴) سب سے اہم واعظم واقدم والزم مراعات و متشابہات کہ ان میں ہمارے ائمہ کرام سے دو مذہب ہیں:

اوّل ہم نصوص پر ایمان لائے، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں، اٰمنّا بہ کل من عند ربنا[1] (ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے۔ ت) معنی ہمیں معلوم ہی نہیں، ان سے اگر قولہ تعالٰی ثم استوی الی السماء[2] کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے: "پھر استواء فرمایا آسمان کی طرف" اگر پوچھئے استوٰی کے کیا معنٰی، تو لا ندری (ہم نہیں جانتے۔ ت) سے جواب ملے گا۔

دوم تاویل کہ متاخرین نے تفہیم جہال کے لئے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شانِ عزت پر محال نہ ہو۔ اور طرف تجوّز و تجارب میں لفظِ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو۔ ان سے اگر آیہ کریمہ مذکورہ کا ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے: "پھر آسمان کی طرف قصد فرمایا" مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی محال و ظاہر کا صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کردیں جیسے کریمہ مذکورہ کا ترجمہ "پھر چڑھ گیا آسمان کو" کہ چڑھنا اور اُترنا شانِ عزت پر محال قطعی اور جہال کے لئے معاذ اللہ موہم بلکہ مصرح بجسمانیت ہے۔ یہ ہمارے ائمہ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک۔ اس سے احتراز فرض قطعی ہے۔ فقیر نے جہاں تک دیکھا ترجمہ منسوبہ بحضرت قدسی منزلت سیدنا مصلح الدین سعدی قدس سرّہ العزیز اس عیب مشابہ سے پاک و منزّہ ہے، ان میں اس سے مدد لی جائے، و باللہ التوفیق۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۷

[2] " " ۲/ ۲۹

مسئلہ ۲۵۲: مسئولہ جناب محمد یعقوب صاحب بریلی ۵ ربیع الاول ۱۳۲۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب اللہ عزوجل نے آدم علیہ الصلوۃ والسلام کو سجدہ کرنے کا حکم ملائکہ کو دیا اور ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس پر ارشاد ہوا، استکبرت ام کنت من العالین[1] کیا تُو نے تکبر کیا، کیا تو عالین سے تھا۔ یہ عالین کون لوگ ہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

عالی بمعنی متکبر ہے، قال اللہ تعالٰی:

ثم ارسلنا موسٰی واخاہ ھارون بایٰتنا وسلطٰن مبین۔ الی فرعون وملاۂ فاستکبروا وکانوا قوما عالین[2]۔

پھر ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور روشن حجت کے ساتھ فرعون اور اس کے جتھے کی طرف بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا اور وُہ تھے ہی متکبر لوگ۔

تو معنی آیت یہ ہوئے کہ رب عزوجل نے شیطان لعین سے فرمایا کہ تُو نے جو آدم کو سجدہ نہ کیا یہ ایک تکبر تھا کہ اس وقت تجھے پیدا ہوا، یا تو قدیم سے متکبر ہی تھا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے:

یقول تعالٰی لابلیس تعظمت عن السجود لاٰدم فترکت السجود لہ استکبارا علیہ ولم تکن من المتکبرین العالین قبل ذٰلک ام کنت من العالین یقول ام کنت کذٰلک من قبل ذا علو وتکبر علی ربك[3]۔

اللہ تعالٰی نے ابلیس سے فرمایا تو نے حضرت آدم کے سجدہ سے اپنے کو بڑا سمجھا اور اُن پر بڑائی ظاہر کرتے تُو نے سجدہ ترک کیا درا صل تُو متکبرین میں سے نہ تھا، یا یہ کہ پہلے ہی سے اپنے رب پر علو وتکبر ظاہر کرنے والا تھا۔

یا یہ کہ تکبر خاص تجھی میں پیدا ہوا یا تیری قوم ہی متکبر ہے۔ معالم میں ہے:

"ام کنت من العالین المتکبرین یقول استکبرت بنفسك ام کنت من القوم الذین

یا تو عالین متکبرین میں سے تھا۔ فرماتا ہے کہ تُو نے خود ہی تکبر کیا، یا تو متکبرین کے گروہ

---

[1] القرآن الکریم ۳۸/ ۷۵

[2] " " ۲۳/ ۴۵ و ۴۶

[3] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) تحت آیۃ ۳۸/ ۷۵ داراحیاء التراث العربی بیروت ۲۳/ ۲۱۶

یتکبرون فتکبرت عن السجود لکونك منهم۔[1] میں سے تھا تو سجدہ سے تکبر کیا۔ (ت)

یا عالین کو بمعنی بلند و رفیع المرتبت لیں، اور معنی یہ ہوں کہ تُو نے جو سجدہ نہ کیا یہ تیرا تکبر تھا کہ واقع میں تجھے آدم پر بڑائی نہیں اور براہِ غرور آپ کو بڑا ٹھہرایا، یا واقع ہی میں تجھے اس پہ فضیلت۔ بیضاوی میں ہے:

"استکبرت ام کنت من العالین، تکبرت من غیر استحقاق او کنت ممن علا واستحق التفوق۔[2]

تُو نے تکبر کیا یا عالین میں سے تھا۔ مطلب یہ کہ بے استحقاق کے تو غرور میں مبتلا ہوا یا ان میں سے تھا جن کو بلندی اور تفوق حاصل ہے۔

اور یہ معنی نہیں کہ ملائکہ میں کوئی گروہ عالین ہے کہ وہ حکمِ سجود سے مستثنٰی تھا وان وقع فی کلام سیدنا الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ (اگرچہ ہمارے سردار شیخ اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے کلام میں واقع ہوا ہے۔ ت) رب عزوجل نے متعدد تاکیدوں سے مؤکد فرمایا۔ فسجد الملٰئکۃ کلھم اجمعون[3] تمام، جمیع، سب ملائکہ نے سجدہ کیا۔ فاللام للاستغراق واکدت بکل واکد باجمعون (لام استغراق کے لیے ہے پھر لفظ کل اور اجمعون کے ساتھ تاکید لائی گئی ہے۔ ت) واللہ تعالٰے اعلم۔

مسئلہ ۲۵۳ تا ۲۵۵: از ملک بنگال ضلع فریدپور موضع پٹورا کاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

(۱) بعد ولادتِ حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت مریم بنت عمران باکرہ تھیں یا نہیں؟

(۲) قرآن مجید میں ناسخ کی آیتیں کتنی ہیں اور منسوخ کتنی؟

(۳) آنحضرت اور حضرت عیسٰی علیہما الصلٰوۃ والسلام کے درمیان کوئی اور رسول تھے یا نہیں؟

الجواب

(۱) سیدنا عیسٰی کلمۃ اللہ علٰی نبینا الکریم وعلیہ الصلٰوۃ والتسلیم کی ولادت کے بعد بھی حضرت بتول طیبہ طاہرہ سیدتنا مریم بکر تھیں، بکر ہی رہیں، اور بکر ہی اٹھیں گی، اور بکر ہی جنت النعیم میں داخل ہوں گی یہاں تک کہ حضور پُرنور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کے

---

[1] معالم التنزیل (تفسیر البغوی) تحت آیۃ ۳۸/۷۵ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۴/۶۰

[2] انوار التنزیل (تفسیر البیضاوی) " " دار الفکر بیروت ۵/۵۵

[3] القرآن الکریم ۳۸/۷۳

نکاحِ اقدس سے مشرف ہوں گی۔ ان کی شانِ کریم:

لم یمسسنی بشر ولم اک بغیا۔[1] نہ مجھے کسی نے ہاتھ لگایا اور نہ میں بدکار ہوں۔

ظاہر ہے کہ بعد ولادت بھی صادق ہے، اور یہی معنی بکریت ہے۔ رہا بکارت بمعنی پردۂ عروق کا زوال، اوّلاً اس ولادتِ معجزہ میں ہونا کیا ضرور اور اس کا کہاں ثبوت۔ جو بے باپ کے پیدا کرسکتا ہے بے زوالِ بکارت ولادت دینے پر بھی قادر ہے۔ بکر کے لئے بھی منفذ ہوتا ہے جس سے خون آتا ہے، اور بالفرض اس کا زوال ہو بھی تو وہ منافیِ بکریت نہیں۔ بہت ابکار کا پردہ کسی صدمہ یا خونِ حیض کی حدت وغیرہ سے جاتا رہتا ہے، مگر وہ بکر سے ثیب، نارسیدہ سے شوہر دیدہ نہیں ہوجاتیں بلکہ حقیقۃً بھی بکر ہوتی ہیں، اور حکمِ شرع میں بھی بکر ہی رہتی ہیں۔ ان کا نکاح ابکار کی طرح ہوتا ہے اور وہ ابکار کے لئے وصیت میں داخل ہوتی ہیں۔ تنویر الابصار میں ہے:

من زالت بکارتہا بوثبۃ او درور حیض اوجراحۃ اوکبر بکر حقیقۃ۔[2] جس کا پردۂ بکارت کودنے، حیض آنے یا زخم یا زیادتیِ عمر کی وجہ سے زائل ہوا وہ عورت حقیقۃً باکرہ ہے۔

فتاوٰی ظہیریہ اور ردالمحتار میں ہے:

البکر اسم لامرأۃ لم تجامع بنکاح ولا غیرہ۔[3] باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس سے بہ نکاح یا بلا نکاح صحبت نہ کی گئی ہو۔

بحر و شامی میں ہے:

حاصل کلامھم ان الزائل فی ھذہ المسائل العذرۃ ای الجلدۃ التی علی المحل لاالبکارۃ فکانت بکرا حقیقۃ وحکما ولذا تدخل فی الوصیۃ لابکار ان کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ ان مسائل میں عذرہ زائل ہوتی ہے یعنی وہ جھلی جو شرمگاہ میں ہوتی ہے، تو عورت ان صورتوں میں حقیقۃً اور حکماً ہر طرح باکرہ ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کسی نے بنی فلاں کی باکرہ عورتوں کے لئے

---

[1] القرآن الکریم ۱۹/ ۲۰

[2] الدرالمختار شرح تنویر الابصار کتاب النکاح باب الولی مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۱۹۲

[3] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

بنی فلان[1] واللہ تعالٰی اعلم — وصیت کی تو یہ بھی ان میں داخل ہوگی (ت)

(۲) اس میں اختلافِ کثیرہ ہیں۔ حازمی کی کتاب الناسخ والمنسوخ اور اتقان وغیرہ میں مفصل بیان ہے اور اختلاف کا بڑا منشاء اختلافِ اصطلاح بھی ہے کما لایخفی علی من سبر ونظر وتامل وتدبر (جیساکہ اس شخص پر پوشیدہ نہیں جو گھوما پھرا، دیکھا اور غور وفکر کیا۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

(۳) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

انا اولی الناس بعیسی بن مریم فی الدنیا والاٰخرۃ لیس بینی وبینہ نبی۔ رواہ احمد[2] والشیخان وابوداؤد عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ۔

دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ عیسٰی ابن مریم کا ولی میں ہوں، مجھ میں اور ان میں کوئی نبی نہیں (اس کو امام احمد، بخاری، مسلم اور ابوداؤد نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا۔ ت)

دوسری حدیث میں ہے کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم:

انا دعوۃ ابراھیم وکان اٰخر من بشر بی عیسٰی بن مریم۔ رواہ الطیالسی[3] وابن عساکر وغیرھما عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ، حدیث صحیحین اصح ماورد فی الباب، فلا یعارضہ مایذکر من حدیث خالد بن سنان وغیرہ۔

میں اپنے باپ ابراہیم کی دُعا ہوں اور سب میں پچھلے میری بشارت دینے والے عیسٰی علیہم الصلٰوۃ والسلام تھے (اس کو طیالسی اور ابن عساکر وغیرہ نے سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا ہے۔ صحیحین کی حدیث اس باب میں صحیح ترین ہے، لہٰذا خالد بن سنان وغیرہ کی روایت سے مذکور حدیث اس کا معارضہ نہیں کرسکتی۔ ت)

---

[1] ردالمحتار کتاب النکاح باب الولی دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۳۰۲

[2] صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب قول اللہ تعالٰی واذکر فی الکتاب مریم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۸۹ و ۴۹۰
صحیح مسلم کتاب الفضائل ۲/ ۲۶۴ و ۲۶۵ وسنن ابی داؤد ۲/ ۲۸۶
مسند احمد بن حنبل عن ابی ہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۱۹

[3] کنزالعمال حدیث ۳۱۸۸۹ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۱۱/ ۴۰۵

معہذا انبیاء علیہم السلام میں احتیاط یہ ہے کہ:

أمنا بانبیاء اللّٰه جمیعا لانفرق بین احد من رسله۔ ہم تمام انبیاء پر ایمان لائے ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔

کہ بعض پر ایمان لائیں اور معاذ اللہ بعض پر نہیں، جیسا کہ یہود و نصارٰی خذلہم اللہ تعالٰی نے کیا۔ اور بالیقین کسی کو نبی ماننے کے لئے تواتر شرط ہے، یہاں احاد کافی نہیں لما تقرران الاحاد لا تفید الاعتماد فی مثل الاعتقاد واللّٰه الهادی الی سبیل الرشاد (کیونکہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اخبار احاد اعتقادیات جیسے امور میں اعتماد کا فائدہ نہیں دیتیں اور اللہ تعالٰی ہی راہ ہدایت عطا فرمانے والا ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۶: مسئولہ سید شرف حسین صاحب ہیڈ محرر سلطان پور ضلع سہارنپور ۲۸ محرم ۱۳۳۲ھ

مطلع فرمائیے کہ "اولی الامر منکم"[1] (اور ان کا حکم مانو جو تم میں حکومت والے ہیں۔ ت) کی بابت رشید احمد صاحب "علماء و فقہاء" تجویز فرماتے ہیں اور بعض علماء نے "بادشاہِ اسلام" مراد لیا ہے۔ لہذا آپ اپنی رائے بابت "اولی الامر" کے تجویز فرمائیے کہ کون ہیں جن کی اطاعت قرینِ اطاعت جناب رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہے۔ اور نیز یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جس نے امامِ وقت کو نہ پہچانا اس کی موت جاہلیت پر ہوگی اس کا کیا مطلب ہے؟ اور یہ بھی تحریر فرمائیے کہ جس وقت یزید ملعون تخت نشین تھا آیا وہ بھی "اولی الامر منکم" میں شامل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہے تو اس وقت کون "اولی الامر" تھا۔ مفصل و مشرح "اولی الامر" کے معنی اس وقت سے اس وقت تک کے تحریر فرمائیے۔

الجواب

"اولی الامر" میں اصح القول یہی ہے کہ اس سے مراد علمائے دین ہیں کما نص علیه الزرقانی وغیرہ (جیسا کہ اس پر زرقانی وغیرہ نے نص فرمائی ہے۔ ت) نہ کہ سلاطین جن کے بہت احکام خلافِ شرع ہوتے ہیں۔ یزید پلید کے وقت میں بکثرت صحابہ کرام و تابعین اعلام تھے وہی "اولی الامر" تھے نہ کہ یزید علیہ ما یستحقہ۔ ہر رسالت کے زمانہ میں وہ رسول اور اس کی کتاب امام ہوتی ہے قال تعالٰی کتب موسٰی اماما و رحمة[2] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: موسٰی علیہ السلام کی

---

[1] القرآن الکریم ۴/ ۵۹

[2] القرآن الکریم ۴۶/ ۱۲

کتاب پیشوا اور مہربانی ہے۔ ت) زمانۂ ختمیت میں آخر دہر تک قرآنِ عظیم و حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امام ہیں، جس نے انھیں نہ پہچانا ظاہر کہ وہ جاہلیت کی موت مرا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۵۷: مسئولہ جناب حافظ سید عبدالجلیل صاحب مارہروی ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک خطبہ میں ہے لایکلف اللہ نفسا الا دون وسعھا، یہ پڑھنا کیسا ہے اور یہاں دون کا محل کیا ہے؟ بینوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

آیۂ کریمہ بدونِ "دون" ہے، خطبہ میں اگرچہ نہ وہ آیت ہونا ضرور، نہ قرآنِ عظیم سے اقتباس محذور، مگر زیادتِ موہمہ خلافِ مراد محذور۔

دون زبانِ عرب میں دس معنی پر مشتمل ہے:

(۱) غیر، أئفکا اٰلھۃ دون اللہ تریدون[1]، ای غیرہ[2]۔ — غیر، کیا بہتان سے اللہ تعالٰی کے سوا اور خدا چاہتے ہو یعنی اس کا غیر۔ (ت)

(۲) تحت[3]، ومنا دون ذلك[4]۔ — تحت، اور ہم میں سے کچھ اس سے کمتر ہیں (ت)۔

(۳) فوق، فھی اذن من الاضداد کذا فادہ المجد[5]۔ — فوق، تو اس صورت میں یہ اضداد کے قبیلہ سے ہوگا جیسا کہ مجد نے اس کا افادہ فرمایا ہے (ت)

(۴) اقل، لیس فیما دون خمس اواق صدقۃ[6]۔ — اقل، پانچ اوقیہ سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے (ت)

(۵و۶) وراء و امام، یعنی اِس پار یا اُس پار سے

کیف الوصول الی سعاد و دونھا
قلل الجبال و دونھن حتوف[7]

— وراء وامام، سعاد تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے حالانکہ اس کے سامنے بلند چوٹیوں والے پہاڑ ہیں اور ان کے پیچھے موتیں ہیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۷/ ۸۶

[2] جلالین تحت الآیۃ ۳۷/ ۸۶ اصح المطابع ص ۳۷۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] القرآن الکریم ۷۲/ ۱۱

[5] القاموس المحیط باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۲۵

[6] صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۱۸۹ و ۱۹۴ و صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ ۱/ ۳۱۵ [7] ابجد العلوم علم التعابی فی الحروب ۲/ ۱۶۵

وفی الحدیث من قتل دون اھلہ فھو شھید[1] ای امامھم فی حفظھم والدفاع عنھم۔ وفی الحدیث لیس دونہ تعالٰی منتھی[2] ای وراءہ۔ وقد جمعھا قولہ فی الخمر ع؛ تریك القذی من دونھا وھی دونہ[3]

اور حدیث میں ہے جو اپنے اہل وعیال کے سامنے قتل کیا گیا وہ شہید ہے یعنی ان کے سامنے ان کا دفاع کرتے ہوئے۔ اور حدیث میں ہے اللہ تعالٰی سے آگے کوئی منتہی نہیں۔ (ت)

اور شراب سے متعلق شاعر کے قول نے ان معانی کو جمع کردیا ہے "یہ شراب تجھے دکھاتی ہے کہ تنکا اس کے آگے ہے اور وہ اس کے پیچھے ہے۔ (ت)

(۷) حقیر، ع:

ویقنع بالدون من کان دونا[4]

حقیر، حقیر چیز پر قناعت کرلیتا ہے وہ جو حقیر ہوتا ہے۔ (ت)

(۸) شریف،

حکاہ بعض النحاۃ وقال المجد علیہ ضد[5]

شریف، بعض نحویوں نے اس کو حکایت کیا ہے، اور مجد نے کہا کہ یہ پہلے معنٰی کی ضد ہے (ت)

(۹) نزدیک تر چیزے بہ نسبت مضاف الیہ۔

ووجد من دونھم امرأتین تذودٰن[6]

مضاف الیہ کی بہ نسبت زیادہ قریب چیز۔ اور اس نے ان مردوں کے قریب دو عورتوں کو دیکھا جو اپنے جانور روک رہی ہیں۔ (ت)

(۱۰) مقارب مضاف الیہ مکانا مکانۃ۔

مضاف الیہ کے قریب مکان ——

---

[1] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فیمن قتل دون مالہ فھو شھید الخ امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۷۰

[2] مجمع بحار الانوار باب الدال مع الواو تحت لفظ "دون" مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۲۱۶

[3] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[4] " " " " " " " " " "

[5] القاموس المحیط " " " " " مصطفی البابی مصر ۴/ ۲۲۵

[6] القرآن الکریم ۲۸/ ۲۳

ھذا ادونک[1] ای قریب۔ یہ تیرے قریب ہے(ت)

ظاہر ہے کہ معنی ۲، ۳، ۴ کو تو یہاں سے تعلق ہی نہیں۔ اور باقی معانی سب مخالفِ قرآن ہیں۔ قرآنِ عظیم یہ حصر فرماتا یہ چاہتا ہے کہ اللہ عزوجل کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر بقدرِ قدرت و وسعت و طاقت۔ اور یہاں یہ حصر ہوگا کہ اللہ سبحانہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے سوا، یا طاقت سے نیچے، یا طاقت کے اوپر، یا طاقت سے کم، یا طاقت سے اُس پار، یا طاقت سے اِس پار۔ اور یہی نیچے اور کم اور اس پار کا حاصل۔ دو معنی اخیر میں نکلے گا کہ ان پانچوں معنی میں منتہی تک نہ پہنچنا ملحوظ ہے۔ صحاح و صراح و مجمع البحار وغیرہا میں ہے[2]: معناہ تقصیر عن الغایۃ (اس کا معنی ہے کہ غایت تک نہ پہنچنا۔ ت) تو ان پانچوں کا حصر صریح مخالفِ قرآن ہے اور ان دو یعنی اوپر اور اُس پار کا شدید مناقض۔ اور سوا تو صراحۃً نقیضِ معنی قرآن ہے۔ والعیاذ باللہ۔ اور اگر تاویلات دور از کار کو گنجائش دی جائے تو ایہامِ معانی باطلہ نقد وقت ہے اور اسی قدر منع کے لئے بس ہے۔

فی ردالمحتار وغیرہ من معتمدات الاسفار مجرد ایھام المعنی المحال کاف فی المنع[3] واللہ سبحانہ اعلم۔

ردالمحتار وغیرہ معتمد کتابوں میں ہے کہ محض معنی محال کا ایہام ممانعت کے لئے کافی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم(ت)

---

[1] تاج العروس باب النون فصل الدال تحت لفظ "دون" داراحیاء التراث العربی بیروت ۹/ ۲۰۳

[2] مجمع البحار تحت لفظ دون ۲/ ۲۱۶ و الصحاح تحت لفظ دون ۵/ ۲۱۱۵

[3] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۵۳

رسالہ

الصمصام علٰی مشکک فی اٰیۃ علوم الارحام ۱۳۱۵

(کاٹنے والی تلوار اس شخص کی گردن پر جو علوم ارحام سے تعلق رکھنے والی آیتوں میں شک ڈالنے والا ہے)

مسئلہ ۲۵۸: از عظیم آباد پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مرسلہ مولانا مولوی قاضی محمد عبدالوحید صاحب حنفی فردوسی نہم جمادی الاولٰی ۱۳۱۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استفتاء

حضرت اقدس قبلہ وکعبہ مدظلہ دست بستہ تسلیم رسانی کے بعد التجا ہے ایک ضروری مسئلہ جلد اندر ہفتہ مدلل ومکمل عقلی ونقلی طور پر لکھ کر ایک مسلمان کی جان بلکہ ایمان کی حفاظت کیجئے، عنداللہ ماجور ہوں گے۔ ایک پادری تھا کہتا ہے کہ قرآن میں ہے پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور سے ہے یا اناث سے، حالانکہ ہم نے ایک آلہ نکالا ہے جس سے سب حال معلوم ہو جاتا ہے اور پتا ملتا ہے۔

کمترین خادمان
عبدالوحید حنفی الفردوسی منتظم تحفہ عفا اللہ تعالٰی عنہ

فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لایخفیٰ علیہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء، والصلوٰۃ والسلام علی خاتم الانبیاء، الاٰتی بکتاب مبین فیہ رحمۃ و شفاءٌ وماحظ الکٰفرین منہ الا نقمۃ وشقاء وعلیٰ اٰلہ وصحبہ البررۃ الاتقیاء، الذین ھم فی بطون امھاتھم سعداء ماجن جنینٌ فی ظلمٰتٍ ثلٰثٍ بین غشاء وغطاء، اٰمین!

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ وہ وہی ہے جو تمھاری صورت بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسے چاہے، اور درود وسلام ہو خاتم الانبیاء پر جو روشن کتاب لے کر تشریف لانے والے ہیں، جس میں رحمت وشفا ہے، کافروں کا اس سے سوائے انتقام اور بدبختی کے کچھ حصہ نہیں، اور آپ کے آل واصحاب پر جو نیک اور متقی ہیں اور وہ ماؤں کے پیٹوں میں سعادتمند ہوئے، جبکہ جنین تین تاریکیوں میں پڑے اور اندھیرے کے درمیان پوشیدہ رہے۔ آمین! (ت)

مولٰنا حامیِ سُنّت ماحیِ بدعت اکرمکم اللہ تعالیٰ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ جل وعلا سورۂ آل عمران شریف میں ارشاد فرماتا ہے:

ان اللہ لایخفی علیہ شیٔ فی الارض ولا فی السماء ۝ ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم[1] ۝

بیشک اللہ پر کوئی چیز چھپی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمھارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جیسا چاہے، کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی زبردست حکمت والا۔

سورۂ رعد شریف میں فرماتا ہے:

اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ

اللہ جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۶،۵

وما تغیض الارحام وما تزداد ط وکل شیئ عندہ بمقدار ○ علم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال ○[1]

اور جتنے سمٹتے ہیں پیٹ اور جتنے پھیلتے یا جو کچھ گھٹتے ہیں اور جو کچھ بڑھتے اور ہر چیز اس کے یہاں ایک اندازے سے ہے جاننے والا نہاں و عیاں کا سب سے بڑا بلندی والا۔

سورۂ حج شریف میں فرماتا ہے :

ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی[2]

اور ہم ٹھہرائے رکھتے ہیں مادہ کے پیٹ میں جو کچھ چاہیں ایک مقرر وعدے تک ۔

سورۂ لقمان شریف میں فرماتا ہے :

ان اللہ عندہ علم الساعۃ ج وینزل الغیث ج ویعلم ما فی الارحام ط وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ط ان اللہ علیم خبیر[3]

بیشک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت کا اور اتارتا ہے مینہ اور جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں ہے اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل کیا کرے گا اور کسی کو اپنی خبر نہیں کہ کہاں مرے گا بیشک اللہ ہی جاننے والا خبردار ہے ۔

اور سورۂ ملٰئکہ شریف میں فرماتا ہے :

واللہ خلقکم من تراب ثم من نطفۃ ثم جعلکم ازواجا ط وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمہ ط وما یعمر من معمر ولا ینقص من عمرہ الا فی کتٰب ط ان ذٰلک علی اللہ یسیر ○[4]

اللہ نے بنایا تمھیں مٹی سے پھر منی سے پھر کیا تمھیں جوڑے جوڑے اور نہیں گابھن ہوتی کوئی مادہ اور نہ جنے مگر اس کے علم سے اور نہ کوئی عمر والا عمر دیا جائے اور گھٹایا جائے اس کی عمر سے مگر یہ سب لکھا ہے ایک نوشتہ میں بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے ۔

سورہ حم السجدہ شریف میں فرماتا ہے :

الیہ یرد علم الساعۃ ط

اللہ ہی کی طرف پھیرا جاتا ہے علم قیامت کا

---

[1] القرآن الکریم ۱۳/ ۸ و ۹
[2] القرآن الکریم ۲۲/ ۵
[3] " " ۳۱/ ۳۴
[4] " " ۳۵/ ۱۱

وما تخرج من ثمرات من اکمامها وما تحمل من انثیٰ ولا تضع الا بعلمہٖ[1]

اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے غلاف سے اور نہ پیٹ رہے کسی مادہ کو اور نہ جنے مگر اس کی آگاہی سے۔

اور سورۂ والنجم شریف میں فرماتا ہے:

ھو اعلم بکم اذ انشأکم من الارض واذ انتم اجنۃ فی بطون امھٰتکم فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ[2]

اللہ خوب جانتا ہے تمھیں جب اس نے بنایا تم کو زمین سے اور جب تم چھپے ہوئے تھے ماں کے پیٹ میں، تو آپ اپنی جان کو ستھرا نہ کہو، اسے خوب خبر ہے کون پرہیزگار رہا۔

آیاتِ کریمہ میں مولیٰ سبحٰنہ وتعالیٰ اپنے بے پایاں علوم کے بیشمار اقسام سے ایک سہل قسم کا بہت اجمالی ذکر فرماتا ہے کہ ہر مادہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے سب کا سارا حال پیٹ[1] رہتے وقت اور اس سے پہلے اور[2] پیدا ہوتے[3] اور پیٹ میں رہتے[4] اور جو کچھ اس پر گزرا[5] اور گزرنے والا ہے[6] جتنی عمر پائے گا جو کچھ کام کرے گا جب[7] تک پیٹ میں رہے گا، اس[8] کا اندرونی بیرونی ایک ایک عضو ایک ایک پرزہ جو صورت دیا گیا جو دیا جائے گا ہر ہر رونگٹا جو مقدار مساحت وزن پائے گا۔ بچے[9] کی لاغری فربہی غذا، حرکت خفیفہ زائدہ، انبساط انقباض اور زیادت وقلتِ خون، طمث وحصول فضلات وہوا ورطوبات وغیرہا کے باعث آن آن پر پیٹ جو سمٹتے پھیلتے ہیں غرض ذرہ ذرہ سب اُسے معلوم ہے ان میں کہیں نہ تخصیص ذکورت وانوثت کا ذکر نہ مطلق علم کی نفی وحصر، تو یہ مہمل ومختل اعتراض پادر ہوا کہ بعض پادریان پادر بند ہوا کی تازہ گھڑت ہے اس کا اصل منشا معنی آیات میں بے فہمی محض یا حسب عادت دیدہ و دانستہ کلامِ الٰہی پر افترا، وتہمت ہے۔ قرآن عظیم نے کس جگہ فرمایا ہے کہ کوئی کبھی کسی مادہ کے حمل کو کسی طرح تدبیر سے اتنا معلوم نہیں کر سکتا کہ نر ہے یا مادہ۔ اگر کہیں ایسا فرمایا ہو تو نشان دو۔ اور جب یہ نہیں تو بعض وقت بعض اناث کے بعض حمل کا بعض حال بعض تدابیر سے بعض اشخاص نے بعد جہل طویل و عجز مدید کے بعض آلات بیجان کا فقیر و محتاج ہو کر اس فانی وزائل دیئے اصل لیے حقیقت نام کے ایک ذرہ علم و قدرت سے (کہ وہ بھی اسی بارگاہِ علیم وقدیر سے حصہ رسد چند روز سے چند روز کے لئے پائے

---

[1] القرآن الکریم ۴۱/ ۴۷

[2] " " ۵۳/ ۳۲

اور اب بھی اسی کے قبضہ واقتدار میں ہیں کہ بے اس کے کچھ کام نہ دیں) اگر صحرا سے ذرہ سمندر سے قطرہ معلوم کرلیا تو یہ آیاتِ کریمہ کے کس حرف کا خلاف ہوا، وہ خود فرماتا ہے:

یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم ولایحیطون بشیئ من علمہ الا بما شاء[1]
اللہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو کچھ پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے کسی چیز کو مگر جتنی وہ چاہے۔

تمام جہان میں روزِ اول سے ابدالآباد تک جس نے جو کچھ جانا یا جانے گا سب اسکے الا بما شاء کے استثناء میں داخل ہے جس کے لاکھوں کروڑوں سر بفلک کشیدہ پہاڑوں سے ایک نہایت قلیل و ذلیل و بمقدار ذرہ یہ آلہ بھی ہے، ایسا ہی اعتراض کرنا ہو تو بے گنتی گزشتہ و آئندہ باتوں کا جو علم ہم کو ہے اسی سے کیوں نہ اعتراض کرے جو صیغہ یعلم مافی الارحام میں ہے کہ اللہ تعالٰی جانتا ہے جو کچھ مادہ کے پیٹ میں ہے بعینہٖ وہی صیغہ یعلم مابین ایدیھم وماخلفھم میں ہے کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آئے گا اور جو کچھ گزرا۔ جب ان بے شمار علوم تاریخی و آسمانی ملنے میں کسی عاقل منصف کے نزدیک اس آیت کا کچھ خلاف نہ ہوا نہ تیرہ سو برس سے آج تک کسی پادری صاحب کو ان علوم کے باعث اس آیۂ کریمہ پر کتابی کا جوں اچھلا تو اب ایک ذرا سی آلیا نکال کر اس آیت کا کیا بگاڑ متصور ہوسکتا ہے، ہاں عقل نہ ہو تو بندہ مجبور ہے یا انصاف نہ ملے تو انکھیارا بھی کور ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ثم **اقول** وباللہ التوفیق (پھر میں کہتا ہوں اور توفیق اللہ سے ہے۔ ت) مفصلاً حق واضح کو واضح تر کروں۔ **اصل** یہ ہے کہ کسی علم کی حضرت عزت عزّوجل سے تخصیص اور اس کی ذاتِ پاک میں حصر اور اس کے غیر سے مطلقاً نفی چند وجہ پر ہے:

اوّل علم کا ذاتی ہونا کہ بذاتِ خود بے عطائے غیر ہو۔

دوم علم کا غنا کہ کسی آلہ وجارحہ و تدبیر و فکر و نظر و التفات و انفعال کا اصلاً محتاج نہ ہو۔

سوم علم کا سرمدی ہونا کہ ازلاً ابداً ہو۔

چہارم علم کا وجوب کہ کبھی کسی طرح اس کا سلب ممکن نہ ہو۔

پنجم علم کا ثبات واستمرار کہ کبھی کسی وجہ سے اس میں تغیّر و تبدّل فرق تفاوت کا امکان نہ ہو۔

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۵

ششم علم کا اقصیٰ غایات کمالات پر ہونا کہ معلوم کی ذات ذاتیات اعراض احوال لازمہ مفارقہ ذاتیہ اضافیہ ماضیہ آتیہ موجودہ ممکنہ سے کوئی ذرّہ کسی وجہ پر مخفی نہ ہوسکے۔

ان چھ وجہ پر مطلق علم حضرت احدیت جل وعلا سے خاص اور اس کے غیر سے قطعاً مطلقاً منفی یعنی کسی کو کسی ذرّہ کا ایسا علم جو ان چھ وجوہ سے ایک وجہ بھی رکھتا ہو حاصل ہونا ممکن نہیں جو کسی غیر الٰہی کے لئے عقول مفارقہ ہوں خواہ نفوس ناطقہ ایک ذرّے کا ایسا علم ثابت کرے یقیناً اجماعاً کافر مشرک ہے۔ ان تمام وجوہ کی طرف آیات کریمہ میں باطلاق کلمہ یعلم اشارہ فرمایا کہ یہاں علم کو مطلق رکھا اور مطلق فرد کامل کی طرف منصرف اور علم کامل بلکہ علم حقیقی حق الحقیقۃ وہی ہے جو ان وجوہ ستّہ کا جامع ہو اسی لحاظ پر ہے وہ جو قرآن عظیم میں ارشاد ہوا :

یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ماذا اجبتم قالوا لاعلم لنا [1]

جس دن اللہ عزّوجل رسولوں کو جمع کرکے فرمائیگا تمھیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں۔

کفار کے پاس ان محبوبان خدا صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہم کا تشریف لانا ہدایت فرمانا ان ملاعنہ کا تکذیب وانکار واصرار واستکبار و بیہودہ گفتار سے پیش آنا کسے نہیں معلوم مگر حضرات انبیاء عرض کریں گے لاعلم لنا ہمیں اصلاً علم نہیں، لانفی جنس کا ہے سلب مطلق فرمائیں گے یعنی وہی علم کامل کہ بحقیقت حقیقہ علم اسی کا نام ہے اصلاً اس کا کوئی فرد ہمیں حاصل نہیں، حق حقیقت تو یہ ہے جب اس سے تجاوز کرکے حقیقت عرفیہ یعنی مطلق دانستن کی طرف چلئے خواہ بالذات ہو یا بالغیر ہو غنی ہو یا محتاج سرمدی ہو یا حادث ابدی ہو یا فانی واجب ہو یا ممکن ثابت ہو یا متغیر تام ہو یا ناقص بالکنہ ہو یا بالوجہ باین معنی مطلق علم کہ ایک آدھ چیز کے جاننے سے بھی صادق زنہار مختص بحضرت عزت عزت عظمتہ نہیں، نہ معاذ اللہ قرآن عظیم نے ہرگز کہیں اس کا دعویٰ کیا بلکہ جس طرح معنیٔ اوّل کا غیر کے لئے اثبات کفر ہے اس معنے کی غیر سے نفی مطلق بھی کفر ہے کہ یہ خود صدہا نصوص قرآن عظیم بلکہ تمام قرآن عظیم بلکہ تمام ملل و شرائع وعقل ونقل وحس سب کی تکذیب ہوگی قرآن عظیم نے اپنے محبوبوں کے لئے بے شمار علوم عظیمہ ثابت فرمائے اور ان کے عطا سے منت رکھی۔

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۱۰۹

○ قال تعالیٰ وعلمك مالم تکن تعلمؕ وکان فضل اللہ علیك عظیما۔[۱]	(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) اور سکھا دیا اللہ نے تجھے اے نبی! جو تجھے معلوم نہ تھا اور اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔
○ وبشروہ بغلٰم علیم۔[۲]	اور فرشتوں نے ابراہیم کو مژدہ دیا علم والے لڑکے کا۔
○ وانہ لذو علم لما علمنٰہ۔[۳]	اور بیشک یعقوب علم والا ہے ہمارے علم عطا فرمانے سے۔
○ وعلم اٰدم الاسماء کلھا۔[۴]	سکھا دیئے آدم کو سب نام۔
○ واذکر عبٰدنا ابراھیم واسحٰق ویعقوب اولی الایدی والابصار۔[۵]	اور یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم و اسحٰق و یعقوب قدرت والوں اور علم والوں کو۔
○ یرفع اللہ الذین اٰمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔[۶]	بلند کرے گا اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان والوں کو اور ان کو جنھیں علم عطا ہوا درجوں میں۔

بلکہ عام بشر کو فرماتا ہے:

○ الرحمٰن ۝ علم القراٰن ۝ خلق الانسان ۝ علمہ البیان ۝[۷]	رحمان نے سکھایا قرآن، بنایا آدمی، اسے بتایا بیان۔
○ علم الانسان مالم یعلم۔[۸]	سکھایا آدمی کو جو نہ جانتا تھا۔
○ واللہ اخرجکم من بطون امھٰتکم لاتعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون ۝[۹]	اللہ نے نکالا تمھیں ماں کے پیٹ سے نرے ناداں اور دیئے تمھیں کان اور آنکھیں اور دل شاید تم حق مانو۔

---

[۱] القرآن الکریم ۴/ ۱۱۳
[۲] القرآن الکریم ۵۱/ ۲۸
[۳] 〃 〃 ۱۲/ ۶۸
[۴] 〃 〃 ۲/ ۳۱
[۵] 〃 〃 ۳۸/ ۴۵
[۶] 〃 〃 ۵۸/ ۱۱
[۷] 〃 〃 ۵۵/ ۱تا۴
[۸] 〃 〃 ۹۶/ ۵
[۹] 〃 〃 ۱۶/ ۷۸

بلکہ عام تر فرماتا ہے :

○ الم تر ان اللّٰہ یسبح لہ من فی السمٰوٰت والارض والطیر صٰفّٰت ط کل قد علم صلاتہ وتسبیحہ ط واللّٰہ علیم بما یفعلون○[1]

کیا تُو نے نہ دیکھا کہ اللہ کی پاکی بولتے ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں اور پرندے پرا باندھے سب نے جان لی ہے اپنی نماز وتسبیح، اور اللہ کو خوب خبر ہے جو وہ کرتے ہیں۔

تو کوئی اندھے سے اندھا بھی کسی آیت کا یہ مطلب نہیں کہہ سکتا کہ بایں معنی مطلق علم کو غیر سے نفی فرمایا ہے ہاں اس معنی پر علم مطلق غیر سے ضرور مسلوب، اور یہ وجہ ہفتم حصر وتخصیص کی ہے یعنی تمام موجودات وممکنات ومفہومات وذوات وصفات ونسب واضافات وواقعیات وموہومات غرض ہر شئی ومفہوم کو علم کا عام وتام ومحیط ومستغرق ہونا کہ غیر متناہی معلومات کے غیر متناہی سلاسل اور ہر سلسلے کے ہر فرد سے غیر متناہی علوم متعلق اور یہ سب نامتناہی نامتناہی نامتناہی علوم معاً حاصل ہوں جن کے احاطے سے کوئی فرد اصلاً خارج نہ ہو جیسے فرماتا ہے :

وان اللّٰہ قد احاط بکل شیئ علما[2]

بیشک اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہوا۔

اور فرماتا ہے :

عٰلم الغیب لایعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السمٰوٰت ولا فی الارض ولا اصغر من ذٰلک ولا اکبر الا فی کتٰب مبین○[3]

جاننے والا ہر چھپی چیز کا اس سے چھپی نہیں کوئی ذرہ بھر چیز آسمانوں میں نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے۔

ایسا علم بھی غیر کے لئے محال اور دوسرے کے واسطے اس کا اثبات کفر وضلال کما بیّنّاہ فی رسالتنا "مقامع الحدید علٰی خد المنطق الجدید" (جیسا کہ ہم نے اس کو اپنے رسالہ "مقامع الحدید علٰی خد المنطق الجدید" میں بیان کر دیا ہے۔ ت) مانحن فیہ میں مولٰی سبحانہ وتعالٰی نے اس وجہ ہفتم کی طرف اشارہ فرمایا کل انثٰی میں کلمۂ کل اور ما تحمل من انثٰی

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۴۱
[2] " " ۶۵/ ۱۲
[3] " " ۳۴/ ۳

میں نکرہ منفیہ پھر تاکید بہ من اور ما فی الارحام عموم ما اور لام استغراق سے وعلٰی ہذا القیاس۔
اب آلۂ محدثہ کی طرف چلئے، فقیر اس پر مطلع نہ ہوا، نہ کسی سے اس کا کچھ حال سنا، ظاہر ایسی صورت میسر نہیں کہ جنین رحم میں بحال وفی ظلمٰت ثلٰث[1] تین اندھیریوں میں رہے اور بذریعہ آلہ مشہود ہوجائے اس کا جسم بالتفصیل آنکھوں سے نظر آئے کہ بعد علوق فمِ رحم سخت منضم ہوجاتا ہے جس میں میل سرمہ بدقت جائے اور اس جائے تنگ وتار میں جنین محبوس ہوتا ہے وہ بھی یوں نہیں بلکہ خود اس پر تین غلاف اور چڑھے ہوتے ہیں ایک غشائے رقیق ملاقی جسم جنین جس میں اس کا فضلۂ عرق جمع ہوتا ہے اس پر ایک اور حجاب اس سے کثیف مسمّٰی بہ غشائے لفافی جس میں فضلۂ بول مجتمع رہتا ہے اس پر ایک اور غلافِ اکثف کہ سب کو محیط ہے جسے شیمہ کہتے ہیں، ایسی حالتوں میں بدن نظر آنے کا کیا محل ہے، تو ظاہراً آلے کا محصّل صرف بعض علامات وامارات ممیزہ منجملہ خواص خارجیہ کا بتانا ہوگا جن سے ذکورت وانوثت کا قیاس ہو سکے، جیسے رحم کی تجویف ایمن یا ایسر میں حمل کا ہونا یا اور بعض تجربیات کہ تازہ حاصل کئے گئے ہوں، اگر اسی قدر ہے جب تو کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی مجربین قیاسات فارقہ رکھتے تھے جیسے دہنی یا بائیں طرف جنین کا بیشتر جنبش، یا حاملہ کی پستانِ راست یا چپ کے حجم میں افزائش، یا سرہائے پستان میں سُرخی یا ادواہٹ آنا، یا رنگ رُوئے زن پر شادابی یا تیرگی چھانا، یا حرکاتِ زن میں خفت یا ثقل پانا، یا قارورے میں اکثر اوقات حمرت یا بیاض غالب رہنی، یا عورت کے خلافِ عادت بعض اطعمہ جیدہ یا ردیہ کی رغبت ہونی، یا پشم کبود میں زراندود مدقوق بعسل سرشتہ کا صبح علی الریق حمول اور ظہر تک مثل صائم رہ کر مزۂ دہن کا امتحان کہ شیریں ہوا یا تلخ، الی غیر ذٰلک مما یعرفہ اھل الفن ولکل شروط یراعیھا البصیر فیصیب الظن (اس کے علاوہ جس کو اہل فن جانتا ہے اور عقلمند تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہے تو گمان درست ہوتا ہے۔ ت)

اور عجائب صنع الٰہی جلت حکمۃ سے یہ بھی محتمل کہ کچھ ایسی تدابیر القا فرمائی ہوں جن سے جنین مشاہدہ ہی ہوجاتا ہو مثلاً بذریعہ قواسر پانچوں حجابوں میں بقدر حاجت کچھ توسیع وتفریج دے کر

عـــہ ہر سہ غشاہائے مذکورہ وفوق انہا زیر و بالا دو طبقۂ زہدان بر ہمدگر غلاف است ۱۲

تین مذکورہ پردے اور ان پر اوپر نیچے دو طبقے زہدکے ایک دوسرے پر غلاف ہیں ۱۲ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶

روشنی پہنچا کر کچھ شیشے ایسی اوضاع پر لگائیں کہ باہم تادیۂ عکوس کرتے ہوئے زجاج عقرب پر عکس لے آئیں یا زجاجات متخالفۃ الملا ایسی وضعیں پائیں کہ اشعۂ بصریہ کو حسب قاعدۂ معروفہ علم مناظر انعطاف دیتے ہوئے جنین تک لے جائیں جس طرح آفتاب کا کنارہ کہ ہنوز افق سے دور اور مقابلۂ نظر سے محجوب و مستور ہوتا ہے بوجہ اختلاف ملا و غلظت عالم نسیم ہمیں محاذات بصر سے پہلے ہی نظر آجاتا اور طلوع حقیقی سے طلوع مرئی کہ وہی ملحوظ فی الشرع ہے پیشتر ہوتا ہے یوں ہی جانب غروب بعد زوال محاذات و وقوع حجاب میں کچھ دیر تک دکھائی دیتا اور غروب مرئی معتبر فی الشرع غروب حقیقی کے بعد ہوتا ہے، ولہذا فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ، نے جب کبھی موامرات زیجیہ سے محاسبہ کیا اور اسے مشاہدۂ بصری سے ملایا ہے ہمیشہ نہار عرفی کو نہار نجومی پر اس سے بھی زائد پایا ہے جو طرفین طلوع و غروب میں تفاوت افقین حسی و حقیقی بحسب ارتفاع قامت معتدلۂ انسانی و تفاضل نیم قطر فاصل میان حاجت و مرکز کا مقتضٰی ہے نیز اسی لئے فقیر کا مشاہدہ ہے کہ قرص شمس تمام و کمال بالائے افق مشہور ہونے پر بھی ظلمت شب مطلع و مغرب میں نظر آتی ہے حالانکہ مخروط ظلی و شمس میں ہرگز نیم دور سے کم فصل نہیں اور اختلاف منظر آفتاب غایت قلت میں ہے کہ مقدار عشر قطر تک بھی نہیں پہنچتا۔ خیر کچھ بھی ہو ہم یہی صورت فرض کرتے ہیں کہ مجرد کسی امارت خارجہ کی بنا پر قیاس ہی نہیں بلکہ بذریعہ آلہ اعضائے جنین باچناں و چنیں حجابات و کمیں مشہود ہوجاتے ہیں بہرحال آخر تمام غشا و عنا ئے اعتراض مہمل صرف اس قدر کہ جو علم قرآن عظیم نے مولٰی سبحٰنہ و تعالٰی کے لئے خاص مانا تھا ہمیں اس آلے سے حاصل ہوجاتا ہے حالانکہ لا واللہ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا[1] کیا بڑا بول ہے جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ تو نہیں کہتے مگر جھوٹ۔ ہم پوچھتے ہیں اس آلے سے تم کو اتنا ہی علم دیا جو وجہ ہشتم عام و شامل میں ہے جس کا باری عزوجل سے خاص جاننا محال اور خود بحکم قرآن عظیم کفر و ضلال تھا جب تو اعتراض کتنا مالیخولیا اور کس درجہ کا جنون ہے کہ سرے سے مبنی ہی باطل و ملعون ہے اس قسم علم یعنی دانستن کو اگرچہ کیسا ہی ہو حضرت عزت عظمۃ سے قرآن عظیم نے کب خاص مانا تھا اس قسم کے کروڑوں علم عام انسان بلکہ حیوانات کو روزانہ ملتے رہتے ہیں اور قرآن عظیم خود غیر خدا کے لئے انھیں ثابت فرماتا ہے ایک اس کے ملنے میں کیا نئی شاخ نکلی کہ آیت الٰہی کا خلاف ہوگیا یہ بھی اسی علم الانسان مالم یعلم[2] (انسان کو سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا)

---

[1] القرآن الکریم ۱۸/ ۵

[2] القرآن الکریم ۹۶/ ۵

کے ناپیدا کنار صحراؤں سے ایک ذلیل ذرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا آدمی کو جو اسے معلوم نہ تھا‘ دیکھو ابھی تمھیں آیت سنا چکا ہوں کہ اللہ نے تمھیں نکالا ماں کے پیٹ سے نرے جاہل کہ کچھ نہ جانتے تھے پھر تمھیں عقل و ہوش و چشم و گوش دیئے کہ اس کا حق مانو‘ تم نے اچھا حق مانا کہ اسی کی برابری کرنے لگے‘ اور اگر یہ مقصود کہ اس سے تمھیں اُن سات وجوہِ مخصوصہ بحضرت باری عزوجل سے کسی وجہ کا علم مل گیا تو یہ اس سے بھی لاکھوں درجہ بدتر جنون ہے۔ کیا یہ علم تمھارا ذاتی ہے عطائے الٰہی سے نہیں؟ اہل کتاب کہلاتے ہو شاید ایسا خدائی دعوٰی تو نہ کرو۔ ابھی چند روز ہوئے تم اس آلے سے جاہل تھے اللہ عزوجل نے تمھیں تمھاری بساط کے لائق عقل دی‘ ریاضی سکھائی‘ دنیا کمانے کی راہ بتائی‘ تمھارے ذہن میں اس کا طریقہ ڈالا‘ آنکھیں ہاتھ جوارح دیئے جن کے ذریعہ سے کام کرسکو‘ جس چیز کا کوئی آلہ بناؤ اور جس چیز پر اسے استعمال میں لاؤ انھیں تمھارے لئے مسخر کیا اسباب مہیا کرکے تمھارے دل میں اس کا خیال ڈالا پھر تمھارے جوارح کو کام کی طرف مصروف فرمایا پھر محض اپنی قدرت کاملہ سے بنایا اور اس کا بننا تمھارے ہاتھوں پر ظاہر ہوا تم سمجھے ہم نے اپنی قدرت اپنے علم سے بنالیا اندھے ہمیشہ ایسا ہی سمجھا کرتے ہیں جو ظاہری سبب کے غلام اور حلقہ بگوش اور مسبب و خالق و عالم و قادر حقیقی سے غافل و بیہوش ہیں کذٰلک یطبع اللہ علٰی کل قلب متکبر جبار[1] (اللہ تعالیٰ یونہی مُہر کردیتا ہے متکبر سرکش کے سارے دل پر۔ ت) جیسے قارون ملعون جسے اللہ عزوجل نے بے شمار خزانے دیئے دنیا بھر کی نعمتیں بخشیں جب اس سے کہا گیا احسن کما احسن اللہ الیک[2] بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی‘ تو کافر کیا بکتا ہے انما اوتیتہ علٰی علم عندی[3] یہ تو مجھے ایک علم سے ملا ہے جو مجھے آتا ہے۔ پھر بدلا دیکھا کس مزے کا چکھا؛

فخسفنا بہ و بدارہ الارض فما کان لہ من فئۃ ینصرونہ من دون اللہ ق وما کان من المنتصرین[4]

دھنسا دیا ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں پھر نہ ہوئے اس کے کچھ یار کہ اُسے بچالیتے اللہ کی گرفت سے اور نہ وہ مدد لاسکا۔

اور اس علم کا غنی نہ ہونا خود بدیہی کہ ایک بے جان آلے کی بودگی پر ہے جب تک آلہ نہ تھا تو ڈاکٹر صاحب

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۳۵
[2] القرآن الکریم ۲۸/ ۷۷
[3] ؍؍ ؍؍ ۲۸/ ۷۸
[4] ؍؍ ؍؍ ۲۸/ ۸۱

کچھ نہ کہہ سکتے تھے کہ میم صاحب کے پیٹ میں مس میڈیم ہے یا باوا لوگ، ازلی ابدی واجب کیسے کہہ سکتے ہو جب تم خود ہی حادث فانی باطل ہو۔ ازلی بڑی چیز ہے ایامِ حمل ہی میں مدتوں اپنے جہل و عجز کا اقرار کرنا پڑے گا جب تک نطفہ صورت نہ پکڑے پانی کی بوند یا خون بستہ یا گوشت کا ٹکڑا ہے' ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹری کچھ نہیں چل سکتی کہ نر نظر آتا ہے یا مادہ۔ کیا تمہارا علم ثابت و ناقابل نقصان و زیادت ہے استغفر اللہ قبل مشاہدہ کی حالت کو مشاہدۂ اجمالی' مشاہدۂ اجمالی کو نظر تفصیلی' نظر تفصیلی بالائی کو نظر بعد تصریح عملی سے ملاؤ۔ حالتِ التفات و ذہول کا فرق دیکھو پھر طریانِ نسیان تو سرے سے ارتفاع ہے۔

کیا تمہارا علم کامل ہے، حاش للہ اضافات بتانے کی کیا قدرت کہ وہ غیر متناہی ہیں مثلاً اس کے بدن کا کوئی ذرہ لے لیجئے اور اس کی ماں کے بدن اور تمام اجسام عالم میں جتنے نقطے فرض کئے جا سکتے ہیں اس کے بدن کے ہر ذرے کا اس ہر نقطہ ارضی و سماوی و شرقی و غربی و جنوبی و شمالی و نزدیک و دور و موجود و حال و ماضی و استقبال سے بعد بتاؤ یہ لاتعد ولاتحصٰی خطوط جو ہر نقطۂ جسم جنین سے تمام نقاط عالم تک نکل کر بیحد و بیشمار زاویے بناتے آئے ہر زاویے کی مقدار ہی لو، نہ سہی یہی بتادو کتنے خطوط پیدا ہوں گے، نہ سہی یہی کہہ دو کہ تمام اجسام جہان میں کتنے نقطے نکلیں گے، نہ سہی اتنا ہی کہو کہ صرف جنین کے بدن میں کس قدر نقاط مانے جائیں گے اور جب یہ ادنیٰ علم جو علوم الٰہیہ متعلقہ بجنین کے کروڑہا کروڑ کے حصوں سے ایک حصہ بھی نہیں ایک جنین میں بھی اس قلیل کے اقل القلیل حصے کا جواب نہیں دے سکتے اگرچہ دنیا بھر کے ڈاکٹر و پادری اکٹھے ہو جاؤ تو باقی علوم کی کیا گنتی ہے حالانکہ واللہ العظیم یہ تمام علوم تمام نسبتیں تمام خطوط تمام نقاط تمام زاویے تمام مقادیر گزشتہ و موجودہ و آئندہ تمام جن و بشر و حیوانات کے تمام حملوں میں رب العزت آنِ واحد میں معاً تفصیلاً ازلاً ابداً جانتا ہے اور یہ اس کے بحار علوم سے ایک قطرہ بلکہ بے شمار یم سے ادنیٰ نم ہے اور یہ سب کا سب مع ایسے ایسے ہزارہا علوم کے جن کی اجناس کلیہ تک بھی وہم بشری نہ پہنچ سکے شمار افراد درکنار سب انھیں دو کلموں کی شرح میں داخل ہیں کہ یعلم ما فی الارحام جانتا ہے جو کچھ پیٹ میں ہے۔ تمہاری تنگ نظری کوتاہ فہمی دو لفظ دیکھ کر ایسے سستے سمجھ لئے کہ ایک آلے کی ناچیز و بے حقیقت ہستی پر علم ارحام کے مدعی بن بیٹھے، ہاں نسب و اضافات کو جانے دو کہ نامتناہی ہیں معدود و محدود ہی اشیاء بتاؤ اور وہ بھی کسی ایک جنین کی نسبت اور وہ بھی خاص اپنے گھر کے کہ آدمی کو گھر کا حال خوب معلوم ہوتا ہے اپنا اور اپنی جورو کا واقعہ تو خود اسی پر گزرا اس کے سامنے ہی گزرا اور اوپر سے مدد دینے کو آلہ موجود کوئی پادری صاحب آلہ لگا کر بولیں کہ جس وقت ان کی میم صاحب کو پیٹ رہا نطفہ کتنے وزن کا گرا تھا اس میں کتنے حیوان منوی تھے

گرتے وقت رحم کے کس حصہ پر پڑا، رحم میں کتنی دیر بعد کون سی محل ونقرہ میں مستقر ہوا، جب سے اب تک کتنا خونِ حیض اس کے کام آیا، یہ اصل نطفہ کس کس غذا کے کس کس کے جزء اور کتنے وزن کا فضلہ تھا وہ کہاں کی مٹی سے پیدا ہوئی تھی کھانے کے کتنی دیر بعد اس نے صورت نطفیہ اخذ کی تھی جب سے اب تک ایک ایک منٹ کے فاصلہ پر اس کی وزن و مساحت وہیأت میں کیا کیا اور کتنا کتنا تغیر ہوا، حوادث مذکورہ بالا کے باعث جب سے اب تک میم صاحبہ کی رحم شریف کے بار اور کتنی کتنی دیر کو اور کس کس قدر سمٹی پھیلی، بچہ کتنی دفعہ اور کس کس قدر اور کدھر کدھر کو پھرا یا، ہر جنبش پر وضع اعضا میں کیا کیا تغیر ہوا، یہی سب احوال اب سے پیدا ہونے تک کس کس طرح گزریں گے منٹ منٹ پر وضع و وزن و مساحت و مکان و حرکت و سکون وغذا و احوال جنین و رحم میں کیا کیا تغیرات ہوں گے، باوا لوگ رحم شریف میں کب تک بسیں گے، کس گھنٹے منٹ سکنڈ تھرڈ پر برآمد ہوں گے، پہلے کون سا عضو آگے بڑھائیں گے اس وقت کتنے فربہ کتنے دراز ہوں گے، دروازۂ برآمد کی وسعت کس مقدار مخصوص تک جاہیں گے، آسانی گزر کو کتنی رطوبت کی پچکاریاں ساتھ لائیں گے، آپ کئی بار زور لگائیں گے، میم صاحبہ سے کتنے کرائیں گے، کون سی چیخ پر باہر آئیں گے، برآمد بھی ہوں گے یا گھٹے ہی گر جائیں گے، جی بچے تو کیا عمر پائیں گے، کہاں کہاں بسیں گے، کیا کیا کھائیں گے، کس کس سن میں لونڈے پڑھائیں گے الی غیر ذلك مما لا یعد ولا یحصی (اس کے علاوہ جن کی گنتی اور شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ت)۔

واللہ کہ تمام عالم کی تمام ماضی وموجود ومستقبل حملوں رحموں کے ایک ایک ذرہ احوال مذکورہ و غیر مذکورہ گزشتہ وموجودہ وآئندہ کو رب العزت عزوجل کا علم ازلاً ابداً معاً تفصیلاً محیط ہے اور یہ سب انھیں دو پاک کلمہ یعلم مافی الارحام (جانتا ہے جو کچھ پیٹوں میں ہے۔ ت) کی شرح میں داخل۔ تم اپنے ہی گھر کے ایک ہی پیٹ کے مختصر احوال کے کروڑوں حصوں سے ایک حصہ کا بھی ہزارواں حصہ نہیں بتا سکتے اور عالم ارحام بلنے کے مدعی تم سہی ماضیہ وآتیہ کو بھی جانے دو صرف موجودہ ہی لو اور حالات میں بھی فقط موجودہ ہی پر قناعت کرو، کیا انھیں کو تمہارا علم عام ہے سبحان اللہ **اولاً** ان کا بھی علم بالفعل کہاں تمام عالم میں جتنے حمل اس وقت موجود ہیں سب کی گنتی تو کوئی بتا ہی نہیں سکتا سب کے حال پر اطلاع کجا۔ **ثانیاً** اچھا علم بالفعل سے بھی گزرو صرف بذریعۂ آلہ امکان علم ہی پر قناعت کرو کہ گو ہمیں کچھ معلوم نہیں مگر جو پاس آئے اور قدرت ملے تو آلہ لگا کر جان سکتے ہیں اگرچہ صاف ظاہر کہ یہ علم نہ ہوا نکھلا جہل واقرار جہل ہوا تاہم موجود حملوں میں آدمی کے حمل اور ہر گونہ جانور طیر و وحش وسباع و بہائم وہوام سب کے سب گابھ واخل، ذرا کوئی پادری صاحب آلہ آپ لگا کر یا کسی ڈاکٹر صاحب سے

ملوا کر بتائیں تو کہ چیونٹی کے پیٹ میں کے انڈے ہیں اُن میں کتنی چیونٹیاں کتنے چیونٹے ہیں۔ ایک چیونٹی کیا خفاش کے سوا سب پرند اور نیز مچھلیاں، سانپ، گرگٹ، گوہ، ناکا، سقنقور وغیرہا لاکھوں میں داخل نہ تھے۔
ثالثًا اور اتروں فقط بچے ہی والوں پر قناعت سہی کیا ان سب کے پیٹ آلے کے قابل ہیں۔
رابعًا خامسًا تا عاشرًا وغیرہ، اس سے بھی درگزروں فقط قابل آلہ بلکہ فقط انسان بلکہ فقط امریکا یا انگلستان بلکہ فقط پادریان بلکہ فقط پادری فلاں بلکہ ان کے گھر کا بھی فقط ایک ہی پیٹ بلکہ وہ بھی فقط اُسی وقت جب بچہ خوب بن لیا او راپنی نہایت تصویر کو پہنچ چکا اور وہ بھی فقط اتنی ہی دیر کے لئے جبکہ میم صاحبہ کے پیٹ میں آلہ لگا ہوا ہے کلام کروں اب تو لاکھوں عموم کے دریا سمٹ کر صرف بالشت بھر کی ایک ہی گھڑیا کی تلاش رہ گئی کیوں پادری صاحب کیا آپ کے ما فی الرحم میں صرف بچہ کا آلۂ تناسل داخل ہے کہ نر مادہ بتایا اور یعلم ما فی الارحام صادق آیا اس کے اعضائے اندرونی کیا رحم میں نہیں جنین کے دل و دماغ گردے شش سپرز مثانے تلّے امعا معدے رگ پٹھے عظم عضلے ایک ایک پرزے کا وزن مقدار مساحت طول عرض عمق فربہی لاغری کے اختلافات غرض سب حالات صحیح صحیح محقق مفصل نہ فقط شرابی کی زق زق یا اندھے کی اٹکل بیان کرو۔ اچھا جانے دو اندرونی اعضائے آلہ و آلہ پرست سب کورے کو رہیں بیرونی ہی سطح کا حصہ سہی۔ بولو مس میڈم جو پیٹ میں جلوہ آرا ہیں ان کے سر پر کتنے بال ہیں ہر بال کا طول کس قدر عرض کتنا، عمق کس قدر، وزن کتنا، جلد میں مسام کتنے ہیں، ہر سوراخ کے ابعاد ثلثہ کیا کیا ہیں، ان میں کتنے باہم ایک دوسرے سے $\frac{9}{12}$ کی نسبت رکھتے ہیں ہر ایک باقی سے کتنا متفاوت ہے بغل اور سینے اور ران اور پیر اور دونوں لب بالا چاروں لب زیرین وغیرہا جوڑوں وصلوں میں ہر ایک کا زاویہ کس حد و نہایت تک پھیل سکتا ہے۔ کے درجے دقیقے ثانیے عاشرے وغیرہا تک پہنچتا ہے دس تجاویف۱ ظاہرہ میں طبعًا

---

۱ پنج درنصف بالا صماخین ومنخرین ودہن و پنج درنصف زیریں ثقبۂ درقلۂ جبل الزہرہ کہ سرہ و ناف نامند وسہ درداماں از انہا دو دوارۂ الزہرہ کہ لبطر وقوف خوانندہ یکے پائینش کہ مہبل گویند کہ وپنجم فرجہ پسین ۱۲۔

۱ پانچ اوپر والے نصف میں، دو کانوں کے اندر دو ناک کے اندر اور ایک منہ۔ اسی طرح پانچ نیچے والے نصف میں، جبل الزہرہ کے بالائی حصہ میں سوراخ جسے سرہ اور ناف کہا جاتا ہے اور تین اس کے دامان میں ہیں جن میں سے دو دوارہ زہرہ میں جن کا نام لبطر اور قوف ہے اور نیچے کی طرف جسے مہبل کہتے ہیں اور پانچواں سوراخ پیچھے کی طرف ۱۲۔ (ت)

وقسرًا کہاں تک پھیلنے کی قابلیت ہے کہ اس سے ذرہ بھر قسر زائد واقع ہو تو قطعًا خارق ہو اور اس حد تک یقینًا تحمل کے قابل و لائق ہو تجاویف حاصلہ و تجاویف صالحہ میں ہر جگہ کتنا تفرقہ ہے ۔۔۔ الیٰ غیر ذٰلک من الاحوال الزاھرۃ فی السطوح الظاھرۃ (اس کے علاوہ روشن احوال ظاہر سطحوں میں ۔ت) یہ تمام تفاصیل تو یعلم ما فی الارحام کے لاکھوں سمندروں سے ایک خفیف قطرہ بھی نہیں اسی کو بتادو۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ اعدّت للکٰفرین[1] پھر اگر نہ بتاؤ اور ہرگز نہ بتا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن ہیں آدمی اور پہاڑ، تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔

بالجملہ اس اعتراض کی ایک بہت ناقص نظیر یہ ہوسکتی ہے کہ بادشاہِ تمام روئے زمین اپنی مدح کرنے میں ہوں مالک خزائن عامرہ میں ہوں صاحب اموالِ متکاثرہ، میرے لئے ہیں بلاد وقرے کے محصول، پہاڑوں کے حاصل، صحراؤں کی کانیں، دریاؤں کے محاصل۔ یہ سُن کر ایک بے ادب گستاخ فقیر قلاش گداگر بے معاش لُنجھا لولا، اندھا، ہیولی چوتڑوں کے بل گھسٹتا بادشاہ ہی کے کسی گاؤں میں بادشاہ ہی کی رعیت سے ہاتھ پاؤں جوڑ کر بادشاہ ہی کے دیئے ہوئے مال سے ایک پھوٹی کوڑی مانگ لائے اور سربازار تالیاں بجائے کہ لیجئے بادشاہ تو اپنے ہی آپ کو مالک خزائن واموال ومحاصل معادن وبحار وجبال بتاتا تھا یہ دیکھو مدتوں مصیبت جھیل کر پاپڑ بیل کر ہم نے بھی ایک کانی کوڑی پائی ہے کیوں ہم بھی مالک خزائن ومحاصل بحار ہوئے یا نہیں مسلمانو نہ فقط مسلمانو ہر قوم کے عاقلو کیا اس اندھے کا ہلکا سا لقب مجنون نہ ہوگا کیا اس سے نہ کہا جائے گا کہ او بے عقل اندھے کیا بادشاہ نے کہیں یہ فرمایا تھا کہ ہمارے خزانہائے عامرہ کے سوا ممکن نہیں کسی کے پاس کوئی پھوٹی کوڑی نکل سکے اگرچہ ہماری عطا کی ہوئی ہو، حاشا للہ سلطان نے تو جابجا صاف فرمادیا ہے کہ ہم نے اپنی رعایا کو بہت اموال کثیرہ عطایائے عزیزہ انعام فرمائے ہیں اور ہمیشہ فرمائیں گے، ہاں اصل مالک ہمارے سوا کوئی نہیں نہ ہمارے برابر کسی کا خزانہ ہو، او مجنون اندھے! کیا یہ بھیک کی کوڑی لاکر تو اس کا ذاتی مالک بے عطائے سلطان ہوگیا یا اس پھوٹی کوڑی سے تیرا مال خزائن شاہی کے برابر ہولیا

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۲۴

اور جب کچھ نہیں تو کس ملعون بنا پر فرمان شاہی کی تکذیب کرتا اور قہر جبار قہار سے نہیں ڈرتا ہے۔ ہاں ہاں یہ پادری معترض اس اندھے سے بھی بہت بدتر حالت میں ہے اندھا فقیر اور وہ بادشاہ کبیر دونوں ان باتوں میں کانٹے کی تول برابر ہیں کہ دونوں مالک بالذات نہیں، دونوں مالک حقیقی نہیں، دونوں کی ملک مجازی حادث، دونوں کی ملک فانی زائل، دونوں حقیقت میں نرے محتاج، دونوں بے شمار خزائن سے مجازًا بھی مالک نہیں، پھر اس کوڑی کو اس کے خزائن سے ایک نسبت ضرور کہ دونوں محدود اور ہر متناہی کو دوسرے متناہی سے کچھ نسبت ضرور دے سکتے ہیں اگرچہ نسبت نما میں ہزار صفر لگا کر، بخلاف علم حقیقی خالق و علم اسمی مخلوق جن میں اصلاً کوئی تناسب ہی نہیں وہ ذاتی یہ عطائی، وہ غنی یہ محتاج، وہ ازلی یہ حادث، وہ ابدی یہ فانی، وہ واجب یہ ممکن، وہ ثابت یہ متغیر، وہ کامل یہ ناقص، وہ محیط یہ قاصر، وہ ازلاً ابدًا نامتناہی در نامتناہی در نامتناہی، یہ ہمیشہ ہر وقت معدود و محدود، پھر متناہی کو نامتناہی سے کوئی نسبت بتا ہی نہیں سکتے کہ یہ اس کا فلاں حصہ ہے، بھلا اُس اندھے کو تو ہر عاقل مجنون کہتا، ان اندھوں کو کیا کہا جائے، یہ تو مجنون سے بھی کئی لاکھ درجے بدتر ہوئے، اور اندھے پن میں بھی اس سے کہیں بڑھ کر، اس کی آنکھیں تو باقی ہیں اگرچہ بے نور ہیں، یہاں آنکھوں کا نشان تک نہیں، ہاں ہاں کان سی آنکھیں یہ دو چلتی کوڑیاں نہیں خرد خوک سب کے منہ پر لگی ہوتی ہیں بلکہ جیسے کی جنھیں قرآن عظیم میں فرماتا ہے،

فانہا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور[1]

تو ہے یوں کہ ان کافروں کی آنکھیں اندھی نہیں وہ دل اندھے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

والعیاذ باللہ رب العٰلمین ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ خیر کسی کافر سے کیا شکایت مجھے تو ان ناسمجھ مسلمانوں سے تعجب آتا ہے جو مہمل و بیمعنے شکوک واہیہ سُن کر متحیر ہوتے ہیں، سبحان اللہ اللہ اللہ اللہ اللہ کہاں اللہ رب السمٰوٰت والارض عالم الغیب والشہادۃ سبحنہ وتعالٰی اور کہاں کوئی بے تمیز بونگا ہیولی بیلنقہ ناپاک ناشستہ کھڑے ہو کر مُوتنے والا ع

ببیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

(دیکھا کر تُو نے کس سے قطع تعلق کیا اور کس کے ساتھ منسلک ہوا ہے۔ ت)

خدارا انصاف، وہ عقل کے دشمن دین کے رہزن جنم کے کودن کہ ایک اور تین میں فرق نہ جانیں، ایک خدا کے تین مانیں، پھر ان تینوں کو ایک ہی جانیں، بے مثل بے کفو کے لئے جورو بتائیں، بیٹا ٹھہرائیں اسکی

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۴۶

پاک باندی ستھری کنواری پاکیزہ بتول مریم پر ایک بڑھئی کی جورو ہونے کی تہمت لگائیں پھر خاوند کی حیات خاوند کی موجودگی میں بی بی کے جو بچہ ہوا اسے دوسرے کا گائیں، خدا کا بیٹا ٹھہرا کر ادھر کافروں کے ہاتھ سے سولی دلوائیں، ادھر آپ اس کے خون کے پیاسے بوٹیوں کے بھوکے روٹی کو اس کا گوشت بنا کر دررچبائیں، شراب ناپاک کو اس پاک معصوم کا خون ٹھہرا کر غٹ غٹ چڑھائیں، دنیا یوں گزری اُدھر موت کے بعد کفارے کو اسے بھینٹ کا بکرا بنا کر جہنم بھجوائیں، لعنتی کہیں ملعون بنائیں، اے سبحان اللہ اچھا خدا جسے سولی دی جائے، عجب خدا جسے دوزخ جلائے۔ طرفہ خدا جس پر لعنت آئے جو بکرا بنا کر بھینٹ دیا جائے، اے سبحان اللہ باپ کی خدائی اور بیٹے کو سولی، باپ خدا بیٹا کس کھیت کی مولی، باپ کی جہنم کو بیٹے ہی سے لاگ، سرکشوں کو چھٹی بے گناہ پر آگ، امتی ناجی رسول ملعون، معبود پر لعنت بندے مامون۔ تف تف وہ بندے جو اپنے ہی خدا کا خون چکھیں اسی کے گوشت پر دانت رکھیں، اُف اُف وہ گندے جو انبیاء ورسل پر وہ الزام لگائیں کہ بھنگی چمار بھی جن سے گھن کھائیں سخت فحش بیہودہ کلام گھڑیں اور کلام الٰہی ٹھہرا کر پڑھیں، زہ زہ بندگی خہ خہ تعظیم بہ بہ تہذیب قہ قہ تعلیم (مثال کے لئے دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ یسعیاہ نبی کی کتاب باب ۲۳ ورس ۱۵ تا ۱۸[1]) خدا کا معاذ اللہ زنا کی خرچی کو مقدس ٹھہرانا اور اپنے مقربوں کے لئے اسے چن رکھنا کہ کھائیں اور مستائیں۔ ایضاً کتاب پیدائش باب ۱۹ ورس ۳۰ تا ۳۸[2] سیدنا لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاذ اللہ اپنی دختروں سے

ع۱ وہ عبارت یہ ہے (۱۵) اس دن ایسا ہوگا کہ صور کسی بادشاہ ایام کے مطابق ستر برس تک فراموش ہو جائیں گی، اور ستر برس کے پیچھے صور کو چھنال کے مانند گیت گانے کی نوبت ہوگی۔ (۱۶) او چھنال جو کہ فراموش ہو گئی ہے بربط اٹھا لے اور شہر میں پھر اکر تار کو خوب چھیڑ اور بہت سی غزلیں گاتا کہ تجھے یاد کریں (۱۷) کیونکہ ستر برس کے بعد ایسا ہوگا کہ خداوند صور کی خبر لینے آئے گا اور پھر وہ خرچی کے لئے جائے گی اور روئے زمین کی ساری مملکتوں سے زنا کرے گی (۱۸) لیکن اس کی تجارت اور اس کی خرچی خداوند کے لئے مقدس ہوگی اس کا مال ذخیرہ نہ کیا جائے گا اور رکھ چھوڑا جائے گا بلکہ اس کی تجارت کا حاصل ان کے لئے ہوگا جو خداوند کے حضور رہتے ہیں کہ کھا کے سیر ہوں اور نفیس پوشاک پہنیں۔

ع۲ (۳۰) لوط اپنی دونوں بیٹیوں سمیت پہاڑ پر جا رہا (۳۱) پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا (۳۲) آؤ ہم باپ کو مے پلائیں اور اس سے ہم بستر ہوں (۳۳) پہلوٹھی اندر گئی اور اپنے باپ سے ہم بستر ہوئی۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

زنا کرنا بیٹیوں کا باپ سے حاملہ ہو کر بیٹے جننا۔ ایضاً کتاب دوم اشمویل نبی باب ۱۱ ورس[1] ۲ تا ۵
سیدنا داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ہمسایے کی خوبصورت جورو کو ننگی نہاتے دیکھ کر بلانا اور معاذ اللہ اس سے زنا کر کے پیٹ رکھانا، ایضاً کتاب حزقیل نبی باب ۲۳ ورس[2] یکم تا ۲۱ معاذ اللہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
(۳۴) دوسرے روز پہلوٹھی نے چھوٹی سے کہا دیکھ کل رات میں اپنے باپ سے ہمبستر ہوئی آؤ آج رات بھی اس کو مے پلائیں اور تو بھی جا کے اس سے ہم بستر ہو (۳۵) سو اس رات چھوٹی اس سے ہمبستر ہوئی (۳۶) سو لوط کی دونوں بیٹیاں اپنے باپ سے حاملہ ہوئیں (۳۷) اور بڑی ایک بیٹا جنی اس کا نام موآب رکھا وہ موآبیوں کا جواب تک ہیں باپ ہو (۳۸) اور چھوٹی بھی ایک بیٹا جنی اس کا نام بنی عمی رکھا وہ بنی عمون کا جواب تک ہیں باپ ہوا اھ مختصراً ۱۲۔

ع[1] (۲) ایک دن شام کو داوٗد چھت پر ٹہلنے لگا وہاں سے اس نے ایک عورت کو دیکھا جو نہا رہی تھی اور وہ عورت نہایت خوبصورت تھی (۳) تب داوٗد نے اس عورت کا حال دریافت کرنے آدمی بھیجے انھوں نے کہا حتی اوریاہ کی جورو (۴) داوٗد نے لوگ بھیج کے اس عورت کو بلا لیا اور اس سے ہمبستر ہوا وہ اپنے گھر چلی گئی (۵) اور وہ عورت حاملہ ہو گئی سو اس نے داوٗد کے پاس خبر بھیجی کہ میں حاملہ ہوں اھ مختصراً۔

ع[2] (۱) خداوند کا کلام مجھے پہنچا اس نے کہا (۲) اے آدم زاد! دو عورتیں تھیں جو ایک ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئیں (۳) انھوں نے مصر میں زناکاری کی وے اپنی جوانی میں یار باز ہوئیں وہاں ان کی چھاتیاں ملی گئیں ان کی بکر کے پستان چھوئے گئے (۴) ان میں بڑی کا نام اہولہ اور اس کی بہن اہولیبہ اور وے میری جورواں ہوئیں (۵) اہولیہ جن دنوں میں میری تھی چھنالا کرنے لگی اور اسوریوں پر عاشق ہو گئی (۶) وے سرلشکر اور حاکمان تھے دلپسند جوان ارغوانی پوشاک (۷) اس نے ان سب کے ساتھ چھنالہ کیا (۸) اس نے ہرگز اس زناکاری کو جو اس نے مصر میں کی تھی نہ چھوڑا کیونکہ انھوں نے اس کی بکر کی پستانوں کو ملا تھا اور اپنی زنا اس پر انڈیلی تھی (۹) اس لئے میں نے اس کے یاروں کے ہاتھ میں ہاں اسوریوں کے ہاتھ میں جن پر وہ مرتی تھی کر دیا (۱۰) انھوں نے اس کو بے ستر کیا (۱۱) اس کی بہن اہولیبہ نے یہ سب کچھ دیکھا پر وہ شہوت پرستی میں اس سے

(باقی بر صفحہ آئندہ)

خدا کی ۲دو جوروں کا قصہ اور سخت شرمناک الفاظ میں ان کی بیحد زناکاریوں سے شہوت رانیوں کا تذکرہ نیا عہدنامہ پولس رسول کا خط گلیتوں کو باب ۳ ورس ۱۳ نصاری کے یسوع مسیح مصنوع کا ملعون ہونا الیٰ غیر ذلک مما لا یعد ولا یحصے۔

اٰمنّا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسٰی وعیسٰی وما اوتی النبیون من ربھم لا نفرق بین

ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و یعقوب اور ان کی اولاد پر، اور جو عطا کئے گئے موسیٰ و عیسیٰ اور جو عطا کئے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں کسی پر ایمان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

بدتر ہوئی، اس نے اپنی بہن کی زناکاری سے زیادہ زناکاری کی (۱۲) وہ بنی اسور جو اس کے ہمسایہ تھے جو بھڑکیلی پوشاک پہنتے اور گھوڑوں پر چڑھتے اور دل پسند جوان تھے، عاشق ہوئی (۱۳) اور میں نے دیکھا کہ وہ بھی ناپاک ہوگئی (۱۴) بلکہ اس نے زناکاری زیادہ کی کیونکہ جب اس نے دیوار پر مردوں کی صورتیں دیکھیں کسدیوں کی تصویریں شنگرف سے کھچی تھیں (۱۵) کمروں پر پٹکے کسے سروں پر اچھی رنگین پگڑیاں (۱۶) تب دیکھتے ہی وہ ان پر مرنے لگی اور قاصدوں کو ان کے پاس بھیجا (۱۷) سو بابل کے بیٹے اس پاس آکے عشق کے بستر پر چڑھے اور انھوں نے اس سے زنا کرکے اسے آلودہ کیا اور جب وہ ان سے ناپاک ہوئی تو اس کا جی ان سے پھر گیا (۱۸) تب اس کی زناکاری علانیہ ہوئی اور اس کی برہنگی بے ستر ہوئی تب جیسا میرا جی اس کی بہن سے ہٹ گیا تھا ویسا میرا دل اس سے بھی ہٹا (۱۹) تسپر بھی اس نے اپنی جوانی کے دنوں کو یاد کرکے جب وہ مصر کی زمین میں چھنالا کرتی تھی زناکاری پر زناکاری کی (۲۰) سو وہ پھر اپنے ان یاروں پر مرنے لگی جن کا بدن گدھوں کا سا بدن اور جن کا انزال گھوڑوں کا سا انزال تھا (۲۱) اس طرح تو نے اپنی جوانی کی شہوت پرستی کہ جس وقت مصری تیری جوانی کے پستانوں کے سبب تیری چھاتیاں ملتے تجھے یاد دلائی اھ ملخصاً۔

ع۲ مسیح نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کہ وہ ہمارے بدلے میں لعنت ہوا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکا دیا گیا سو لعنتی ہے ۱۲۔

احد منهم ۡ ونحن لہ مسلمون[1]

ہیں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھے ہیں۔ (ت)

الالعنۃ اللہ علی الظالمین ۝ الذین یصدون عن سبیل اللہ و یبغونہا عوجاً وھم بالاٰخرۃ ھم کفرون ۝[2]

ارے ظالموں پر خدا کی لعنت، جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں۔ (ت)

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون ۝[3]

وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

فویل للذین یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلاً فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون ۝[4]

تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، تو خرابی ہے ان کے لئے ان کے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے۔ (ت)

اللہ اللہ یہ قوم یہ سرا سر لوم یہ لوگ جنھیں عقل سے لاگ جنھیں جنون کا روگ، یہ اس قابل ہوئے کہ خدا پر اعتراض کریں اور مسلمان ان کی لغویات پر کان دھریں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (بیشک ہم اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور نہیں ہے گناہ سے بچنے کی طاقت اور نہ نیکی کرنے کی قوت مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے جو بلندی وعظمت والا ہے۔ ت) یہ پہلی اپنی ساختہ بائبل تو سنبھالیں تا بہ اعتراض بار ارادہ اس پر سے اٹھالیں، انگریزی میں ایک مثل کیا خوب ہے کہ شیش محل کے رہنے والو پتھر پھینکنے کی ابتدا نہ کرو یعنی رب جبار قہار کے محکم قلعوں کو تمہاری کنکریوں سے کیا ضرر پہنچ سکتا ہے مگر ادھر سے ایک پتھر بھی آیا تو حجارۃ من سجیل (کنکر کا پتھر۔ ت) کا سماں کعصف ماکول (کھائی ہوئی کھیتی۔ ت)

---

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۳۶
[2] " " ۱۱/ ۱۸ و ۱۹
[3] " " ۱۰/ ۶۹
[4] " " ۲/ ۷۹

کا مزہ چکھا دے گا۔

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون[1] واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین والصلٰوۃ والسلام علی خاتم النبیین سیدنا ومولانا محمد واٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین۔

اور اب جانا چاہتے ہیں ظالم کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔ اور ہماری دُعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں سراہا اللہ ہے جو رب ہے سارے جہانوں کا۔ اور درود وسلام ہو آخری نبی پر جو ہمارے آقا ومولا محمد مصطفٰے ہیں اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔ آمین! (ت)

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰے النبی الامی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

رسالہ

الصمصام علی مشکك فی اٰیۃ علوم الارحام

ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۶/ ۲۲۷

مسئلہ ۲۵۹: از ملک بنگال ضلع فریدپور موضع پٹورا کاندے مرسلہ محمد شمس الدین صاحب

قرآن پاک میں لایموت فیھا ولا یحیٰی[1] (نہ اس میں جئیں گے اور نہ مریں گے۔ت) اہل نار کی حالت لکھی ہے حالانکہ انسان کو حیات یا ممات کا ہونا ضروری ہے، پس بعد اثبات وجود کے ارتفاع نقیضین کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

الجواب

قرآن عظیم محاورہ عرب پر اترا ہے،

قال اللہ تعالٰی فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون[2]

اللہ تعالٰی نے فرمایا: تو آسمان اور زمین کے رب کی قسم بیشک یہ قرآن حق ہے ویسی ہی زبان میں جو تم بولتے ہو۔ (ت)

اور عرب بلکہ تمام عرب و عجم کا محاورہ ہے کہ ایسی کرب شدید و مصیبت مدید کی زندگی کو یوں ہی کہتے ہیں کہ نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں نہ زندوں میں نہ مردوں میں' لاحی فیرجی ولا میت فیرثی (نہ زندہ ہے کہ امید رکھی جائے اور نہ مُردہ ہے کہ مرثیہ کہا جائے۔ت) اس کا بیان دوسری آیت کریمہ میں ہے کہ:

یاتیہ الموت من کل مکان وما ھو بمیت[3]

اسے ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں۔

یاتیہ الموت من کل مکان یہ "لا یحیٰی" ہوا اور ما ھو بمیت یہ "لایموت فیھا" ہوا، اور موت و حیات نقیضین نہیں کہ انسان نہ موت ہے نہ حیات، بلکہ ان میں تقابل تضاد ہے اگر موت وجودی ہے اور عدم وملکہ اگر عدمی۔

والاول ھو الصحیح عندی الظاھر قولہ تعالٰی خلق الموت والحیٰوۃ[4] ولحدیث

اور اول ہی میرے نزدیک صحیح ہے اللہ تعالٰی کے ظاہر فرمان کی وجہ سے کہ اس نے موت اور

---

[1] القرآن الکریم ۲۰/ ۷۴ و ۸۷/ ۱۳
[2] " " ۵۱/ ۲۳
[3] " " ۱۴/ ۱۷
[4] " " ۶۷/ ۲

ذبح الکبش یوم القیٰمۃ[1] ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

حیات کو پیدا کیا، اور قیامت کے دن مینڈھے کو ذبح کرنے والی حدیث کی وجہ سے۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۲۶۰ ازمیرٹھ چار دروازہ لنگر کی مسجد مکان جناب قاری مولوی محمد اسحاق صاحب مسئولہ محمد یعقوب صاحب ۳ شعبان ۱۳۲۱ھ

آیت فلما اخذتھم الرجفۃ[2] (جب ان کو رجفہ نے پکڑا۔ ت) میں ایک شخص رجفہ کے معنی "کڑکڑانے" کے کہتا ہے اور ایک شخص کہتا ہے کڑکڑانے کے معنی نہیں ہیں بلکہ رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں۔ جلالین شریف میں اور دیگر تفاسیر میں اور لغت کی کتابوں میں رجفہ کے معنی زلزلہ کے ہیں کڑکڑانے کے نہیں ہوسکتے۔ وہ شخص پہلا یہ کہتا ہے کہ درایت اسی کو چاہتی ہے کہ رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہوں اور یہی ہیں کیونکہ ان کا کڑکڑانا عذاب کا سبب ہوا تھا اس واسطے رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے ہیں۔ اب عرض یہ ہے کہ پہلے کا قول صحیح ہے جو رجفہ کے معنی کڑکڑانے کے کرتا ہے یا ثانی کا جواب کہ معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اور پہلا شخص من فسر برائہ[3] (جس نے اپنی رائے سے تفسیر کی۔ ت) کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور رجفہ کے معنی زلزلہ کے کہتا ہے صحیح ہے؟ اہلسنت وجماعت کے موافق جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

رجفہ کے معنی میں یہ کڑکڑانا محض باطل وبے اصل ہے جس پر نہ لغت شاہد نہ تفسیر، تو یہ ضرور تفسیر بالرائے ہے اور اس کا حصر کرنا کہ یہی ہیں حضرت عزت پر افترا، اور اس کا استدلال کہ وہ سبب استدلال آیت میں دوسری تحویل اور لفظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف تبدیل ہے کہ اخذ عذاب حقیقت ہے اور سبب کی طرف اسناد مجاز یا بحذف مضاف تقدیر وبال کیجائے، بہرحال محض بلاوجہ بلکہ بلامجال وحی عدول بہ مجاز ہے کہ باطل وناجائز ہے۔ اسی قصہ میں دوسری

---

[1] روح البیان تحت الآیۃ وفدیناہ بذبح عظیم ۲۳/ ۴۷۰ ومرقاۃ المفاتیح تحت الحدیث ۵۵۹۱، ۹/ ۵۵۵

[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۵۵

[3] جامع الترمذی ابواب التفسیر باب ماجاء فی الذی یفسر القرآن برایہ امین کمپنی دہلی ۲/ ۱۱۹
احیاء العلوم کتاب آداب تلاوۃ القرآن الباب الرابع مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۱/ ۲۸۹

جگہ فاخذتکم الصاعقۃ[1] (تو تم کو صاعقہ نے پکڑا۔ ت) فرمایا ہے صاعقہ کے معنی میں بھی اسی دلیل سے یہی کڑکڑانا ہوگا بلکہ جہاں جہاں قرآن عظیم نے اقوال کفار پر نار یا حمیم یا غساق وغیرہا کا ذکر فرمایا ہے ان سب کے معنی میں یہی کڑکڑانا آئے گا کہ یہی اس عذاب کا سبب ہوا ایسی بات علم تو علم عقل سے بعید ہے۔ وھو سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۶۱: از احمد آباد گجرات دکن محلہ جمالپور مرسلہ مولوی عبدالرحیم صاحب ۱۵ رجب ۱۳۳۶ھ

اخرج محمد بن جریر الطبری عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی یأتی قبور الشھداء علٰی رأس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار و ابوبکر وعمر وعثمٰن۔

محمد بن جریر طبری نے محمد بن ابراہیم سے تخریج کی کہ نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ اسی طرح ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی کرتے تھے۔ (ت)

یہ روایت تفسیر ابن جریر میں اور تفسیر درمنثور میں اور تفسیر کبیر میں کس آیت کی تفسیر میں ہے؟

الجواب

درمنثور جلد ۴ صفحہ ۵۸:

اخرج ابن المنذر و ابن مردویہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کان یأتی اُحُدًا کل عام فاذا تفوہ الشعب سلم علٰی قبور الشھداء فقال سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

ابن منذر اور ابن مردویہ رضی اللہ تعالٰی عنہما نے سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال اُحد میں تشریف لاتے تھے جب گھاٹی کی فراخی میں داخل ہوتے تو قبور شہداء پر سلام کہتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۵۵

وابوبکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم [1]

سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (ت)

ابن جریر جلد ۱۳ ص ۸۴:

حدثنی المثنی ثنا سوید قال اخبرنا ابن المبارک عن ابراھیم بن محمد عن سھیل بن ابی صالح عن محمد بن ابراھیم قال کان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار وابوبکر وعمر وعثمٰن رضی اللہ تعالٰی عنہم [2]

مجھے مثنٰی نے بحوالہ سوید حدیث بیان کی۔ سوید نے کہا ہمیں ابن المبارک نے خبر دی، انھوں نے ابراہیم بن محمد سے، انھوں نے سہیل بن ابوصالح سے، انھوں نے محمد بن ابراہیم سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہداء کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: تم پر سلامتی ہو تمھارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے (ت)

تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۲۹۵:

عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ کان یأتی قبور الشھداء رأس کل حول فیقول السلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفاء الاربعۃ ھٰکذا کانوا یفعلون رضی اللہ تعالٰی عنہم [3]۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے، سلامتی ہو تم پر تمھارے صبر کا بدلہ تو آخرت کا گھر کیا ہی خوب ملا۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (ت)

تفسیر نیشاپوری جلد ۱۳ ص ۹۲:

وروی عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

نبی انور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر سال کے

---

[1] الدر المنثور تحت آیت ۱۳/ ۲۴ دار احیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۶۸-۶۷

[2] جامع البیان (تفسیر ابن جریر) " " المطبعۃ المیمنۃ مصر ۱۳/ ۸۴

[3] مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) " " " " ۱۹/ ۴۵

انه کان یأتی قبور الشھداء علی رأس کل حول فیقول سلٰم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار[1]۔ فقط

اختتام پر شہیدوں کی قبروں پر تشریف لاتے اور یوں فرماتے: سلامتی ہو تم پر تمھارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی خوب ملا۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۲: از شاہجہان پور بازار سبزی منڈی مرسلہ محمد امین تاجر ۹ جمادی الاولٰی ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تقسیم قرآن شریف برائے فیض پرائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی عنہ تیس پارہ پر ہے، کوئی پارہ سورت سے شروع ہوا اور کوئی رکوع سے اور کوئی درمیان رکوع سے، اور کوئی پارہ بڑا ہے کوئی چھوٹا۔ اس کے واسطے کوئی قاعدہ ہے جس کی رعایت ہر پارہ میں ہے یا بلارعایتِ قاعدہ کلیہ مقرر کردی ہے؟ الحمد کو پارہ اول سے علیحدہ رکھا ہے اور ربما سے ایک آیت چھوڑ دی شروع سُورت سے اس کا سر اور جو کچھ اور اُس میں مرعی ہے حضور ہی بیان فرما سکتے ہیں اور ہم جُہلا کی تسکین حضور پُرنور ہی کے قلم سے ہوسکتی ہے۔

الجواب

پاروں پر تقسیم امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کی نہ کسی صحابی نہ کسی تابعی نے۔ معلوم نہیں اس کی ابتدا کس نے کی، یہ بہت حادث ہے، ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے اس کی ابتدا کی اُس نے اپنے پاس کے مصحف شریف کو تیس حصّوں پر کہ باعتبارِ عدد اوراق مساوی تھے تقسیم کرلیا اور یہ تقسیم ان ان مواقع پر آکے واقع ہوئی اور یہی ان بلاد میں رائج ہوگئی سب جگہ اس پر اتفاق بھی نہیں بلکہ شام وغیرہ کی تقسیم اس سے کچھ مختلف ہے۔ بہرحال یہ کچھ ضروری بات نہیں نہ اس کے ماننے میں حرج۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۳: از بارکپور محلہ مرغی محال متصل کنجڑا محال مرسلہ حافظ محمد جعفر پیش امام ۱۰ شعبان ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلام مجید بااعراب خداوند کریم کی طرف سے رسول مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر نازل ہُوا کرتا تھا یا اعراب بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے درست کیا گیا؟

الجواب

حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر قرآن عظیم کی عبارت کریمہ نازل ہوئی عبارت میں

---

[1] غرائب القرآن تحت آیۃ ۱۳/ ۲۴ مصطفی البابی مصر ۱۳/ ۸۳

اعراب نہیں لگائے جاتے حضور کے حکم سے صحابہ کرام مثل امیر المومنین عثمان غنی وحضرت زید بن ثابت و امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسے لکھتے ان کی تحریر میں بھی اعراب نہ تھے یہ تابعین کے زمانے سے رائج ہوئے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۲۶۴ ازموضع پاکڑی ضلع گوڑگانوہ ڈاکخانہ ڈھینیہ مسئولہ محمد یسین خاں ۱۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ تفسیر قادری معتبر ہے یا غیر معتبر؟

الجواب

یہ اُردو کتاب ہے میں نے نہیں دیکھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

محافل و مجالس

(میلاد و گیارھویں شریف وغیرہ)

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علٰی طاعن القیام لنبی تہامۃ

۱۲۹۹ھ

(نبی تہامہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے قیامِ تعظیمی پر اعتراض کرنیوالے پر قیامت قائم کرنا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ ۲۶۵ از ریاست مصطفٰی آباد عرف رامپور بضمن سوالات کثیرہ ۱۲۹۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مجلس میلاد میں قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ افضل الصلوۃ والسلام کیا ہے، بعض لوگ اس قیام سے انکار بحث رکھتے اور اسے بدیں وجہ کہ

قرونِ ثلثہ میں نہ تھا بدعت سیئہ وحرام سمجھتے اور کہتے ہیں ہمیں صحابہ وتابعین کی سند چاہئے ورنہ ہم نہیں مانتے۔ ان کے اقوال کا حل کیا ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

الحمد للہ الذی باذنہ تقوم السماء والصلٰوۃ والسلام علٰی من قامت بہ ارکان الشریعۃ الغراء سیدنا ومولانا محمد الذی قامت فی مولدہ ملئکۃ العلیا وعلٰی اٰلہ وصحبہ القائمین بآداب تعظیمہ فی الصبح والمساء واشھد ان لاالٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ قیم الانبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیھم ماقامت تسبیح القیام اشجار الغبراء وسجدت للحی القیوم نجوم الخضراء اٰمین! قال القائم بعض الضراعۃ الٰی صاحب المقام المحمود والشفاعۃ عبد المصطفٰی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی عفی اللہ لہ واقامہ مقام السلف الکرام البررۃ الکملۃ اٰمین۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جس کے حکم سے آسمان قائم ہے۔ درود وسلام ہو اس ذات پر جس کے ذریعے روشن شریعت کے ارکان قائم ہیں وہ ہمارے آقا محمد مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہیں جن کے میلاد کے وقت عالی مرتبت ملائکہ نے قیام کیا، اور آپ کی آل واصحاب پر جو صبح وشام آپ کے لئے آدابِ تعظیم کی بجاآوری میں قائم رہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالٰی کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، وہ انبیاء کرام کے متولی ونگران ہیں، آپ پر اور تمام انبیاء پر درود وسلام ہو جب تک غبار آلود درخت تسبیح کے ساتھ قائم رہیں اور جب تک آسمان کے ستارے بارگاہِ حیّ وقیوم میں سجدے کرتے رہیں، آمین! مقامِ محمود اور شفاعت کے مالک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی بارگاہ میں عاجزانہ قیام کرتے ہوئے کہتا ہے عبد المصطفٰی احمد رضا محمدی سُنّی حنفی قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اسے سلف صالحین کا قائم مقام بنائے۔ آمین۔ (ت)

اللھم ھدایۃ الحق والصواب (اے اللہ! حق اور درستگی کی ہدایت فرما۔ت)

32 یہاں دو[۲] مقام واجب الاعلام ہیں :

اوّلاً اس مقام مبارک پر اپنے طور پر کُتب و فتاوائے علماء قدست اسرارھم سے حکم بیان کرنا جس سے بعونہٖ موافقین کے لئے ایضاح حق و اضاحت باطل ہو، اور منصب فتوٰی اپنے حق کو واصل ہو۔

ثانیاً اس مغالطہ کا جواب دینا جو بالفاظ متقاربہ تمام اکابر و اصاغر مانعین میں رائج کہ یہ فعل قرونِ ثلٰثہ میں نہ تھا تو بدعت و ضلالت ہوا۔ اس میں کچھ خوبی ہوتی تو وہی کرتے اس فعل اور اس کے امثال امور نزاعیہ میں حضرات منکرین کی غایت سعی اسی قدر ہے جس کی بنا پر اہلسنت و سوادِ اعظم ملّت و ہزاران ائمہ شریعت و طریقت کو معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہراتے ہیں اور مطلقاً خوفِ خدا و ترس روزِ جزا دل میں نہیں لاتے۔ مقامِ افتاء اگرچہ استیعاب مناظرہ کی جا نہیں مگر ایسی جگہ ترک کلی بھی چنداں زیبا نہیں، لہذا فقیر مقامِ دوم میں چند اجمالی جملے حاضر کرے گا جن کے مبانی دیکھئے حرفے چند اور معانی سمجھئے تو بس جامع و بلند۔ وباللہ التوفیق فی کل حین وعلیہ التوکل وبہ نستعین والحمد للہ رب العٰلمین۔

مقامِ اوّل : اللہ عزوجل نے شریعت غرا، بیضا، زہرا، عامہ، تامہ، کاملہ، شاملہ اتار دی اور بحمدہٖ تعالٰی ہمارے لئے ہمارا دین کامل فرما دیا اور اس کے کرم نے اپنے حبیب اکرم حضور پُرنور سیّد عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صدقہ میں اپنی نعمت ہم پر تمام فرما دی۔ قال اللہ تعالٰی :

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا[۱]

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ (ت)

والحمد للہ رب العٰلمین وصلی اللہ تعالٰی علی من بہ انعم علینا فی الدنیا والدین وبہ ینعم ان شاء اللہ تعالٰی فی الاٰخرۃ الٰی ابد الاٰبدین۔

تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور درود نازل ہو اس ذات پر جس کے صدقے اللہ تعالٰی نے دین و دنیا کی نعمتیں ہمیں عطا فرمائیں۔ اور ان کے طفیل ان شاء اللہ ابدالآباد تک آخرت کی نعمتیں بھی ہمیں عطا ہوں گی۔ (ت)

---

[۱] القرآن الکریم ۵ /۳

الحمد للہ ہماری شریعت مطہرہ کا کوئی حکم قرآن عظیم سے باہر نہیں، امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں:

حسبنا کتاب اللہ[1] (ہمیں قرآن عظیم بس ہے)

مگر قرآن عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکال لینا عام کو نامقدور ہے اس لئے قرآن کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے:

اوّل: ما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا[2] — جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اقول (میں کہتا ہوں۔ت) لو صیغہ امر کا ہے اور امر وجوب کے لئے ہے تو پہلی قسم واجبات شرعیہ ہوئی اور باز رہو نہی ہے اور نہی منع فرمانا ہے یہ دوسری قسم ممنوعات شرعیہ ہوئی۔

حاصل یہ کہ اگرچہ قرآن مجید میں سب کچھ ہے:

ونزلنا علیک الکتٰب تبیانًا لکل شیئ[3] — اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شیئ ہر چیز ہر موجود کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی ولہذا فرمایا:

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نُزِّل الیھم[4] — اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کے لئے بیان فرما دو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے۔

یعنی اے محبوب! تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو، لہذا آیہ کریمہ اولٰی میں نزلنا علیک فرمایا جو خاص حضور کی نسبت ہے اور آیہ کریمہ ثانیہ میں ما نزّل الیھم فرمایا جو نسبت بامت ہے۔

دوم: فاسئلوا اھل الذکر — علم والوں سے پوچھو جو تمہیں

ع قرآن امام حدیث ہے، حدیث امام مجتہدین، مجتہدین امام علماء، علماء امام عوام الناس۔ اس سلسلہ کا توڑنا گمراہ کا کام۔

[1] صحیح البخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۲

[2] القرآن الکریم ۵۹/ ۷ [3] القرآن الکریم ۱۶/ ۸۹ [4] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

ان کنتم لاتعلمون عہ [1] | نہ معلوم ہو۔

عہ اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے:

بالبینٰت والزبر وانزلنا الیك الذکر الاٰیۃ [2] | روشن دلیلیں اور کتابیں لے کر اور اے محبوب ہم نے تمھاری طرف یہ یادگار اتاری۔ (ت)

مصنف نے یہاں معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

اقول ھذا من محاسن نظم القراٰن العظیم امر الناس ان یسئلوا اھل العلم بالقراٰن العظیم وارشد العلماء ان لایعتمدوا علی اذھانھم فی فھم القراٰن بل یرجعوا الی مابیّن لھم النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرد الناس الی العلماء والعلماء الی الحدیث والحدیث الی القراٰن وان الی ربك المنتھٰی فکما ان المجتھدین لوترکوا الحدیث ورجعوا الی القراٰن فضلوا کذلك العامۃ لوترکوا المجتھدین ورجعوا الی الحدیث فضلوا ولھذا قال الامام سفیٰن بن عیینۃ احد ائمۃ الحدیث قریب تر من الامام الاعظم والامام المالك رضی اللہ تعالٰی عنھم الحدیث مضلۃ الا الفقھاء نقلہ عنھم الامام ابن الحاج مکی فی مدخل [3]

میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے بیان فرمایا اسکی طرف رجوع لائیں تو لوگوں کو علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے توجس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑ دیتے اور قرآن کی طرف رجوع کرتے بہک جاتے یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں تو ضرور گمراہ ہو جائیں اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہا کہ امام اعظم و امام مالک کے زمانہ کے قریب حدیث کے اماموں سے تھے فرمایا کہ حدیث بہت گمراہ کردینے والی ہے مگر فقہاء کو، اسے امام ابن حاج مکی نے مدخل میں نقل فرمایا ۱۲ مصحح غفرلہ (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۳

[2] القرآن الکریم ۱۶/ ۴۴

[3] تعلیقات المصنف علٰی معالم التنزیل تحت الآیۃ ۱۶/ ۴۳، ۴۴

حوادث غیر متناہی ہیں احادیث میں ہر جزئیہ کے لئے نام بنام تصریح احکام اگر فرمائی بھی جاتی ان کا حفظ وضبط نامقدور ہوتا پھر مدارج عالیہ مجتہدانِ امت کے لئے ان کے اجتہاد پر رکھے گئے وہ نہ ملتے نیز اختلافاتِ ائمہ کی رحمت ووسعت نصیب نہ ہوتی۔ لہذا حدیث نے بھی جزئیاتِ معدودہ سے کلیاتِ حاویہ مسائل نامحدودہ کی طرف استعارہ فرمایا اس کی تفصیل وتفریع وتاصیل مجتہدین کرام نے فرمائی اور احاطہ تصریح نامتناہی کے تعذر نے یہاں بھی حاجت ایضاح مشکل وتفصیل مجمل وتقیید مرسل باقی رکھی جو قرناً فقرناً طبقۃً فطبقۃً مشائخ کرام وعلمائے اعلام کرتے چلے آئے ہر زمانہ کے حوادث تازہ احکام اس زمانے کے علمائے کرام حاملانِ فقہ وحامیانِ اسلام نے بیان فرمائے اور یہ سب اپنی اصل ہی کی طرف راجع ہوئے اور ہوتے رہیں گے حتی یاتی امر اللہ وھم علی ذٰلک (یہاں تک کہ اللہ تعالٰی اپنا امر لے آئے اور وہ لوگ اسی حال پر ہوں۔ ت) درمختار میں ہے:

ولایخلو الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لاظنا وعلٰی من لم یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ[1]

زمانہ ان لوگوں سے خالی نہ ہوگا جو یقینی طور پر نہ محض گمان سے اس کی تمیز رکھیں اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر واجب ہے کہ تمیز والے کی طرف رجوع کرے کہ بری الذمہ ہو۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

جزم بذٰلک اخذا مما رواہ البخاری من قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق حتی یاتی امر اللہ، قولہ وعلٰی من لم یمیز عبر بعلی المفیدۃ للوجوب للامریہ فی قولہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر

شارح علامہ نے اس پر جزم فرمایا اس حدیث سے لے کر جو صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ہمیشہ میری امت کا ایک گروہ غلبہ کے ساتھ حق پر رہے گا یہاں تک کہ حکم الٰہی آئے، اور جسے اس کی تمیز نہ ہو اس پر علماء کی طرف رجوع لانے کو اس لئے

ف: حوادث کا پیدا ہوتے رہنا اور ان کے احکام کا۔ اور ایک یہ کہ جو ہر بات پر کہے صحابہ تابعین کی سند لاؤ یا امام ابوحنیفہ کا قول دکھاؤ، وہ مجنون ہے یا گمراہ۔

[1] الدرالمختار مقدمۃ الکتاب مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۵

ان کنتم لا تعلمون [1]

واجب کہا کہ قرآن عظیم میں اس کا حکم فرمایا ہے کہ علماء سے پوچھو اگر تمھیں نہ معلوم ہو۔

امام عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ الربانی کتاب مستطاب میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

ما فصل عالم ما اجمل فی کلام من قبلہ من الادوار الا للنور المتصل من الشارع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فالسنۃ فی ذٰلک حقیقۃ لرسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الذی ھو صاحب الشرع لانہ ھو الذی اعطی العلماء تلک المادۃ التی فصلوا بھا ما اجمل فی کلامہ کما ان المنۃ بعدہ لکل دور علی من تحتہ فلو قدر ان اھل دور تعدوا من فوقھم الی الدور الذی قبلہ لانقطعت وصلتھم بالشارع ولم یھتدوا لایضاح مشکل ولا تفصیل مجمل وتامل یا اخی لولا ان رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فصل بشریعتہ ما اجمل فی القراٰن لبقی القراٰن علٰی اجمالہ کما ان الائمۃ المجتہدین لولم یفصلوا ما اجمل فی السنۃ لبقیت السنۃ علٰی اجمالھا وھکذا الٰی عصرنا ھذا فلولا ان حقیقۃ الاجمال

جس کسی عالم نے اپنے سے پہلے زمانے کے کسی کلام کے اجمال کی تفصیل کی ہے وہ اسی نور سے ہے جو صاحبِ شریعت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اسے ملا ہے تو حقیقت میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہی کا تمام امت پر احسان ہے انھوں نے علماء کو یہ استعداد عطا فرمائی جس سے انھوں نے مجمل کلام کی تفصیل کی۔ یونہی ہر طبقہ ائمہ کا اپنے بعد والوں پر احسان ہے اگر فرض کیا جائے کہ کوئی طبقہ اپنے اگلے پیشواؤں کو چھوڑ کر ان سے اوپر والوں کی طرف تجاوز کر جائے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو سلسلہ ان تک ملا ہوا ہے وہ کٹ جائے گا اور یہ کسی مشکل کی توضیح مجمل کی تفسیر پر قادر نہ ہوں گے۔ برادرم! غور کر، اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اپنی شریعت سے مجملاتِ قرآن عظیم کی تفصیل نہ فرماتے قرآن عظیم یونہی مجمل رہ جاتا۔ اسی طرح ائمہ مجتہدین اگر مجملاتِ حدیث کی تفصیل نہ فرماتے حدیث یونہی مجمل رہ جاتی، اسی طرح ہمارے زمانے تک، تو اگر یہ نہیں کہ حقیقتِ اجمال سب میں سرایت کئے ہوئے ہے تو نہ متون کی شرح

---

[1] ردالمحتار مقدمۃ الکتاب دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/۵۳

سارية فی العالم كلّه ما شرحت الكتب ولا ترجمت من لسان الی لسان ولا وضع العلماء علی الشروح حواشی کالشروح للشروح[1]

لکھی جاتی نہ ترجمے ہوتے نہ علماء شرحوں کی شرح (حواشی) لکھتے۔

اب یہیں دیکھئے کہ کتب ظاہر الروایۃ و نوادر ائمہ تھیں پھر کتب نوازل و واقعات تصنیف فرمائی گئیں پھر متون و شروح و حواشی و فتاوٰی وقتاً فوقتاً تصنیف ہوتے رہے اور ہر آئندہ طبقہ نے گزشتہ پر اضافے کئے اور مقبول ہوتے رہے کہ سب اسی اجمال قرآن و سنت کی تفصیل ہے نصاب الاحتساب و فتاوٰی عالمگیری زمانہ سلطان عالمگیر انار اللہ تعالٰی برہانہ کی تصنیف ہیں ان میں بہت ان جزئیات کی تصریح ملے گی جو کتب سابقہ میں نہیں کہ وہ جب تک واقع ہی نہ ہوئے تھے، اور کتب نوازل و واقعات کا تو موضوع ہی حوادث جدیدہ کے احکام بیان فرمانا ہے اگر کوئی شخص ان کی نسبت کہے کہ صحابہ تابعین سے اس کی تصریح دکھاؤ یا خاص امام اعظم و صاحبین کا نص لاؤ تو وہ احمق مجنون یا گمراہ مفتون، پھر عالمگیری کے بھی بہت بعد اب قریب زمانہ کی کتابیں فتاوٰی اسعدیہ و فتاوٰی حامدیہ و طحطاوی علی مراقی الفلاح و عقود الدریہ و رد المحتار و رسائل شامی وغیرہا کتب معتمدہ ہیں کہ تمام حنفی دنیا میں ان پر اعتماد ہو رہا ہے دو اول کے سوا یہ سب تیرھویں صدی کی تصنیف ہیں مانعین بھی ان سے سندیں لاتے ہیں ان میں صدہا وہ بیان ملیں گے جو پہلے نہ تھے اور مانعین کے یہاں تو فتاوٰی شاہ عبد العزیز صاحب بلکہ مائۃ مسائل و اربعین تک پر اعتماد ہو رہا ہے کیا مائۃ مسائل و اربعین کے سب جزئیات کی تصریح صحابہ و تابعین و ائمہ تو بہت بالا ہیں عالمگیری و رد المحتار تک کہیں دکھا سکتے ہیں اب ان کے بعد بھی ریل، تار، برقی، نوٹ، منی آرڈر، فوٹوگراف وغیرہ وغیرہ ایجاد ہوئے اگر کوئی شخص کہے کہ صحابہ تابعین یا امام ابوحنیفہ یا یہ نہ سہی ہدایہ یا درمختار یا یہ بھی نہ سہی عالمگیری و طحطاوی و رد المحتار یا یہ سب جانے دو شاہ عبد العزیز صاحب ہی کے فتاوے میں دکھاؤ تو اسے مجنون سے بہتر اور کیا لفظ کہا جا سکتا ہے، ہاں اس ہٹ دھرمی کی بات جدا ہے کہ اپنے آپ تو تیرھویں صدی کی اربعین تک معتبر جانیں اور دوسروں سے ہر جزئیہ پر خاص صحابہ و تابعین کی سند مانگیں۔ خطبہ میں ذکر عمین شریفین حادث ہے مگر جب سے حادث ہے علمائے اس کے مندوب ہونے کی تصریح فرمائی،[ع]

ع ان کا بیان کہ حادث ہو کر مستحب ٹھہریں۔

[1] میزان الشریعۃ الکبرٰی فصل وما یدلک علی صحۃ ارتباط جمیع اقوال علماء الشریعۃ الخ مصطفی البابی مصر ۱/ ۳۶

درمختار میں ہے :

یندب ذکر الخلفاء الراشدین و العمین[1]

خطبہ میں چاروں خلفاء کرام اور دونوں عم کریم سیدالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمانا مستحب ہے۔

اور حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب نے تو ایک خطیب پر اپنے مکتوبات میں اس لئے کہ اس نے ایک خطبہ میں خلفاء کرام کا ذکر نہ کیا تھا سخت نکیر فرمائی اور اسے خبیث تک لکھا۔ اذان کے بعد حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم پر صلاۃ وسلام عرض کرنا جس طرح حرمین طیبین میں رائج ہے درمختار میں فرمایا :

التسلیم بعد الاذان حدث فی ربیع الاٰخر سنۃ سبع مائۃ واحدی و ثمانین فی عشاء لیلۃ الاثنین ثم یوم الجمعۃ ثم بعد عشر سنین حدث فی الکل الا المغرب ثم فیھا مرتین وھو بدعۃ حسنۃ۔[2]

اذان کے بعد صلوٰۃ بھیجنا ربیع الآخر ۷۸۱ھ کی عشا شب دوشنبہ میں حادث ہوا پھر اذان جمعہ کے بعد بھی صلوٰۃ کہی گئی پھر دس برس بعد مغرب کے سوا سب اذانوں کے بعد پھر مغرب میں بھی دوبار کہنی شروع ہوئی۔ اور یہ ان نو پیدا باتوں سے ہے جو شرعاً مستحب ہیں۔

کتب میں اس کے صدہا نظائر ملیں گے اسی وقت کے علماء معتمدین سے ان کے جزئیہ کی تصریح مل سکتی ہے مجلس میلاد مبارک وقیام کو جاری ہوئے بھی صدہا سال ہوئے مگر صحابہ وتابعین وائمہ مجتہدین کے کلام میں ان کے نام کی تصریح مانگنی اسی جنون پر مبنی ہوگی ان پر انھیں علماء کرام کی تصریحات سے استناد ہوگا جن کے زمانہ میں ان کا وجود تھا جیسے مجلس مبارک کے لئے امام حافظ الشان ابن حجر عسقلانی و امام خاتم الحفاظ جلال الدین سیوطی وامام خطیب احمد قسطلانی وغیرہم اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے نام وکلام کی تصریح بار بار کردی گئی۔ یونہی مسئلہ قیام میں ان علمائے کرام کی سند لی جائے جن کا ذکر شریف آیا ہے وباللہ التوفیق بحمداللہ تعالیٰ موافقین اہل حق وانصاف ودین کے لئے یہ کافی ہوگا۔ رہا مخالفین کا نہ ماننا ان کی پروا کیا۔ وہ اور ہی کسے مانتے ہیں کہ ان علماء کرام کو مانیں ان کے غیر مقلدین تو علانیہ امام اعظم وجملہ ائمہ دین پر منہ آتے اور اپنے مہمل افہام واوہام کے آگے ان کے اجتہادات عالیہ کو باطل بتاتے اور ان کے ماننے والوں کو معاذاللہ مشرک گمراہ بتاتے ہیں جوان میں بظاہر نام تقلید

---

[1] درمختار کتاب الصلوٰۃ باب الجمعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۱۱۱
[2] ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱/۶۴

لیتے ہیں وہ بھی غیر مقلدین کی طرح اپنے اہوائے باطلہ کے سامنے قرآن وحدیث کی تو سُنتے نہیں پھر ائمہ کی کیا گنتی ان کے منہ سے تقلید امام اور ان سب کے منہ سے قرآن وحدیث کا نام محض برائے تسکین عوام ہے کہ کھلا منکر نہ جانیں ورنہ حالت وہ ہے جو ان کے مذہبی قرآن تقویۃ الایمان سے ظاہر جو کہے "اللہ ورسول نے غنی کر دیا" وہ مشرک[1]، حالانکہ خود قرآن عظیم فرماتا ہے:

اغنٰھم اللہ ورسولہ من فضلہ[2] اللہ ورسول نے انھیں دولتمند کر دیا اپنے فضل سے۔

محمد بخش، احمد بخش نام رکھنا شرک حالانکہ خود قرآن حمید فرماتا ہے کہ جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب حضرت سیدتنا مریم کے پاس آئے کیا کہا یہ کہ،

انما انا رسول ربك لاھب لك غلٰما زکیا[3] میں تمھارے رب کا رسول ہوں اس لئے کہ میں تم کو ستھرا بیٹا دوں۔

صرف محمد بخش نام شرک ہوا حالانکہ وہ معنی عطا میں متعین بھی نہیں۔ بخش بہرہ وحصہ کو کہتے ہیں تو جبریل کہ صریح لفظوں میں اپنا بیٹا دینا کہہ رہے ہیں دین اسمٰعیل میں کیسے مشرک نہ ہوں گے اور قرآن عظیم کہ اس شرک وہابیت کو ذکر فرما کر مقرر رکھتا ہے کیوں نہ اسے شرک پسند کتاب ٹھہرائیں گے۔ اس کی مثالیں بہت ہیں کہ وہابیہ کے شرک سے نہ ائمہ محفوظ نہ صحابہ نہ انبیاء۔ نہ جبریل نہ خود رب العٰلمین جل وعلا وصلی اللہ تعالٰی علی الحبیب وعلیھم وسلم۔ یہ بحث فقیر کے اور رسائل[عہ] میں مفصل ملے گی، یہاں تو اتنا کہنا کافی ہے کہ مخالفین کی نہ ماننے کی پروا کیا ہے انھوں نے اور کسے مانا ہے کہ علماء ہی کو مانیں گے لہذا اس مقام اول میں روئے سخن موافقین اہل حق ویقین کی طرف کریں واللہ الموفق والمعین وبہ نستعین وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وابنہ وحزبہ اجمعین آمین۔ مولٰی عزوجل توفیق دے تو یہاں منصف غیر متعصب کے لئے اسی قدر کافی کہ یہ فعل مبارک یعنی قیام وقت ذکر ولادت حضور خیر الانام علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والسلام صدہا سال سے بلاد دار الاسلام میں رائج ومعمول اور اکابر ائمہ وعلماء میں مقرر ومقبول، شرع میں اس سے منع مفقود اور بے منع شرع

---

[1] تقویۃ الایمان

[2] القرآن الکریم ۹/ ۷۴

[3] القرآن الکریم ۱۹/ ۱۹

[عہ] خصوصًا کتاب مستطاب الکمال انطامر علی شرک سوی بالامور العامۃ منہ ۱۲۔

منع مردود۔

ان الحکم الا للّٰہ[1]، وانما الحرام ما حرم اللّٰہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ۔[2]

حکم نہیں ہے مگر اللہ تعالٰی کے لئے۔ اور حرام وہی ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا، اور جس پر سکوت فرمایا وہ معاف شدہ چیزوں میں سے ہے (ت)

علی الخصوص حرمین طیبین مکہ معظمہ و مدینہ منورہ صلی اللہ تعالٰی علٰی منورھما و بارک وسلم کہ مبدء و مرجع دین و ایمان ہیں وہاں کے اکابر علماء و مفتیانِ مذاہبِ اربعہ مدتہا مدت سے اس فعل کے فاعل و عامل و قائل و قابل ہیں ائمہ معتمدین نے اسے حرام نہ فرمایا بلکہ بلاشبہہ مستحب و مستحسن ٹھہرایا۔ علامہ جلیل الشان علی بن برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے سیرت مبارکہ انسان العیون میں تصریح فرمائی کہ یہ قیام بدعتِ حسنہ ہے۔ اور ارشاد فرماتے ہیں:

قد وجد القیام عند ذکر اسمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم من عالم الامۃ و مقتدی الائمۃ دیناً وورعًا تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ تعالٰی وتابعہ علی ذٰلک مشائخ الاسلام فی عصرہ فقد حکی بعضھم ان الامام السبکی اجتمع عندہ جمع کثیر من علماء عصرہ فانشد فیہ قول الصرصری فی

بیشک وقتِ ذکرِ نام پاک حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام قیام کرنا امام تقی الملۃ والدین سبکی رحمہ اللہ تعالٰی سے پایا گیا جو امت مرحومہ کے عالم اور دین و تقوٰی میں اماموں کے امام ہیں اور اس قیام پر ان کے معاصرین ائمہ کرام مشائخ الاسلام نے ان کی متابعت کی بعض علماء یعنی انھیں امام اجل کے صاحبزادے امام شیخ الاسلام ابو نصر عبدالوہاب ابن ابی الحسن تقی الملۃ والدین سبکی نے طبقاتِ کبرٰی میں نقل فرمایا کہ امام سبکی کے حضور ایک جماعت

ع کتب علماء سے قیام کا ثبوت۔

[1] القرآن الکریم ۱۲/ ۴۰

[2] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ما جاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶
سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۹
المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۱۵

مدحه صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ؎

قلیل لمدح المصطفی الخط بالذھب
علی ورق من خط احسن من کتب
وان تنھض الاشراف عند سماعہ
قیاما صفوفا او جثیا علی الرکب
فعند ذٰلك قام الامام السبکی وجمیع من فی المجلس فحصل انس کبیر بذٰلك المجلس ویکفی مثل ذٰلك فی الاقتداء[1]

کثیر اس زمانہ کے علماء کی مجتمع ہوئی۔ اس مجلس میں کسی نے امام صرصری کے یہ اشعار نعت حضور سید الابرار صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میں پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مدح مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے یہ بھی تھوڑا ہے کہ سب سے اچھا خوشنویس ہو اس کے ہاتھ سے چاندی کے پتر پر سونے کے پانی سے لکھی جائے اور جو لوگ شرفِ دینی رکھتے ہیں، وہ ان کی نعت سُن کر صف باندھ کر سروقد یا گھٹنوں کے بل کھڑے ہوجائیں ان اشعار کے سُنتے ہی حضرت امام سبکی وجملہ علمائے کرام حاضرین مجلس مبارک نے قیام فرمایا اور اس کی وجہ سے اس مجلس میں نہایت انس حاصل ہوا۔ علامہ جلیل حلبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس قدر پیروی کے لئے کفایت کرتا ہے انتہی (ت)

اقول یہ امام صرصری صاحبِ قصیدہ نعتیہ وہ ہیں جنھیں علامہ محمد بن علی شامی مستند مانعین نے سبیل الہدٰی والرشاد میں اپنے زمانہ کا حسان اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا محبِ صادق فرمایا اور امام اجل حضرت امام الائمہ تقی الملۃ والدین سبکی قدس سرہ الشریف کی جلالت شان و رفعت مکان تو آفتابِ نیمروز سے زیادہ روشن ہے یہاں تک کہ مانعین کے پیشوا مولوی نذیر حسین دہلوی اپنے ایک مہری فتوے میں ان کا بالاجماع امام جلیل ومجتہد کبیر ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس زمانے کے اعیان علماء ومشائخ اسلام کا ان کے ساتھ اس پر موافقت فرمانا بحمداللہ تعالٰی متبعین سلف صالحین کے لئے ایک کافی سند ہے آخر نہ دیکھا کہ علامہ حلبی نے ارشاد فرمایا اسی قدر اقتداء کیلئے بس ہے، عالمِ کامل عارف باللہ سیّد سند مولٰنا سید جعفر برزنجی قدس سرہ العزیز جن کا رسالہ عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حرمین محترمین و دیگر بلاد دار الاسلام میں رائج ہے اور مستند مانعین مولانا رفیع الدین نے تاریخ الحرمین میں اس رسالے اور ان مصنف جلیل القدر کی نہایت مدح وثنا لکھی ہے اپنے اسی رسالہ مبارکہ میں فرماتے ہیں:

---

[1] انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون باب تسمیتہ صلی اللہ علیہ وسلم محمدا واحمد دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۹۴

قد استحسن القيام عند ذكر مولده الشريف ائمة ذو رواية و دراية فطوبى لمن كان تعظيمه صلی الله تعالیٰ علیه وسلم غاية مرامه و مرماه [1]

بیشک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا ان اماموں نے مستحسن سمجھا ہے جو صاحب روایۃ و درایۃ تھے تو شادمانی اس کے لئے جس کی نہایت مراد و مقصود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

فاضل اجل سیدی جعفر بن اسمٰعیل بن زین العابدین علوی مدنی نے اس کی شرح الکوکب الازہر علی عقد الجوہر میں اس مضمون پر تقریر فرمائی۔

فقیہ محدث مولانا عثمان بن حسن دمیاطی اپنے رسالہ اثبات قیام میں فرماتے ہیں:

القيام عند ذكر ولادة سيد المرسلين صلی الله تعالیٰ عليه وسلم امر لا شك فی استحبابه واستحسانه وندبه يحصل لفاعله من الثواب الاوفر والخير الاكبر لانه تعظيم اى تعظيم للنبی الكريم ذی الخلق العظيم الذی اخرجنا الله به من ظلمات الكفر الى الايمان وخلصنا الله به من نار الجهل الى جنات المعارف والايقان فتعظيمه صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فيه مسارعة الى رضاء رب العٰلمين واظهار اقوى شعائر الدين ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب ومن يعظم حرمة الله فهو خير له عند ربه [2]

قراءت مولد شریف میں ذکر ولادت شریف سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو قیام کرنا بیشک مستحب و مستحسن ہے جس کے فاعل کو ثواب کثیر و فضل کبیر حاصل ہوگا کہ وہ تعظیم ہے اور کیسی ہے تعظیم ان نبی کریم صاحب خلق عظیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی جن کی برکت سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیں ظلمات کفر سے نور ایمان کی طرف لایا اور ان کے سبب ہمیں دوزخ جہل سے بچا کر بہشت معرفت و یقین میں داخل فرمایا تو حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں خوشنودی رب العالمین کی طرف دوڑنا ہے اور قوی ترین شعائر دین کا آشکارا ہونا اور جو تعظیم کرے شعائر خدا کی تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے اور جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو وہ اس کے لئے اس کے رب کے یہاں بہتر ہے۔

---

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر (مترجم بالاردویۃ) جامعۃ اسلامیہ لاہور ص ۲۵ و ۲۶

[2] اثبات القیام

پھر بعد نقل دلائل فرمایا ہے:

فاستفید من مجموع ما ذکرنا استحباب القیام لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند ذکر ولادتہ لما فی ذٰلک من التعظیم لہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لایقال القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدعۃ لانا نقول لیس کل بدعۃ مذمومۃ کما اجاب بذٰلک الامام المحقق الولی ابو ذرعۃ العراقی حین سئل عن فعل المولد امستحب اومکروہ وھل ورد فیہ شیئ اوفعل بہ من یقتدی بہ فاجاب بقولہ الولیمۃ واطعام الطعام مستحب کل وقت فکیف اذا انضم الی ذٰلک السرور بظھور نور النبوۃ فی ھذا الشھر الشریف ولا تعلم ذٰلک عن السلف ولایلزم من کونہ بدعۃ مکروھۃ فکم من بدعۃ مستحبۃ بل واجبۃ اذ الم تنضم بذٰلک مفسد واللہ الموفق[1]

یعنی ان سب دلائل سے ثابت ہوا کہ ذکر ولادت شریف کے وقت قیام مستحب ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہے کوئی یہ نہ کہے کہ قیام تو بدعت ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ ہر بدعت بُری نہیں ہوتی، جیسا کہ یہی جواب دیا امام محقق ولی ابو ذرعہ عراقی نے، جب ان سے میلاد کو پوچھا تھا کہ مستحب ہے یا مکروہ اور اس میں کچھ وارد ہوا ہے، یا کسی پیشوا نے کی ہے؟ تو جواب میں فرمایا ولیمہ اور کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے پھر اس صورت میں کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ اس ماہِ مبارک میں ظہورِ نبوت کی خوشی مل جائے، اور ہمیں یہ امر سلف سے معلوم نہیں، نہ بدعت ہونے سے کراہت لازم کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جب ان کے ساتھ کوئی خرابی مضموم نہ ہو اور اللہ تعالیٰ توفیق دینے والا ہے۔

پھر ارشاد ہوا:

قد اجتمعت الامۃ المحمدیۃ من اھل السنۃ والجماعۃ علی استحسان

بیشک امتِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ سے اہلسنت وجماعت کا اجماع واتفاق ہے کہ یہ قیام

---

[1] اثبات القیام

القیام المذکور وقد قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاتجتمع امتی علی الضلالۃ[1]

مستحسن ہے اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی۔

امام علامہ مدالقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جرت عادۃ القوم بقیام الناس اذا انتہی المداح الٰی ذکر مولدہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھی بدعۃ مستحبۃ لما فیہ من اظہار السرور والتعظیم الخ نقلہ المولی المیاطی[2]

یعنی عادت قوم کی جاری ہے کہ جب مدح خواں ذکرِ میلادِ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک پہنچتا ہے تو لوگ کھڑے ہوجاتے ہیں اور یہ بدعت مستحبہ ہے کہ اس میں نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی پیدائش پر خوشی اور حضور کی تعظیم کا اظہار ہے الخ (مولٰنا میاطی نے اسے نقل فرمایا۔ ت)

علامہ ابو زید رسالہ میلاد میں لکھتے ہیں:

استحسن القیام عند ذکر الولادۃ[3]۔ ذکر ولادت کے وقت قیام مستحسن ہے۔

خاتمۃ المحدثین زین الحرم عین الکرم مولانا سید احمد زین دحلان مکی قدس سرہ الملکی اپنی کتاب مستطاب الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیہ میں فرماتے ہیں:

من تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الفرح بلیلۃ ولادتہ وقراءۃ المولد والقیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم واطعام الطعام وغیر ذٰلک مما یعتاد الناس فعلہ من انواع البر فان ذٰلک

یعنی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم سے حضور کی شبِ ولادت کی خوشی کرنا اور مولد شریف پڑھنا اور ذکرِ ولادتِ اقدس کے وقت کھڑا ہونا اور مجلس شریف میں حاضرین کو کھانا دینا اور ان کے سوا اور نیکی کی باتیں کہ مسلمانوں میں رائج ہیں کہ یہ سب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی

---

[1] اثبات القیام

[2] ؍؍ ؍؍

[3] رسالۃ المیلاد للعلامہ ابی زید

كله من تعظيمه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقد افردت مسئلة المولد ومايتعلق بها بالتاليف واعتنى بذٰلك كثير من العلماء فالفوا فى ذٰلك مصنفات مشحونة بالادلة والبراهين فلاحاجة لنا الى الاطالة بذٰلك[1]

تعظیم سے ہیں اور یہ مسئلہ مجلس میلاد اور اسکے متعلقات کا ایسا ہے جس میں مستقل کتابیں تصنیف ہوئیں اور بکثرت علماء دین نے اس کا اہتمام فرمایا اور دلائل و براہین سے بھری ہوئی کتابیں اس میں تالیف فرمائیں تو ہمیں اس مسئلہ میں تطویل کلام کی حاجت نہیں۔

شیخ مشائخنا خاتمۃ المحققین امام العلماء سید المدرسین مفتی الحنفیۃ بمکۃ المحمیہ سیدنا برکتنا علامہ جمال بن عبداللہ بن عمر مکی اپنے فتاوٰی میں فرماتے ہیں:

القيام عند ذكر مولده الاعظم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم استحسنه جمع من السلف فهو بدعة حسنة[2]

ذکر مولد اعظم حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کو ایک جماعتِ سلف نے مستحسن کہا تو وہ بدعت حسنہ ہے۔

پھر علامہ انباری کی مورد الظمآن سے نقل فرماتے ہیں:

قام الامام السبكى وجميع من بالمجلس وكفى بمثل ذٰلك فى الاقتداء[3] اھ ملخصًا.

امام سبکی اور تمام حاضرینِ مجلس نے قیام کیا اور اس قدر اقتدار کے لئے بس ہے۔

مولانا جمال عمر قدس سرہ کے اس فتوٰی پر موافقت فرمائی مولانا صدیق بن عبدالرحمٰن کمال مدرس مسجد حرام اور حضرت علامۃ الورٰی علم الہدٰی مولانا وشیخنا و برکتنا السید السند احمد زین دحلان شافعی اور مولٰینا محمد بن محمد کتبی مکی اور مولٰینا حسین بن ابراہیم مکی مالکی مفتی مالکیہ وغیرہم اکابر علمائے نفعنا اللہ تعالٰی لعلومہم آمین۔ یہی مولانا حسین دوسری جگہ فرماتے ہیں:

استحسنه كثير من العلماء وهو حسن

اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا، اور وہ حسن ہے

---

[1] الدرر السنیہ فی الرد علی الوہابیہ دار الشفقۃ استانبول ترکیا ص ۱۸
[2] فتاوی جمال بن عمر المکی
[3] " " " "

لما یجب علینا تعظیمہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم[1]

کہ ہم پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم واجب ہے۔

مولٰینا محمد بن یحیی حنبلی مفتی حنابلہ فرماتے ہیں:

نعم یجب القیام عند ذکر ولادتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذ یحضر روحانیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعند ذلک یجب التعظیم والقیام[2]

ہاں ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام ضرور ہے کہ روحِ اقدس حضور معلّی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوتی ہے تو اس وقت تعظیم و قیام ضرور ہوا۔

قولہ رحمہ اللہ تعالیٰ یجب القیام الخ اقول اراد التاکد فی محل الادب کقول القائل لحبیبہ حقك واجب علیّ وھو من المحاورات الشائعۃ بینھم کما لا یخفی علی من تتبع کلماتھم واما حضور روحانیتہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلی ما فصل ونقح ابی و مولائی مقدام العلماء الکرام فی کتابہ اذاقۃ الأثام واللہ تعالیٰ اعلم۔

مولانا علیہ الرحمہ کا قول کہ قیام واجب ہے الخ میں کہتا ہوں اس سے مولانا موصوف نے محل ادب میں تاکید کا ارادہ فرمایا ہے جیسے کوئی اپنے دوست کو کہے کہ تیرا حق مجھ پر واجب ہے، یہ عربوں میں مشہور محاورات میں سے ہے جیسا کہ ان کے کلام کے تتبع کرنے والے پر مخفی نہیں۔ رہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روحانیت کا جلوہ گر ہونا، تو اس کی تفصیل وتنقیح علماء کے پیشوا میرے آقا و والدگرامی نے اپنی کتاب اذاقۃ الآثام میں کردی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مولٰینا عبداللہ بن محمد مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

استحسنہ کثیرون[3] (اسے بہت علماء نے مستحسن رکھا ہے)

---

[1]

[2]

[3]

شیخ مشائخنا مولانا الامام الاجل الفقیہ المحدث سراج العلماء عبد اللہ سراج مکی مفتی حنفیہ فرماتے ہیں:

توارثہ الائمۃ الاعلام واقرہ الائمۃ والحکام من غیر نکیر منکر وردّ راد ولھذا کان حسنا ومن یستحق التعظیم غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویکفی اثر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنھما ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن[له]

یہ قیام مشہور برابر اماموں میں متوارث چلا آتا ہے اور اسے ائمہ وحکام نے برقرار رکھا اور کسی نے رَدّ و انکار نہ کیا لہٰذا یہ مستحب ٹھہرا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا اور کون مستحق تعظیم ہے اور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث کافی ہے کہ جس چیز کو اہل اسلام نیک سمجھیں وہ اللہ تعالٰی کے نزدیک بھی نیک ہے۔

اسی طرح مفتی عمر بن ابی بکر شافعی نے اس کے استحباب واستحسان پر تصریح فرمائی۔

فتوائے علمائے حرمین محترمین جس پر مفتی مکہ معظمہ مولٰینا محمد بن حسین کتبی حنفی اور رئیس العلماء شیخ المدرسین مولانا جمال حنفی اور مفتی مالکیہ مولانا حسین بن ابراہیم مکی اور سید المحققین مولانا احمد بن زین شافعی اور مدرس مسجد نبوی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مولانا محمد بن محمد غرب شافعی اور مولانا عبد الکریم بن عبد الحکیم حنفی مدنی اور فقیہ جلیل مولانا عبد الجبار حنبلی بصری نزیل مدینہ منورہ اور مولانا ابراہیم بن محمد خیاد حسینی شافعی مدنی کی مہریں ہیں اور اصل فتوٰی مزیّن بخطوط ومواہیر علماء ممدوحین فقیر نے بچشم خود دیکھا اور مدتوں فقیر کے پاس رہا جس میں اکثر مسائل متنازع فیہا پر بحث فرمائی ہے اور بدلائل باہرہ مذہب وہابیت کو سراسر باطل ومردود ٹھہرایا ہے، اس میں دربارۂ قیام مذکور ہے:

واما قیام اھل الاسلام عند ذکر ولادتہ علیہ الصلٰوۃ والسلام فی ذٰلک المحفل اشاعۃ للتعظیم واظہار

یعنی ذکر ولادت حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت اس محفل میں اہل اسلام کا اشاعت تعظیم واظہار احترام کے لئے قیام کرنا

له

الاحترام فقد صرح فی انسان العیون المشہور بالسیرۃ الحلبیۃ باستحسانہ کذلک وقال العلامۃ البرزنجی فی رسالۃ المولد قد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذو درایۃ وروایۃ فطوبٰی لمن کان تعظیمہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غایۃ مرامہ ومرماہ[1] انتہی بلفظہ اما الحکم بحرمۃ ذٰلک التعظیم وممانعتہ بدلیل عدم ذکرہ بالخصوص فی السنۃ فھو فاسد عند جمہور المحققین قال فی عین العلم والاسرار بالمساعدۃ فیما لم ینہ عنہ وصار معتادا بعد عصرھم حسنۃ وان کان بدعۃ[2] الخ اقول والدلیل علٰی ھذا ماروی ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ مرفوعًا وموقوفًا ما رأہ المسلمون حسنًا فھو عند اللہ حسن[3] وقولہ علیہ الصلٰوۃ والسلام خالقوا الناس باخلاقھم رواہ الحاکم وقال صحیح علٰی شرط الشیخین[4]، وقال الامام حجۃ الاسلام فی

بتصریح انسان العیون مشہور بہ سیرت حلبیہ مستحسن ہے۔ اور علامہ برزنجی رسالہ مولد میں فرماتے ہیں قیام وقت ذکر مولد شریف ائمہ ذو درایت و روایت کے نزدیک مستحب ہے تو خوشی ہو اُسے جس کی غایت مراد ومرام تعظیم حضور سید الانام علیہ الصلٰوۃ والسلام ہے انتہی اور اس تعظیم کو بدیں وجہ کہ اس خصوصیت کے ساتھ حدیث میں مذکور نہیں حرام وممنوع کہنا جمہور محققین کے نزدیک فاسد ہے عین العلم میں فرماتے ہیں جس چیز سے شروع میں نہی نہ آئی اور بعد زمانہ سلف کے لوگوں میں جاری ہوئی اس میں موافقت کرکے مسلمانوں کا دل خوش کرنا بہتر ہے اگرچہ وہ چیز بدعت ہی ہو الخ میں کہتا ہوں اور اس پر دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور خود ان کے قول سے مروی ہوئی کہ اہل اسلام جس چیز کو نیک جانیں وہ خدا کے نزدیک بھی نیک ہے اور وہ حدیث کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں سے ان کی عادتوں کے مطابق برتاؤ کرو۔ حاکم نے اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور

[1] عقد الجوہر فی مولد النبی الازہر للبرزنجی (مترجم بالاردویۃ) جامعہ اسلامیہ لاہور ص ۲۵ و ۲۶
[2] عین العلم الباب التاسع فی الصمت وآفات اللسان امرت پریس لاہور ص ۴۱۲
[3] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ دار الفکر بیروت ۳/ ۷۸
[4] اتحاف السادۃ المتقین بحوالہ الحاکم، کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث دار الفکر بیروت ۶/ ۵۶۲

الاحیاء الادب الخامس موافقۃ القوم فی القیام اذا قام واحد منہم فی وجد صادق غیر ریاء او تکلف او قام باختیار من غیر وجد فلابد من الموافقۃ فذٰلک من ادب الصحبۃ ولکل قوم رسم ولابد من مخالقۃ الناس باخلاقھم کما ورد فی الخبر لاسیما اذا کانت اخلاقًا فیھا حسن العشرۃ و تطییب القلب وقول القائل ان ذٰلک بدعۃ لم یکن فی الصحابۃ فلیس کل ما یحکم باباحتہ منقولًا عن الصحابۃ وانما المحذور بدعۃ تراغم سنۃ ماثورۃ و لم ینقل النھی عن شیئ من ھذا وکذٰلک سائر انواع المساعدات اذا قصد بھا تطییب القلب، و اصطلح علیھا جماعۃ فلاحسن المساعدۃ الافیما ورد فیہ نھی لایقبل التاویل[1] انتھی کلام الامام حجۃ الاسلام باختصار المرام۔

امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالٰی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: "پانچواں ادب قوم کی موافقت کرنا ہے قیام میں جب کوئی ان میں سے سچے وجد میں بے نمائش و تکلف یا بلا وجد اپنے اختیار سے کھڑا ہو تو ضرور ہے کہ سب حاضرین اسکی موافقت کریں اور کھڑے ہوجائیں کہ یہ آداب صحبت سے ہے، اور ہر قوم کی ایک رسم ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کی عادتوں کے موافق برتاؤ کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور خصوصًا جب ان عادتوں میں اچھا برتاؤ اور دلوں کی خوشنودی ہو اور کہنے والے کا یہ کہنا کہ یہ بدعت ہے صحابہ سے ثابت نہیں، تو یہ کب ہے کہ جس چیز کے جواز کا حکم دیا جائے وہ صحابہ سے منقول ہو، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت ماموربہا کا کاٹ کرے اور ان باتوں سے نہی کہیں نہ آئی اور ایسے ہی سب مساعدتیں جب ان کے دل خوش کرنا مقصود ہو اور ایک جماعت نے اس پر اتفاق کرلیا ہو تو بہتر یہی ہے کہ ان کی موافقت کی جائے، مگر ان باتوں میں جن سے ایسی صریح نہی وارد ہوئی کہ لائق تاویل بھی نہیں۔" یہاں تک امام حجۃ الاسلام غزالی کا ارشاد تھا کہ باختصار منقول ہوا، انتہٰی۔

---

[1] احیاء العلوم کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبعۃ المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

آخر روضۃ النعیم میں جو فتوائے علماء کرام مطبوع ہوئے ان میں فتوائے ۸ حضرات علماء مدینہ منورہ میں بعد اثبات حسن وخوبی محفل میلاد شریف مذکور:

والحاصل ان مایصنع من الولائم فی المولد الشریف وقراء ته بحضرة المسلمین وانفاق المبرات والقیام عند ذکر ولادة الرسول الامین صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم ورش ماء الورد والقاء البخور وتزیین المکان وقراءة شیئ من القراٰن والصلوٰة علی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم واظهار الفرح والسرور فلاشبهة فی انه بدعة حسنة مستحبة وفضیلة شریفة مستحسنة اذ لیس کل بدعة حراما بل قد تکون واجبة کنصب الادلة للرد علی الفرق الضالة وتعلم النحو وسائر العلوم المعینة علی فهم الکتاب والسنة کما ینبغی ومندوبة کبناء الربط والمدارس ومباحة کالتوسع فی الماٰکل والمشارب اللذیذة والثیاب کما فی شرح المناوی علی جامع الصغیر عن تهذیب النووی فلاینکرها الامبتدع لا استماع لقوله بل علی حاکم الاسلام ان یعزره واللہ تعالٰی اعلم۔

یعنی خلاصہ مقصود یہ ہے کہ میلاد شریف میں ولیمے کرنا اور حالِ ولادت مسلمانوں کو سنانا اور خیرات ومبرات بجالانا اور ذکرِ ولادت رسول امین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور گلاب چھڑکنا اور خوشبوئیں سلگانا اور مکان آراستہ کرنا اور کچھ قرآن پڑھنا اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود بھیجنا اور فرحت وسرور کا ظاہر کرنا بیشک بدعت حسنہ مستحبہ فضیلت اور شریفہ مستحسنہ ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں ہوتی بلکہ کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقوں کے رَد کے لئے دلائل قائم کرنا اور نحو وغیرہ وہ علوم سیکھنا جن کی مدد سے قرآن وحدیث بخوبی سمجھ میں آسکیں اور کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے سرائیں اور مدرسے بنانا، کبھی مباح جیسے لذیذ کھانے پینے اور کپڑوں میں وسعت کرنا جیسا کہ علامہ مناوی نے شرح جامع صغیر میں تہذیب امام علامہ نووی سے نقل کیا تو ان امور کا انکار وہی کرے گا جو بدعتی ہوگا، اس کی بات سُننا نہ چاہئے بلکہ حاکمِ اسلام پر واجب ہے کہ اسے سزا دے۔ واللہ تعالٰی اعلم انتہی۔

[1] روضۃ النعیم

اس فتویٰ پر مولینا عبد الجبار و ابراہیم بن خیار وغیرہما تیس علماء کی مُہریں ہیں اور فتوائے علمائے مکۂ معظمہ میں میلاد و قیام کا استحباب علمائے سلف سے نقل کرکے فرماتے ہیں:

فالمنکر لهذا مبتدع بدعة سيئة مذمومة لانكاره على شئ حسن عند الله والمسلمين كما جاء فى حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه قال ما راٰه المسلمون حسنا فهو عند الله حسنٌ والمراد من المسلمين هٰهنا الذين كملوا الاسلام كالعلماء العالمين وعلماء العرب والمصر والشام والروم والاندلس كلهم راٰوه حسنا من زمان السلف الى الاٰن فصار الاجماع والامر الذى ثبت به اجماع الامة فهو حق ليس بضلال قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم لا تجتمع امتى على الضلالة فعلى حاكم الشرع تعزير المنكر. والله تعالىٰ اعلم[1]

پس مجلس و قیام کا منکر بدعتی ہے اور اس منکر کی بدعت سیئہ و مذمومہ کہ اس نے ایسی چیز پر انکار کیا جو خدا اور اہل اسلام کے نزدیک نیک تھی جیسا کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں آیا ہے کہ جس چیز کو مسلمان نیک اعتقاد کریں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے۔ اور یہاں مسلمانوں سے کامل مسلمان مراد ہیں جیسے علمائے باعمل اور اس مجلس و قیام کو عرب و مصر و شام و روم و اندلس کے تمام علمائے سلف نے آج تک حسن جانا تو اجماع ہوگیا اور جو امر اجماع امت سے ثابت ہو وہ حق ہے گمراہی نہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: میری اُمت گمراہی پر اجماع نہیں کرتی۔ پس حاکم شرع پر لازم ہے کہ منکر کو سزا دے۔ واللہ تعالےٰ اعلم انتہی۔

اس فتویٰ پر حضرت سیدا لعلماء احمد دحلان مفتی شافعیہ و جناب مستطاب شیخنا و برکتنا سراج الفضلا مولانا عبد الرحمٰن سراج مفتی حنفیہ و مولانا حسن مفتی حنابلہ و مولانا محمد شرقی مفتی مالکیہ وغیرہم پینتالیس ۴۵ علماء کی مُہریں ہیں اور فتوائے علماء جدہ[2] میں مجیب اول مولانا ناصر بن علی بن احمد مجلس میلاد اور اس میں قیام و تعینِ یوم و تزئینِ مکان و استعمالِ خوشبو و قراءتِ قرآن و اظہارِ سرور و اطعامِ طعام کی نسبت فرماتے ہیں:

بهٰذه الصورة المجموعة من

جس مجلس میں یہ سب باتیں کی جائیں وہ شرعاً

---

[1] روضۃ النعیم

[2] فتاوی ۱۰ از علمائے جدہ۔

الاشیاء المذکورة بدعة حسنة مستحبة شرعًا لا ینکرها الا من فی قلبه شعبة من شعب النفاق والبغض له صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکیف یسوغ له ذلك مع قوله تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب[1]

بدعت حسنہ ہے جس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل میں نفاق کی شاخوں سے ایک شاخ اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عداوت ہے اور یہ انکار اسے کیونکر روا ہوگا حالانکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جو خدا کے شعائروں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہیں[1]

مولانا عباس بن جعفر بن صدیق فرماتے ہیں:

ما اجاب به الشیخ العلامة فهو الصواب لا یخالفه الا اهل النفاق وما فی السوال فهو حسن کیف وقد قصد بذلك تعظیم المصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم لاحرمنا اللہ تعالیٰ من زیارة فی الدنیا ولا من شفاعة فی الاخریٰ ومن انکر من ذلك فهو محروم منهما[2]

شیخ علامہ ناصر بن احمد بن علی نے جو جواب دیا وہی حق ہے اس کے خلاف نہ کریں گے مگر منافقین، اور جو کچھ سوال میں مذکور ہے سب حسن ہے، اور کیوں نہ حسن ہو کہ اس سے مصطفےٰ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں محروم نہ کرے ان کی زیارت سے دنیا میں اور نہ ان کی شفاعت سے آخرت میں، اور جو اس سے انکار کرے گا وہ ان دونوں سے محروم ہے[2]

مولانا احمد فتاح لکھتے ہیں:

اعلم ان ذکر ولادة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وما وقع من المعجزات والحضور لسماعه

جان لو کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت و معجزات کا ذکر اور اس کے سننے کو حاضر ہونا بیشک سنت ہے مگر یہ ہیئتِ مجموعی جس میں

---

[1] فتویٰ ۹ علماء مکہ معظمہ و مفتیانِ مذاہب اربعہ
[2] منکر زیارت و شفاعت سے محروم ہے۔
[1]
[2]

سنة بلا شك وریب لکن من هٰذه الصورة المجموعة من الاشیاء المذکورة کما هو المعمول فی الحرمین الشریفین و جمیع دیار العرب بدعة حسنة مستحبة یثاب فاعلها ویعاقب منکر ومانعها۔[1]

قیام وغیرہ اشیائے مذکورہ ہوتی ہیں جیسا کہ حرمین شریفین اور تمام دیارِ عرب کا معمول ہے اور یہ بدعتِ حسنہ مستحبہ ہے جس کے کرنیوالے کو ثواب اور منکر و مانع پر عذاب۔

مولانا محمد بن سلیمان لکھتے ہیں:

نعم اصل ذکر المولد الشریف و سماعه سنة و بهٰذه الکیفیة المجموعة بدعة حسنة مستحبة وفضیلة عظیمة مقبولة عند الله تعالٰی کما جاء فی اثر عبد الله بن مسعود رضی الله تعالٰی عنه ما راٰه المسلمون حسنًا فهو عند الله حسنٌ، والمسلمون من زمان السلف الی الاٰن من اهل العلم والعرفان کلهم راٰه حسنا بلا نقصان فلا ینکر ولا یمنع من ذٰلك الا مانع الخیر و الاحسان و ذٰلك عمل الشیطٰن[2]

ہاں اصل ذکر مولد شریف اور اس کا سننا سنت ہے اور اس کیفیت مجموعی کے ساتھ جس میں قیام وغیرہ ہوتا ہے بدعت حسنہ مستحبہ اور بڑی فضیلت پسندیدۂ خدا ہے کہ حدیث عبداللہ بن مسعود میں وارد "جسے مسلمان نیک سمجھیں وہ خدا کے نزدیک نیک ہے" اور مسلمان سلف سے آج تک علما اولیا سب اسے حسن بلانقصان سمجھتے آئے تو اس سے منع وانکار نہ کرے گا مگر وہ کہ خیر اور بھلائی سے روکنے والا ہوگا اور یہ کام شیطان کا ہے۔

مولانا احمد علیس لکھتے ہیں:

الحمد لله وکفٰی والصلٰوة علی المصطفٰی نعم ذکر ولادة النبی صلی الله تعالٰی علیه وسلم ومعجزة وحلیة والحضور

خدا کو حمد ہے اور وہ کافی ہے اور مصطفےٰ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پر درود۔ ہاں ولادت ومعجزات و حلیہ شریفہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنا اور

ﻪ[1]

ﻪ[2]

لسماعه وتزيين المكان ورش ماء الورد والبخور بالعود وتعين اليوم و القيام عند ذكر ولادته صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واطعام الطعام وتقسیم التمر وقراءة شئ من القرآن کلها مستحبة بلا شك وریب واللہ تعالیٰ اعلم بالغیب[1]

اس کے سننے کو حاضر ہونا اور مکان سجانا اور گلاب چھڑکنا اور اگربتی سلگانا اور دن مقرر کرنا اور ذکرِ ولادتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا اور کھانا کھلانا اور خرمے بانٹنا اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھنا بلا شک و شبہہ مستحب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالغیب۔

مولانا محمد صالح لکھتے ہیں :

امة النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من العرب والمصر والشام والروم والاندلس وجمیع بلاد الاسلام مجتمع علی استحبابه واستحسانه[2]

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت عرب و مصر و شام و روس و روم و اندلس و تمام بلادِ اسلام اس کے استحباب واستحسان پر اجماع و اتفاق کئے ہوئے ہے۔

اور اسی طرح احمد بن عثمان و احمد بن عجلان و محمد صدقہ و عبدالرحیم بن محمد زبیدی نے لکھا اور تصدیق کیا تھا، فتاوائے علمائے جدہ میں مولانا یحییٰ بن اکرم فرماتے ہیں :

الف فی ذلك العلماء وحثوا علی فعله فقالوا لاینکرها الا مبتدع فعلی حاکم الشریعة ان یعزره[3]

علمائے اس بارے میں کتابیں تالیف فرمائیں اور اس کے فعل پر رغبت دی اور فرمایا اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی، تو حاکمِ شرع پر اسکی تعزیر لازم۔

مولانا علی شامی فرماتے ہیں :

لاینکر هذا الا من طبع اللہ علی قلبه وقد نص علماء السنة علی

اس کا انکار نہ کرے گا مگر وہ جس کے دل پر خدا نے مُہر کر دی اور بیشک علمائے اہلسنت نے

---

[1]

[2]

ان ھذا من المستحسن المثاب علیہ وسداواسرد الحسن علی منکرہ الخ۔[1]

تصریح فرمائی کہ یہ مستحسن وکارِ ثواب ہے اور منکر کا خوب رد فرمایا۔

مولانا علی بن عبد اللہ لکھتے ہیں :

لاشك فیہ الا مبتدع یلیق بہ التعزیر[2]

اس میں شک وہی کرے گا جو بدعتی قابلِ سزا ہوگا۔

مولانا علی طحان لکھتے ہیں :

قراءۃ المولد الشریف والقیام فیہ مستحب ومن انکر ذٰلك فھو جحود لا یعرف مراتب الرسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم۔[2]

مولد شریف پڑھنا اور اس میں قیام کرنا مستحب ہے اور منکر ہٹ دھرم ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی قدر معلوم نہیں۔[ع]

مولانا محمد بن داؤد بن عبد الرحمٰن لکھتے ہیں :

مستحب یثاب فاعلہ ولا ینکرہ الا متبدع[3]

مستحب کرنے والا ثواب پائے گا اور منکر بدعتی ہوگا۔

مولانا محمد بن عبد اللہ لکھتے ہیں :

قراءۃ المولد الشریف والقیام عند ذکر ولادۃ النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکل شیئ فی السوال حسن بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ومن یستحق التعظیم غیرہ[4]

مولد شریف پڑھنا اور ذکر ولادت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے وقت قیام کرنا اور جتنی باتیں سوال میں مذکور ہیں یہ سب تعظیم مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کیلئے حسن ہیں اور حضور کے سوا تعظیم کا مستحق کون ہے۔

مولانا احمد بن خلیل لکھتے ہیں :

ھو الصواب اللائق بتعظیم المصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فعلی حاکم الشریعۃ

یہی حق ہے اور تعظیم مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے مناسب۔ پس حاکمِ شریعت مطہرہ پر لازم

ع۱ منکر واجب التعزیر ہے۔

ع۲ منکر رسالت کی قدر نہیں۔

۱؎

۲؎

۳؎

۴؎

المطهرة تزجر من انكر وتعزيرہ۔[1]

کہ منکر کو جھڑکے اور سزا دے۔[1]

مولانا عبد الرحمٰن بن علی حضرمی لکھتے ہیں:

استحسنوا القیام تعظیماله اذا جاء ذکر مولده صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم وماصار تعظیماله صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم فوجب علینا اداؤہ والقیام به ولا ینکر ماذکرنا الا مبتدع مخالف عن طریق اهل السنة والجماعة لا استماع واصغاء لکلامه وعلٰی حاکم الاسلام تعزیرہ۔[2]

علمائے وقتِ ذکرِ ولادتِ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضور کی تعظیم کے لئے قیام مستحسن سمجھا اور جو چیز حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ٹھہری تو اس کا ادا کرنا اور بجالانا ہم پر واجب ہوگیا اور اور اس کا انکار نہ کرے گا مگر بدعتی مخالف طریقہ اہلسنت وجماعت جس کی بات نہ سننے کے قابل نہ توجہ کے لائق، اور حاکم اسلام پر اس کی تعزیر واجب ہے۔

بالجملہ سردست اس قدر کتب فتاوٰی وافعال واقوال علماء ائمہ سے اس قیام مبارک کے استحسان واستحباب کی سندِ صریح حاضر ہے جس میں سَوْ سے زائد ائمہ وعلماء کی تحقیق وتصدیق روشن وظاہر اور رسالہ غایۃ المرام میں علمائے ہند کے فتوے چھپے ہیں پچاس سے زیادہ مہر ودستخط ہیں۔ اب منصف انصاف کرے آیا اس قدر علماء مکہ معظمہ[1] ومدینہ منورہ[2] وجدہ[3] وحدیدہ[4] وروم[5] وشام[6] ومصر[7] ودمیاط[8] ویمن[9] وزبید[10] وبصرہ[11] وحضرموت[12] وحلب[13] وحبش[14] وبرزنج[15] وبرع[16] وکرد[17] وداغستان[18] واندلس[19] وہند[20] کا اتفاق قابلِ قبول اربابِ عقول نہ ہوگا، یا معاذاللہ یہ عمائدِ شریعت صدہا سال سے آج تک سب کے سب مبتدع وبدمذہب، اور ایک بدعت ضلالت کے مستحب ومستحسن ماننے والے ٹھہریں گے، تعصب نہ کیجئے تو ہم ایک تدبیر بتائیں ذرا اپنے دل کو خیالاتِ اِیں وآں سے رہائی دیجئے اور آنکھیں بند کرکے گردن جھکا کر یوں دل میں مراقبہ کیجئے کہ گویا یہ سیکڑوں اکابر سب کے سب ایک وقت میں زندہ موجود ہیں اور اپنے اپنے مراتب عالیہ کے ساتھ ایک مکان عالیشان میں جمع ہوئے ہیں اور ان کے حضور مسئلہ قیام پیش ہوا ہے اور ان سب عمائد نے ایک زبان ہو کر بلند آواز سے فرمایا ہے، بیشک مستحب ہے، وہ کون ہے جو اسے بُرا کہتا ہے، ذرا ہمارے سامنے آئے، اس وقت ان کی

---

[1] منکر واجب التعزیر ہے۔ [2] ایضاً

سلہ   سلہ

شوکت وجبروت کو خیال کیجئے اور مشتے چند مالعین ہندوستان میں ایک ایک کا منہ چراغ لے کر دیکھئے کہ ان میں سے کوئی بھی اس عالی شان مجمع میں جاکر ان کے حضور اپنی زبان کھول سکتا ہے اور یوں تو : ؎

چوں شیراں برفتند از مرغزار　　زند روبہ لنگ لاف شکار[1]

(جب جنگلات اور سبزہ زار سے شیر چلے جائیں تو لنگڑی لومڑی بھی شکار کی ڈینگیں مارنے لگتی ہے۔ ت)

جسے چاہئے کہہ دیجئے کہ وہ کیا تھا ہم ان کی کب مانتے ہیں' ان کا قول کیا حجت ہوسکتا ہے' یہ بھی نہ سہی' بالفرض اگر ان سب اکابر سے بیانِ مسئلہ میں غلطی وخطا ہوجائے تو نقل وروایت میں تو معاذ اللہ کذب وافتراء نہ کریں گے، اب اوپر کی عبارتیں دیکھئے کہ کتنے علمائے اہلسنت وجماعت و علمائے بلاد ودار الاسلام کا اس فعل کے استحباب واستحسان پر اجماع نقل کیا ہے، کیا اجماع اہلسنت بھی پایۂ قبول سے ساقط' اور ہنوز دلیل وسند کی حاجت باقی ہے، اچھا یہ بھی جانے دو' اور چند ہندیوں کا خلاف کہ وہ بھی جب یہاں کسی طرح کا دینی بندوبست ونظام نہ رہا اور ہر ایک کو جو منہ پر آئے بک دینے کا اختیار ملا وقت وموقع پاکر بہک اٹھے ہیں، قادح اجماع جانو، تاہم ہماری طرف سوادِ اعظم میں تو شک نہیں' اور حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اتبعوا السواد الاعظم فانہ من شذ شذ فی النار[2]　　بڑے گروہ کی پیروی کرو کہ جو اکیلا رہا اکیلا دوزخ میں گیا۔

اور فرماتے ہیں:

انما یاکل الذئب القاصیۃ[3]۔　　بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلہ سے دور ہوتی ہے۔

انصاف کیجئے تو حضرت امام اجل محقق اعظم سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور اس وقت کے اکابر علماء واعیانِ قضاۃ ومشائخ اسلام کا قیام ہی مسلمانوں کے لئے حجت کافیہ تھا

---

[1]

[2] المستدرک للحاکم　کتاب العلم　دار الفکر بیروت　۱/ ۱۱۶-۱۱۵

[3] السنن الکبرٰی　کتاب الصلوۃ باب فرض الجماعۃ فی غیر الجمعۃ علی الکفایۃ　دار صادر بیروت　۳/ ۵۴

جس کے بعد اور سند کی احتیاج نہ تھی جیسا کہ علامہ جلیل علی بن برہان حلبی و علامہ انباری وغیرہما علماء نے تصریح فرمائی نہ کہ ان ائمہ کے بعد یہ قیام تمام بلاد دار الاسلام کے خواص وعوام میں صدہا سال سے شائع وذائع ہے اور ہزارہا علماء و اولیاء اس پر اتفاق واجماع فرمائیں جب بھی آپ صاحبوں کے نزدیک لائق تسلیم نہ ہو صد حیف ہزار افسوس کہ قرنہا قرن سے علمائے امت محمدیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وعلیہم وسلم سب معاذ اللہ بدعتی وگمراہ خطا کار ٹھہریں اور سچے پکے سُنّی بنیں تو یہ چند ہندی جنھیں اس ملک میں احکامِ اسلام جاری نہ ہونے نے ڈھیلی باگ کردی انا للہ وانا الیہ راجعون[1] (ہم اللہ کے مال ہیں اور ہمیں اسی کی طرف پھرنا ہے۔ت)

یہ مجمل تحقیق استحباب قیام پر صرف ایک دلیل کی، اس کے سوا دلائل متکاثرہ وحجج باہرہ و براہین قاہرہ قرآن وحدیث واصول وقواعد شرع سے اس پر قائم ہیں جن کی تفصیل و توضیح اور شبہات مانعین کی تذلیل وتفضیح بطرز بدیع ونہج نجیح حضرت حجۃ الاسلام بقیۃ السلف تاج العلماء راس الکملا سیدی ومولائی خدمت والد ماجد حضرت مولانا محمد نقی علی خاں صاحب قادری برکاتی احمدی قدس اللہ تعالٰی سرہ الزکی نے رسالہ مستطابہ اذاقۃ الاثام لمانعی عمل المولد والقیام میں بما لامزید علیہ بیان فرمائی جسے تحقیق عدیل و تدقیق بے مثیل دیکھنے کی تمنا ہو اسے مژدہ دیجئے کہ اس پاک مبارک رسالہ کے مائدہ فائدہ سے زلہ ربا ہو، رہا یہ کہ قیام ذکر ولادت شریف[1] کے وقت کیوں ہے، اس کی وجہ نہایت روشن، اوّلاً صدہا سال سے علماء کرام و بلاد دار الاسلام میں یونہی معمول، ثانیاً ائمہ دین تصریح فرماتے ہیں کہ ذکر پاک صاحب لولاک صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم مثل ذاتِ اقدس کے ہے اور صور تعظیم سے ایک صورت قیام بھی ہے اور یہ صورت وقت قدوم معظم بجا لائی جاتی ہے اور ذکر ولادت شریف حضور سیّد العالمین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے عالم دنیا میں تشریف آوری کا ذکر ہے تو یہ تعظیم اسی ذکر کے ساتھ مناسب ہوئی، واللہ تعالٰی اعلم۔

لطیفہ نظیفہ[2]: ہمارے فرقہ اہلسنت وجماعت پر رحمتِ الٰہیہ کی تمامی سے ہے کہ اس مسئلہ

ف۱: تحقیق ذکر ولادت شریفہ

ف۲: ایک بڑے وہابی میاں نذیر حسین دہلوی کا کلام اور اس سے ڈنکے کی چوٹ ثبوتِ قیام۔

[1] القرآن الکریم ۲/ ۱۵۶

میں بہت منکرین کو اپنے گھر بھی جائے دست و پا زدن باقی نہیں وہ بزور زبان قیام کو بدعت و ناجائز کہے جاتے ہیں مگر ان کے امام تو مولیٰ و مرشد و آقا مجتہد الطائفہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کہ آج وہابیہ ہندوستان کے سر و سردار اور ان کے یہاں لقب شیخ الکل فی الکل کے سزاوار ہیں جن کی نسبت وہابیہ ہند کی ناک طائفہ بھر کے بڑے متکلم بیباک کشور تو ہب کے افسر فوجی میاں بشیر الدین صاحب قنوجی نے اپنے رسالہ ممانعت مجلس و قیام مسمّٰی بہ غایۃ الکلام میں لکھا :

زبدۃ المحققین وعمدۃ المحدثین مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی از اولیائے عصر و اکابر علمائے این زمان ست[1] الٰی آخر الہذیان۔

محققین میں افضل اور محدثین کے معتمد مولانا سید نذیر حسین شاہجہاں آبادی اس زمانے کے اولیاء واکابر علماء میں سے ہیں۔ خرافات کے آخر تک۔ (ت)

یہ حضرت من حیث لایشعر جواز و استحباب قیام تسلیم فرما چکے، امام اجل عالم الامہ کاشف الغمہ سیدنا تقی الملۃ والدین سبکی اور ان کے حضار مجلس کا نعت و ذکر حضور اصطفا علیہ افضل التحیۃ والثناء سُن کر قیام فرمانا تو ہم اوپر ثابت کر آئے اور اس سے ملا مجتہد دہلوی بھی انکار نہیں کرسکتے کہ خود اسی مسئلہ میں ان کے مستند علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے بھی سبل الہدٰی والرشاد میں یہ حکایت نقل فرمائی اب سُنئے کہ مجتہد بہادر اپنے ایک دستخطی مہری مصدقہ فتوٰی میں کہ فقیر کے پاس اصلی موجود ہے کیا کچھ تسلیم فرماتے ہیں ان امام ہمام کی نسبت لکھا ہے :

تقی الدین سبکی کے اجتہاد پر علماء کا اجماع ہے۔

امام علامہ مجتہد ابن حجر مکی ان کی تعریف میں لکھتے ہیں :

الامام المجمع علی جلالتہ واجتہادہ[2]۔ وہ امام جن کی جلالت و اجتہاد پر اجماع ہے (ت)

یہاں سے صاف ثابت ہوا کہ امام تقی الدین کا مجتہد ہونا ان تیرہ صدی کے مجتہد کو مقبول ہے اور اسی فتوے میں ہے جب ایک امام صحیح الاجتہاد نے ایک کام تو کیا ضرور ہے کہ اس کا اجتہاد اس کی طرف مؤدی ہوا اور اجتہاد مجتہد بیشک حجت شرعیہ ہے۔ اب کیا کلام رہا کہ اس قیام کے جواز پر حجت شرعیہ قائم، اور سنئے اسی فتوٰی میں ہے جیسے ائمہ اربعہ کا قول ضلالت نہیں ہوسکتا ایسے ہی کسی مجتہد کا مذہب بدعت

---

[1] غایۃ الکلام بشیر الدین القنوجی

[2] فتاوٰی حدیثیہ مطلب فیما جری من ابن تیمیہ الخ مطبع جمالیہ مصر ص ۸۵

نہیں ٹھہر سکتا، جو ایسا کہے وہ خبیث خود بدعتی احبار و رہبان پرست ہے کہ مجتہد چاہے اگلا ہو یا پچھلا وہ وہ تو مظہرِ حکمِ خدا ہے، نہ مثبت۔ اب تو ماننا پڑے گا کہ جو شخص قیام کو بدعت و ضلالت کہے وہ خود خبیث بدعتی احبار و رہبان پرست ہے۔ اور سُنئے تمام لطائف جو ایسی جگہ اس خبط پر ناز کرتا تھا کہ یہ قیام حادث ہے اور حدیث میں محدثات کی مذمت وارد۔ مجتہد صاحب نے یہ دروازہ بھی بند کر دیا کہ اسی فتوے میں ہے خدا نے مجتہدوں کو اس لئے بنایا ہے کہ جو واقعہ تازہ پیدا ہو اس کا حکم بیان کریں تو اس کا اماموں پر طعنہ بعینہٖ قرآن وحدیث پر طعن ہے اور ایسی جگہ حدیث من احدث الخ پڑھنا اول تو جھوٹ دوسرے کتنا بے محل الخ اس مقام کا زیادہ احقاق وکمال اور دلائل مانعین کا ازہاق و ابطال فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ کے رسالہ الصارم الالٰہی علٰی عمائد المشرب الواھی پر محول کہ رَدِّ فتوائے مولوی نذیر حسین دہلوی میں زیر قصد تالیف ہے وہاں ان شاء اللہ العزیز فیضِ الٰہی نئے طور سے بندۂ اذل ارذل کے لئے کارفرمائے عنایت ہوگا جو کچھ لکھا جائے گا محض اقرار و اعتراف عمائد فرقہ سے مثبت ہوگا، واللہ الموفق والمعین ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ العلی العظیم (اللہ تعالٰی ہی توفیق دینے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر نہ تو گناہ سے بچنے کی طاقت ہے اور نہ ہی نیکی کرنے کی۔ ت)

مقامِ دوم: اس مقام کی شرح وتفصیل مقتضی نہایت اطناب وتطویل کہ اگر اس کا ایک حصہ بیان میں آئے تو کتاب مستقل ہو جائے معہذا ہمارے علمائے عرب وعجم بحمد اللہ اس سے فارغ ہو چکے کوئی دقیقہ احقاق حق و ابطال کا اٹھا نہ رکھا علی الخصوص حضرت حامی سُنن و ماحی الفتن حجۃ اللہ فی الارضین معجزۃ سید المرسلین صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم حضرت سیدی خدمت والدم روح اللہ روحہ و نور ضریحہ نے کتاب مستطاب اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد میں وہ تحقیقاتِ بدیعہ و تدقیقاتِ منیعہ ارشاد فرمائیں جن کے بعد ان شاء اللہ تعالٰی حق کے لئے نہیں مگر غایت انجلاءِ بیان اور باطل کو نصیب نہیں مگر بے موت بے امان، والحمد للہ رب العالمین، لہذا فقیر یہاں چند اجمالی نکتوں پر بر سبیل اشارہ وایماء اکتفا کرتا ہے اگر اسی قدر چشمِ انصاف میں پسند آیا فبہا ورنہ ان شاء اللہ تعالٰی فقیر تفصیل وتکمیل کے لئے حاضر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (اور نہیں ہے طاقت گناہ سے بچنے کی اور نہ ہی نیکی کرنے کی مگر بلندی، عظمت اور قدرت والے معبود کی توفیق سے۔ ت)

نکتہ ۱: اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جس چیز کی ممانعت شرع مطہرہ سے ثابت اور اسکی

ف: نکتہ ۱: اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

برائی پر دلیل شرعی ناطق، صرف وہی ممنوع و مذموم ہے، باقی سب چیزیں جائز و مباح رہیں گی، خاص ان کا ذکر جواز قرآن و حدیث میں منصوص ہو یا ان کا کچھ ذکر نہ آیا ہو تو جو شخص جس فعل کو ناجائز و حرام یا مکروہ کہے اس پر واجب کہ اپنے دعوے پر دلیل قائم کرے اور جائز و مباح کہنے والوں کو ہرگز دلیل کی حاجت نہیں کہ ممانعت پر کوئی دلیل شرعی نہ ہونا یہی جواز کی دلیل کافی ہے۔ جامع ترمذی و سنن ابن ماجہ و مستدرک حاکم میں سلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الحلال ما احل اللہ فی کتابہ والحرام ماحرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفا عنہ[1]

حلال وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ ہے جو خدا نے اپنی کتاب میں حرام فرمادیا اور جس کا کچھ ذکر نہ فرمایا وہ اللہ کی طرف سے معاف ہے یعنی اس کے فعل پر کچھ مواخذہ نہیں۔

مرقاۃ میں فرماتے ہیں:

فیہ ان الاصل فی الاشیاء الاباحۃ[2]

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل سب چیزوں میں مباح ہونا ہے۔

شیخ شرح میں فرماتے ہیں:

وایں دلیل ست برآنکہ اصل در اشیاء اباحت است[3]

یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ (ت)

نصر کتاب الحجۃ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ سے راوی:

قال اللہ عزوجل خلقکم وھو اعلم بضعفکم فبعث الیکم رسولا من انفسکم وانزل علیکم کتابا وحد لکم

بیشک اللہ عزوجل نے تمھیں پیدا کیا اور وہ تمھاری ناتوانی جانتا تھا تو تم میں تمھیں میں سے ایک رسول بھیجا، اور تم پر ایک کتاب اتاری اور اس

---

[1] جامع الترمذی ابواب اللباس باب ماجاء فی لبس الفراء امین کمپنی دہلی ۱/ ۲۰۶
سنن ابن ماجہ ابواب الاطعمہ باب اکل الجبن والسمن ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۲۴۹
المستدرک للحاکم کتاب الاطعمہ دار الفکر بیروت ۴/ ۱۱۵
[2] مرقاۃ المفاتیح " تحت حدیث ۴۲۲۸ المکتبۃ الحبیبیہ کوئٹہ ۸/ ۵۷
[3] اشعۃ اللمعات " الفصل الثانی " " نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۵۰۶

فیہ حدود اامرکم ان لا تعتدوھا و فرض فی انض امرکم ان تتبعوھا و حرم حرمات نہاکم ان تنتھوھا و ترک اشیاء لم یدعھا نسیئا فلا تکلفوھا وانما ترکھا رحمۃ لکم[1]

میں تمہارے لئے کچھ حدیں باندھیں اور تمھیں حکم دیا کہ ان سے آگے نہ بڑھو اور کچھ فرض کئے اور تمھیں حکم کیا کہ ان کی پیروی کرو اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اور تمھیں ان کی بے حرمتی سے منع فرمایا اور کچھ چیزیں اس نے چھوڑدیں کہ بھول کر نہ چھوڑیں ان میں تکلف نہ کرو اور اس نے تم پر رحمت ہی کے لئے انھیں چھوڑا ہے۔

امام عارف باللہ سیدی عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ باثبات الحرمۃ والکراھۃ الذین لا بد لھما من دلیل بل فی القول بالاباحۃ التی ھی الاصل[2]

یہ کچھ احتیاط نہیں ہے کہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ کہہ کر خدا پر افترا کرو کہ حرمت وکراہت کے لئے دلیل درکار ہے بلکہ احتیاط اس میں ہے کہ اباحت مانی جائے کہ اصل وہی ہے۔

مولانا علی قاری رسالہ اقتدار بالمخالف میں فرماتے ہیں:

من المعلوم ان الاصل فی کل مسئلۃ ھو الصحۃ واما القول بالفساد او الکراھۃ فیحتاج الی حجۃ من الکتاب والسنۃ او اجماع الامۃ[3]

یقینی بات ہے کہ اصل ہر مسئلہ میں صحت ہے اور فساد یا کراہت ماننا یہ محتاج اس کا ہے کہ قرآن یا حدیث یا اجماع امت سے اس پر دلیل قائم کی جائے۔

اور اس کے لئے بہت آیات و حدیث سے یہ مطلب ثابت اور اکابر ائمہ سلف وخلف کے کلام میں اس کی تصریح موجود، یہاں تک کہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے فتوائے مصدقہ مُہری دستخطی میں ہے" او مدہوش بے عقل، خدا اور رسول کا جائز نہ کہنا اور بات ہے اور ناجائز کہنا اور بات۔ یہ بتاؤ کہ تم جو ناجائز کہتے ہو خدا و رسول نے ناجائز کہاں کہا ہے"[4] الخ ملتقطاً

---

[1] کتاب الحجۃ

[2] ردالمحتار بحوالہ الصلح بین الاخوان کتاب الاشربہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۹۶

[3] رسالہ الاقتدار بالمخالف

[4] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

پس مجلسِ میلاد وقیام وغیرہا بہت امورِ متنازع فیہا کے جواز پر ہمیں کوئی دلیل قائم کرنے کی حاجت نہیں، شرع سے ممانعت نہ ثابت ہونا ہی ہمارے لئے دلیل ہے تو ہم سے سند مانگنا سخت نادانی اور حکیم مجتہد بہادر عقل و ہوش سے جدائی ہے، ہاں تم جو ناجائز وممنوع کہتے ہو تم ثبوت دو کہ خدا و رسول نے ان چیزوں کو کہاں ناجائز کہا ہے اور ثبوت نہ دو اِن شاء اللہ تعالٰی ہرگز نہ دے سکو گے تو اقرار کرو کہ تم نے شرعِ مطہر پر افترا کیا،

ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لایفلحون[1]۔ بیشک جو لوگ اللہ تعالٰی پر جھوٹ باندھتے ہیں اُن کا بھلا نہ ہوگا۔ (ت)

سبحان اللہ الٹا سند کا مطالبہ ہم سے۔

نکتہ ۲: عموم واطلاق سے استدلال زمانۂ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے آج تک علما میں شائع وذائع یعنی جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح وہ بات واقع ہوگی ہمیشہ محمود رہے گی تا وقتیکہ کسی صورتِ خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آجائے، مثلاً مطلق ذکرِ الٰہی کی خوبی قرآن وحدیث سے ثابت تو جب کبھی کہیں کسی طور پر خدا کی یاد کی جائے گی بہتر ہی ہوگی، ہر ہر خصوصیت کا ثبوت شرع سے ضرور نہیں مگر پاخانہ میں بیٹھ کر زبان سے یادِ الٰہی کرنا ممنوع کہ اس خاص صورت کی برائی شرع سے ثابت، غرض جس مطلق کی خوبی معلوم اس کی خاص خاص صورتوں کی جدا جدا خوبی ثابت کرنا ضرور نہیں کہ آخر وہ صورتیں اسی مطلق کی تو ہیں جس کی بھلائی ثابت ہو چکی بلکہ کسی خصوصیت کی برائی ماننا یہ محتاجِ دلیل ہے۔ مسلم الثبوت میں ہے:

شاع وذاع احتجاجھم سلفاً وخلفاً بالعمومات من غیر نکیر[2]۔ متقدمین ومتاخرین کا عمومات سے استدلال کرنا بغیر کسی انکار کے معروف اور رائج ہے (ت)

اسی میں ہے:

العمل بالمطلق یقتضی الاطلاق[3]۔ مطلق پر عمل کرنا اطلاق کا تقاضا کرتا ہے (ت)

ف: نکتہ ۲: مطلق حکم اس کی تمام خصوصیتوں میں جاری رہتا ہے۔

[1] القرآن الکریم ۱۶/ ۱۱۶

[2] مسلم الثبوت الفصل الخامس مسئلۃ للعموم صیغ مطبع انصاری دہلی ص ۷۳

[3] " " فصل المطلق مادل علی فرد منتشر " " " " ۱۱۹

تحریر الاصول علامہ ابن الہمام اور اس کی شرح میں ہے:

العمل بہ ان یجری فی کل ما صدق علیہ المطلق[1] اس پر عمل کرنا یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز میں جاری ہو جس پر مطلق صادق آتا ہے (ت)

یہاں تک کہ خود فتوائے مصدقہ نذیریہ میں ہے،

"جب عام و مطلق چھوڑا تو یقیناً اپنے عموم و اطلاق پر رہے گا عموم و اطلاق سے استدلال برابر زمانۂ صحابۂ کرام سے آج تک بلانکیر رائج ہے۔"[2]

اب سُنئے ذکر الٰہی کی خوبی شرع سے مطلقاً ثابت،

قال اللہ تعالٰی اذکروا اللہ ذکراً کثیراً[3] (اللہ تعالٰی نے فرمایا: خدا کو یاد کرو بہت یاد کرنا۔

اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء[ف] و اولیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی یاد میں خدا کی یاد ہے کہ ان کی یاد ہے تو اسی لئے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں، یہ اللہ کے ولی ہیں، معہذا نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد مجالس و محافل میں یونہی ہوتی ہے کہ حضرت حق تبارک وتعالٰی نے انھیں یہ مراتب بخشے یہ کمال عطا فرمائے، اب چاہے اسے نعت سمجھ لو یعنی ہمارے آقا صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایسے ہیں جنھیں حق سبحانہ وتعالٰی نے ایسے درجے دئے اس وقت یہ کلام کریمہ و رفع بعضھم درجات[4] (اور کوئی وہ ہے جس کو سب پر درجوں بلند کیا۔ ت) کی قبیل سے ہوگا چاہے حمد سمجھ لو یعنی ہمارا مالک ایسا ہے جس نے اپنے محبوب کو یہ رتبے بخشے اس وقت یہ کلام کریمہ سبحٰن الذی اسرٰی بعبدہٖ[5] (پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔ ت) و آیۂ کریمہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدٰی[6] (وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ بھیجا۔ ت) کے طور پر ہوجائے گا۔ حق سبحانہ وتعالٰی اپنے

ف: نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر بعینہٖ اللہ تعالٰی کا ذکر ہے۔

[1]

[2] فتاوٰی نذیر حسین دہلوی

[3] القرآن الکریم ۳۳/ ۴۱

[4] القرآن الکریم ۲/ ۲۵۳

[5] ؍؍ ؍؍ ۱۷/ ۱

[6] ؍؍ ؍؍ ۹/ ۳۳

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے فرماتا ہے: ورفعنالك ذکرك[1] اور بلند کیا ہم نے تمھارے لئے تمھارا ذکر۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالٰی شفا شریف میں اس آیۂ کریمہ کی تفسیر سیدی ابن عطا قدس سرہ العزیز سے یوں نقل فرماتے ہیں:

جعلتك ذکرا من ذکری فمن ذکرك ذکرنی[2]

یعنی حق تعالٰی اپنے حبیب صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے فرماتا ہے میں نے تمھیں اپنی یاد میں سے ایک یاد کیا تو جو تمھارا ذکر کرے اس نے میرا ذکر کیا۔

بالجملہ کوئی مسلمان اس میں شک نہیں کرسکتا کہ مصطفٰی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یاد بعینہٖ خدا کی یاد ہے پس بحکمِ اطلاق جس جس طریقہ سے ان کی یاد کی جائے گی حسن ومحمود ہی رہے گی اور مجلسِ میلاد وصلوٰۃ بعد اذان وغیرہما کسی خاص طریقے کے لئے ثبوت مطلق کے سوا کسی نئے ثبوت کی ہرگز حاجت نہ ہوگی ہاں جو کوئی ان طُرق کو ممنوع کہے وہ ان کی خاص ممانعت ثابت کرے، اسی طرح نعمتِ الٰہی کے بیان و اظہار کا ہمیں مطلقاً حکم دیا گیا،

قال اللہ تعالٰی وامّا بنعمۃ ربك فحدّث[3]

(اللہ تعالٰی نے فرمایا:) اپنے رب کی نعمت خوب بیان کرو۔

اور ولادتِ اقدس حضور صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تمام نعمتوں کی اصل ہے تو اس کے خوب بیان و اظہار کا نص قطعی قرآن سے ہمیں حکم ہوا اور بیان و اظہار مجمع میں بخوبی ہوگا تو ضرور جا ہے کہ جس قدر ہوسکے لوگ جمع کئے جائیں اور انھیں ذکرِ ولادت باسعادت سنایا جائے اسی کا نام مجلسِ میلاد ہے، علٰی ہذا القیاس نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر مسلمان کا ایمان ہے اور اس کی خوبی قرآن عظیم سے مطلقاً ثابت، قال اللہ تعالٰی:

انّا ارسلنٰك شاھدا ومبشرا ونذیرا ۝ لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزّروہ وتوقّروہ[4]

اے نبی! ہم نے تمھیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا تاکہ اے لوگو! تم خدا اور رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم کرو۔

---

[1] القرآن الکریم ۹۴/۴

[2] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی الباب الاول الفصل الاول المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۱/۱۵

[3] القرآن الکریم ۹۳/۱۱

[4] القرآن الکریم ۴۸/ ۸ و ۹

وقال تعالیٰ ومن یعظم شعائر اللّٰہ فانھا من تقوی القلوب[1]۔
(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو خدا کے شعاروں کی تعظیم کرے تو وہ بیشک دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

قال ومن یعظم حرمٰت اللّٰہ فھو خیر لہ عند ربہ[2]۔
(اللہ تعالیٰ نے فرمایا) جو تعظیم کرے خدا کی حرمتوں کی تو یہ بہتر ہے اس کے لئے اس کے رب کے یہاں۔

پس بوجہ اطلاق آیات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی حسن ومحمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کے لئے ثبوت جداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں اگر کسی خاص طریقہ کی بُرائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہوجائے گی تو وہ بیشک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانوروں کو ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور کا نام لینا۔ اسی لئے علامہ ابن حجر مکی جوہر منظم میں فرماتے ہیں:

تعظیم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بجمیع انواع التعظیم التی لیس فیھا مشارکۃ اللّٰہ تعالیٰ فی الالوھیۃ امر مستحسن عند من نور اللّٰہ ابصارھم[3]۔
یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسام تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک کرنا نہ ہو ہر طرح امر مستحسن ہے ان کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ نے نور بخشا ہے۔

پس یہ قیام[ف1] کہ وقت ذکر ولادت شریفہ اہل اسلام محض بنظر تعظیم واکرام حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام بجالاتے ہیں بیشک حسن ومحمود ٹھہرے گا تا وقتیکہ مانعین خاص اس صورت کی برائی کا قرآن وحدیث سے ثبوت نہ دیں وانّٰی لھم ذٰلك (اور یہ ان کے لئے کہاں سے ہوگا۔ ت)۔

تنبیہ: یہاں سے ثابت ہوا کہ تابعین وتبع تابعین تو درکنار خود قرآن عظیم سے مجلس وقیام کی خوبی ثابت ہے، والحمدللہ رب العٰلمین۔

نکتہ[ف2] ۳: ہم پوچھتے ہیں تمہارے نزدیک کسی فعل کے لئے رخصت یا ممانعت ماننا اس پر موقوف

ف1: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا نفیس طریقہ۔

ف2: نکتہ ۳، منکروں کی عجیب ہٹ دھرمی۔

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۲ [2] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۰

[3] الجوہر المنظم مقدمہ فی آداب السفر الفصل الاول المکتبۃ القادریۃ فی الجامعۃ النظامیۃ لاہور ص ۱۲

کہ قرآن وحدیث میں اس کا نام لے کر جائز کہا یا منع کیا ہو یا اس کی کچھ حاجت نہیں بلکہ کسی عام یا مطلق مامور بہ یا عام یا مطلق منہی عنہ کے تحت میں داخل ہونا کفایت کرتا ہے بر تقدیر اول تم پر فرض ہوا کہ بالخصوص مجلس و قیام مجلس کے نام کے ساتھ قرآن وحدیث سے حکم ممانعت دکھاؤ بر تقدیر ثانی کیا وجہ کہ ہم سے خصوصیت خاصہ کا ثبوت مانگتے ہو اور باآنکہ یہ افعال اطلاقات ذکر و تحدیث و تعظیم و توقیر کے تحت میں داخل ہیں جائز نہیں مانتے۔

نکتہ نہم: حضرات مانعین کا تمام طائفہ اس مرض میں گرفتار کہ قرون و زمان کو حاکم شرعی بنایا ہے جو نئی بات کہ قرآن وحدیث میں بایں ہیئت کذائی کہیں اس کا ذکر نہیں جب فلاں زمانے میں ہو تو کچھ بری نہیں اور فلاں زمانے میں ہو تو ضلالت و گمراہی، حالانکہ شرعاً و عقلاً کسی طرح زمانہ کو احکام شرع یا کسی فعل کی تحسین و تقبیح پر قابو نہیں، نیک بات کسی وقت میں ہو نیک ہے اور برا کام کسی زمانے میں ہو برا ہے۔ آخر بلوائے مصر و واقعہ کربلا و حادثۂ حرہ و بدعات خوارج و شناعات روافض و خباثات نواصب و خرافات معتزلہ وغیرہا امور شنیعہ زمانۂ صحابہ و تابعین میں حادث ہوئے مگر معاذ اللہ اس وجہ سے وہ نیک نہیں ٹھہر سکتے اور بنائے مدارس و تصنیف کتب و تدوین علوم و رد مبتدعین و تعلیم نحو و صرف و طرق اذکار و صور اشغال اولیائے سلاسل قدست اسرارہم وغیرہا امور حسنہ ان کے بعد شائع ہوئے مگر عیاذاً باللہ اس وجہ سے بدعت نہیں قرار پا سکتے اس کا مدار نفس فعل کے حسن و قبح پر ہے، جس کام کی خوبی صراحۃً یا اشارۃً قرآن وحدیث سے ثابت وہ بیشک حسن ہوگا چاہے کہیں واقع ہو اور جس کام کی برائی تصریحاً یا تلویحاً وارد وہ بیشک قبیح ٹھہرے گا خواہ کسی وقت میں حادث ہو جمہور محققین ائمہ و علماء نے اس قاعدے کی تصریح فرمائی اگرچہ منکرین براہ سینہ زوری نہ مانیں۔ امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی کا قول پہلے گزرا کہ کسی چیز کا نو پیدا ہونا موجب کراہت نہیں کہ بہتیری بدعتیں مستحب بلکہ واجب ہوتی ہیں جبکہ ان کے ساتھ کوئی مفسدہ شرعیہ نہ ہو[1]۔" اسی طرح امام علامہ مرشد ملت حکیم امت سیدنا و مولانا حجۃ الحق والاسلام محمد غزالی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد بھی اوپر مذکور کہ "صحابہ سے منقول نہ ہونا باعث ممانعت نہیں، بری تو وہ بدعت ہے جو کسی سنت مامور بہا کا رد کرے[2]۔" اور کیمیائے سعادت میں ارشاد فرماتے ہیں:

ف: نکتہ ۹، منکرین کی حماقت کہ انھوں نے زمانہ کو حکم بنایا ہے۔

[1] اثبات القیام

[2] احیاء العلوم کتاب السماع والوجد الباب الثانی المقام الثالث مطبع المشہد الحسینی قاہرہ ۲/ ۳۰۵

ایں ہمہ گرچہ بدعت ست واز صحابہ و تابعین نقل نہ کردہ اند لیکن نہ ہرچہ بدعت بود نہ شاید کہ بسیاری بدعت نیکو باشد پس بدعت مذموم آں بود کہ بر مخالفت سنّت بود[1]

یہ سب امور اگرچہ نو پید ہیں اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالٰی عنہم سے منقول نہیں ہیں مگر ایسا بھی نہیں، ہر نئی بات ناجائز ہو کیونکہ بہت ساری نئی باتیں اچھی ہیں، چنانچہ مذموم بدعت وہ ہوگی جو سنّتِ رسول کے مخالف ہو۔ (ت)

امام بیہقی وغیرہ علماء حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کرتے ہیں:

المحدثات من الامور ضربان احدھما احدث مما یخالف کتابا او سنۃ او اثرا او اجماعا فھذہ البدعۃ ضالۃ والثانی ما احدث من الخیر ولاخلاف فیہ لواحد من ھذہ وھی غیر مذمومۃ[2]

نو پیدا باتیں دو قسم کی ہیں، ایک وہ ہیں کہ قرآن یا احادیث یا آثار اجماع کے خلاف نکالی جائیں یہ تو بدعت وگمراہی ہے، دوسرے وُہ اچھی بات کہ احداث کی جائے اور اس میں ان چیزوں کا خلاف نہ ہو تو وہ بری نہیں۔

امام علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

والبدعۃ ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع فھی حسنۃ وان کانت مما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحۃ والا فھی من قسم المباح[3]

بدعت اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی خوبی شرع سے ثابت ہے تو وہ اچھی بات ہے اور اگر کسی ایسی چیز کے نیچے داخل ہو جس کی برائی شرع سے ثابت ہے تو وہ بری ہے اور جو دونوں میں سے کسی کے نیچے داخل نہ ہو تو وہ قسم مباح سے ہے۔

اسی طرح صدہا اکابر نے تصریح فرمائی۔ اب مجلس وقیام وغیرہما امور متنازع فیہا کی نسبت تمہارا یہ کہنا کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں نہ تھے لہذا ممنوع ہیں محض باطل ہوگیا، ہاں اس وقت ممنوع ہوسکتے ہیں جب تم کافی ثبوت دو کہ خاص ان افعال میں شرعاً کوئی برائی ہے ورنہ اگر

---

[1] کیمیائے سعادت رکن دوم اصل ہشتم باب دوم انتشارات گنجینہ ایران ص ۳۸۸۔۸۹

[2] القول المفید للشوکانی باب ابطال التقلید ۱/ ۸۰

[3] فتح الباری کتاب التراویح باب فضل من قام رمضان مصطفی البابی مصر ۵/ ۱۵۶۔۵۷

کسی مستحسن کے نیچے داخل ہیں تو محمود، اور بالفرض کسی کے نیچے داخل نہ ہوئے تو مباح ہوکر محمود ٹھہریں گے کہ جو مباح بہ نیت نیک کیا جائے شرعاً محمود ہوجاتا ہے کما فی البحرالرائق وغیرہ (جیسا کہ بحرالرائق وغیرہ میں ہے۔ت) کیوں کیسے کھلے طور پر ثابت ہوا کہ ان افعال کی سند زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین سے مانگنا کس قدر نادانی وجہالت تھا والحمد للہ (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں۔ت)۔

نکتہ ۵ : بڑی مستند ان حضرات کی حدیث:

خیرالقرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم[1]۔ سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر اس کے بعد والوں کا پھر ان کے بعد والوں کا۔(ت)

ہے۔ اس میں بحمد اللہ ان کے مطلب کی بُو بھی نہیں، حدیث میں تو صرف اس قدر ارشاد ہوا کہ میرا زمانہ سب سے بہتر ہے پھر دوسرا پھر تیسرا، اس کے بعد جھوٹ اور خیانت اور تن پروری اور خواہی نخواہی گواہی دینے کا شوق لوگوں میں شائع ہوجائے گا، اس سے یہ کب ثابت ہوا کہ ان زمانوں کے بعد جو کچھ حادث ہوگا اگرچہ کسی اصل شرعی یا عام مطلق ماموربہ کے تحت میں داخل ہو شنیع و مذموم ٹھہرے گا جو اس کے ثبوت کا دعوٰی رکھتا ہو بیان کرے کہ حدیث کے کون سے لفظ کا یہ مطلب ہے۔ اے عزیز! یہ تو بالبداہۃ باطل کہ زمانہ صحابہ و تابعین میں شر مطلقاً نہ تھا نہ ان کے بعد خیر مطلقاً رہی، ہاں اس قدر میں شک نہیں کہ سلف میں اکثر لوگ خدا ترس متقی پرہیزگار تھے بعد کو فتنے فساد پھیلتے گئے پھر یہ کن میں، یہ انھیں لوگوں میں جو علم و محبت اکابر سے بہرہ نہیں رکھتے، ورنہ علمائے دین ہر طبقہ اور ہر زمانہ میں منبع و مجمع خیر رہے ہیں مگر ہوا یہ کہ ان زمانوں میں علم بکثرت تھا کم لوگ جاہل رہتے تھے اور جو جاہل تھے وہ علماء کے فرمانبردار، اس لئے شر و فساد کو کم دخل ملتا کہ دین متین دامنِ علم سے وابستہ ہے اس کے بعد علم کم ہوتا گیا جہل نے فروغ پایا جاہلوں نے سرکشی و خودسری اختیار کی، لاجرم فتنوں نے سر اٹھایا، اب یہیں نہ دیکھ لیجئے کہ صدہا سال سے علمائے دین مجلس و قیام کو مستحب و مستحسن کہتے چلے آتے ہیں تم لوگ ان کا حکم نہیں مانتے انھیں سرتابیوں نے اس زمانے کو زمانہ شر بنادیا۔ تو یہ جس قدر مذمتیں ہیں اس زمانہ مابعد کے جہّال کی طرف راجع

ف: نکتہ ۵، حدیث خیرالقرون قرنی کا مطلب۔

[1] جامع الترمذی ابواب الشہادات امین کمپنی دہلی ۲/ ۵۴

ہیں ان سے کون استدلال کرتا ہے، نہ ہمارا یہ عقیدہ کہ جس زمانہ کے جاہل جو بات چاہیں اپنی طرف سے نکال لیں وہ مطلقاً محمود ہو جائے گی۔ کلام علماء میں ہے کہ جس امر کو یہ اکابر امت مستحب و مستحسن جانیں وہ بے شک مستحب و مستحسن ہے چاہے کبھی واقع ہو کہ علمائے دین کسی وقت میں مصدر و مظہر شر نہیں ہوتے، والحمد للہ رب العلمین (اور سب تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ت)

نکتہ ۹ ف: اگر کسی زمانے کی تعریف اور اس کے مابعد کا نقصان احادیث میں مذکور ہونا اسی کو مستلزم ہو کہ اس زمانہ کے محدثات خیر ٹھہریں اور مابعد کے شر تو اکثر صحابہ و تابعین سے بھی ہاتھ اٹھا رکھئے۔

اخرج الحاکم وصححہ عن انس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال بعثنی بنوا المصطلق الی الی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقالوا اسل لنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الی من ندفع صدقاتنا بعدك فقال الی ابی بکر قال فان حدث بابی بکر حدث فالی من فقال الی عمر قالوا فان حدث بعمر حدث فقال الی عثمان قالوا فان حدث بعثمٰن حدث فقال ان حدث بعثمان حدث فتبا لکم الدھر تبا[1] اھ ملخصًا۔

امام حاکم نے تخریج و تصحیح فرمائی کہ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں مجھے بنی مصطلق نے حضور سرور عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجا کہ حضور سے پوچھوں حضور کے بعد ہم اپنے اموال کی زکوٰۃ کسے دیں، فرمایا: ابوبکر کو۔ عرض کی اگر ابوبکر کو کوئی حادثہ پیش آئے، فرمایا عمر کو۔ عرض کی اگر عمر کو کچھ حادثہ پیش آئے، فرمایا عثمان کو۔ عرض کی اگر عثمان کو کوئی حادثہ منہ دکھائے، فرمایا اگر عثمان کا بھی واقعہ ہو تو، فرمایا خرابی ہو تمہارے لئے ہمیشہ پھر خرابی ہے اھ ملخصًا۔

واخرج ابونعیم فی الحلیۃ والطبرانی عن سھل بن ابی حثمۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی حدیث طویل قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اتی علی ابی بکر اجلہ وعمر اجلہ وعثمٰن اجلہ فان

(ابونعیم نے حلیہ میں اور طبرانی نے سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ایک طویل حدیث میں تخریج فرمائی۔ ت) حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: جب انتقال کریں ابوبکر و عمر و عثمان تو اگر تجھ سے ہو سکے کہ مر جائے

ف: نکتہ ۹، حدیث خیر القرون کی دوسری طرح سے بحث۔

[1] المستدرک للحاکم کتاب معرفۃ الصحابۃ امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی بکر بامامۃ الناس فی الصلوٰۃ دار الفکر بیروت ۴/ ۷۷

استطعت ان تموت فمت[1]۔ تو مرجانا۔

اخرج الطبرانی فی الکبیر عن عصمۃ بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ویحك اذا مات عمر فان استطعت ان تموت فمت[2]۔ حسنہ الامام جلال الدین وفی الحدیث قصۃ۔

(طبرانی نے کبیر میں عصمت بن مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ سے تخریج فرمائی، فرمایا:) رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس جب عمر مرجائیں تو اگر مرسکے تو مرجانا (امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اس کو حسن قرار دیا اور اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ ت)

اب تمہارے طور پر چاہئے کہ زمانہ پاک حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالٰی عنہم بلکہ صرف زمانہ شیخین رضی اللہ تعالٰی عنہما تک خیر رہے، پھر جو کچھ حادث ہوا اگرچہ عین خلافت حقہ راشدہ سیدنا و مولٰنا امیر المومنین علی المرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ میں وہ معاذ اللہ سب شر و قبیح و مذموم و بدعت ضلالت قرار پائے، خدا ایسی بری سمجھ سے اپنی پناہ میں رکھے، اور مزہ یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابل حدیث خیر القرون بھی نہیں لاسکتے کہ تمہارے امام اکبر مولوی اسمٰعیل دہلوی صاحب کے دادا اور دادا استاد اور پردادا پیر شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی انہیں احادیث اور ان کے امثال پر نظر کرکے حدیث خیر القرون کے معنی ہی کچھ اور بتاگئے ہیں، دیکھئے ازالۃ الخفا میں کیا کچھ فرمایا ہے، حدیث خیر القرون ذکر کرکے لکھتے ہیں:

بنائے ایں استدلال بر توجیہ صحیح ست کہ اکثر احادیث شاہد آنست کہ قرن اول از زمانہ ہجرت آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تا زمانہ وفات وی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و قرن ثانی از ابتدائے خلافت حضرت صدیق تا وفات حضرت فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما و قرن ثالث قرن حضرت عثمان رضی اللہ تعالٰی

اس استدلال کی بنیاد ایک صحیح توجیہ پر ہے جس پر اکثر احادیث شاہد ہیں وہ یہ ہے کہ قرن اول حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت کے زمانے سے آپ کی وفات کے زمانے تک ہے، اور قرن ثانی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی ابتدائے خلافت سے وفات فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تک ہے، اور قرن ثالث سیدنا

---

[1] ازالۃ الخفا بحوالہ سہل بن ابی حثمہ فصل پنجم مقصد اول سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۲۴

[2] المعجم الکبیر حدیث ۴۷۸ المکتبۃ الفیصلیہ بیروت ۱۷/۱۸۱

عنہ وہر قرنے قریب بر دوازدہ سال بودہ است قرن در لغت قوم متقارنین فی السن بعد ازاں قومے را کہ در ریاست وخلافت مقترن باشد قرن گفتہ شد چوں خلیفہ دیگر باشند و وزرائے حضور دیگر و امرائے امصار دیگر و رؤسائے جیوش دیگر و سپاہان دیگر و حربیان دیگر و ذمیان دیگر تفاوت قرون بہم می رسد۔[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ خلافت ہے۔ اور ہر قرن تقریباً بارہ سال کا ہے۔ قرن لغت میں اس قوم کو کہتے ہیں جو عمر میں قریب قریب ہوں، پھر اس کا اطلاق اس قوم پر ہونے لگا جو ریاست وخلافت میں مقترن ہو۔ جب خلیفہ دوسرا ہو، اس کے وزراء و امراء، سپہ سالار، فوج، حربی اور ذمی دوسرے ہوں تو قرن بدل جاتا ہے۔ (ت)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

قرن اول زمان آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بود از ہجرت تاوفات وقرن ثانی زمان شیخین و قرن ثالث زمان ذی النورین بعد ازاں اختلافہا پدید آمد وفتنہا ظاہر گردید۔[2]

قرن اول سرکار دو عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی ہجرت سے وصال تک کا زمانہ ہے۔ اور قرن ثانی شیخین یعنی صدیق وعمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کا زمانہ ہے۔ اور قرن ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالٰی عنہ کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد اختلافات نمودار ہوئے اور فتنے ظاہر ہوئے۔ (ت)

بالجملہ اس قدر میں تو شک نہیں کہ یہ معنی بھی حدیث میں صاف محتمل اور بعد احتمال کے تمہارا استدلال یقیناً ساقط۔ والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ ۳ف: اگر کسی زمانہ کی تعریف حدیث میں آنا اسی کا موجب ہو کہ اس کے محدثات خیر قرار پائیں تو بسم اللہ وہ حدیث ملاحظہ ہو کہ امام ترمذی نے بسند حسن حضرت انس اور امام احمد نے حضرت عمار بن یاسر اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں عمار بن یاسر وسلمان فارسی رضی اللہ تعالٰی عنہم سے روایت کی اور محقق دہلوی نے اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بنظر کثرت طرق اس کی صحت پر حکم دیا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مثل امتی مثل المطر لایدری

میری امت کی کہاوت ایسی ہے جیسے مینہ کہ

ف: نکتہ: حدیث قرن کا تیسرا جواب۔

[1] ازالۃ الخفاء فصل چہارم سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۷۵

[2] " " " " " ۱/۱۲۱

ف: حدیث قرن کا تیسرا جواب۔

اولہ خیر ام اٰخرہ[1]

نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اگلا بہتر ہے یا پچھلا۔

شیخ محقق شرح میں لکھتے ہیں:

کنایہ است از بودن ہمہ اُمت خیر چنانکہ مطر ہمہ خیر و نافع ست[2]

یہ تمام امت کے خیر ہونے کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ بارش تمام کی تمام خیر اور فائدہ مند ہوتی ہے۔ (ت)

امام مسلم اپنی صحیح میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے راوی:

لا تزال طائفۃ من امتی قائمۃ بامر اللہ لا یضرھم من خذلھم اوخالفھم حتی یاتی امر اللہ وھم ظاھرون علی الناس[3]

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ خدا کے حکم پر قائم رہے گا انھیں نقصان نہ پہنچائے گا جو انھیں چھوڑے گا یا ان کا خلاف کرے گا یہاں تک کہ خدا کا وعدہ آئے گا اس حال میں کہ وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں:

گمان مبر کہ در زمان شرور ہمہ کس شریر بودہ اند وعنایت ہائے الٰہی در تہذیب نفوس بیکار افتاد بلکہ انجب اسرار عجیب ست ع

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامی چند

در ہر زمانہ طائفہ را مہبط انوار وبرکات ساختہ اند[4]

یہ گمان مت کر کہ بُرے زمانے کے سب لوگ بُرے ہوتے ہیں اور عنایاتِ الٰہی انکی تہذیب نفوس میں بیکار ثابت ہوتی ہے بلکہ اس جگہ عجیب راز ہیں،

شراب کے تمام عیوب تو تم نے بیان کردئے
کچھ اس کی خوبی بھی بیان کرو۔
عامی کا دل رکھنے کے لئے حکمت کا بالکل انکار نہ کرو۔

قدرت ہر زمانے میں بندگانِ خدا کے ایک گروہ کو انوار وبرکات کا مرکز بناتی ہے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الامثال ۲/۱۱۰ و مسند احمد بن حنبل عن انس بیروت ۳/۱۴۳

[2] اشعۃ اللمعات کتاب المناقب والفضائل باب ثواب ھذہ الامۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۴/۷۵۳

[3] صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفۃ من امتی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۱۴۳

[4] ازالۃ الخفاء فصل پنجم تنبیہات تتمہ مقصد بالا سہیل اکیڈمی لاہور ۱/۱۴۵

کہئے اب کدھر گئی ان قرون کی تخصیص، اور کیوں نہ خیر ٹھہریں گے وہ امور جو علماء و عرفائے مابعد میں بلحاظ اصول عموم و اطلاق شائع ہوئے، والحمدللہ۔

نکتہ ۸: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے محاورات و مکالمات دیکھئے تو وہ خود صاف صاف ارشاد فرمارہے ہیں کہ کچھ ہمارے زمانے میں ہونے نہ ہونے پر مدار خیریت نہیں، دیکھئے بہت نئی باتیں کہ زمانۂ پاک حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نہ تھیں ان کے زمانہ میں پیدا ہوئیں اور وہ انھیں بُرا کہتے اور نہایت تشدد وانکار فرماتے اور بہت تازہ باتیں حادث ہوئیں کہ ان کو بدعت و محدثات مان کر خود کرتے اور لوگوں کو اجازت دیتے اور خیر و حسن بتاتے۔ امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تراویح کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں:

نعمت البدعۃ ھذہٖ[1] کیا اچھی بدعت ہے یہ۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز چاشت کی نسبت فرماتے ہیں:

انہا بدعۃ ونعمت البدعۃ وانہا لمن احسن ما احدث الناس[2] بے شک وہ بدعت ہے اور کیا ہی عمدہ بدعت ہے اور بیشک وہ ان بہتر چیزوں میں سے ہے جو لوگوں نے نئی نکالیں۔

سیدنا ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

احدثتم قیام رمضان فدوموا علیہ ولا تترکوہ[3] تم لوگوں نے قیام رمضان نیا نکالا تو اب جو نکالا ہے تو ہمیشہ کئے جاؤ اور اسے کبھی نہ چھوڑنا۔

دیکھو یہاں تو صحابہ کرام نے ان افعال کو بدعت کہہ کر حسن کہا اور انھیں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مسجد میں ایک شخص کو تثویب کہتے سن کر اپنے غلام سے فرمایا:

اخرج بنا من عند ھذا المبتدع[4] نکل چل ہمارے ساتھ اس بدعتی کے پاس سے۔

ف: نکتہ ۸: حدیث قرن کا چوتھا جواب

[1] صحیح البخاری کتاب الصوم فصل من قام رمضان قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲۶۹

[2] المعجم الکبیر حدیث ۱۳۵۶۳ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۱۲/۴۲۴

[3] المعجم الاوسط حدیث ۷۴۵۶ ۸/۲۱۸ و الدرالمنثور تحت الآیۃ ۵۷/۲۷ ۸/۶۴

[4] المصنف لعبدالرزاق باب التثویب فی الاذان والاقامۃ المکتب الاسلامی بیروت ۱/۴۷۵

سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو نماز میں بسم اللہ باواز پڑھتے سنا، فرمایا:

ای بنی محدث ایاك والحدث [1] — اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا بات ہے، بچ نئی باتوں سے۔

یہ فعل بھی اس زمانہ میں واقع ہوئے تھے انھیں بدعت سیئہ مذمومہ ٹھہرایا تو معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی اپنے زمانہ میں ہونے نہ ہونے پر مدار نہ تھا بلکہ نفس فعل کو دیکھتے اگر اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہوتا اجازت دیتے ورنہ منع فرماتے اور یہی طریقہ بعینہٖ زمانۂ تابعین وتبع تابعین میں رائج رہا ہے۔ اپنے زمانہ کی بعض نو پیدا چیزوں کو منع کرتے بعض کو جائز رکھتے اور اس منع واجازت کے لئے آخر کوئی معیار تھا اور وہ نہ تھا مگر نفس فعل کی بھلائی برائی، تو باتفاق صحابہ وتابعین وتبع تابعین قاعدہ شرعیہ وہی قرار پایا کہ حسن حسن ہے اگرچہ نیا ہو اور قبیح قبیح ہے اگرچہ پرانا ہو، پھر ان کے بعد یہ اصل کیوں کر بدل سکتی ہے، ہماری شرع بحمد اللہ ابدی ہے، جو قاعدے اس کے پہلے تھے قیامت تک رہیں گے، معاذ اللہ زید وعمرو کا قانون تو ہے ہی نہیں کہ تیسرے سال بدل جائے۔

نکتہ ۹: یہ اعتراض کہ پیشوائے دین نے تو یہ فعل کیا ہی نہیں ہم کیونکر کریں زمانۂ صحابہ میں پیش ہو کر رد ہو چکا اور بفرمان جلیل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ وسیدنا فاروق اعظم وغیرہما صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم قرار پا چکا کہ بات فی نفسہٖ اچھی ہونا چاہئے اگرچہ پیشوایانِ دین نے نہ کی ہو۔ صحیح بخاری شریف میں ہے:

عن زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ قال ارسل الیّ ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ فاذا عمر ابن الخطاب عندہٗ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے کہ جنگ یمامہ میں بہت صحابہ حاملانِ قرآن شہید ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجھے بلوایا، میں حاضر ہوا

ف: نکتہ ۹ حدیث قرون کا پانچواں جواب اور اس کا رد کہ پیشواؤں نے نہ کیا تم کیسے کرتے ہو اور زمانۂ صدیق میں وہابیت پر صحابہ کبار کا اتفاق۔

[1] جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی ترک الجہر امین کمپنی دہلی ۱/۳۳

قال ابوبکر ان عمر اتانی فقال
ان القتل قد استحر یوم
الیمامة بقراء القرآن وانی
اخشی ان استحر القتل بالقراء
بالمواطن فیذھب کثیر من
القرآن وانی اری ان تامر
بجمع القرآن قلت لعمر کیف تفعل
شیئا لم یفعله رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیه وسلم قال عمر ھذا واللہ
خیر فلم یزل عمر یراجعنی
حتی شرح اللہ صدری
لذلك ورأیت فی ذلك
الذی رأی عمر قال
زید قال ابوبکر انك
رجل شاب عاقل
لا نتھمك وقد کنت
تکتب الوحی لرسول
اللہ صلی اللہ تعالٰی
علیه وسلم فتتبع
القرآن واجمعه
فواللہ لو کلفونی نقل
جبل من الجبال
ما کان اثقل علی
مما امرنی به من
جمع القرآن قال قلت لابی بکر کیف

توفرمایا حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ میرے پاس
آئے ہیں اور انھوں نے کہا ہے کہ یمامہ میں
بہت حفاظِ قرآن شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں
کہ اگر حاملانِ قرآن تیزی سے شہید ہوتے گئے
تو قرآن کا ایک بڑا حصہ ختم ہوجائے گا میری
رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے جمع کرنے
اور ایک جگہ لکھنے کا حکم دیں، صدیق اکبر نے فرمایا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ کام کیا ہی نہیں تم کیونکر
کروگے۔ فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے
فرمایا اگرچہ حضور اقدس سرورِ عالم صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم نے نہ کیا مگر خدا کی قسم کام تو خیر ہے۔
صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں پھر
عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ مجھ سے اس معاملہ میں
بحث کرتے رہے یہاں تک کہ خدا تعالٰی نے
میرا سینہ اس امر کے لئے کھول دیا اور میری
رائے عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ کی رائے سے موافق
ہوگئی۔ زید بن ثابت نے کہا ابوبکر صدیق
رضی اللہ تعالٰے عنہ نے فرمایا تم نوجوان مرد
عاقل ہو ہم تمھیں متہم بھی نہیں کرتے ہیں کیونکہ
تم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم
کی وحی لکھا کرتے تھے پس قرآن تلاش کرو
اور اس کو جمع کرو، اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ
کو اٹھانے کی تکلیف دیتے تو قرآن جمع کرنے
سے جس کا انھوں نے مجھے حکم دیا تھا زیادہ بھاری
نہ ہوتا' میں نے کہا وہ کام تم کیسے کروگے جو

تفعلون شيئاً لم يفعله رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال هو والله خير فلم يزل ابوبكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر ابوبكر و عمر فتتبعت القرآن و اجمعه[1] الحديث۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ اچھا کام ہے، ابوبکر صدیق میرے ساتھ بحث کرتے رہے حتی کہ اللہ نے اس کے لئے میرا سینہ کھول دیا جس کے لئے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھولا تھا پھر میں نے قرآن تلاش کرنا اور جمع کرنا شروع کیا الحدیث۔

دیکھو زید بن ثابت نے صدیق اکبر اور صدیق اکبر نے فاروق اعظم پر اعتراض کیا تو ان حضرات نے یہ جواب نہ دیا کہ یہ نئی بات نکالنے کی اجازت نہ ہونا تو پچھلے زمانہ میں ہوگا ہم صحابہ ہیں ہمارا زمانہ خیر القرون سے ہے، بلکہ یہی جواب دیا کہ اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کام نہ کیا پروہ کام تو اپنی ذات میں بھلائی کا ہے پس کیونکر ممنوع ہوسکتا ہے۔ اور اسی پر صحابہ کرام کی رائے متفق ہوئی اور قرآن عظیم باتفاق حضرات صحابہ جمع ہوا۔ اب غضب کی بات ہے ان حضرات کو سوا اچھلے اور جو بات کہ صحابہ کرام میں طے ہوچکی پھر اکھیڑیں۔

نکتہ ۱۰: جو اعتراض ہم پر کرتے ہیں کہ تم کیا صحابہ تابعین اور تبع تابعین سے محبت و تعظیم میں زیادہ ہو کہ جو کچھ انھوں نے نہ کیا تم کرتے ہو، لطف یہ ہے کہ بعینہ وہی اعتراض اگر قابل تقسیم ہو تو تبع تابعین پر باعتبار تابعین اور تابعین پر باعتبار صحابہ اور صحابہ پر باعتبار رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وارد مثلاً جس فعل کو حضور اقدس صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین کسی نے نہ کیا اور تبع تابعین کے زمانہ میں پیدا ہوا تو تم اسے بدعت نہیں کہتے، ہم کہتے ہیں اس کام میں بھلائی ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ و تابعین ہی کرتے تبع تابعین کیا ان سے زیادہ دین کا اہتمام رکھتے ہیں جو انھوں نے نہ کیا یہ کریں گے اسی طرح تابعین کے زمانہ میں جو کچھ پیدا ہوا اس پر وارد ہوگا کہ بہتر ہوتا تو رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و صحابہ کیوں نہ کرتے تابعین کچھ ان سے بڑھ کر ٹھہرے علیٰ ہذا القیاس جو نئی باتیں صحابہ نے کیں انھیں بھی تمھاری طرح کہا جائے گا۔

ف: نکتہ ۱۰ اس کا رد کہ تم کیا اگلوں سے محبت وغیرہ میں زیادہ ہو۔

[1] صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/۷۴۵

بزہد و ورع کوش و صدق و صفا ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ
(زہد، تقوٰی، سچائی اور صفائی میں کوشش کر لیکن مصطفیٰ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم پرمت بڑھا۔ ت)

کیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو معاذ اللہ ان کی خوبی نہ معلوم ہوئی یا صحابہ کو افعالِ خیر کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ غرض یہ بات ان مدہوشوں نے ایسی کہی جس کی بنا پر عیاذاً باللہ عیاذاً باللہ تمام صحابہ و تابعین بھی بدعتی ٹھہرے جاتے ہیں مگر اصل وہی ہے کہ نہ کرنا اور بات ہے اور منع کرنا اور چیز۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اگر ایک کام نہ کیا اور اس کو منع بھی نہ فرمایا تو صحابہ کو کون مانع ہے کہ اسے نہ کریں اور صحابہ نہ کریں تو تابعین کو کون عائق، وہ نہ کریں تو تبع پر الزام نہیں، وہ نہ کریں تو ہم پر مضائقہ نہیں۔ بس اتنا ہونا چاہئے کہ شرع کے نزدیک وہ کام بُرا نہ ہو۔ عجب لطف ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین کا قطعاً نہ کرنا تو حجت نہ ہوا اور تبع کو باوجود ان سب کے نہ کرنے کے اجازت ملی مگر تبع میں وہ خوبی ہے کہ جب وہ بھی نہ کریں تو اب پچھلوں کے لئے راستہ بند ہوگیا اس بے عقلی کی کچھ بھی حد ہے اس سے تو اپنے یہاں کے ایک بڑے امام نواب صدیق حسن خاں شوہر ریاست بھوپال ہی کا مذہب اختیار کرلو تو بہت اعتراضوں سے بچو کہ انھوں نے بے دھڑک فرمادیا "جو کچھ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے نہ کیا سب بدعت و گمراہی ہے"۔ اب جیا ہے صحابہ کریں خواہ تابعین کوئی ہو بدعتی ہے یہاں تک کہ بوجہ ترویج تراویح امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کو معاذ اللہ گمراہ ٹھہرایا اور اعدائے دین کے پیرومرشد عبداللہ بن سبا کی روح مقبوح کو بہت خوش کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون (بے شک ہم اللہ تعالٰی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ ت)

مجلس و قیام کا انکار کرتے کرتے کہاں تک نوبت پہنچی اللہ تعالٰی اپنے غضب سے محفوظ رکھے۔ آمین!

نکتہ ۱۱: امام علامہ احمد بن محمد قسطلانی شارح صحیح بخاری مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

الفعل یدل علی الجواز وعدم الفعل لایدل علی المنع[1] کرنے سے تو جواز سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے سے ممانعت نہیں سمجھی جاتی ہے۔

ف: نکتہ ۱۱: نہ کرنا اور ہے اور منع کرنا اور۔

[1] المواہب اللدنیہ

شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں:

نہ کردن چیزے دیگر ست ومنع فرمودن چیزے دیگر[1] اھ ملخصاً۔ نہ کرنا اور چیز ہے اور منع کرنا اور چیز ہے اھ ملخصاً۔ (ت)

تمہاری جہالت کہ تم نے کسی فعل کے نہ کرنے کو اس فعل سے ممانعت سمجھ رکھا ہے۔

نکتہ ۱۲: سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست، حقیقت الامر یہ ہے کہ صحابہ وتابعین کو اعلائے کلمۃ اللہ وحفظ بیضۂ اسلام ونشر دین متین وقتل قہر کافرین واصلاح بلاد وعباد واطفائے آتشِ فساد و اشاعتِ فرائض وحدودِ الٰہیہ واصلاح ذات البین ومحافظت اصول ایمان وحفظ روایت حدیث وغیرہا امورِ کلیہ مہمہ سے فرصت نہ تھی لہٰذا یہ امورِ جزئیہ مستحبہ تو کیا معنی بلکہ تاسیس قواعد واصول وتفریع جزئیات وفروع وتصنیف وتدوین علوم ونظم دلائل حق ورد شبہات اہل بدعت وغیرہا امورِ عظیمہ کی طرف بھی توجہ کامل نہ فرماسکے۔ جب بفضل اللہ تعالٰی ان کے زورِ بازو نے دینِ الٰہی کی بنیاد مستحکم کردی اور مشارق ومغارب میں ملتِ حنفیہ کی جڑ جم گئی۔ اس وقت ائمہ وعلمائے مابعد نے تخت وبخت سازگار پاکر بیخ دین جمانے والوں کی ہمت بلند کے قدم اور باغبان حقیقی کے فضل پر تکیہ کرکے اہم فالاہم کاموں میں مشغول ہوئے اب تو بے خلش صرصر واندیشہ سموم اور ہی آبیاریاں ہونے لگیں۔ فکر صائب نے زمین تدقیق میں نہریں کھودیں۔ ذہن رواں نے زلال تحقیق کی ندیاں بہائیں۔ علماء واولیاء کی آنکھیں ان پاک مبارک نونہالوں کے لئے تھالے بنیں ہوا خواہانِ دین وملت کی نسیم انفاس متبرکہ نے عطر باریاں فرمائیں یہاں تک کہ یہ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا باغ ہرا بھرا پھلا پھولا لہلہایا اور اس کے بھینے پھولوں سہانے پتوں نے چشم وکام ودماغ پر عجب ناز سے احسان فرمایا، الحمد للہ رب العالمین، اب اگر کوئی جاہل اعتراض کرے یہ کنپیاں جواب پھوٹیں جب کہاں تھیں، یہ پتیاں جواب نکلیں پہلے کیوں نہاں تھیں یہ پتلی پتلی ڈالیاں جواب جھومتی ہیں نو پیدا ہیں یہ ننھی ننھی کلیاں جواب مہکتی ہیں تازہ جلوہ نما ہیں اگر ان میں کوئی خوبی پاتے تو اگلے کیوں چھوڑ جاتے تو اس کی حماقت پر اس الٰہی باغ کا ایک ایک پھول قہقہہ لگائے گا کہ او جاہل! اگلوں کو جڑ جمانے کی فکر تھی وہ فرصت پاتے تو یہ سب کچھ کر دکھاتے آخر اس سفاہت کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ وہ نادان اس باغ کے پھل پھول سے

ف: نکتہ ۱۲ اصل بات اور اگلے لوگوں میں نہ ہونے کی وجہ۔

[1] تحفہ اثنا عشریہ باب دہم در مطاعن خلفائے ثلثہ طعن ہفتم سہیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۹

محروم رہے گا۔ بھلا غور کرنے کی بات ہے ایک حکیم فرزانہ کے گھر آگ لگی اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھولے بھالے اندر مکان کے گھر گئے اور لاکھوں روپوں کا مال واسباب بھی تھا اس دانشمند نے مال کی طرف مطلق خیال نہ کیا اپنی جان پر کھیل کر بچوں کو سلامت نکال لیا، یہ واقعہ چندے خود بھی دیکھ رہے تھے اتفاقاً ان کے یہاں بھی آگ لگی یہاں نرا مال ہی مال تھا۔ کھڑے ہوئے دیکھتے رہے اور سارا مال خاکستر ہو گیا۔ کسی نے اعتراض کیا تو بولے تم احمق ہو ہم اس حکیم دانشور کی آنکھیں دیکھے ہوئے ہیں اس کے گھر آگ لگی تھی تو اس نے مال کب نکالا تھا جو ہم نکالتے مگر بیوقوف اتنا نہ سمجھے کہ اس اولوالعزم حکیم کو بچوں کے بچانے سے فرصت کہاں تھی کہ مال نکالتا نہ یہ کہ اس نے مال نکالنا برا جان کر چھوڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اوندھی سمجھ نہ دے۔ آمین!

نکتہ ۱۳ ف۱: ہم نے مانا کہ جو کچھ قرونِ ثلٰثہ میں نہ تھا سب منع ہے۔ اب ذرا حضرات مانعین اپنی خبر لیں۔ یہ مدرسے جاری کرنا اور لوگوں سے چندہ لینا اور طلباء کے لئے مطبع نولکشور سے فیصدی دس روپیہ کمیشن لے کر کتابیں منگانا اور بہ تخصیص روز جمعہ بعد نماز جمعہ وعظ کا التزام کرنا، جہاں وعظ کہنے جائیں نذرانہ لینا، دعوتیں اڑانا، مناظروں کے لئے جلسے اور پنچ مقرر کرنا، مخالفین کی رد میں کتابیں لکھوانا چھپوانا، واعظوں کا شہر بشہر گشت لگانا، صحاح کے دو دو ورق پڑھ کر محدثی کی سند لینا اور ان کے سوا ہزاروں باتیں کہ اکابر و اصاغر طائفہ میں بلانکیر رائج ہیں قرونِ ثلٰثہ میں کب تھیں اور ان پیشوایانِ فرقۂ جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا ہے جو دو دو روپے نذرانہ لے کر مسئلوں پر مُہر ثبت کریں، مدعی مدعا علیہ دونوں کے ہاتھ میں حضرت کا فتویٰ، حج کو جائیں تو کمشنر دہلی و بمبئی کی چٹھیاں ضرور ہوں، شاید یہ تین باتیں قرونِ ثلٰثہ میں تھیں یا تمہارے لئے پروانہ معافی آگیا ہے کہ جو چاہو کرو تم پر کچھ مواخذہ نہیں یا یہ نکتہ چینیاں انہی باتوں میں ہیں جنھیں تعظیم و محبت حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے علاقہ ہو باقی سب حلال و شیرِ مادر۔ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی الاکبر۔

نکتہ ۱۴ ف۲: واجب الحفظ۔ افسوس! کیا الٹا زمانہ ہے اور امورِ تعظیم و ادب میں سلف صالحین سے آج تک برابر ائمۂ دین کا یہی داب رہا کہ ورود و عدم ورود خصوصیات پر نظر نہ کی بلکہ تصریح

ف۱: نکتہ ۱۳ مسئلہ قرون کا چھٹا جواب وہابیہ کی ہٹ دھرمی۔

ف۲: نکتہ ۱۴ تعظیم محبوبانِ خدا میں قاعدہ یہ ہے کہ جس قدر چاہو نئے طریقے نکالو سب حسن ہیں جب تک کسی خاص طریقے کی شرع میں ممانعت نہ ہو۔

قاعدہ کلیہ بنایا :

کل ما کان ادخل فی الادب والاجلال کان حسنا۔ کما صرح بہ الامام المحقق علی الاطلاق فقیہ النفس سیدی کمال الملۃ والدین محمد فی فتح القدیر[1] وتلمیذہ الشیخ رحمہ اللہ السندی فی المنسك المتوسط واقرہ الفاضل القاری فی المسلك المتقسط واثرہ فی العالمگیریۃ وغیرھا۔

جس بات کو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ادب و تعظیم میں زیادہ دخل ہو وہ بہتر ہے (جیسا کہ امام محقق علی الاطلاق، فقیہ النفس، میرے آقا، کمال الملۃ والدین محمد نے فتح القدیر میں تصریح فرمائی اور ان کے شاگرد شیخ سندی علیہ الرحمۃ نے منسك المتوسط میں وضاحت فرمائی اور فاضل قاری علیہ الرحمۃ نے اس کو برقرار رکھا اور عالمگیریہ وغیرہ میں اس کو ترجیح دی ہے ت)

اور امام ابن حجر کا قول گزرا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم ہر طرح بہتر ہے جب تک الوہیت اللہ میں شریک نہ ہو، اسی لئے سلفاء وخلفاء بنی مسلمان نے کسی نئے طریقہ سے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ادب کیا اس ایجاد کو علماء نے اس کے مدائح میں شمار کیا نہ یہ کہ معاذ اللہ بدعتی گمراہ ٹھہرایا یہ بلا انہی مدعیانِ دین وادب میں چلی کہ ہر بات پر پوچھتے ہیں فلاں نے کب کیں فلاں نے کب کیں حالانکہ خود ہزاروں باتیں کرتے ہیں جو فلاں نے کیں نہ فلاں نے کیں مگر یہ بھی طرفہ کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے گھٹانے مٹانے کے لئے ایک حیلہ نکال کر زبان سے کہتے جائیں ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(قصہ مختصر یہ کہ اللہ تعالٰی کے بعد سب سے زیادہ بزرگی والے آپ ہیں۔ت)

اور بلطائف الحیل جہاں تک بن پڑے اور محبت وتعظیم میں کلام کرتے جائیں آخران کا امام اکبر تقویۃ الایمان[2] میں تصریح کر چکا کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعریف ایسے کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے کی کرتے ہو بلکہ اس میں سے کمی کرو یہ ایمان ہے یہ دین ہے اور دعوٰی ہے، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم، خیر بات بڑھتی ہے مطلب پر آیئے۔ ہاں تو اگر میں ان امور کا استیعاب کروں جو دربارۂ آداب وتعظیم حادث ہوتے گئے اور اس احداث کو علماء نے موجد کے مدائح سے گنا تو ایک دفتر طویل ہوتا ہے، لہٰذا چند مثالوں پر اقتصار کر رہا ہوں :

---

[1] فتح القدیر کتاب الحج مسائل منثورہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۳/ ۹۴

[2] تقویۃ الایمان الفصل الخامس مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ لاہور ص ۴۲

مثال ۱: سیدنا امام مالک صاحب المذہب عالم المدینہ رضی اللہ تعالٰی عنہ باآنکہ مثل سیدنا عبد اللہ بن عمرو و عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالٰی عنہ اتباعِ سلف و صحابہ کرام کا احداث میں نہایت ہی اہتمام رکھتے تھے۔ اس پر ان کے ایمان و محبت کا تقاضا ہوا کہ ادب و حدیث خوانی میں وہ باتیں علماء کے نزدیک امام مالک کے فضائل جلیلہ سے ٹھہرا اور ان کی غایت ادب و محبت پر دلیل قرار پایا۔ امام علامہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

قال مطرف کان اذا اتی الناس مالکا خرجت الیھم الجاریۃ فتقول لھم یقول لکم الشیخ تریدون الحدیث او المسائل فان قالوا المسائل خرج الیھم وان قالوا الحدیث دخل مغتسلہ واغتسل وتطیب ولبس ثیابا جُددا ولبس ساجہ وتعمم ووضع علی رأسہ ردائہ وتلقی لہ منصۃ فیخرج ویجلس علیھا وعلیہ الخشوع لایزال یبخر بالعود حتی یفرغ من حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال غیرہ ولم یکن یجلس علی تلک المنصۃ الا اذا حدث عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم قال ابن اویس فقیل لمالک فی ذلک فقال احب ان اعظم حدیث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولا احدث بہ الا علی طھارۃ متمکنا۔[1]

مطرف نے کہا جب لوگ مالک بن انس کے پاس علم حاصل کرنے آتے ایک کنیز آکر پوچھتی شیخ تم سے فرماتے ہیں تم حدیث سیکھنے آئے ہو یا فقہ و مسائل؟ اگر انھوں نے جواب دیا فقہ و مسائل جب تو آپ تشریف لاتے اور اگر کہا کہ حدیث، تو پہلے غسل فرماتے خوشبو لگاتے نئے کپڑے پہنتے طیلسان اوڑھتے اور عمامہ باندھتے چادر سر مبارک پر رکھتے ان کے لئے ایک تخت مثل تختِ عروس بچھایا جاتا اس وقت باہر تشریف لاتے اور بنہایت خشوع اس پر جلوس فرماتے اور جب تک حدیث بیان کرتے تھے اگر بتی سلگاتے اور اس تخت پر اسی وقت بیٹھتے تھے جب نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی حدیث بیان کرنا ہوتی۔ حضرت سے اس کا سبب پوچھا، فرمایا میں دوست رکھتا ہوں کہ حدیثِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی تعظیم کروں اور میں حدیث بیان نہیں کرتا جب تک وضو کرکے خوب سکون و وقار کے ساتھ نہ بیٹھوں۔

---

[1] الشفاء بتعریف حقوق المصطفٰی القسم الثانی الباب الثالث المطبعۃ الشرکۃ الصحافیۃ ۲/ ۳۸، ۳۹

مثال ۲: اسی میں ہے:

كان مالك رضي الله تعالىٰ عنه لا يركب بالمدينة دابة وكان يقول استحي من الله تعالىٰ ان اطأ تربة فيها رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحافر دابة[1]

امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں سواری پر سوار نہ ہوتے اور فرماتے تھے مجھے شرم آتی ہے خدائے تعالیٰ سے کہ جس زمین میں حضور سرورِ عالم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم جلوہ فرما ہوں اسے جانور کے سُم سے روندوں۔

مثال ۳: اسی میں ہے:

قد حكى ابو عبد الرحمٰن السلمي عن احمد بن فضلوية الزاهد وكان من الغزاة الرماة انه قال مامسست القوس بيدي الا على طهارة منذ بلغني ان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اخذ القوس بيده[2]

امام ابو عبد الرحمٰن سلمی احمد بن فضلویہ زاہد غازی تیرانداز سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے کبھی کمان بے وضو ہاتھ سے نہ چھوئی جب سے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے کمان دستِ اقدس میں لی ہے۔

مثال ۴: امام ابن حاج مالکی کہ مستندین مانعین سے ہیں اور احداث کی ممانعت میں نہایت تصلب رکھتے ہیں مدخل میں فرماتے ہیں:

وتقدمت حكاية بعضهم انه جاور بمكة اربعين سنة ولم يبل في الحرم ولم يضطجع فمثل هذا تستحب له المجاورة او يؤمر بها[3]

بعض صالحین چالیس برس مکہ معظمہ کے مجاور رہے اور کبھی حرم میں پیشاب نہ کیا اور نہ لیٹے۔ ابن الحاج کہتے ہیں ایسے شخص کو مجاورت مستحب یا یوں کہئے کہ اسے مجاورت کا حکم دیا جائے گا۔

مثال ۵: اسی میں ہے:

---

[1] الشفاء القسم الثانی الباب الثالث فصل ومن توقیرہ الخ المطبعۃ الشرکۃ الصحافیہ ۲/ ۴۸

[2] " " " " " " " "

[3] المدخل فصل فی ذکر بعض ما یعتور الحاج فی حجہ الخ دار الکتاب العربی بیروت ۴/ ۲۵۳

وقد جاء بعضهم الٰی زیارته صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فلم یدخل المدینۃ بل زار من خارجہا ادبا منہ رحمہ اللہ تعالٰی مع نبیہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقیل لہ الا تدخل؟ فقال امثلی یدخل بلد سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لا اجد نفسی تقدر علٰی ذٰلک اوکما قال[1]

یعنی بعض صالحین زیارت نبی اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے حاضر ہوئے تو شہر میں نہ گئے بلکہ باہر سے زیارت کرلی اور یہ ادب تھا اس مرحوم کا اپنے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ساتھ، اس پر کسی نے کہا اندر نہیں چلتے، کہا کیا مجھ سا داخل ہو سید الکونین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے شہر میں، میں اپنے میں اتنی قدرت نہیں پاتا ہوں۔

مثال ۶: اسی میں ہے:

قال لی سیدی ابومحمد رحمہ اللہ تعالٰی لما ان دخل مسجد المدینۃ ماجلست فی المسجد الا الجلوس فی الصلٰوۃ اوکلاما ھذا معناہ ومازلت واقفا ھناک حتی دخل الرکب[2]

یعنی مجھ سے میرے سردار ابو محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا میں جب مسجد مدینہ طیبہ میں داخل ہوا جب تک رہا مسجد شریف میں قعدۂ نماز کے سوا نہ بیٹھا برابر حضور میں کھڑا رہا جب تک قافلہ نے کوچ کیا۔

مثال ۷: اس کے متصل انھیں امام سے نقل کرتے ہیں:

ولم اخرج الی بقیع ولا غیرہ ولم ازر غیرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وکان قد خطر لی ان اخرج الی بقیع الغرقد فقلت الٰی این اذھب؟ ھذا باب اللہ تعالٰی المفتوح للسائلین والطالبین والمنکسرین والمضطرین والفقراء والمساکین و

میں حضوری چھوڑ کر نہ بقیع کو گیا نہ کہیں اور گیا نہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سوا کسی کی زیارت کی، اور ایک دفعہ میرے دل میں آیا تھا کہ زیارت بقیع کو جاؤں پھر میں نے کہا کہاں جاؤں گا یہ ہے اللہ کا دروازہ کھلا ہوا سائلوں اور مانگنے والوں اور دل شکستوں اور بیچاروں اور مسکینوں کے لئے اور وہاں

---

[1] المدخل فصل فی الکلام علٰی زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۴

[2] " " " " " " " " " " " " " ۱/۲۵۹

لیس ثم من یقصد مثله فمن عمل علیٰ ھذا ظفر و نجح بالمامول و والمطلوب او کما قال[1]

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کون ہے جس کا قصد کیا جائے، فرماتے ہیں پس جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا۔

اب فقیر سرکار قادریہ غفراللہ تعالیٰ لہ بھی اس فتوے کو انھیں مبارک لفظوں پر ختم کرتا ہے کہ جو کوئی اس پر عمل کرے گا ظفر پائے گا اور مراد و مطلب ہاتھ آئے گا اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ اور اپنے رب کریم تبارک وتعالیٰ کے فضل سے امید رکھتا ہے کہ یہ فتویٰ نہ صرف قیام ہی میں بیان کافی و برہان شافی ہو بلکہ بحول اللہ تعالیٰ اکثر مسائل نزاعیہ میں قول فیصل پر مشتمل ہدایت ہو جائے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وسراج افقہ سیدنا و مولانا محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین، اٰمین، اٰمین، اٰمین!

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی

محمدی حنفی سنی قادری
عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں

نقل عبارات ومواہیر فضلائے بدایوں وعلمائے رامپور وغیرہم

ذٰلك الجواب العجاب ھو الصواب لاریب فیه ولا ارتیاب فللّٰه در المجیب المثاب حیث اتی بالتحقیق الحق فیما اجاب۔ العبد محمد گوھر علی عفی عنه

مولوی گوھر علی ۱۲۹۹

الحمد للّٰه ما اجاب به مولٰینا المحقق واستاذنا المدقق دام فضله ومد ظله فهو الحق فلا فریه وخلاف باطل بلا مریه۔ واللّٰه تعالٰی اعلم۔

عبد اللّٰه عفی عنه

عبد اللّٰه عفی عنه ۱۲۹۹

---

[1] المدخل فصل فی الکلام علیٰ زیارۃ سید الاولین والآخرین دار الکتاب العربی بیروت ۱/۲۵۹

لله در المجیب المثاب حیث افاد واطاب واجاد واباد اھل الجحود المستحقین للعقاب۔

١٢٩٩
محمد ارشاد حسین احمدی

اصاب من اجاب
حررہ الفقیر عبدالقادر انصاری

محمد عبدالقادر محب رسول قادری

المجیب مصیب ومثاب والجواب صحیح وصواب۔
حررہ الفقیر الحقیر المظفر مطیع رسول اللہ القادر المدعو بمحمد عبدالمقتدر العثمانی القادری الحنفی غفر اللہ تعالٰی بجاہ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلٰوۃ والتسلیم۔

عبدالمقتدر

الجواب صواب

١٢٨٥
امداد حسین

قد اصاب من اجاب

١٣٠٢
حافظ بخش محمد

صح الجواب بلا ارتیاب

١٢٩٨
عبدالرزاق بن عبدالصمد

نعم الجواب وجد التحقیق للتصدیق والصواب واعری النھار لعروۃ وثقی لطالب الرشد وتستغنی بھا عما سوی کیف لا ومن لہ ادنی بصیرۃ وروی فانہ یریھا احدی من تفاریق العصا ریھتدی بھا الی صراط مستقیم وطریق السوی ومن جعل اللہ لہ نور عین بصیرۃ یکحل الانصاف والتقی فانہ لاحمد رضا الفاضل المجیب الذی بذل جھدہ للحق وسعٰی وجمع الادلۃ واوفی واتی بتحقیق مرضی واستقصی حق صار بمقابلۃ اھل الضلال ومصداقا للقول الدائر المثل السائر لکل فرعون موسٰی وکذلک یحق اللہ الحق ویقذفہ علی الباطل فیہ معہ فاذا ھو زاھق واھوی ومن کان فی ھذہ الوریقۃ اعمٰی فھو

فی الاٰخرۃ اعمٰی واضل سبیلا وربکم اعلم۔ العبد محمد سلامت اللہ

۱۲۹۶
محمد سلامت اللہ ابوالذکا سراج الدین

صح الجواب واصاب من اجاب
کتبہ عبدہ الاواہ محمد شاہ عفی عنہ

۱۳۰۴
محمد شاہ

الجواب صحیح والمجیب نجیح
کتبہ محمد سلطان احمد عفی عنہ

سلطان احمد

رسالہ

اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامۃ
ختم ہوا

مسئلہ ۲۶۶ از بارکپور مرغی محال مسجد حافظ محمد جعفر صاحب مرسلہ پیش امام صاحب
۱۰ رمضان المبارک ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیامِ مولود شریف فرض ہے یا واجب ہے یا سنّت؟ عمرو کہتا ہے کہ قیام مولود شریف ہاتھ باندھ کر ہونا چاہئے اور زید کہتا ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر ہونا چاہیے تو بتلائیے کہ کس کی بات سچ ہے؟

الجواب

ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونا بہتر ہے جیسا حاضریِ روضۂ انور کے وقت حکم ہے۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:

یقف کما یقف فی الصلٰوۃ[1] ایسے کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے۔

اسی طرح لباب و شرح لباب و اختیار شرح مختار وغیرہا کتب معتبرہ میں ہے۔ قیام مجلس مبارک مستحب ہے اور مجلس کھڑی ہو تو سنّت، اور ترک میں فتنہ، یا الزامِ وہابیت ہو تو واجب کما فی ردالمحتار فی قیام الناس بعضھم لبعض[2] (جیسا کہ ردالمحتار میں بعض لوگوں کے بعض کی خاطر کھڑے ہونے کے بارے میں ہے۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۶۷ از حبیب والہ ضلع بجنور تحصیل دھانپور مرسلہ منظور ۱۱ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آج کل جو میلاد مروّج ہے مع زیب و زینت و اہتمام اس کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب

مسلمانوں کو جمع کرکے ذکرِ ولادتِ اقدس و فضائلِ عَلیّہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سنانا، ولادتِ اقدس کی خوشی کرنی، اس میں حاضرین کو کھانا یا شیرینی تقسیم کرنی بلاشبہ جائز و مستحب ہے، اور جائز زینت فی نفسہٖ جائز، اور بہ نیتِ فرحتِ ولادتِ شریفہ و تعظیمِ ذکرِ انور قطعاً مستحب ـــــ اللہ عزوجل فرماتا ہے:

واما بنعمۃ ربک فحدّث[3] (اور اپنے رب کی نعمت کا خوب چرچا کرو۔ ت)

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب المناسک مطلب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم نورانی کتب خانہ پشاور ۱/۲۶۵
[2] ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ قبیل فی البیع و آخر فصل فی البیع دار احیاء التراث العربی بیروت ۵/۲۴۶ و ۲۴۵
[3] القرآن الکریم ۹۳/ ۱۱

اور فرماتا ہے: وذکرھم بایام اللہ[1] (اور انھیں اللہ کے دن یاد دلاؤ۔ت) اور فرماتا ہے:

قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا[2]

تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی پر چاہئے کہ خوشی کریں۔ (ت)

اور فرماتا ہے:

قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق[3] واللہ تعالٰی اعلم۔

تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

---

[1] القرآن الکریم ۱۴/ ۵
[2] القرآن الکریم ۱۰/ ۵۸
[3] " " " ۷/ ۳۲

تصوّف و طریقت و آدابِ بیعت و پیری و مریدی

مسئلہ ۲۶۸: (سوال مفقود ہے)

الجواب

"نہ وہ باتیں" خیال میں ہیں نہ یہی یاد کہ میں نے کیا بتائے تھے مگر اس وقت جو نظر کی اب بھی بہ نگاہِ اوّلیں تین ہی مطلب ذہن میں آئے۔ عجب نہیں کہ یہ وہی مطالب ہوں جو اُس وقت فکر میں آئے تھے یا غیر ہوں۔

شاعر "اربابِ تمکین" سے نہیں جو ایک حال پر مستقیم و مستقر رہے بلکہ "اصحابِ تلوین" میں سے ہے جن پر وارداتِ مختلفہ مقتضٰے قضایائے مختلفہ وارد ہوتے ہیں وہ اپنے ان احوالِ گوناگوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"میخواہم" (میں خواہش کرتا ہوں۔ت) تو ظاہر ہے کہ عشق میں "اہلِ بدایت" کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی خواہش کے پابند ہوتے ہیں اور ان کی خواہش یہی کہ حبیب کو دیکھیں اور رقیب کو نہ دیکھیں۔

اور "نمی خواہم" (میں خواہش نہیں کرتا۔ت) تین مقاماتِ مختلفہ سے ناشئ ہے جن میں ایک دوسرے سے اعلٰی ہیں۔

مقامِ اوّل: ادنیٰ مقام "جوششِ عشق و رشک ہے" یعنی دل کی خواہش تو یہی ہے کہ حبیب بے خلشِ رقیب جلوہ گر ہو مگر "حبیب و رقیب" شدتِ مصاحبت سے متلازم ہیں کہ ایک کا دیکھنا دوسرے کے دیکھنے اور ایک کا نہ دیکھنا دوسرے کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہے۔ نظر براں جب رشک جوش کرتا ہے، حبیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کی رویت بے رویتِ رقیب نہ ہوگی۔ اور رویتِ رقیب ہرگز منظور نہیں، اور جب عشق جوش زن ہوتا ہے، رقیب کو دیکھنا نہیں چاہتا کہ اس کا نہ دیکھنا حبیب کے نہ دیکھنے کو مستلزم ہوگا۔ اور دیدارِ حبیب سے محرومی گوارا نہیں۔

مقامِ دوم: اوسط "مقام فنائے ارادہ در ارادہ محبوب" یعنی خواہشِ دل تو وہی کہ حبیب بے رقیب متجلی ہو، مگر حبیب کا ارادہ اس کا عکس ہے وُہ چاہتا ہے کہ میں اسے نہ دیکھوں اور رقیب کو دیکھوں کہ غیظ پاؤں اور مراد نہ پاؤں۔ جب فنائے ارادہ فی ارادۃ الحبیب کا مقام وارد ہوتا ہے، میں اپنی اُس خواہش دلی سے درگزر کرتا ہوں ؎

میل من سوئے وصال و قصد او سوئے فراق　　ترک کام خود گرفتم تا بر آید کام دوست

(میری رغبت وصال کی طرف اور اس کا ارادہ فراق کا ہے، میں نے اپنا مقصد ترک کر دیا تاکہ دوست کا مقصد پورا ہو جائے۔ ت)

؎ فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب　　کہ حیف باشد از و غیر او تمنائے

فراق و وصل کیا چاہتا ہے دوست کی رضامندی طلب کر کیونکہ اس سے اس کے غیر کی تمنا کرنا افسوسناک ہوگا۔ ت)

مقامِ سوم: اعلیٰ "مقام فنا فی المحبوب" کہ خود اپنی ذات ہی باقی نہ رہے۔ غیر و اضافات و نسبت و تعلقات کہاں سے آئیں۔ رقیب کا غیر ہونا ظاہر، اور رویتِ حبیب کا تصور بھی تصورِ غیر ہے کہ رویت تین چیزوں کو چاہتی ہے: رائی، مرئی، اور وہ تعلق کہ ان دونوں میں ہوتا ہے، بلکہ حبیب کو جاننا بھی بے تصورِ نفس ممکن نہیں کہ حبیب وُہ جس سے محبت ہو۔ اور محبت کو ہر دو حاشیہ محب و محبوب و اضافت بینہما سے چارہ نہیں۔ جب میں ہمہ تن فنا فی المحبوب ہوں تو رقیب، حبیب و رویت و عدم رویت کو کون سمجھے، اور ارادہ و خواست کدھر سے آئے۔ لاجرم اُس وقت ان میں سے کچھ خواہش نہیں رہتی۔

اللّٰھم ارزقنا ھذا المقام فی رضاک	اے اللہ! ہمیں اپنی رضا میں یہ مقام عطا فرما۔
وصل وسلم وبارک علٰی مصطفاک	اور اپنے منتخب محبوب، اس کی آل، اصحاب

والہ واولیائہ وکل من والاك ۔ اٰمین واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم ۔

اور اپنے ہر محب پر درود وسلام و برکت نازل فرما، آمین ۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس کا علم اتم اور احکم ہے ۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۹ ازتریا ضلع بریلی مسئولہ امداد حسین صاحب ۹ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مدار صاحب کا سلسلہ بیعت کرنے کا ہے یا نہیں؟ تھا یا توڑ دیا، کیا ان کے خاندان میں بیعت ہونا روا ہے یا نہیں؟ کل وجہ تسمیہ اس سلسلہ کی تحریر فرمائیے۔ بیّنوا توجروا (بیان کیجئے اجر دیئے جاؤ گے ۔ ت)

الجواب

حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ الشریف اکابر اولیائے عظام سے ہیں، مگر ولی ہونے کو یہ ضرور نہیں کہ اس سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہو۔ ہزاروں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں صرف چند صاحبوں سے سلسلہ بیعت ہے، باقی کسی صحابی سے نہیں۔ پھر ان کی ولایت کو کس کی ولایت پہنچ سکتی ہے ۔ اس خاندان کا جو سلسلہ اکابر میں چلا آیا ہے وہ محض تبرک کے لئے ہے ۔ جیسے حدیث شریف کا سلسلہ، باقی افاضہ کا اجرا اس سے نہ ہوا ، جیسا کہ حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی نے سبع سنابل شریف میں فرمایا ؛ تو جسے بیعت صحیحہ سلاسلِ نافذہ منفقہ میں ہو وہ اپنے مشائخ سے تبرکاً اس سلسلہ کی بھی سند لے لے تو حرج نہیں ۔ اور اسی پر اکتفاء اور خصوصاً اہل فسق جو اکثر اس سلسلہ کا غلط نام بدنام کرنے والے ہیں ان سے رجوع، یہ باطل اور ممنوع ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۷۰ محمد جعفر خاں الملقب بہ عارف ابوالحسینی قادری محلہ چودھری بدایوں ۱۹ صفر ۱۳۲۸ھ

اس مسئلہ میں علمائے دین وطریقت کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ مثلاً زید نے خاندان قادریہ میں بیعت کی اور چند روز کے بعد پیر نے خلافت بھی مرحمت فرمائی، پھر بعد چند روز کے جامہ طریقت بھی پہنایا یعنی فقیر بنایا، مگر اس کے بزرگ خاندان مداریہ سے بیعت کرتے چلے آئے ہیں اور نیز زید کا باپ سرگروہ بھی تھا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ زید کو خاندان مداریہ کا طالب ہونا ضروری ہے ۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کو اپنے بزرگوں کے خاندان کے طالب ہونے کی ضرورت ہے یا نہیں ؟

دوم طالب اور مرید میں کیا فرق ہے ؟

الجواب

اول، ان سے طالب ہونا ہرگز کچھ ضرور نہیں، بلکہ جب افضل السلاسل سلسلہ علیہ، عالیہ،

صحیحہ، متصلہ، قادریہ، طیبہ، مبارکہ میں شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر فخرِ بیعت نصیب ہوچکا ہے تو اسے دوسری طرف اصلاً توجہ وپریشاں نظری نہ چاہیے۔

دوم، مرید غلام ہے، اور طالب وہ کہ غیبتِ شیخ میں بضرورت یا باوجود شیخ کسی مصلحت سے، جسے شیخ جانتا ہے یا مرید شیخ غیر شیخ سے استفادہ کرے۔ اسے جو کچھ اس سے حاصل ہو وہ بھی فیضِ شیخ ہی جانے، ورنہ دُو دِر کبھی فلاح نہیں پاتا۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں:

لایفلح مرید بین شیخین[1]

جو مرید دو پیروں کے درمیان ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ (ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ضرب اللّٰہ مثلاً رجلاً فیہ شرکاء متشاکسون ورجلاً سلماً لرجل ھل یستویان مثلاً الحمد للّٰہ بل اکثرھم لایعلمون[2]۔ نسأل اللّٰہ العفو والعافیۃ۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی ایک مثال بیان فرماتا ہے، ایک غلام میں کئی بدخُو آقا شریک ہوں اور ایک نرے ایک مولٰی کا۔ کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے۔ سب خُوبیاں اللہ کو ہیں بلکہ ان کے اکثر نہیں جانتے۔ ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ از کیمپ صدر بازار بریلی مسئولہ امام علی شاہ صاحب ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم ومکرم بندہ مولوی صاحب مدظلہ العالی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد ادائے آداب وتسلیمات کے عرض رسا ہوں، گزارش یہ ہے کہ ایک جگہ ایسا جھگڑا آپڑا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ خاندانِ غوثیہ والے ایک صاحب یعنی خاندانِ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے صاحب نے مداریہ خاندان والوں سے کہا کہ ہمارا خاندان بڑا ہے، تم لوگ ہمارے یہاں بیعت ہو۔ انھوں نے کہا یعنی مداریہ والوں نے جواب دیا کہ ہمارا خاندان تمھارے خاندان سے اچھا نہیں ہے، اور اچھا بھی ہے تو خدا کے یہاں خاندان نہ پُوچھا جائے گا بلکہ عمل پوچھا جائے گا۔ خاندان غوثیہ والوں نے ثبوت پیش کیا کہ حضرت غوث پاک کے بارے میں جناب رسول مقبول صلی اللہ

---

[1]

[2] القرآن الکریم ۳۹/ ۲۹

علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم کُل اولیا۔ اللہ کی گردن پر ہوگا۔ مداریوں نے دریافت کیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی گردن پر بھی اور حضرات حسنین علیہما السلام خواجہ حسن کی گردن پر بھی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت خواجہ حبیب عجمی اور مدار صاحب کی گردن پر تھا یا نہیں؟ خاندان غوثیہ والوں نے جواب دیا کہ مدار صاحب کی گردن پر قدم تھا۔ اور جو صاحبان پہلے گزر چکے ہیں ان پر نہیں۔ خاندان مداریہ والوں نے جواب دیا، ہمارا خانوادہ طیفوریہ دوئم اور تمہارا خانوادہ طوسیہ ہفتم ہے، ہمارے خاندان سے تمہارا خاندان بعد میں ہوا۔ اور مداریہ کہتے ہیں کہ مدار کا رتبہ غوث سے اعلیٰ ہے۔ جناب کو تکلیف دے کر عرض ہے کہ مدار کے کیا معنیٰ ہیں؟ اور جو درجہ مداریہ ہے اس کی کیا تشریح ہے؟ اور ان دونوں خاندان والے صاحبان میں کون حق پر ہیں اور کون سے نہیں؟ سوا آپ کے اور کوئی عالم صاحب اس مرحلہ کو طے نہیں کرسکتے بلکہ یہاں تک نوبت ہوگئی ہر دو جانب سے آمادہ فساد پر ہوجائیں تو عجب نہیں۔ ماشاء اللہ آپ عالم باعمل ہیں اور جملہ خاندان عالیہ سے سند یافتہ ہیں۔ اہلِ علم میں فساد ہونا موجب سُبکی کا ہے۔ اور دونوں خاندان والے جناب کے قول کو صادق ہونے پر مضبوط ہیں اور کہتے ہیں کہ جو مولوی صاحب فرمائیں گے وہ ہم دونوں صاحبان کو منظور ہے۔ اللہ پاک جناب کو ہم سیہ کاروں پر ہمیشہ ہمیشہ سلامت اور قائم رکھے۔ حضور کے ہونے سے جملہ صاحبان اہلِ آلام کو ہر طرح کی تقویت حاصل ہے۔ زیادہ حدِ ادب!

الجواب

عوام کو ایسے امور میں بحث کرنا سخت مضرت کا باعث ہوتا ہے مبادا کسی طرف گستاخی ہوجائے تو عیاذاً باللہ سخت تباہی و بربادی بلکہ اس کی شامت سے زوالِ ایمان کا اندیشہ ہے، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ العزیز ضرور اکابر اولیائے سے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ حضور پُرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کا مرتبہ بہت اعلیٰ و افضل ہے۔ غوث اپنے دَور میں تمام اولیائے عالم کا سردار ہوتا ہے۔ اور ہمارے حضور امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے بعد سے سیدنا امام مہدی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی تشریف آوری تک تمام عالم کے غوث اور سب غوثوں کے غوث اور سب اولیاء اللہ کے سردار ہیں اور ان سب کی گردن پر ان کا قدمِ پاک ہے۔

امام ابوالحسن علی بن یوسف بن حریر لخمی بن شطنوفی قدس سرہ العزیز نے کتاب مستطاب بہجۃ الاسرار شریف میں بسندِ مسلسل دو اکابر اولیا۔ اللہ معاصرینِ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ، حضرت سیدی احمد ابن ابی بکر حریمی و حضرت ابوعمرو عثمان ابن صریفینی قدس اللہ اسرارہما سے دو حدیثیں روایت فرمائیں۔

پہلی کی سندیہ ہے: اخبرنا ابوالمعالی صالح ابن احمد بن علی البغدادی المالکی سنۃ احدی وسبعین وستمائۃ قال اخبرنا الشیخ ابوالحسن البغدادی المعروف بالخفاف قال اخبرنا شیخنا الشیخ ابوالسعود احمد بن ابی بکر الحریمی بہ سنۃ ثمانین وخمسمائۃ۔

اور دوسری سندیہ ہے: اخبرنا ابوالمعالی قال اخبرنا شیخ ابو محمد عبداللطیف البغدادی المعروف بالمطیر ببغداد سنۃ خمس وعشرین وستمائۃ۔ قال اخبرنا شیخنا ابوعمرو عثمان الصریفینی[1]۔ اور ان دونوں حدیثوں کا متن یہ ہے کہ دونوں حضرات کرام نے فرمایا:

واللہ ما اظہر اللہ تعالیٰ ولا یظہر الی الوجود مثل الشیخ محی الدین عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

یعنی خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مانند نہ کوئی ولی عالم میں ظاہر کیا نہ ظاہر کرے۔

نیز امام ممدوح کتاب موصوف میں حضرت سیدی ابو محمد بن عبد بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام کو فرماتے سنا:

ما اوصل اللہ تعالیٰ ولیا الیٰ مقام الا وکان الشیخ عبدالقادر اعلاہ ولا سقی اللہ حبیبا کاسا من حبہ الا وکان الشیخ عبدالقادر اھناہ، ولا وھب اللہ لمقرب حالا الا وکان الشیخ عبدالقادر اجلہ، وقد اودعہ اللہ تعالیٰ سرا من اسرارہ سبق بہ جمھور الاولیاء وما اتخذ اللہ ولیا کان او یکون الا وھو متادب

یعنی اللہ تعالیٰ نے جس ولی کو کسی مقام تک پہنچایا شیخ عبدالقادر کا مقام اس سے اعلیٰ ہے اور جس پیارے کو اپنی محبت کا جام پلایا شیخ عبدالقادر کے لئے اس سے بڑھ کر خوشگوار جام ہے۔ اور جس مقرب کو کوئی حال عطا فرمایا شیخ عبدالقادر کا حال اس سے اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسرار سے وہ راز ان میں رکھا ہے جس کے سبب ان کو جمہور اولیاء پر سبقت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے جتنے ولی ہوگئے یا ہوں گے قیامت تک سب شیخ عبدالقادر کا

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر فصول من کلامہ مرصعًا بشیٔ من عجائب احوالہ مصطفے البابی مصر ص ۲۵

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

معہ الی یوم القیمۃ۔[1] | ادب کریں گے۔

یہ شہادتیں ہیں حضرت خضر اور حضرات اولیاء کرام کی علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام ؎

بقسم کہتے ہیں شاہانِ صریفین و حریم | کہ ہوا ہے نہ ولی ہو کوئی ہمتا تیرا
جو ولی قبل تھے یا بعد ہوئے یا ہوں گے | سب ادب رکھتے ہیں دل میں مرے آقا تیرا[2]

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ احکم۔

مسئلہ ۲۷۳: از کانپور محلہ پرانی سبزی منڈی کی مسجد متصل چوک مرسلہ عبدالرشید ۸ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی درویش کہتا ہے کہ پیر کی شکل پر متشکل ہو کر خداوند تعالیٰ مرید سے ملاقات کرتا ہے اور دلیل کتاب "انتباہ" شاہ ولی اللہ صاحب کی لاتا ہے۔ مضمون کتاب ہذا یہ ہے کہ:

حضرت سلطان الموحدین وبرہان العاشقین حجۃ المتکلمین شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضیخاں صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز چنین می فرمودند کہ صورت مرشد کہ ظاہر دیدہ می شود مشاہدۂ حق سبحانہ وتعالیٰ است بے پردہ آب وگل کہ ان اللہ خلق اٰدم علٰی صورۃ الرحمٰن ومن رانی فقد رأی الحق ؎

گر تجلی ذات خواہی صورتِ انساں ببیں
ذات حق را آشکار اندر وخنداں ببیں[3]

اکثر علماء دریں عبارت مذکور را مخالف ہستند، بادلیلِ معتبرہ عند الشرع شریفہ ہرچہ حق باشد۔ بیّنوا توجروا۔

حضرت گرامی مرتبت، موحدوں کے بادشاہ، عاشقوں کی برہان، متکلمین کی حجت، شیخ جلال الحق مخدوم مولانا قاضی خاں، صاحب یوسف ناصحی قدس سرہ العزیز یوں فرماتے ہیں کہ مرشد کی صورت جو ظاہری طور پر دیکھی جاتی ہے وہ حق سبحانہ، وتعالیٰ کا مشاہدہ ہے۔ آب وگل کے پردہ کے بغیر، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا فرمایا ہے جس نے مجھے دیکھا بیشک اس نے حق کو دیکھا۔" اگر تو تجلی ذات کا خواستگار ہے تو انسان کی صورت دیکھ۔ ذاتِ حق کو اس میں واضح طور پر ہنستا ہوا دیکھ۔" اکثر علمائے کرام عبارت مذکورہ کے مخالف ہیں، جو کچھ حق ہے معتبر دلیل شرعی کے ساتھ بیان فرمائیں، اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

---

[1] بہجۃ الاسرار ذکر ابو محمد القاسم بن عبد البصری مصطفی البابی مصر ص ۱۷۳
[2] حدائق بخشش وصل سوم در حسن مفاخرت از سرکار قادریت رضی اللہ عنہ مطبوعہ آرام باغ کراچی حصہ اول ص ۶
[3] انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ آرمی برقی پریس دہلی ص ۹۲ و ۹۳

الجواب

قولِ مذکور گستاخی اور دریدہ دہنی ہے، اور عبارتِ انتباہ سے اس پر استدلال غلط فہمی۔ عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لم یقضہٗ وقضیضہ، مظاہر و مجالی حضرت خالق عزوجلالہ ہے۔

فی الاٰفاق وانفسکم افلا تبصرون ○ — آفاق میں اور خود تم میں نشانیاں ہیں تو کیا تم دیکھتے نہیں،

ما رأیت شیئا الا و رأیت اللّٰہ فیہ[1] — میں کسی شئی کو نہیں دیکھتا مگر اس کے ساتھ میں اللہ کو دیکھتا ہوں۔ (ت)

مظہرِ اوّل و اعظم و اجل و اتم و اکمل کہ مظہرِ ذات ہے ذاتِ اقدس حضور انور سید الکائنات علیہ افضل الصلوات و اکمل التحیات ہے، باقی تمام عالم حسبِ استعداد اس پرتو اصلی کا پرتو در پرتو بواسطہ و وسائط ہے۔ شیخ جس میں حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نور بصفت ہدایت وارشاد و تربیت متجلی ہے اور عالمِ ملکوت عالمِ ملک سے ازکٰی و اصفٰی و اجلٰی و ابہٰی و احلٰی ہے، تو اس سے مشاہدہ ایک زیادہ صاف و مجلٰی آئینہ سے مشاہدہ ہے ورنہ متجلی شکل و تشکل سے منزّہ و متعالی ہے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۷۴: ازمقام موضع سمریاں ضلع بریلی بتاریخ ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ سائل دریافت کرتا ہے پیرومرشد کا کیا حق ہے مرید کے روپیہ و اسباب میں کتنا مرشد کو دے اور کتنا مرید اپنے خرچ میں لائے۔ وہ بات تحریر فرمائی جائے جس سبب سے پیر کے حق سے چھوٹے، تاکہ قیامت میں مواخذہ نہ ہو، اور اگر پیرومرشد کی حکم عدولی کرے، اور جیسا کہ مرید کو حکم ہوا اس پر عمل نہ کرے، ایسے مرید کے لئے کیا حکم ہے اور قیامت میں مواخذہ ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

پیر واجبی پیر ہو، چاروں شرائط کا جامع ہو، وہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا نائب ہے۔ اس کے حقوق حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حقوق کے پرتو ہیں جس سے پورے طور پر

ع: کل کا کل (المنجد) عبدالمنان اعظمی

[1] الحدیقۃ الندیۃ الاستخفاف بالشریعۃ کفر مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد ۱/ ۲۱۲

عہدہ برا ہونا محال ہے، مگر اتنا فرض و لازم ہے کہ اپنی حدِ قدرت تک ان کے ادا کرنے میں عمر بھر ساعی رہے۔ پیر کی جو تقصیر رہے گی اللہ و رسول معاف فرماتے ہیں پیر صادق کہ ان کا نائب ہے یہ بھی معاف کرے گا کہ یہ تو ان کی رحمت کے ساتھ ہے۔ ائمۂ دین نے تصریح فرمائی ہے کہ مرشد کے حق باپ کے حق سے زائد ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ باپ مٹی کے جسم کا باپ ہے اور پیر روح کا باپ ہے۔ اور فرمایا ہے کہ کوئی کام اس کے خلافِ مرضی کرنا مرید کو جائز نہیں۔ اس کے سامنے ہنسنا منع ہے، اس کی بغیر اجازت بات کرنا منع ہے۔ اس کی مجلس میں دوسرے کی طرف متوجہ ہونا منع ہے، اس کی غیبت میں اس کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنا منع ہے، اس کی اولاد کی تعظیم فرض ہے اگرچہ بے جا حال پر ہوں، اس کے کپڑوں کی تعظیم فرض ہے، اس کے بچھونے کی تعظیم فرض ہے، اس کی چوکھٹ کی تعظیم فرض ہے، اس سے اپنا کوئی حال چھپانے کی اجازت نہیں، اپنے جان و مال کو اسی کا سمجھے۔

پیر کو نہ چاہئے کہ بلا ضرورتِ شرعی مریدوں کو مالی تکلیف دے۔ انھیں جائز نہیں کہ اگر اسے حاجت میں دیکھیں تو اس سے اپنا مال دریغ رکھیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اس کی ملک اور بندۂ بے دام سمجھے، اس کے احکام کو جہاں تک بلا تاویل صریح خلافِ حکمِ خدا نہ ہوں حکمِ خدا و رسول جانے۔ و باللہ التوفیق، واللہ تعالٰی اعلم (اور توفیق اللہ تعالٰی ہی کی طرف سے ہے اور اللہ خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۷۵: از موضع نیشٹہ ضلع امرتسر ڈاک خانہ خاص متصل اسٹیشن اٹاری

مسئولہ سید رشید الدین صاحب عرف سید محمد عبد الرشید بریلوی ۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ عظام شرع متین اس مسئلہ میں کہ صاحبِ ارشاد مرفوع الاجازت شیخ کا اپنی زوجہ کو بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کہے کہ اپنی منکوحہ کو بیعت کرنا جائز نہیں، بلکہ حرام بتاتا ہے، کیونکہ زوجہ بیٹی بن جاتی ہے اور نکاح نہیں رہتا بلکہ فسخ ہو جاتا ہے۔ اور نیز یہ دلیل بھی بیان کرتا ہے کہ یہ فعل رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی سے ثابت نہیں۔ اور نہ کسی نے خلفائے راشدین میں سے ایسا کیا اور نہ کسی سلف صالح نے سلف صالحین میں سے اپنی زوجہ کو بیعت کیا ہے۔ پس یہ قول اس شخص کا صحیح ہے یا غلط و مردود؟ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحساب (کتاب اللہ سے بیان کرو حساب والے دن اجر پاؤ گے۔ ت)

الجواب

زوجہ کو مرید کرنا جائز ہے، تمام امت انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مرید ہی ہوتی ہے پھر وہ انھیں میں سے تزوّج فرماتے ہیں۔ مرید حقیقۃً اولاد نہیں ہوتا، وہ ایک دینی علاقہ ہے جو صرف پیر بلکہ استاذ علمِ دین کو بھی شاگرد پر حاصل ہے۔

قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انما انالکم بمنزلۃ الوالد اعلمکم[1]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا میں تمھارے لئے والد کی طرح ہوں تمھیں تعلیم دیتا ہوں (ت)

اور زوجہ کو مسائلِ دینی تعلیم کرنے کا زوج کو حکم ہے۔

قال تعالٰی قوا انفسکم واھلیکم نارا[2]۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ خود اپنی ذاتوں کو اور اپنے اہل وعیال کو آگ سے بچاؤ۔ (ت)

مسئلہ ۲۶۱: مسئولہ محمد تقی صاحب از راندیر ضلع خاندیس شرقی بر مکان قاضی صاحب ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۳ھ

کرامت اور فیض میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب

کرامت خرقِ عادت ہے کہ ولی سے صادر ہو۔ اور فیض وبرکات اور نورانیت کا دوسرے پر القا فرمانا ہے۔ یہ القاء اگر برخلافِ عادت ہو تو فیض بھی ہے اور کرامت بھی۔ جیسے حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک نصرانی کے گھر تشریف لے جا کر اُسے سوتے سے جگا کر کلمہ پڑھنے کا حکم دیا اس نے فوراً پڑھ لیا۔ فرمایا: فلاں جگہ کا قطب مرگیا ہے ہم نے تجھے قطب کیا۔ نیز ایک بار ایک نصرانی کو کلمہ پڑھا کر اسی وقت ابدال میں سے کر دیا۔ اور اگر موافقِ عادت تربیت وریاضات ومجاہدات سے ہو تو فیض ہے کرامت نہیں۔ اور اگر خلافِ عادت غیر القائے مذکور ہو جیسے حضور رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بارہا مُردے کو زندہ، زندہ کو مردہ فرما دیا، تو کرامت ہے فیض نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الطہارۃ باب کراہیۃ استقبال القبلۃ الخ آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۳

[2] القرآن الکریم ۶۶/ ۶

مسئلہ ۲۷۷: از کوہ شملہ لکڑ بازار کوٹھی دورلی مرسلہ عبدالرحیم خاں ۱۸ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

مخدوم ومکرم اعلٰیحضرت مولانا مولوی احمد رضاخاں صاحب زادمجدہ، سلام مسنون نیازمندانہ کے بعد عرض خدمت ہے زید کہتا ہے بیعتِ غائبانہ کوئی شئی نہیں اور زید جناب والا کا معتقد ہے۔ لہذا بیعتِ غائبانہ جس حدیث شریف سے ثابت ہو جناب والا تحریر فرماکر اور مُہر سے مزیّن فرماکر مشکور فرمائیں تاکہ زید کی تسلی کردی جائے۔ اور وہ اگر حاضری سے معذور ہے تو آنحضرت سے غائبانہ بیعت کا شرف حاصل کرے۔ اس کا جواب اس پتہ پر روانہ فرمائیے:

کوہ شملہ بمعرفت امامِ جامع مسجد عبدالرحیم کو ملے۔

الجواب

ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم[1] وہ جو تم سے بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔

اور فرماتا ہے:

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ۔[2] بے شک اللہ راضی ہوا مسلمانوں سے جب وہ تم سے بیعت کرتے ہیں درخت کے نیچے۔

صحیح بخاری شریف میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے جب یہ بیعت ہوئی ہے امیرالمومنین عثمانِ غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ غائب تھے، بیعت حدیبیہ میں ہوئی اور وہ مکہ معظمہ گئے ہوئے تھے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو فرمایا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، پھر اسے اپنے دوسرے دستِ مبارک پر مار کر ان کی طرف سے بیعت فرمائی اور فرمایا یہ عثمان کی بیعت ہے لفظِ حدیث یہ ہیں:

واما تغیبہ عن بیعۃ الرضوان فانہ لوکان احد اعز ببطن مکۃ من عثمان بن عفان لبعثہ مکانہ فبعث رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عثمان وکانت بیعۃ الرضوان بعد ما ذھب عثمان الی مکۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بیدہ الیمنی ھذہ ید عثمان فضرب بھا علٰی یدہ وقال ھذہ

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

[2] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۸

لعشمان[1] واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۷۹: از موضع لکھی پور ڈاکخانہ سگرام پور تحصیل بسولی ضلع بدایوں مسئولہ احمد حسین محرر روز دوشنبہ ۱۵ ذوالحجہ ۱۳۳۳ھ

جناب فیض مآب، فیض بخش، فیاضِ زماں، مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب دام افضالہ۔

بعد سلام علیک دست بستہ کے عرض خدمت میں یہ ہے کہ:

(۱) جیسا اور خاندانوں میں سلسلہ پیری مریدی جاری ہے اسی طرح سے جناب حضرت "شاہ مدار" صاحب کا ہے یا نہیں؟

(۲) خدام زیارت مکنپوری اپنے تین خاندان خلفاء وجدی "شاہ مدار" صاحب سے بتلاتے ہیں۔ لہٰذا ان سے بیعت ہونا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ فی زمانہ جاری خاندان کی بیعت سُنی اور خاندان کی نہیں سُنی، اور نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ مرید حضرت شاہ مدار صاحب مرید حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی غوث الاعظم سے زیادہ ہیں، یہ امر تصدیق طلب ہے۔ لہٰذا تصدیعہ دہ کہ براہِ غربا پروری اور بندہ نوازی حکم سے اطلاع بخشی جائے۔

الجواب

حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ الرضوان سید الاولیاء ہیں، حضرت شاہ بدیع الدین مدار قدس سرہ السریر کو ان سے افضل کہنا جہل وطغیان وافتراء وبہتان ہے۔ بیعت کے لئے لازم ہے کہ پیر چار شرطوں کا جامع ہو:

(۱) سُنّی صحیح العقیدہ

(۲) صاحبِ سلسلہ

(۳) غیر فاسق معلن

(۴) اتنا علمِ دین رکھنے والا کہ اپنی ضروریات کا حکم کتاب سے نکال سکے۔

جہاں ان شرطوں میں سے کوئی شرط کم ہے بیعت جائز نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۰: از بنارس چھاؤنی محلہ ڈینوڑی تھانہ سکرور مسئولہ مولوی عبدالوہاب سہ شنبہ ۲۰ صفر ۱۳۳۲ھ

کسی کو جبراً مرید کرنا اور نابالغوں کو بغیر ان کے والدین کی اجازت کے دست بیعت کرنا جائز

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالٰی ان الذین تولوا منکم الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۵۸۲

ہے کہ نہیں؟ فقط۔

الجواب

مریدی اور جبر دونوں متباین ہیں، جمع نہیں ہوسکتے۔ مریدی اپنے دل کی ارادت سے ہے نہ کہ دوسرے کے جبر سے۔ ایسا جبر وہ کرتے ہیں جنھیں مریدوں سے کچھ تحصیل کرنا ہوتا ہے یا کثرتِ مریدین سے اپنی شہرت۔ نابالغ اگر نا سمجھ ہے تو بے اجازتِ ولی اُسے مرید کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ ہاں تعلیقِ ارادت ممکن ہے جس کا قبول اس کے عقل وبلوغ پر موقوف رہے گا۔ اگر کسی میں رشد کے آثار پائے اور گمان کرے کہ اس کے زمانۂ عقل تک شاید اپنی عمر وفا نہ کرے اور اسے شیخ کی حاجت ہو۔ اور زمانہ کی حالت یہ ہے کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست پس بہر دستے نہ باید داد دست

(بہت سے شیطان انسانی شکلوں میں ہیں لہٰذا ہر کسی کے ہاتھ میں ہاتھ نہیں دینا چاہیے۔ ت)

ولہٰذا اسے اپنا کرلے، اور وہ زمانۂ عقل تک پہنچ کر اسے قبول کرلے تو بیعت کی تکمیل ہوجائے گی۔ اور اگر عاقل ہے اور اس کی رغبت دیکھے تو مرید کرسکتا ہے، اجازتِ والدین کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۱ - ۲۸۲ از کلکتہ بڑا بازار سوناپٹی گنیش بھگت کا کٹرہ ۲۶ جمادی الاولٰی ۱۳۴۰ھ

(۱) ایک شخص ایک آدمی سے مرید ہے، پہلے وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور علم بھی کچھ نہیں جانتا تھا اب اللہ تعالٰی نے اس کو کچھ علم بخشا تو وہ دیکھتا ہے کہ جو پیر ہمارا ہے وہ ہم سے بھی بدتر ہے افعال میں۔ اور صرف اردو قرآن شریف کے سوا کچھ نہیں جانتا ہے۔ اور قرآن شریف بھی دیکھ کر پڑھتا ہے اور کچھ نہیں جانتا۔ اور کھانا کپڑا بھی مانگ کے چلاتا ہے اور رات دنیا کے کاموں میں مشغول رہتا ہے۔ اب وہ شخص جو مرید ہوا ہے اس کا سوال ہے کہ میں دوسرے سے پھر مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ تو آپ کی کیا رائے ہے؟ اور جس شخص سے پہلے مرید ہے وہ خاندانی سیّد ہے۔ اور اس خط کے شامل شجرہ بھی ان کا جاتا ہے۔

(۲) ایک شخص گویا کلکتہ میں ہے اور اس کے دل میں ہے کہ میں مرید ہوجاؤں تو اچھا۔ مگر وہ جس سے مرید ہونا چاہتا ہے وہ دوسرے ملک میں ہے، پھر وہ کس طرح سے مرید ہوسکتا ہے؟

الجواب

(۱) حسبِ تصریح ائمہ کرام پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

---

[1] مثنوی معنوی دفتر اول ص ۱۲ و گلدستہ مثنوی معارف نعمانیہ لاہور ص ۶۰

اوّل : سُنی صحیح العقیدہ۔

دوم : علمِ دین بقدرِ کافی رکھتا ہو۔

سوم : کوئی فسق علانیہ نہ کرتا ہو۔

چہارم : اس کا سلسلہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک صحیح اتصال سے ملا ہو۔

اگر کسی شخص میں ان چاروں میں سے کوئی شرط کم ہے اور ناواقفی سے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا بعد کو ظاہر ہوا کہ وُہ بدمذہب یا جاہل یا فاسق یا منقطع السلسلہ ہے تو وہ بیعت صحیح نہیں، اسے دوسری جگہ مرید ہونا چاہئے جہاں یہ چاروں شرطیں جمع ہوں۔

(۲) بیعت بذریعہ خط وکتابت بھی ممکن ہے، یہ اسے درخواست لکھے وہ قبول کرے اور اپنے قبول کی اس درخواست دہندہ کو اطلاع دے اور اس کے نام کا شجرہ بھی بھیج دے، مرید ہوگیا، کہ اصل ارادت فعلِ قلب ہے۔ والقلم احد اللسانین، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (قلم دو زبانوں میں سے ایک زبان ہے۔ اور اللہ سبحانہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۳ مسئولہ مولانا سید دیدار علی صاحب الوری اواخر شعبان ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین دربارہ ایسے شخص کے جو فتوٰی دے ایسا کہ جو کوئی خاندانِ عالیہ قادریہ کو اور خاندانوں سے افضل واعلٰی نہ جانے اور باوجود افضلیت کے پھر دوسرے خاندانوں میں بیعت حاصل کرے وہ ضال اور مضل اور ذریتِ شیطان لعین میں سے ہے۔ ایسا کہنے والا یا فتوٰی دینے والا کیسا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب

بلاشبہہ خاندان اقدس قادری تمام خاندانوں سے افضل ہے کہ حضور پُرنور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ افضل الاولیاء وامام العرفاء وسید الافراد وقطب ارشاد ہیں۔ مگر حاشا للہ کہ دیگر سلاسل حقہ راشدہ باطل ہوں یا ان میں بیعت ناجائز وحرام ہو۔ اس کی نظیر بعینہٖ مذاہبِ اربعہ اہلِ حق ہیں۔ ہمارے نزدیک مذہب مہذب حنفی افضل المذاہب واضح المذاہب واولٰہا بالحق ہے مگر حاشا کہ متبعانِ مذہبِ ثلٰثہ باقیہ عیاذاً باللہ ضال ومضل ہیں۔ ایسا کہنا خود صریح باطل وغلو ہے۔ والعیاذ باللہ تعالٰی، واللہ تعالٰی اعلم (اللہ تعالٰی کی پناہ۔ اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ ت)

مسئلہ ۲۸۴ از کانپور مرسلہ مولوی آصف علی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو پتّہ یا درخت بوجہ غفلتِ تسبیح گرجاتا ہے یا جانور ذبح کردیا جاتا ہے تو پھر بعد از سزائے غفلت اس کا تسبیح میں مشغول ہونا ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب

رب عزوجل فرماتا ہے:

یسبح لہ السمٰوٰت السبع والارض و من فیھن وان من شیئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم[1]

اس کی تسبیح کرتے ہیں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اسکی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کرتی ہو مگر تم انکی تسبیح نہیں سمجھتے۔

یہ کلیہ عامہ جمیع اشیائے عالم کو شامل ہے، ذی روح ہو یا بے روح۔ اجسام محضہ جن کے ساتھ کوئی روح نباتی بھی متعلق نہیں، وہ اتم التسبیح ہیں کہ "ان من شیئ" کے دائرے سے خارج نہیں۔ مگر ان کی تسبیح بے منصب ولایت نہ مسموع نہ مفہوم۔ اور وہ اجسام جن سے روحِ انسی یا ملکی یا جنی یا حیوانی یا نباتی متعلق ہے ان کی دو تسبیحیں ہیں، ایک تسبیح جسم کہ اس روح متعلق کے اختیار میں نہیں وہ اسی ان من شیئ کے عموم میں اس کی اپنی ذاتی تسبیح ہے۔ دوسری تسبیح روح، یہ ارادی اختیاری ہے اور برزخ میں ہر مسلمان کو مسموع و مفہوم۔ اس تسبیح ارادی میں غفلت کی سزا حیوان و نبات کو قتل و قطع سے دی جاتی ہے۔ اور اس کے بعد جب جانور مرجائے یا نبات خشک ہوجائے منقطع ہوجاتی ہے۔ ولہذا ائمہ دین نے فرمایا کہ تر گھاس مقابر سے نہ اکھیڑیں فانہ مادام رطبا یسبح ﷲ فیؤنس المیت[2] کہ جب تک وہ تر ہے اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتی ہے تو میت کا دل بہلتا ہے۔ مگر قتل و قطع و موت و یبس کے بعد بھی وہ تسبیح کہ نفس جسم کی تھی جب تک اس کا ایک جز ولایتجزی باقی رہے گا منقطع نہ ہوگی کہ "ان من شیئ الا یسبح بحمدہ[3]" (اور کوئی چیز نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے۔ ت) اسے روح سے تعلق نہ تھا کہ تعلق روح نہ رہنے سے منقطع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

[2] ردالمحتار باب صلوۃ الجنائز مطلب فی وضع الجرید ونحو الآس علی القبور دار احیاء التراث العربی بیروت ۱/ ۶۰۶

[3] القرآن الکریم ۱۷/ ۴۴

مسئلہ ۲۸۵ مرسلہ عبدالستار بن اسمٰعیل شہر گونڈل علاقہ کاٹھیاوار یکشنبہ ۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

مرید ہونا واجب ہے یا سنت؟ نیز مرید کیوں ہوا کرتے ہیں؟ مرشد کی کیوں ضرورت ہے اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب الملفوظ

مرید ہونا سنّت ہے اور اس سے فائدہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اتصال مسلسل۔ تفسیر عزیزی دیکھو آیۂ کریمہ:

صراط الذین انعمت علیھم [1] راستہ اُن کا جن پر تُو نے انعام کیا۔(ت)

میں اُس کی طرف ہدایت ہے، یہاں تک فرمایا گیا:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن [2] جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے(ت)

صحتِ عقیدت کے ساتھ سلسلہ صحیحہ متصلہ میں اگر انتساب باقی رہا تو نظر والے تو اس کے برکات ابھی دیکھتے ہیں جنھیں نظر نہیں وہ نزع میں قبر میں حشر میں اس کے فوائد دیکھیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۸۶ مسئولہ عبدالعزیز انصاری از اٹاوہ سہ شنبہ ۲۹ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وعرفائے اہلِ یقین اس مسئلہ میں کہ زید شیخِ وقت نے اپنے بیٹے عمرو کو امورِ فقر میں اپنا خلیفہ نہیں کیا اور نہ اجازت مرید کرنے کی دی، عمرو نے بعد وفات اپنے والد زید کے بوجہ نہ پانے خرقۂ فقر واجازت کے اُن کے ایک خلیفہ قصیر سے اجازت خلافت حاصل کی تھی مگر جب کسی کو مرید کیا تو اپنے باپ زید کے نام سے کیا، اپنے پیر اجازت کا نام شجرہ لکھنا نہیں معمول رکھا۔ یہ طریقہ عمرو کا مطابق کتب اہلِ طریقت وطریقہ مشائخ عظام جائز ہوا یا نہیں؟ پھر عمرو نے اپنے بیٹے خالد کو اپنے حین حیات خرقہ دیا جس کو خالد نے کچھ عرصہ کے بعد یہ کہہ کر واپس کیا کہ میں نہیں لوں گا، اور نہ کبھی خالد نے عمرو کی زندگی بھر تجدید اجازت وخلافت کی بابت کچھ تذکرہ کیا البتہ عمرو نے اپنے مرض وصال میں قریب انتقال اپنی تسبیح وکتب وظائف وغیرہ ایک دوسرے شخص بکر کو جو اس کا اہل تھا مع اجازت خلافت دے دی اور اپنے مریدین کو بھی اُسی کے سپرد کیا مگر اپنے بیٹے خالد کو بوجہ اس کے نااہل ہونے وخرقہ واپس کرنے کے کچھ نہیں دیا، لیکن بعد وفات عمرو کے خالد نے خود بخود اُس کے خرقہ کو

---

[1] القرآن الکریم ۱/ ۷

[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشہد الحسینی ص ۴۷ و الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

پہن کر اپنے والد کے نام سے مرید کرنا شروع کر دیا، اور اسی پر عامل رہے۔ یہ عمل خالد کا بلحاظ کتب معتبرہ اہل تصوف درست تھا یا نہیں جیسا کہ اُس کا معمول تھا، موافق کتب مع اہل طریقت جواب ہونا چاہئے۔ خالد نے اپنے بیٹے نذیر کو اپنی زندگی میں اپنا خرقہ دیا (جو مطابق تحریر بالا ناجائز ہونا چاہئے تھا) اب نذیر اپنے مریدین کو اپنے باپ خالد اور دادا عمرو کے نام سے مرید کرنے کا معمول رکھتا ہے اور شجرہ میں بھی انھیں دونوں کا نام لکھا جاتا ہے حالانکہ دونوں غیر مجاز تھے، آیا یہ طریقہ نذیر کا جائز ہے یا ناجائز جبکہ عمرو کو خلافت واجازت اپنے باپ زید سے نہ تھی تو عمرو وخالد ونذیر ان سب کا یہ فعل وعمل بروئے طریقت ناروا ہونا چاہئے یا نہیں؟ امید کہ کتب معتبرہ سے تحقیق فرما کر ان تینوں امور کا جواب مفصل عنایت ہو۔ اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

الجواب المکتوب

صورت مستفسرہ میں خالد ونذیر دونوں محض باطل پر ہیں اور اُن کے ہاتھ پر بیعت ناجائز، اور نادانستہ کی ہو تو اُس سے رجوع واجب۔ حضرت قدسی منزلت سید نا میر عبد الواحد صاحب بلگرامی قدس سرہ السامی کتاب مستطاب سبع سنابل شریف میں فرماتے ہیں:

اے برادر! از پیری ومریدی رسمے واسمے بیش نماندہ است وآں رسم واسم نیز مبنی بچند شرائط می داں کہ بے آں شرائط اصلاً پیری ومریدی درست نیست۔ اما نخست از شرائط پیری یکے آنست کہ پیر مسلک صحیح داشتہ باشد، دوم از شرائط پیری آنست کہ پیر درادائے حق شریعت قاصر ومتہاون نباشد۔ سوم از شرائط پیری آنست کہ پیر را اعتقاد درست بود موافق مذہب سنت وجماعت پس ایں رسمے کہ از پیری ومریدی ماندہ است بے ایں سہ شرائط اصلاً درست نیست وایں ہر سہ شرائط را بیان مختصر واضح کنم اما شرط اول کہ مسلک صحیح است مرید صادق را تفحص

اے بھائی! پیری ومریدی کی محض رسم اور نام باقی رہ گیا ہے، اس سے زائد کچھ نہیں۔ اس نام اور رسم کو بھی چند شرائط پر مبنی سمجھ کہ ان شرائط کے بغیر پیری ومریدی بالکل درست نہیں۔ پیری کی اولین شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ پیر حقوق شرع کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی کرنے والا نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کا عقیدہ صحیح اور مذہب اہل سنت وجماعت کے مطابق ہو۔ چنانچہ یہ رسمی پیری ومریدی ان تین شرائط کے بغیر ہرگز درست نہیں۔ ان تینوں شرطوں کی مختصر بیان کے ساتھ وضاحت کرتا ہوں۔ پہلی شرط کہ پیر کا مسلک صحیح ہو۔ سچے مرید کو صحیح سلسلہ کی چھان بین کرنی چاہئے

سلسلہ درست باید کرد در اکثر جاہا خلط وخبط گشتہ است نوعے ازاں آنست درویشے کہ در حالت حیات بسبب غفلت و یا بہ سبب دیگر فرزند خود را خلافت نمی دہد و مردماں را وصیت ہم نمی کند کہ بعد از من باید کہ خرقہ من فرزند مرا پوشانید و او را بجائے من بنشانند فاما مردماں آن مقام روز سوم خرقہ پدر پسر را می پوشانند و او را بجائے پدر مے نشانند از صحت و غیر صحت ایں کار نمی دانند خلقے بہ بیعت او اسیری گردد و او بے رخصت و اجازت پدر پیر می شود ہم ضلالت در ضلالت است چہ اگرچہ خرقہ متروکہ پدر بسبب ارث ملک پسر شد ولیکن شرط صحت بیعت رخصت و اجازت پدر است نہ مجرد خرقہ پدر مؤلف راست قطعہ ؎

اے پسر شرط صحت بیعت
در طریقت اجازت سلف است
بد غل سکۂ بہرہ مزن
کاں رہ کاسداں ناخلف است

نوع دیگر آنست اولیاء اسلاف کہ قطب و غوث بودند فرزندان ایشاں بے صحت اسناد و بے رخصت و اجازت بمجرد نسبت فرزندی خلقے را مرید می کنند و خلق می دانند کہ ما بخانوادہ فلاں قطب و غوث پیوند درست کردیم و انابت

اکثر جگہ اس میں خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اس کی ایک قسم یہ ہے کہ کوئی درویش اپنی زندگی میں غفلت یا کسی اور وجہ سے اپنے بیٹے کو خلافت نہیں دیتا اور لوگوں کو وصیت بھی نہیں کرتا کہ میرے بعد میرا خرقہ میرے بیٹے کو پہنانا اور اس کو میری گدی پر بٹھانا۔ لیکن اس علاقے کے لوگ وصال کے تیسرے روز اس کے بیٹے کو خرقہ پہنا کر باپ کی گدی پر بٹھا دیتے ہیں اور اس کام کے صحیح یا غلط ہونے کا انھیں کوئی علم نہیں۔ لوگ اس کی بیعت کے پابند ہو جاتے ہیں اور وہ باپ کی اجازت و رخصت کے بغیر پیر بن جاتا ہے یہ سب گمراہی در گمراہی ہے، اس لئے کہ اگرچہ باپ کا خرقہ متروکہ بطور میراث بیٹے کی ملکیت ہوتا ہے مگر صحتِ بیعت کی شرط باپ کی رخصت و اجازت ہے نہ کہ محض باپ کے خرقہ کا حاصل ہو جانا، قطعہ:

"اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔ فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مُہر مت لگا کہ یہ طریقہ کھوٹے نا اہلوں کا ہے۔"

دوسری قسم یہ ہے اولیائے اسلاف جو کہ غوث و قطب تھے ان کے بیٹے صحیح سند اور انکی رخصت و اجازت کے بغیر محض بزرگوں سے نسبت فرزندی رکھنے کی وجہ سے لوگوں کو مرید بناتے ہیں

آوردیم سربسر گمراہی است [1] لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم نے فلاں غوث اور قطب کے خانوادہ کے ساتھ تعلق قائم کرلیا ہے اور ان کی طرف رجوع کرلیا ہے۔ یہ مکمل طور پر گمراہی ہے (ت)

حضرت سیّدنا سید شاہ حمزہ قدس سرہ الکریم نے فص الکلمات شریف میں خلافت کی سات قسمیں بعض مقبول بعض مردود بیان فرمائیں از انجملہ اقسام مردودہ میں فرمایا:

شیخ ازیں عالم نقل کرد وکسے را خلیفہ نگرفت قوم وقبیلہ وارثے یا مریدے را بخلافت وے تجویز نمایند ایں خلافت نزدیک مشائخ روا نیست وایں نوع خلافت را افترائی گویند [2]

شیخ نے اس جہاں سے انتقال فرمایا اور کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ قوم اور قبیلہ نے کسی وارث یا مرید کو اس کی خلافت کیلئے تجویز کردیا۔ مشائخ کے نزدیک یہ خلافت درست نہیں۔ خلافت کی اس قسم کو خلافتِ افترائی کہا جاتا ہے (ت)

رہا عمرو اگرچہ نصیر کی جانب سے ماذون ہوکر اس کی خلافت ضرور صحیح اور اسے مرید کرنے کی اجازت ہوگی، مگر محلِ نظر یہ ہے کہ اُس نے اپنے والد زید کے ہاتھ پر بیعت بھی کی تھی یا مرید بھی نصیر ہی کا ہے، صورتِ ثانیہ بہت سخت ہے اور اصل الزامات کا ورود اولٰی میں بھی نعقد وقت ہے، شجرہ کہ مریدین کو دیا جاتا ہے اُس میں اتصال سلسلہ اجازت ہی متعارف، اور یہی اس سے مفہوم ہے تو اس میں تدلیس ہوئی تلبیس ہوئی پیر اجازت کی نعمت کا کفران ہوا مریدین کو فریب دینا ہوا بلا واسطے جانب پدر سے اپنے مجاز و ماذون ہونے کا اظہار ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

المتشبع بمالم یعط کلابس ثوبی زور۔ رواہ الشیخان عن اسماء و مسلم عن الصدیقۃ بنتی

نعمت نایافتہ کا اظہار کرنے والا اسی طرح ہے جو سر سے پاؤں تک جھوٹ کا جامہ پہنے ہوئے ہے (اسے امام بخاری و امام مسلم نے اسماء

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم در بیان پیری و مریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ص ۴۰، ۳۹

[2] فص الکلمات

[3] صحیح البخاری کتاب النکاح باب المتشبع بمالم ینل الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۷۸۵
صحیح مسلم کتاب اللباس والزینۃ باب النہی عن التزویر الخ ؍؍ ؍؍ ؍؍ ۲/ ۲۰۶

الصدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

بنت صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اور امام مسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر سے روایت کیا رضی اللہ تعالٰی عنہم۔ ت)

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب[1]

وہ جو ایسی بات سے اپنی تعریف چاہتے ہیں جو انھوں نے نہ کی ہرگز انھیں عذاب سے چھٹکارے کی جگہ خیال نہ کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من غشنا فلیس منا۔[2]

دھوکا دینے والا ہمارے گروہ سے نہیں۔

نسأل اللہ العفو والعافیۃ، واللہ تعالٰی اعلم۔

ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور سلامتی کا سوال کرتے ہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے (ت)

مسئلہ ۲۸۷ از فرخ آباد شمس الدین احمد شنبہ ۱۸ شوال ۱۳۳۴ھ

جس حالت میں کہ پیر کامل میسر نہ ہو تو طالب خدا کو کیا کرنا چاہئے؟ فقط

الجواب

درود شریف کی کثرت کرے یہاں تک کہ درود کے رنگ میں رنگ جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۸ مرسلہ عبدالکریم شہر کانپور محلہ بنگام گنج ۱۵ ربیع الاول شریف ۱۳۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی مسلمان طریقہ معرفت میں کسی کا مرید نہ ہو تو کیا حشر میں اس کا پیر شیطان ہوگا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمایئے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

ایک حدیث روایت کی جاتی ہے:

---

[1] القرآن الکریم ۳/ ۱۸۸

[2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب قول النبی من غشنا فلیس منا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۷۰

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطٰن[1] جس کا کوئی پیر نہیں شیطان اس کا پیر ہے۔

اس کے پورے مصداق وہ لوگ ہیں کہ مشائخ کرام کے قائل ہی نہیں، جیسے روافض و وہابیہ و غیر مقلدین۔ اور شرف و برکت اتصال بمحبوبِ ذوالجلال علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت سنتِ متوارثہ مسلمین ہے اور اس میں بے شمار منافع و برکت دین و دنیا و آخرت ہیں بلکہ وہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ[2] (اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو۔ت) کے طرق جلیلہ سے ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۲۸۹ ، ۲۹۰ مقام گڈھوا ضلع پلاموں مرسلہ حکیم محمد عبدالحق صاحب

(۱) جو شخص کسی پیر سے مرید ہوا ہو اور قبل اس کے کہ وہ طریقت کی تعلیم پورے طور سے پائے اس کے پیر نے انتقال کیا تو بعد مرجانے اول پیر کے وہ شخص کسی دوسرے عالم سے جو علم قرآن و حدیث و فقہ میں کامل و سند یافتہ ہو اور پیر کامل سے اس کو اجازت مرید کرنے کی اور خلافت حاصل ہو مرید ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور مرید ہونا اس کا شرعًا از روئے شریعت جائز و درست ہوگا یا نہیں؟

(۲) پیر ہونے کے لئے سید اور آلِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہونا ضرور ہے دوسری قوم کا عالم و طریقت سے واقف و پیر سے اجازت و خلافت پایا ہوا پیر ہونے اور مرید کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا ہے یا کیا تحقیق اس مسئلہ کی ہے مع سند جواب درکار ہے۔ بیّنوا ایّھا العلماء الکرام جزاکم اللہ یوم القیام (اے علماءِ کرام! بیان فرمائیے اللہ تعالٰی روزِ قیامت آپ کو جزا دے۔ت)

الجواب

(۱) جائز ہے، اس پر شرع سے کوئی ممانعت نہیں جبکہ وہ عالم چاروں شرائط پیری کا جامع ہو اگر ایک شرط بھی کم ہے تو اس سے بیعت جائز نہیں۔ سب سے اہم و اعظم شرط مذہب کا سُنّی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین ہونا۔

دوسری شرط فقہ کا اتنا علم کہ اپنی حاجت کے سب مسائل جانتا ہو اور حاجتِ جدید

---

[1] عوارف المعارف الباب الثانی عشرۃ مطبعۃ المشہد الحسینی ص ۸۶ و الرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱

[2] القرآن الکریم ۵/ ۳۵

پیش آئے تو اس کا حکم کتاب سے نکال سکے۔ بغیر اس کے اور فنون کا کتنا ہی بڑا عالم ہو عالم نہیں۔
تیسری شرط اس کا سلسلہ حضور اقدس صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تک صحیح ومتصل ہو۔
چوتھی شرط علانیہ کسی کبیرہ کا مرتکب یا کسی صغیرہ پر مصر نہ ہو۔
ان شرائط کے ساتھ اس سے ارادت کرسکتا ہے، مگر یہ ارادت ارادتِ استفاضہ ہوگی نہ کہ ارادت استعاضہ، یعنی پیر کو چھوڑ کر اس کے عوض پیر بنانا کہ جو ایسا کرے گا دونوں طرف سے محروم رہے گا بشرطیکہ اس کا پہلا پیر ان چاروں شرائط کا جامع تھا اور اگر اس میں وُہ شرطیں نہ تھیں تو وہ پیر بنانے کے قابل ہی نہ تھا آپ ہی کسی دوسرے جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت چاہیے۔
(۲) یہ محض باطل ہے، پیر ہونے کے لئے وہی چار شرطیں درکار ہیں، سادات کرام سے ہونا کچھ ضرور نہیں، ہاں اُن شرطوں کے ساتھ سید بھی ہو تو نورٌ علیٰ نور۔ باقی اسے شرط ضروری ٹھہرانا تمام سلاسلِ طریقت کا باطل کرنا ہے۔ سلسلۂ عالیہ قادریہ سلسلۃ الذہب میں سیدنا امام علی رضا اور حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان جتنے حضرات ہیں کوئی سادات کرام سے نہیں اور سلسلہ عالیہ چشتیہ میں تو امیر المومنین مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے بعد ہی امام حسن بصری ہیں کہ نہ سید نہ قریشی نہ عربی اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خاص آغاز ہی حضور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، اسی طرح دیگر سلاسل رضوان اللہ تعالےٰ علیٰ مشائخہا اجمعین۔ واللہ تعالےٰ اعلم

مسئلہ ۲۹۱ از ایلٹا کاٹھیاوار مرسلہ سید قاسم علی قادری مورخہ ۴ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ

مخدومی ومطاعی بندہ قبلہ مولانا مولوی احمد رضا خاں صاحب مدظلہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں قادریہ خاندان میں مرید ہوا تھا مگر چونکہ اب حضرات نقشبند کے بزرگ سرہند شریف سے یہاں آتے ہیں جس کی وجہ سے یہاں کے لوگ خاندان نقشبند میں اب بیعت ہوتے جاتے ہیں اور سلسلہ عالیہ قادریہ روز بروز گھٹتا چلا ہے۔ مجھے بھی لوگوں نے مجبور کیا ہے کہ میں بھی بیعت اس خاندان میں کروں۔ مجھے مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کی اردو تینوں جلدیں دی گئی ہیں ان کو پڑھ کر میں ان کا خلاصہ آپ سے طلب کرتا ہوں کہ اس خاندان میں بیعت ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور مکتوبات اور دیگر کتب خاندان نقشبندیہ پر اہل السنت والجماعت کا اتفاق ہے یا نہیں؟

الجواب

ہمارے نزدیک خاندان عالیشان قادری سب خاندانوں سے اعلیٰ وافضل ہے اور

تبدیل شیخ بلاضرورت شرعیہ جائز نہیں۔ حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[1] جسے کسی شے میں رزق دیا جائے تو وہ اس کو لازم پکڑے۔(ت)

مکتوبات مثل اور کتب مشائخ کے ہے اور تفصیل عقائد اہلسنت و بیان مسائل نفیسہ فقہ و کلام کے سبب بہت کتب پر مزیت ہے البتہ سیدنا امام مالک رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ ائمہ دین کا ارشاد کل ماخوذ من قولہ[2] الخ (ہر ایک اپنے قول سے پکڑا جاتا ہے الخ۔ت) سوائے قرآن عظیم سب کتب کو شامل ہے نہ اس سے ہدایہ، درمختار مستثنٰی، نہ فتوحات و مکتوبات و ملفوظات۔ اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل فتاوٰی فقیر میں ہے۔

مسئلہ ۲۹۲: از شہر رجمنٹ اکا کورٹ ۶۳ چھاؤنی مسئولہ محمد حسین سہارنپوری

۲۰ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

بکر آقا کے کہنے سے ایک شخص کا مرید ہوگیا، اور نہ بکر واقف تمام مرید ہونے کی شرطوں سے، صرف آقا کے حکم سے مرید ہوگیا، اب بکر ملازم بھی نہیں رہا ہے، اب بکر کا خیال ہے کہ میں مرید صادق ہوں یا مریدین سے خارج ہوں کیونکہ پیر کی طرف دل رجوع نہیں ہوتا میں چاہتا ہوں کوئی پیر اور کروں۔

الجواب

اگر پیر سُنّی صحیح العقیدہ عالم ہے اور اس کا سلسلہ متصل ہے اور فاسق نہیں تو اس سے دل رجوع نہ ہونا شیطانی وسوسہ ہے توبہ کرے اور اس کے ساتھ اپنا اعتقاد درست کرے، اور اگر پیر میں ان چاروں باتوں سے کوئی بات کم ہے تو وہ پیر نہیں، کوئی اور پیر کہ ان چاروں باتوں کا جامع ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کرے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۳ تا ۲۹۴: موضع رجب پور ڈاک خانہ تحصیل امروہہ ضلع مرادآباد حاجی شبیر علی

۵ جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

(۱) کچھ پیروں نے آج کل پیرا مریدی جاری کی ہے کہ جس وقت بچہ پیدا ہوا اُس کو گولیاں دی جاتی ہیں وہ گولیاں چھٹی کے دن گھول کر بچّے کے ہونٹوں سے لگا دینے سے بیعت ہوگیا۔ یہ پیرا مریدی

---

[1] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۸۹

[2] الیواقیت والجواہر بحوالہ الامام مالک المبحث التاسع والاربعون داراحیاء التراث العربی ۲/ ۴۷۹

جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حضور حکم صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

(۲) مکنپور کے جو حضرت شاہ بدیع الدین شاہ صاحب جن کا کہ نام دیہات میں مدار صاحب کہتے ہیں سُنا جاتا ہے بزرگوں سے کہ ان کے گھرانے میں پیرا مریدی نادرست ہے، علاوہ اس کے سُنا گیا ہے کہ کوئی خلیفہ آپ نے نہیں کیا ہے، اور یہ بھی سُنا ہے کہ دو خادم آپ کی خدمت میں رہا کرتے تھے کہ جن کا نام یہ ہے ایک کا نام احسن، دوسرے کا نام جمن جتی۔ لہذا احسن ندی ہو کر بہہ گیا اور جمن جتی اور کسی سے بیعت ہو گئے، لہذا جو مکن پور کے پیرجی لوگ ہیں اور یہ پیرا مریدی آپ کے نام سے کرتے ہیں یہ پیرا مریدی جائز ہے یا ناجائز؟ جو کچھ حکم حضور صادر فرمائیں عمل کیا جائے۔

الجواب

(۱) ایک دن کا بچہ بھی اپنے ولی کی اجازت سے مرید ہو سکتا ہے، اور گویاں بے اصل ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) بہہ جانا وغیرہ بے اصل ہے مگر اس فرقہ کے لوگ بے شرع اکثر ہیں اور بے شرع کسی فرقے کا ہو اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹۵ تا ۲۹۶ از کلمائز ڈاک خانہ ماہی مار ضلع فریدپور مرسلہ عبدالرحمٰن صاحب
۲۱ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسئلوں میں کہ:

(۱) زید طریقہ نقشبندیہ متبرکہ میں بیعت ہوا اور اپنے شیخ سے مقامات پورا کیا مگر بعض مقام میں قدرے شبہہ رہتی ہے اور خلافت و اجازت نہ ملی ہے، شیخ صاحب کا انتقال ہو گیا، اب زید کے لئے اس شبہہ کو دور کرنے اور اجازت و خلافت حاصل کرنے کے واسطے دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے یا اپنے شیخ سے جو حاصل ہوئی اسی پر اکتفا کرنا چاہیے؟ اگر اسی پر اکتفا کرنے کی کوشش کی تو ترقی و فیض یاب ہو سکتا ہے اور شبہہ باقی ماندہ دور کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر دوسرے مرشد پکڑنا جائز ہے تو اسے نقشبندیہ طریقہ کا ہونا ضروری ہے یا دیگر چہار طریقہ میں سے جو ہو کافی و وافی ہوں گے؟ پھر اسی نقشبندیہ طریقہ کی جو مشائخ زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں اگر وہ زید کے شیخ سے کمالیت و اشغال میں کم درجے کے ہیں ان کو مرشد بنائے یا جو مشائخ زید کو مسافت بعیدہ وغیرہ غیر ملکی ہونے کے میسر نہیں ہوتے ہیں حالانکہ

وہ سب زید کے شیخ سے بڑھ کر ہے یا برابر ہے تو اب جو زید کو فی الحال میسر ہوتے ہیں ان سے پورا کرے یا جو غیر میسر ہیں ان کی توقع وامید پر رہے؟

(۲) قادری کوئی شخص دوسرے قادری سے یا نقشبند دوسرے نقشبندی سے یا قادری نقشبندی سے یا نقشبندی قادری علیٰ ہذا البواقی خواہ علی الوفاق ہوئے یا علی الخلاف بیعت ہونے کو چاہے تو از سرِ نو بیعت ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور یہ بیعت جدیدہ کہلائے گی یا کیا؟ اور شیخ اول ہی بدستور رہیں گے یا دونوں؟ اور مرید کن کا کہلائے گا؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

جو شخص کسی شیخ جامع شرائط کے ہاتھ پر بیعت ہو چکا ہو تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ چاہیے۔ اکابر طریقت فرماتے ہیں:

لا یفلح مرید بین شیخین[1]۔ جو مرید دو پیروں کے درمیان مشترک ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا (ت)

خصوصاً جبکہ اس سے کشود کار بھی ہو چکا ہو، حدیث میں ارشاد ہوا:

من رزق فی شیئ فلیلزمہ[2]۔ جسے اللہ تعالٰی کسی شیئ میں رزق دے وہ اس کو لازم پکڑے۔ (ت)

دوسرے جامع شرائط سے طلب فیض میں حرج نہیں اگرچہ وہ کسی سلسلہ صحیحہ کا ہو اور اس سے جو فیض حاصل ہو اُسے بھی اپنے شیخ ہی کا فیض جانے،

کما فی سبع سنابل مبارکۃ[3] عن سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ جیسا کہ سبع سنابل شریف میں سلطان الاولیاء امام الحق والدین رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی ہے۔ (ت)

شیخ جب نہ رہا اور اس کا سلوک ناقص ہو اس کی تکمیل بطور خود نہ کرے کہ یہ راہ تنہا

---

[1]

[2] شعب الایمان حدیث ۱۲۴۱ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/۸۹

[3]

چلنے کی نہیں،

کما افادہ الامام القشیری فی رسالۃ المبارکۃ والامام السہروردی فی العوارف الشریفۃ وبیناہ فی فتاوٰی افریقۃ۔

جیسا کہ امام قشیری علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ مبارکہ اور امام سہروردی علیہ الرحمۃ نے عوارف شریفہ میں اس کا افادہ فرمایا ہے۔ اور ہم نے اس کو فتاوٰی افریقہ میں بیان کیا ہے۔ (ت)

بلکہ کسی لائقِ تکمیل سے استمداد کرے اس میں حتی الامکان لحاظِ قرب رکھے اپنے شیخ کے خلفا میں سے کوئی اس قابل ہو تو وہ اولٰی ہے ورنہ اپنے سلسلے سے اقرب فالاقرب اور نہ ملے تو جو ملے یہ اس لئے کہ اختلاف راہ اطالت عمل کرنے اور اپنے زمانے میں اپنے حق میں اپنے شیخ صحیح المشیخۃ سے کسی کو افضل جاننا سوءِ ادب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۷: از بانس بریلی محلہ قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نور اللہ شاہ صاحب اشرفی جیلانی سجادہ نشین فتحپور ۱۴ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ

ماقولکم ایہا العلماء الراسخون رحمکم اللہ تعالٰی فی ھٰذہ المسئلۃ (اے علماء راسخین! اس مسئلہ کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے۔ ت) کہ جس مرید کو اپنے شیخ سے تعلیم طرق صوفیہ مراتب اذکار واشغال وغیرہ نہ معلوم ہوئے اور وہ شیخ انتقال فرماگئے یا بوجوہاتِ معقولہ اُن سے تعلیم محال۔ پس اس مرید کو شیخ ثانی سے تجدید بیعت توبہ کرکے طالب ہونا اولٰی ہے یا کہ اُسی حال پر بے تعلیم رہنا مناسب، اور خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کی بیعت ہر خلافت کے وقت کس لئے صادر ہوئی۔

الجواب

دوسرے شیخ سے طالب ہو مگر اپنی ارادت شیخ اول ہی سے رکھے اور اس سے جو فیض حاصل ہو وہ اپنے پیر ہی کی عطا جانے۔ اولیائے کرام فرماتے ہیں ایک شخص کے دو باپ نہیں ہوسکتے، ایک عورت کے دو شوہر نہیں ہوسکتے، ایک مرید کے دو شیخ نہیں ہوسکتے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالٰی عنہم کے دست اقدس پر بیعتیں اُن کو امام ماننے اور اُن کی اطاعت کرنے کی تھیں جیسے ہر جدید بادشاہ کے ہاتھ پر کی جاتی ہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۲۹۸ از ریاست رامپور محلہ گھیر زبیر خاں مرسلہ مرزا محمد فاروق بیگ صاحب ۱۰ شعبان المعظم ۱۳۳۷ھ

حقوق پیر بغرض تصحیح و ترمیم:

(۱) یہ اعتقاد کرے کہ میرا مطلب اسی مرشد سے حاصل ہوگا اور اگر دوسری طرف توجہ کرے گا تو مرشد کے فیوض و برکات سے محروم رہے گا۔

(۲) ہر طرح مرشد کا مطیع ہو اور جان و مال سے اس کی خدمت کرے کیونکہ بغیر محبت پیر کے کچھ نہیں ہوتا اور محبت کی پہچان یہی ہے۔

(۳) مرشد جو کچھ کہے اس کو فورًا بجالائے اور بغیر اجازت اس کے فعل کی اقتدا نہ کرے کیونکہ بعض اوقات وہ اپنے حال و مقام کے مناسب ایک کام کرتا ہے کہ مرید کو اس کا کرنا زہر قاتل ہے۔

(۴) جو ورد و وظیفہ مرشد تعلیم کرے اس کو پڑھے اور تمام وظیفے چھوڑ دے خواہ اس نے اپنی طرف سے پڑھنا شروع کیا ہو یا کسی دوسرے نے بتایا ہو۔

(۵) مرشد کی موجودگی میں ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ رہنا چاہئے یہاں تک کہ سوائے فرض و سنت کے نماز نفل اور کوئی وظیفہ اس کی اجازت کے بغیر نہ پڑھے۔

(۶) حتی الامکان ایسی جگہ نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ مرشد کے سایہ پر یا اس کے کپڑے پر پڑے۔

(۷) اس کے مصلے پر پیر نہ رکھے۔

(۸) اس کی طہارت یا وضو کی جگہ طہارت یا وضو نہ کرے۔

(۹) مرشد کے برتنوں کو استعمال میں نہ لائے۔

(۱۰) اس کے سامنے نہ کھانا کھائے نہ پانی پیئے اور نہ وضو کرے، ہاں اجازت کے بعد مضائقہ نہیں۔

(۱۱) اس کے رُوبرو کسی سے بات نہ کرے، بلکہ کسی کی طرف متوجہ بھی نہ ہو۔

(۱۲) جس جگہ مرشد بیٹھتا ہو اس طرف پیر نہ پھیلائے اگرچہ سامنے نہ ہو۔

(۱۳) اور اُس طرف تھوکے بھی نہیں۔

(۱۴) جو کچھ مرشد کہے اور کرے اس پر اعتراض نہ کرے کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے اور کہتا ہے اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو حضرت موسٰی و خضر علیہما السلام کا قصہ یاد کرے۔

(۱۵) اپنے مرشد سے کرامت کی خواہش نہ کرے۔

(۱۶) اگر کوئی شبہہ دل میں گزرے تو فوراً عرض کرے اور اگر وہ شبہہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا نقصان سمجھے اور اگر مرشد اُس کا کچھ جواب نہ دے تو جان لے کہ میں اس کے جواب کے لائق نہ تھا۔

(۱۷) خواب میں جو کچھ دیکھے وہ مرشد سے عرض کرے اور اگر اس کی تعبیر ذہن میں آئے تو اسے بھی عرض کردے۔

(۱۸) بے ضرورت اور بے اذن مرشد سے علیحدہ نہ ہو۔

(۱۹) مرشد کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے اور بآواز اُس سے بات نہ کرے اور بقدر ضرورت مختصر کلام کرے اور نہایت توجہ سے جواب کا منتظر رہے۔

(۲۰) اور مرشد کے کلام کو دوسرے سے اس قدر بیان کرے جس قدر لوگ سمجھ سکیں اور جس بات کو یہ سمجھے کہ لوگ نہ سمجھیں گے تو اسے بیان نہ کرے۔

(۲۱) اور مرشد کے کلام کو رَد نہ کرے اگرچہ حق مرید ہی کی جانب ہو بلکہ اعتقاد کرے کہ شیخ کی خطا میرے صواب سے بہتر ہے۔

(۲۲) اور کسی دوسرے کا سلام و پیام شیخ سے نہ کہے۔

(۲۳) جو کچھ اس کا حال ہو بُرا یا بھلا اُسے مرشد سے عرض کرے کیونکہ مرشد طبیب قلبی ہے اطلاع کے بعد اس کی اصلاح کرے گا مرشد کے کشف پر اعتماد کر کے سکوت نہ کرے۔

(۲۴) اس کے پاس بیٹھ کر وظیفہ میں مشغول نہ ہو اگر کچھ پڑھنا ہو تو اس کی نظر سے پوشیدہ بیٹھ کر پڑھے۔

(۲۵) جو کچھ فیض باطنی اسے پہنچے اُسے مرشد کا طفیل سمجھے اگرچہ خواب میں یا مراقبہ میں دیکھے کہ دوسرے بزرگ سے پہنچا ہے تب بھی یہ جانے کہ مرشد کا کوئی لطیفہ اس بزرگ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے (کذا فی ارشاد رحمانی) قال العارف الرومی (عارف رومی علیہ الرحمہ نے فرمایا۔ ت): ؎

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیرِ حکم خضر رو

صبر کن بر کار خضرے بے نفاق تا نگوید خضر رو ہذا فراق[1]

جب تو نے پیر بنالیا تو خبردار اب سر تسلیم خم کرلے۔ موسیٰ علیہ السلام کی طرح

---

[1] مثنوی معنوی وصیت کردن بر رسول خدا مر علی مؤسستہ انتشارات اسلامی لاہور ۱/ ۳۱۱

خضر علیہ السلام کے حکم کے ماتحت چل۔ اے نفاق سے پاک شخص حضرت خضر علیہ السلام کے کام پر صبر کر تاکہ خضر علیہ السلام یہ نہ فرما دیں کہ جا یہ جدائی ہے۔ت)

قال العطار (شیخ عطار علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ت): ؎

(۱)	گر ہوائے این سفر داری دلا	دامن رہبر بگیر و پس بیا
(۲)	در ارادت باش صادق اے مرید	تا بیابی گنج عرفاں را کلید
(۳)	دامنِ رہبر بگیر اے راہ جو	ہر چہ داری کن نثار راہ او
(۴)	گر روی صد سال در راہ طلب	راہبر نبود چہ حاصل زاں تعب
(۵)	بے رفیقے ہر کہ شد در راہِ عشق	عمر بگذشت و نشد آگاہ عشق
(۶)	پیرِ خود را حکم مطلق شناس	تا براہ فقر گردی حق شناس
(۷)	ہر چہ فرماید مطیع امر باش	طوطیائے دیدہ کن از خاک پاش
(۸)	آنچہ میگوید سخن تو گوش باش	تا نگوید او بگو خاموش باش[1]

[(۱) اے دل! اگر تو اس سفر کی خواہش رکھتا ہے تو کسی راہنما کا دامن پکڑ، پھر آ۔

(۲) اے مرید! ارادت میں صادق ہو، تاکہ تو معرفت کے خزانے کی چابی پائے۔

(۳) اے راہِ طریقت کے متلاشی! کسی راہنما کا دامن پکڑ، جو کچھ تو رکھتا ہے اس کی راہ میں قربان کردے۔

(۴) اگر تو طلب کی راہ میں سو سال چلتا رہے، راہنما اگر نہیں ہے تو اس مشقت کا کیا فائدہ ہے!

(۵) کسی رفیق کے بغیر جو کوئی عشق کے راستے پر چلا اس کی عمر گزر گئی اور وہ عشق سے آگاہ نہ ہوا۔

(۶) اپنے پیر کو حاکم مطلق سمجھ، تاکہ فقیری کی راہ میں تو حق کو پہچاننے والا ہو جائے۔

(۷) جو کچھ پیر فرمائے اس کے حکم کی اطاعت کرنے والا ہو جا، اس کی خاکِ پا کو آنکھوں کا سُرمہ بنا۔

(۸) پیر جو بات کرے تو ہمہ تن گوش ہو جا، جب تک وہ نہ کہے کہ بولو تو چپ رہ۔ت]

---

[1]

الجواب

یہ تمام حقوق صحیح ہیں، ان میں بعض قرآن عظیم اور بعض احادیث شریفہ اور بعض کلماتِ علماء اور بعض ارشاداتِ اولیاء سے ثابت ہیں اور اس پر خود واضح ہیں جو معنی بیعت سمجھا ہوا ہے اکابر نے اس سے بھی زیادہ آداب لکھے ہیں، اتنوں ہی پر عمل کریں گے مگر بڑی توفیق والے۔ اور نمبر ۱۷ سے شیطانی خواب پریشان مہمل مستثنیٰ ہے کہ اُسے بیان کرنے کو حدیث میں منع فرمایا ہے۔ اور نمبر ۲۲ عوام مریدین کے لئے ہے جن کو بارگاہِ شیخ میں ابھی منصب عرض معروض دیگران حاصل نہ ہو ایسوں سے اگر کوئی عرض سلام کے لئے کہے عذر کردے کہ میں حضور شیخ میں دوسرے کی بات عرض کرنے کے ابھی قابل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۲۹۹ از شہر کہنہ بریلی محلہ قاضی ٹولہ مرسلہ حکیم حاجی سید محمد نور اللہ شاہ اشرفی الجیلانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ:

(۱) بیعت ہونے میں والدین یا شوہر وغیرہ کی اجازت شرط ہے یا نہیں؟

(۲) اپنا مرشد انتقال کرگیا ہو یا موجود ہو مگر بوجوہات معقولہ واقعی اس سے تعلیم محال ہو تو بغرض تعلیم طریقہ کرام دوسرے شیخ سے طالب ہونا اولیٰ ہے یا بے علم رہنا بہتر؟

الجواب

(۱) جو پیر سُنّی صحیح العقیدہ عالم غیر فاسق ہو اور اس کا سلسلہ آخر تک متصل ہو اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے والدین خواہ شوہر کسی کی اجازت کی حاجت نہیں:

(۲) جہل سے طلب اولیٰ ہے مگر پیر صحیح سے انحراف جائز نہیں، جو فیض ملے اسے شیخ ہی کی عطا جانے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۳۰۱ تا ۳۰۳ از شہر غازی پور مرسلہ علی بخش محرر رجسٹری ۱۴ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ،

(۱) کسی بزرگ سے بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) اگر کسی شخص کو کسی بزرگ سے عقیدت ہو اور بوجہ دوری وہ شخص اس بزرگ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکے تو وہ شخص اس بزرگ سے کیسے مرید ہوسکتا ہے یا ہو ہی نہیں سکتا کسی طرح پر؟

(۳) ایک وظیفہ ایسا ارشاد فرمائیے اور اجازت دیجئے جس میں صرف محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھنا ہو چاہے بطریق شغل قادریہ ہو یا چشتیہ وغیرہا یا کسی اور طریقہ پر ہو۔

(۴) ایک مختصر درود شریف ایسا تحریر فرمایئے اور اس کی اجازت دیجئے کہ جو غیر منقوط ہو یعنی جس میں کسی حرف پر نقطہ نہ ہو۔

الجواب

(۱) بذریعہ خط بیعت ہوسکتی ہے۔

(۲) بذریعہ قاصد یا خط مرید ہوسکتا ہے۔

(۳) وظیفہ کے لئے پورا کلمہ طیبہ مناسب تر ہے مگر اس کے ساتھ درود شریف لانا ضرور ہے یعنی یُوں وِرد کرے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اور صرف جزء ثانی مع درود کا بھی ورد کرسکتا ہے مگر مبتدی یا طالب کہ محتاج تصفیہ ہے اسے صرف جزء اوّل کا ذکر وشغل بتاتے ہیں کہ اس میں حرارت ہے اور دوسرا جزء کریم ٹھنڈا لطیف اور تزکیہ گرمی پہنچانے کا محتاج، ہاں جب جزء اوّل سے حرارت حد سے متجاوز ہو تو تعدیل کے لئے بتاتے ہیں کہ مثلاً ہر سَو بار لا الٰہ الّا اللّٰہ کے بعد ایک بار محمد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم کہہ لے کہ تسکین پائے۔

(۴) اس کی حاجت کیا ہے، وہ صیغہ مثلاً یہ ہوسکتا ہے اللّٰھم صلّ وسلّم لرسولك محمد وآلہ، اس میں لام بمعنی علٰی ہے آپ اس کا ورد کریں اجازت ہے۔

مسئلہ ۳۰۵ تا ۳۰۷: از علی گڈھ محلہ دویکا پڑاؤ مرسلہ محمد نصیر الدین صاحب مورخہ ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں کہ:

(۱) زید کہتا ہے کہ بیعت کرنا یعنی جو آج کل عرف میں پیری مریدی سے مشہور ہے سنّت نہیں ہے کیونکہ حدیث شریف میں اس کا ثبوت نہیں ہے۔ اور عمرو کہتا ہے کہ سنّت ہے۔

(۲) زید مذکور باوجود مسجد میں بروقت جماعت حاضر ہونے کے بلاوجہ شرعی جماعت سے علیحدہ نماز پڑھتا ہے محض اسی بنیاد پر کہ مسئلہ اول میں عمرو کے ساتھ اتفاق نہیں ورنہ کوئی وجہ نہیں۔

(۳) زید مذکور اپنے پیش امام سے جو کہ استاد بھی ہیں سلام وکلام سے پرہیز کرتا ہے اور بجائے احسان ماننے کے غیروں سے کہتا ہے وہ کیا جانے ہم سے مقابلہ کرا لو، اس کی وجہ بھی مذکور ہے، ان سب صورتوں میں شرعاً کیا حکم ہے؟ بیّنوا بحوالۃ الکتاب وتوجروا عند اللّٰہ بحرالثواب (بحوالہ کتاب بیان فرمایئے اللہ تعالٰی کے بحرِ ثواب سے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

بیعت بیشک سنت محبوبہ ہے۔ امام اجل شیخ الشیوخ شہاب الحق والدین عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کی عوارف شریف سے شاہ ولی اللہ دہلوی کی قول الجمیل تک اس کی تصریح اور ائمہ واکابر کا اس پر عمل ہے اور رب العزت عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ[1]

بیشک وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی کی بیعت کرتے ہیں۔(ت)

اور فرماتا ہے:

ید اللہ فوق ایدیھم[2]

ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔(ت)

اور فرماتا ہے:

لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ۔[3]

بے شک اللہ تعالٰی راضی ہوا ایمان والوں سے جب وہ اس پیڑ کے نیچے تمہاری بیعت کرتے تھے۔(ت)

اور بیعت کو خاص بجہاد سمجھنا جہالت ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

یایھا النبی اذا جاءك المؤمنٰت یبایعنك علٰی ان لا یشرکن باللہ شیئا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینك فی معروف فبایعھن واستغفر لھن اللہ ان اللہ غفور رحیم[4]

اے نبی! جب تمہارے حضور مسلمان عورتیں حاضر ہوں اس پر بیعت کرنے کو کہ اللہ کا کچھ شریک نہ ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ وہ بہتان لائیں گی جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان یعنی موضع ولادت میں اٹھائیں اور کسی نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہیں کریں گی تو ان سے بیعت لو اور اللہ سے ان کی مغفرت چاہو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔(ت)

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/۱۰
[2] القرآن الکریم ۴۸/۱۰
[3] القرآن الکریم ۴۸/۱۸
[4] القرآن الکریم ۶۰/۱۲

زید بوجہ ترکِ جماعت فاسق فاجر مردود الشہادۃ مستوجب عذاب نار ہے۔ زید بلاوجہ شرعی اپنے باطل خیال کے باعث مسلمان سے ترکِ سلام وکلام کرکے دوسرے جرم کا مرتکب ہوا اور جبکہ امام اُس کا استاد بھی ہے تو عاق بھی ہوا، اور اس پر ان حرکات شنیعہ سے توبہ فرض ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۳۰۸: از ضلع چاندہ ممالک متوسط نزول سرور آفس مسئولہ رحیم بخش خاں محمد شہزاد خاں ۲۳ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کمترین ایک مولوی وحید صاحب نامی کے ہاتھ پر بیعت ہوا تھا دس بارہ برس تک برابر خدمت کرتا رہا جہاں تک ہوسکا اپنی برادری کے لوگوں کو بھی آپ کی بیعت میں داخل کرایا، جب مولوی صاحب کا رسوخ ہماری برادری میں اچھی طرح اثر پذیر ہوگیا تو مولوی صاحب لگے ہماری برائی کرنے، جب مجھے اس کی خبر ہوئی تو حاضر خدمت ہوکر عرض کیا کہ خاکسار خادم قدیم سے کچھ قصور ہوا ہے تو حضور مجھ کو سزا دیتے عام لوگوں میں بلاسبب رسوا کرنا کیا مصلحت ہے، اس پر جھوٹی قسم کھاگئے کہ ہم نے کچھ نہیں کہا، اتفاق سے وہ لوگ بھی موجود تھے اُس وقت مولوی صاحب بہت نادم ہوئے، میں خاموش ہوگیا، وقت گذشت کیا، کیونکہ ہر طرح سے اپنی برائی ہوتی تھی اگرچہ مولوی صاحب کی ہی غلطی کیوں نہ ہو۔

دوسرے آپ نے ایک شادی بھی اسی بستی کی ایک ایسی عورت سے کرلی جو مرید بھی نہیں اور جس کا شوہر مفقود الخبر ہوگیا ہے، اس سے تمام بستی کے لوگ بدگمان وبدعقیدہ ہوگئے یہاں تک کہ نماز بھی ان کے پیچھے نہ پڑھتے تھے، تابعدار نے اپنا پیر بنالیا تھا، اس لئے بہت ہی کوشش وبستی کے لوگوں کی خوشامد کرکے فساد کو رفع دفع کرایا مگر چند روز کے بعد آپ نے اپنی منکوحہ صاحبہ کو علانیہ مسجد میں بلاپردہ آنے جانے پر کچھ روک ٹوک نہ کیا یہاں تک کہ مسجد کے پابند نمازی لوگوں نے بھی کہا مگر جواب یہ ملا کہ لونڈی ہے کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا ہماری پٹھان برادری کی لڑکی ہے لونڈی کیسے ہوسکتی ہے۔ غرضیکہ بہت شر پیدا ہوگیا۔ نہ بی بی صاحبہ پردہ میں رہتی ہیں نہ مولوی صاحب تنبیہ کرسکتے ہیں۔ ایسی حالت میں تین بچے بھی ہوگئے مگر حالت ہنوز روز اول ہے اب یہ ہوگیا ہے کہ نئے نئے لچے لفنگے روز مرید ہوتے ہیں۔ غریب پابند صوم وصلٰوۃ کے قدیم خدمت گزار مردود علانیہ بنائے جاتے ہیں۔ مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ہمارا مردود کیا ہوا خدا ورسول اور پیروں کا مردود ہے ہماری بی بی امہات المومنین ہیں مریدوں کے لئے۔ ہر روز نئے نئے جھگڑے فساد برپا ہوتے رہتے ہیں۔

آج ایک مرید کو مقبول بنایا کل دوسرے کو مردود کیا، یہ سب باتیں تو ظاہر ہیں، علاوہ اس کے ایسے حالات ہیں جن کا اظہار کرنا زبان گوارا نہیں کرتی۔ یہ خاکسار عجیب پریشانی میں ہے۔ خدا کے واسطے رسول کے واسطے اور اپنے طریقت کے بزرگوں کے واسطے مجھے کوئی راہ نجات کی بتائیں، یہ کہ ایسی حالت میں کسی دوسرے صاحب شریعت وطریقت کے ہاتھ پر بیعت کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اور ایسے شخص کی بیعت فسخ ہے یا نہیں؟

الجواب

پیر میں چار شرطیں لازم ہیں:

اول سنی صحیح العقیدہ مطابق عقائد علمائے حرمین شریفین ہو۔

دوسرے اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

تیسرے فاسق معلن نہ ہو۔

چوتھے اس کا سلسلہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک متصل ہو۔

جس میں یہ چاروں شرطیں جمع ہیں اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہے اور ایسے پیر کے افعال و اقوال پر اعتراض سخت حرام اور موجب محرومی برکات دارین ہے اس کی جو بات اپنے ذہن میں خلاف معلوم ہو واجب ہے کہ اچھی تاویل کرے اور تاویل میں سمجھ نہ آئے تو یہ سمجھے کہ اس کا کوئی عمدہ منشا ہو گا جو میری سمجھ میں نہ آیا، اب آپ اپنے پیر کو دیکھئے ان چار شرطوں میں سے اگر کسی شرط کی کمی ہے تو بیعت ناجائز ہوئی، آپ کو چاہئے کہ کسی پیر جامع شرائط پر بیعت کریں، کمی شرط کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ اس کی منکوحہ باریک کپڑے پہنے جن سے بدن یا بال چمکتے ہوں یا بالوں یا گلے یا کلائی یا پنڈلی کا کوئی حصہ ظاہر ہو یا کپڑے اتنے چست ہوں کہ بدن کی ہیأت بتاتے ہوں اور وہ یوں علانیہ مجمع مرداں میں آتی ہے اور شوہر جائز رکھے تو دیوث فاسق معلن ہے قابل پیری نہیں، اور اگر ایسا نہیں اور چاروں شرطیں جمع ہیں تو اس پر اعتراض جائز نہیں اور اس کی بیعت سے روگردانی منع ہے، وہ قسم جو اس نے کھائی اس میں تاویل یہ سمجھے کہ ہم نے خود کسی سے کچھ نہ کہا بلکہ ہم سے کہلوایا گیا اس طرح حضرت سیدتنا ام کلثوم بنت حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالٰی عنہما نے اپنے شوہر حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے جنازے پر جو فضائل ان کے بیان کئے ان کے والد امیر المومنین مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الکریم نے فرمایا: واللہ ما قالت ولکن قولت[1] خدا کی قسم یہ

[1] تاریخ الامم والملوک للطبری من ندب عمرو رثاہ رضی اللہ عنہ دار القلم بیروت ۵/ ۲۸

انھوں نے نہ کہے بلکہ ان سے کہلوائے گئے۔ اور اس کا کہنا کہ مریدوں کیلئے میری بیوی امہات المومنین ہیں اگرچہ سخت معیوب وناشائستہ ہے مگر نہ اس قابل کہ چاروں شرطیں ہوتے ہوئے اس کی بیعت فسخ کی جائے۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۳۰۹ از شہر محلہ سوداگراں مسئولہ احسان علی طالب علم مدرسہ منظر الاسلام ۱۸ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت بغیر اجازت شوہر کے مرید ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اگر بغیر اجازت ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

الجواب

ہوسکتی ہے۔ واللہ تعالٰے اعلم

مسئلہ ۳۱۰ از کھنڈیا ضلع ریاست رامپور مسئولہ عزیز احمد ۲ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چند لوگ سنبھل مکن پور کے اس طرح بیعت کرتے ہیں کہ پیالہ پلاتے ہیں اور بندگانِ خدا کو کسی قسم کی تعلیم نہیں کرتے ہیں یہی لوگ موضع کھنڈیا علاقہ ریاست رامپور میں جمع ہوئے اور بیان کیا کہ طریقہ بیعت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم یہی ہے۔ ایک صاحب خاندان قادریہ کے وہاں موجود تھے انھوں نے کہا کہ چار طرح بیعت شرعاً جائز ہے ایک بذریعہ خواب کے دوسرے قبر سے تیسرے پیالہ پلاکر چوتھے اس شخص سے جو صاحبِ اجازت نہ ہو۔ ان دونوں بیانوں میں کون سا صحیح ہے؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ت)

الجواب

اُس شخص نے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم پر افترا کیا کہ حضور کا طریقہ بیعت پیالہ پلانا تھا حاش للہ بلکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا اور یہی طریقہ آج تک مشائخ میں ہے پیالہ پلانا بھنگڑوں بیقیدوں کے یہاں ہے، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللّٰه ید اللّٰه فوق ایدیھم [1]

اے نبی! یہ جو تم سے بیعت کررہے ہیں یہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں یہ تمھارا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر نہیں اللہ کا دستِ قدرت ان کے ہاتھوں پر ہے۔

معلوم ہوا کہ طریقہ بیعت ہاتھ پر ہاتھ رکھنا تھا نہ کہ پیالہ پلانا۔ واللہ تعالٰے اعلم

---

[1] القرآن الکریم ۴۸/ ۱۰

مسئلہ ۳۱۱ ازمدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ محمد ثناء اللہ طالب علم ۲۰ جمادی الآخر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید علم دین حاصل کررہا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ جب میں فارغ التحصیل ہوجاؤں گا تو میں جہاں جہاں بزرگ لوگ ہیں وہاں جاکر ان سے ملاقات کروں گا اور جس سے دل گواہی دے گا اس ہی سے مرید ہوجاؤں گا۔ علم کے حاصل کرنے کے زمانہ میں چند لوگ اہل وطن اور غیر وطن ایک بزرگ کے مرید ہوئے اور زید سے بھی اصرار کیا کہ تم بھی مرید ہوجاؤ، بعد اصرار کے زید بھی مرید ہوگیا، آیا شرعًا مرید ہوا یا نہیں؟

الجواب

اگر ان کے اصرار کے بعد اس کے دل میں عقیدت آگئی اور بالقصد مرید ہوا مرید ہوگیا، اور صرف ان کے اصرار کے سبب بے دلی سے بیعت کی مرید نہ ہوا کہ ارادت قلب سے ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۲ از لاہور مسجد بیگم شاہی ٹولہ مولوی احمد دین صاحب ۹ رجب ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے شجرہ خوانی دامِ تزویر ہے اور اس پر بہارستان مولانا جامی سے یہ عبارت نقل کرتا ہے:

از حضرت سید بہاؤ الدین صاحب نقشبند رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند کہ حضرت شجرہ شما چیست، فرمودند کہ کسے از شجرہ خوانی بجائے نرسد، پس خدائے عزّوجل را بیگانگی می شناسیم و بہمہ انبیاء و اولیاء ایمان آریم و مقید سلسلہ نیستیم۔

حضرت سید بہاؤ الدین نقشبند علیہ الرحمہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اے حضرت! آپ کا شجرہ کیا ہے؟ فرمایا شجرہ پڑھنے سے کوئی کسی مقام تک نہیں پہنچا، پس ہم اللہ عزوجل کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں اور تمام انبیاء و اولیاء پر ایمان لاتے ہیں کسی سلسلہ کے مقید نہیں ہیں۔ (ت)

یہ قول صحیح ہے یا غلط؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

یہ قول محض باطل ہے اور اس میں ہزارہا اولیائے کرام پر حملہ ہے اور بہارستان سے جو عبارت نقل کی ساختہ ہے، اس میں شجرہ خوانی یا شجرہ کا لفظ کہیں نہیں اور "پس خدائے عزوجل" سے اخیر تک ساری عبارت اپنی طرف سے بڑھائی ہوئی ہے بہارستان میں نہیں۔ شجرہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک بندے کے اتصال کی سند ہے جس طرح حدیث کی اسنادیں، امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ اولیاء و علماء و محدثین و فقہاء سب کے امام ہیں

فرماتے ہیں:

لولا الاسناد لقال فی الدین من شاء ما شاء[1]

اگر اسناد نہ ہوتا توجس کا جو دل چاہتا دین میں کہہ دیتا۔ (ت)

شجرہ خوانی سے متعدد فوائد ہیں:

اوّل رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم تک اپنے اتصال کی سند کا حفظ۔

دوم صالحین کا ذکر کہ موجب نزول رحمت ہے۔

سوم نام بنام اپنے آقایانِ نعمت کو ایصالِ ثواب کہ اُن کی بارگاہ سے موجب نظر عنایت ہے۔

چہارم جب یہ اوقاتِ سلامت میں ان کا نام لیوا رہے گا وہ اوقاتِ مصیبت میں اس کے دستگیر ہوں گے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

تعرّف الی اللہ فی الرخاء یعرفك فی الشدۃ۔ رواہ ابوالقاسم[2] بن بشران فی امالیہ عن ابی ہریرۃ وغیرہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند حسن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

تُو خوشحالی میں اللہ تعالٰی کو پہچان وہ مصیبت میں تجھ پر نظر کرم فرمائے گا۔ اس کو ابوالقاسم بن بشران نے امالی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اور اس کے غیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے سندِ حسن کے ساتھ روایت کیا۔ واللہ تعالٰی اعلم (ت)

مسئلہ ۳۱۳ از آنولہ محلہ کٹرہ پختہ کوچہ بنگلہ ضلع بریلی مسئولہ عبدالصمد ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

علمائے شریعت وہادیانِ طریقت کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ زید کی مختلف حالتیں ہوئیں، کبھی فسق وفجور کی طرف مائل رہتا تھا اور کبھی عبادتِ الٰہی میں مستغرق ہوجاتا تھا آخر میں وہ کئی پیروں سے بیعت ہوکر مختلف قسم کی ریاضتیں اور بہت سی عبادتیں کیں اور چلّے کئے، اب وہ ولایت کا مدعی ہے اور کہتا ہے میں قطب ارشاد ہُوں، اب وہ فسق وفجور کی طرف مائل ہونے کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ پہلے میں اس لئے کرتا تھا کہ لوگ مجھ پر بدگمان رہیں اور میری ولایت ظاہر نہ ہو اور اب چونکہ خدائے تعالٰی نے حکم دیا ہے اس لئے اپنی ولایت ظاہر کرتا ہوں۔ اور لوگوں سے بیعت بھی

---

[1] صحیح مسلم مقدمۃ الکتاب قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۲

[2] کنز العمال حدیث ۳۲۲۱ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲/ ۷۹

لیتا ہے حالانکہ اس کو کسی ظاہری پیر سے اجازت نہیں ملی ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ خدا کی طرف سے بذریعہ الہام مجھے اجازت ملی ہے اور اب کسی بندہ کی طرف رجوع کرنا میرے لئے ناجائز ہے، اس کے آثار یہ ہیں کہ اس کی توجہ میں بڑا زبردست اثر ہے اس سے بیعت کرنے کے تھوڑے دنوں بعد لطیفۂ قلب روشن ہوکر ذکر جاری ہوجاتا ہے اس کا مجلس پر بھی اثر ہوجاتا ہے اور اس سے بیعت کرنے پر بہت سے گمراہ آدمی پابندِ صوم وصلوٰۃ ہوجاتے ہیں اور ان کے دل میں عشقِ الٰہی بھر جاتا ہے اور دیوانہ وار پھرتے ہیں اس کی سرّی نماز میں بہت شور وغل ہوتا ہے اور کبھی جذبہ آتا ہے رقص بھی کرتے ہیں، کیا مذکورہ بالاصفات کے ساتھ موصوف شخص سے جو کسی ظاہری پیر سے اجازت یافتہ نہ ہو بیعت کرنا اور اسے بیعت لینا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب

ایسے شخص کو بیعت لینا جائز نہیں اور اس کے ہاتھ پر بیعت ناجائز ؎

اے پسر شرطِ صحتِ بیعت ۔۔۔ در طریقت اجازت سلف ست
بدغل سکہ نہ بہرہ مزن ۔۔۔ کان رہ کاسدان ناخلف ست[1]

(اے بیٹے! بیعت کے صحیح ہونے کی شرط طریقت میں اسلاف کی اجازت ہے۔
فریب کے ساتھ مٹی کے برتن پر مہر مت لگا کہ یہ طریقہ کھوٹے نااہلوں کا ہے۔ ت)

حضرت سیدی بایزید بسطامی رضی اللہ تعالٰی عنہ ودیگر اکابر کرام قدست اسرارہم فرماتے ہیں:

من لاشیخ لہ فشیخہ الشیطان[2] ۔۔۔ بے پیرے کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

یہ جو ظاہری ذوق وشوق لوگوں میں دیکھا جاتا ہے قابلِ اعتبار نہیں شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اور اس پر واضح دلیل نماز میں شور وغل مچانا اور رقص کرنا یہ نہیں مگر شیطان کی طرف سے کہ نماز فاسد کرے، صحابۂ کرام واکابر اولیائے عظام سے ایسا کبھی منقول نہ ہوا ان سے زیادہ تاثیر وبرکت کس کی ہوسکتی ہے مگر صادقین سے برکت ہوتی ہے اور کاذبین سے حرکت۔ قال اللہ تعالٰی ولاتبطلوا اعمالکم[3] اپنے عمل باطل نہ کرو۔ وقال تعالٰی وقوموا للہ قٰنتین[4] اللہ کے حضور

---

[1] سبع سنابل سنبلہ دوم دربیان پیری ومریدی مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ص ۴۰
[2] عوارف المعارف الباب الثانی عشر مطبعۃ المشہد الحسینی ص ۷۰ والرسالۃ القشیریۃ باب الوصیۃ للمریدین ص ۱۸۱
[3] القرآن الکریم ۴۷/۳۳ [4] القرآن الکریم ۲/۲۳۸

ادب سے کھڑے رہو۔ اس کا اقرار کرنا کہ فسق وفجور کرتا تھا اور اس کا عذر بیان کرنا کہ اخفاء ولایت کے لئے تھا عذر بدتر از گناہ ہے۔ حضرات ملامتیہ قدست اسرارہم کی ریس کرتا ہے، وہ کبھی مستحب بھی ترک نہیں کرتے معاذ اللہ فسق وفجور کیا معنی ؎

او گمان بردہ کہ من کردم چو او　　فرق را کے بیند آں استیزہ جو

(اس نے گمان کیا کہ میں نے بھی اس کی مثل کیا، وہ جنگجو فرق کو کب دیکھتا ہے۔ ت)

شیطان کے دھوکے اس سے بہت زیادہ سخت ہوتے ہیں، حضرت سیدی ابوالحسن جوسقی خلیفہ حضرت سیدی علی بن ہیتی فیض یافتہ بارگاہِ سرکار غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اپنے ایک مرید کو اعتکاف میں بٹھایا ایک شب حجرہ سے زار زار رونے کی آواز آئی، دروازہ پر تشریف لے گئے، حال پوچھا، عرض کی شب قدر میرے پیش نظر ہے آفاق نور سے روشن ہیں در و دیوار حجر و شجر سجدے میں گرے ہیں میں سجدہ کرنا چاہتا ہوں سینے میں ایک لوہے کی سلاخ ہے کہ جھکنے نہیں دیتی اس پر روتا ہوں۔ فرمایا: اے فرزند! یہ لوہے کی سلاخ وہ ہے جو میں نے تیرے سینے میں القا کیا ہے وہ تجھے جھکنے نہیں دیتا یہ شب قدر نہیں شیطان کا شعبدہ ہے۔ یہ فرما کر دونوں دست مبارک پھیلائے اور آہستہ آہستہ انھیں قریب لاتے گئے جتنا ہاتھ سمٹتے وہ نور تاریکی سے مبدل ہوتا تھا جب دونوں ہاتھ مل گئے واویلا اور فریاد کی آواز آئی۔ فرمایا: اب تو میرے مریدوں کو اغوا نہ کرے گا۔ یہ فرما کر چھوڑ دیا۔ وہ جھوٹا کرشمہ سب باطل ہوگیا۔ اس کے دھوکے اس سے بھی سخت ہیں، والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اور اس کا وہ کلمہ کہ "اب کسی بندہ کی طرف رجوع میرے لئے ناجائز ہے" اگر اپنے ظاہر علوم پر رکھا جائے تو صریح کلمۂ کفر ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم بھی بندے ہیں اور ان سے کسی وقت بے نیازی کسی نبی مرسل کو بھی نہیں ہوسکتی نہ کہ این و آں۔

والعیاذ باللہ تعالٰی من وساوس الشیطان ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم ۵ واللہ تعالٰی اعلم۔

شیطان کے وسوسوں سے اللہ تعالٰی کی پناہ، بلندی وعظمت والے معبود کی توفیق کے بغیر کوئی طاقت وقوت نہیں، اور اللہ تعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۱۴: از مدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۳ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید خاندان قادریہ میں ایک بزرگ سے بیعت ہوا

لیکن ان بزرگ صاحب نے کچھ نصیحت احکامِ شرعیہ کی نہ کی اور چند ہی روز کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا اب زید خاندان قادریہ میں کسی دوسرے بزرگ سے بیعت حاصل کرسکتا ہے نہیں؟ بیّنوا توجروا (بیان فرمائیے اجر دیئے جاؤ گے۔ ت)

الجواب

اگر وہ پیر جامع شرائطِ بیعت تھے یعنی عالم، سُنی، صحیح العقیدہ، متصل السلسلہ، غیر فاسق، تو دوسرے کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے فیض لے سکتا ہے۔ اور ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط کم تھی تو اس کے ہاتھ پر بیعت جائز ہی نہ تھی دوسرے سے بیعت کرے جو ان شرائط کا جامع ہو۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ

کشفِ حقائق و اسرارِ دقائق ۱۳۰۸ھ

(ظاہر کرنا حقیقتوں، رازوں اور باریک باتوں کو)

مسئلہ ۳۱۵: از بڑودہ باڑہ نواب صاحب مرسلہ حضرت نواب سید نور الحسن خاں بہادر ۲۵ شعبان ۱۳۰۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ واولیاء امتہ وعلماء ملتہ وعلینا معھم اجمعین۔

اما بعد

ایں پانچ اشعار وقت اشعار تصوف اشعار حسب الارشاد لازم الانقیاد حضرت عظیم الدرجہ جناب صاحب والامناقب نواب سید نور الدین حسین خاں بہادر رئیس اعظم بڑودہ ادام اللہ تعالٰی اقبالہم وضاعف اجلالہم۔ بزبان عام اردو و مطالب سہل الحصول مطابق عقائد

یہ جواب ہے تصوف سے متعلق کچھ بلند پایہ اشعار کا۔ ان کے ارشاد کے مطابق جس کی فرمانبرداری لازم ہے یعنی بلند و عظیم درجات و مناقب کے مالک محترم جناب سید نور الدین حسین خاں بہادر رئیس اعظم بڑودہ، اللہ تعالٰی ان کی خوش بختی کو ہمیشہ رکھے اور ان کی بزرگی کو دوگنا کردے عام اردو زبان میں کہ مطالب آسانی سے حاصل ہوں۔ جو مطابق ہے

اہلِ حق ومدارک افہام وعقول بتاریخ بست و پنجم شعبان المعظم روز جہاں افروز دوشنبہ ۱۳۰۸ ہجریہ قدسیہ علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ در بانس بریلی ملک ہند بخامہ خام نگار فقیر ذلیل ذرہ بمقدار عبد المصطفےٰ احمد رضا محمدی سُنّی برکاتی آل رسولی غفر اللہ لہ وحقق املہ باوصف قلت بضاعت وجہل صناعت بامداد نور باطن حضور لامع النور سلالۃ الواصلین نقاوۃ الکاملین بحر طریقت بدر حقیقت حضرت سیدنا ومولانا وشیخنا حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری الملقب بمیاں صاحب قبلہ مارہری ادام اللہ فیضہم المعنوی والصوری، در ساعت واحدہ ریختہ شد ع

اہلِ حق کے عقائد اور موافق ہے عقول وافہام کے۔ یہ جواب بانس بریلی ہندوستان میں بروز پیر ۲۵ شعبان المعظم ۱۳۰۸ھ کو اس فقیر حقیر ذرہ بمقدار عبد المصطفےٰ احمد رضا محمدی سُنّی برکاتی آلِ رسولی (اللہ اسکی مغفرت فرمائے اور اس کی امید برآری فرمائے) کے قلم سے پونجی کی قلت اور فن میں عدم مہارت کے باوجود صرف ایک گھنٹے میں معرضِ تحریر میں آیا۔ یہ ان کے نور باطن کی مدد سے ہوا جو روشن نور والے، واصلین کے خلاصہ، کاملین میں عمدہ، طریقت کے سمندر اور حقیقت کے چاند ہیں یعنی ہمارے سردار، ہمارے آقا، ہمارے شیخ حضرت سید شاہ ابوالحسین احمد نوری ملقب بہ میاں صاحب قبلہ مارہروی، اللہ تعالیٰ ان کے معنوی اور صوری فیض کو ہمیشہ رکھے۔

گر قبول افتد زہے عزّ وشرف

اگر قبول ہو جائے تو کیا ہی عزت اور شرف ہے۔ (ت)

شعر اول:

سب پیر اور مشائخ میرا سوال بولو
صورت جلال کیا ہے اور کیا جمال بولو

الجواب: اللہ جل وعلا رحیم بھی ہے اور قہار بھی ہے رحمت شان جمال ہے اور قہر شان جلال۔ دوستوں کو انواعِ نعمت سے نوازنا اُن کے لئے بہشت اور اس کی خوبیاں آراستہ فرمانا انھیں اپنی رضا و دیدار سے بہرہ مندی بخشنا تجلی شان جمال ہے۔ دشمنوں کو اقسام عذاب کی سزا دینا ان کے لئے دوزخ اور اس کی سختیاں مہیا فرمانا اُنھیں اپنے غضب وحجاب میں مبتلا کرنا تجلی شان جلال ہے۔ پھر دنیا میں جو کچھ نعمت ونقمت وراحت وآفت ہے انھیں دونوں شانوں کی تجلی سے ہے۔ کبھی یہ شانیں ایک دوسرے کے لباس میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ مثلاً دنیا میں اپنے محبوبوں کے لئے بلا بھیجنا کہ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل [1] تمام لوگوں سے بڑھ کر تکلیفیں نبیوں پر آتیں پھر ان سے کم درجہ والوں پر پھر ان سے کم درجہ والوں پر (ت)

---

[1] کنز العمال حدیث ۶۷۸۰ و ۶۷۸۳ مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۳/۳۲۸ و ۳۲۹

بظاہر شان جلال ہے اور حقیقۃً شانِ جمال کہ اس کے باعث وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتیں پاتے ہیں، قال اللہ تعالیٰ :

لاتحسبوہ شرًّا لکم بل ھو خیر لکم [1]	اُسے اپنے لئے بُرا نہ جانو بلکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

کفار کو کثرت مال وغیرہ دنیا کی راحتیں دینا بظاہر شان جمال ہے اور درحقیقت شان جلال ہے کہ اس کے سبب وُہ اپنی غفلت وگمراہی کے نشے میں پڑے رہتے ہیں اور ہدایت کی توفیق نہیں پاتے قال اللہ تعالےٰ :

ولایحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین [2]	کافر کا خیال کہ یہ ڈھیل جو ہم انھیں دے رہے ہیں کچھ اُن کے لئے بھلی ہے یہ ڈھیل تو ہم اس لئے دیتے ہیں کہ وُہ اور گناہ میں پڑیں اور ان کے لئے ذلّت کی مار ہے۔

تجلی جمال کے آثار سے لطف ونرمی وراحت وسکون ونشاط وانبساط ہے جب یہ قلبِ عارف پر واقع ہوتی ہے دل خود بخود ایسا کھل جاتا ہے جیسے ٹھنڈی نسیم سے تازی کلیاں یا بہار کے مینہ سے درختوں کی کنپیاں اور تجلی جلال کے آثار سے قہر وگرمی وخوف وتعب جب اس کا ورود ہوتا ہے قلب بے اختیار مرجھا جاتا ہے بلکہ بدن گھلنے لگتا ہے بلکہ اگر طاقت سے زیادہ واقع ہوتی ہے فنا کردیتی ہے۔ انھیں دونوں تجلیوں کا اثر تھا کہ ایک روز وعظ میں برسرِ منبر حضور پرنور سیدنا غوث اعظم قطب عالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا گیا کہ حضور کا جسم اقدس سمٹ کر ایک چڑیا کے برابر ہوگیا اور اسی وقت یہ بھی مشاہدہ ہوا کہ تن مبارک پھیل کر ایک بُرج کی شکل ہوگیا اور دیکھا گیا کہ حضور (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) منبر سے گرنے لگے یہاں تک کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دستِ اقدس کے سہارے روک لیا، یہ وہ عظیم تجلی تھی جس کا تحمل بے قوتِ نبوت ناممکن تھا لہٰذا حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قوتِ مصطفویہ سے مدد فرما کر اس کا تحمل کرادیا اسی شانِ جلال کا اثر ہے جو حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جدہ الکریم وعلیہ وسلم کے ایک مرید پر حضور کے پیچھے نماز میں واقع ہوئی کہ سجدہ میں

---

[1] القرآن الکریم ۲۴/ ۱۱

[2] القرآن الکریم ۳/ ۱۷۸

جاتے ہی جسم گھلنے لگا گوشت پوست، استخواں سب فنا ہوگیا صرف ایک قطرۂ آب باقی رہا حضرت غوثیت رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بعد نماز رُوئی کے پارہ میں اٹھا کر دفن کر دیا اور فرمایا سبحان اللہ ایک تجلی میں ساعتِ قیامت ہے یہ آسمان وزمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کو فنا کردے گی اسی لئے باری عزوجل اس دن یوں ارشاد فرمائے گا: لمن الملک الیوم[1] کل تک سب کہتے تھے یہ مُلک میری ہے یہ مُلک میرا ہے آج بتاؤ کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی فرمائے گا للہ الواحد القھار[2] ایک اللہ قہر والے کی۔ اُس وقت باسم قہار اپنا وصف بیان فرمائے گا کہ وہ تجلی شان قہر کی ہوگی، وحسبنا اللہ۔

شعر دوم:

خاکی بدن مقید کیونکر جمال حق کا
مطلق کی شان کیا ہے اس کی مثال بولو

الجواب: اس کی ایک ظاہری مثال یوں سمجھنی چاہئے کہ جیسے آفتاب کا نور اپنی ذات میں ایک ہے، نہ اس میں صورتوں کا اختلاف ہے نہ قوت وضعف کا فرق ہے، نہ جدا جدا رنگ ہیں، نہ متعدد نام ہیں، وہی نورِ واحد پہلی شب کے چاند پر پڑا اور یہاں یہ صورت پیدا کی کہ اس کا نام ہلال ہوا، پھر ہر روز نئی صورت اور زیادہ ترقی و قوت ہوتی رہی، شب چہاردہم اسی نور سے بدر کی صورت پیدا ہوئی، پھر اس میں ضعف آتا گیا یہاں تک کہ فنا ہوگیا۔ وہی نورِ واحد آئینہ مصفا پر پڑے تو کیسی جھلک دیتا ہے کہ نگاہ خیرہ وحیران اور دیواروں پر عکس نمایاں ہوا اور صفائی آئینہ میں کمی ہے تو نور میں کمی اور زمین پر پڑنے میں وہ بات کوسوں نہیں کرلوں وغیرہ سیاہ بے تابش چیزوں میں ایک ظہور کے سوا اور کچھ اثر نہیں ہوتا وہی ایک نور ہے کہ جب قریب اُفق جانب شرق سے طولانی شکل پر چمکتا ہے اُس کا صبح اول نام رکھتے ہیں پھر جب پھیلتا ہے وہی صبح صادق ہوتی ہے پھر جب سُرخی لاتا ہے وہی شفق ہے جب دن نکل آتا ہے وہی دھوپ ہے یونہی بعد غروب اس کے ظہور کے تفاوت ہیں تو دیکھو ایک آفتاب کی تجلی اور اتنے اختلاف، اور ہر حالت کے اعتبار سے اس کے جُدا نام ہیں اور جُدا اوصاف، بااین ہمہ وہ نور اپنی ذات میں ایک ہے، اس میں کوئی تغیر نہیں، نہ وہ صبح اول کے وقت طویل ہوگیا تھا نہ صبح ثانی کے وقت چوڑا، نہ شفق کے وقت اس نے لباس سُرخ پہنا نہ دن نکلتے زرد یا سفید، نہ ہلال پر چمکتے وقت کمان ہوگیا تھا نہ بدر پر پڑتے بشکل دائرہ، نہ آئینہ پر چمکتے وقت قوت پائی تھی نہ زمین پر آتے ہوئے ضعف،

---

[1] القرآن الکریم ۴۰/ ۱۶
[2] ؍؍ ؍؍ ؍؍ ؍؍

مگر یہ سب اختلاف تغیر مظاہر میں ہیں جن کے باعث اُس شئے واحد کی اتنی تعبیریں اور اس قدر حالتیں ہوگئیں۔ پس یہی مثال نورِ مطلق ذاتِ باری عزّوجل کی سمجھنا چاہیئے کہ واحد حقیقی ہے تغیّر و اختلاف کو اصلاً اس کے سراپردۂ عزّت کے گرد بار نہیں، پر مظاہر کے تعدد سے یہ مختلف صورتیں بے شمار نام بے حساب آثار پیدا ہیں جنھیں ہم عالم نام رکھتے ہیں یہ ظاہری تفہیم کے لئے ایک بہت ناقص و ناکارہ و ناتمام مثال ہے وللّٰہ المثل الاعلٰی[1] (اور اللہ کی شان سب سے بلند ہے۔ت) اس سے زائد بیان سے باہر اور مرتبہ عقل سے وراء ہے۔ تاکرا بخشند و یکہ روزی دارند (یہاں تک کہ کس کو بخشیں گے اور کس کو روزی دیں گے۔ت)

شعر سوم:

مخفی ہیں کیونکہ تھا وہ ستری میں کس طرح تھا
پھر روح کیوں ہوا ہے دل کا خصال بولو

الجواب: وہ نورِ پاک اپنی ذات میں نہایت ظہور پر ظاہر ہے اور اپنے بے نہایت ظہور کے سبب باطن کہ نور جس قدر تابندہ تر ہوگا نظر اس پر کام کم کرے گی جب نورِ احدیت کی تابش غیر محدود ہے چشم جسم و چشم عقل دونوں وہاں نابینا ہیں تو وہ اپنے کمال ظہور کے سبب کمال خفا و بطون میں ہے پھر اپنے مظاہر و تجلیات میں تو اُس کا ظہور ذی عقل پر ظاہر ہے اور اسی نور کے متعدد پرتوں نے روح و قلب وغیرہ وغیرہ بے حساب نام پائے ہیں جس طرح ہم ابھی مثال میں واضح کر آئے قلب و روح کی معرفت بے معرفتِ الٰہی نہیں ہوتی۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ[2]، من عرف نفسہ کلّ لسانہ[3]۔ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اسکی زبان بند ہوگئی۔(ت)

ناواقفوں سے فقط اتنا ارشاد ہوا:

قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الّا قلیلا[4]۔ تو فرما روح میرے رب کے امر سے ایک چیز ہے اور تمھیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

---

[1] القرآن ۱۶/ ۶۰
[2] کشف الخفاء حدیث ۲۵۳۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۲/ ۲۳۴
[3] " " ۲۵۳۱ " " " " "
[4] القرآن الکریم ۱۷/ ۸۵

عالم دو ہیں: عالمِ امر و عالمِ خلق۔

الا لہ الخلق والامر تبارک اللہ رب العلمین[1]
سُن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا۔ (ت)

عالمِ خلق وہ چیزیں جو مادہ سے پیدا ہوتی ہیں جیسے انسان، حیوان، نباتات، جمادات، زمین آسمان وغیرہا کہ نطفہ و تخم و عناصر سے بنے۔ اور عالمِ امر وہ جو صرف امرِ کُن سے بنا اس کے لئے کوئی مادہ نہیں جیسے ملائکہ و ارواح و عرش و لوح و قلم و جنت و نار وغیرہ۔ تو فرمایا روح عالمِ امر سے ایک چیز ہے، عقل کا حصہ اسی قدر ہے، آگے اس کی ماہیت اکابرِ اہلِ باطن جانتے ہیں۔ سبحان اللہ! آدمی خود اسی روح کا نام ہے اور یہ اپنے ہی نفس کے جاننے میں اس قدر ناکام ہے

تنت زندہ بجاں جانِ نہانی ۔۔۔ تو از جاں زندہ و جاں را نہ دانی

(تیرا بدن مخفی جان کی وجہ سے زندہ ہے، تو جان کے سبب زندہ ہے اور جان کو نہیں جانتا ہے۔ ت)

اور سر و خفی و روح و قلب لطائف حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم سے ہیں جن میں تجلیاتِ حق کے رنگارنگ ذوق کا ادراک کارِ عیاں ہے نہ کارِ بیاں ؎

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

(اللہ کی قسم تو اس شراب کا مزہ نہیں پہچان سکتا جب تک اُسے چکھ نہ لے۔ ت)

شعر چہارم:

اربع عناصر اب یوں نکلے کہو کہاں سے
مرتا سو کون اس میں کس کو وصال بولو

الجواب: نورِ احدیت کے پرتو سے نورِ محمدی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بنا اور اس کے پرتو سے تمام عالم ظاہر ہوا، اول پانی پیدا ہوا، پھر اس میں دُھواں اُٹھا اس سے آسمان بنا، پھر پانی کا ایک حصہ منجمد ہوکر زمین ہوگیا اسے خالق عزوجل نے پھیلا کر سات پرت کردیا پھر اسی طرح آسمان کے سات طبقے کئے، یونہی پانی سے آگ بنی، ممکن ہے کہ پانی کسی قسم کی حرارت پاکر ہوا ہُوا ہو اور ہوا گرم ہوکر آگ یا جس طرح مولٰی سبحانہ، وتعالٰی نے چاہا، غرض پانی مادہ تمام مخلوقات کا ہے۔ امام احمد و ابن حبان و حاکم کی

---

[1] القرآن الکریم ۷/۵۴

حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں: کل شیئ خلق من الماء[1] ہر چیز پانی سے بنی ہے۔ موت بدن کے لئے ہے جس کے معنی روح کا اس سے جدا ہوجانا۔ روح پہلے نہ تھی جب بنی تو پھر اس کے لئے فنا نہیں، یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ و لہذا بعد مرگ سمع وبصر، علم وفہم وغیرہ تمام افعال کہ حقیقۃً روح کے تھے برقرار رہتے ہیں بلکہ اور زیادہ ترقی پاتے ہیں؛ جن کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک پرند قفس میں محبوس ہے اس کی پرافشانی اسی پنجرے کے لائق ہوگی جب اُسے نکال دیجئے تو اس کی پروازیں دیکھئے۔ فقیر نے اپنی کتاب "حیات الاموات فی بیان سماع الاموات" میں اس مسئلہ کو بحمداللہ تعالٰی نہایت شرح وبسط سے ثابت کیا ہے یہ روح اپنے معدن اصلی سے غریب الوطن ہو کر قفسِ بدن میں بحکمِ الٰہی ایک مدتِ معین تک محبوس ہے جب وقت آئے گا اپنی اصل کی طرف رجوع کرے گی یایتھا النفس المطمئنۃ ۝ ارجعی الٰی ربك راضیۃ مرضیۃ[2] (اے اطمینان والی جان اپنے رب کی طرف واپس ہو یُوں کہ تُو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ ت) اس کا نام وصال ہے۔ ت)

شعر پنجم:

اوّل ہے روح علوی دوسری کا نام سفلی
ایک روح دو صفت کیوں پڑا کمال بولو

الجواب: اس شعر کے دو معنے ہیں، ایک یہ کہ روح مجرد ہے یعنی جسم اور جسم کی سب آلائشوں سے پاک ومنزہ، یہ صفت اس کی علوی ہے، پھر وہی روح اس جسم پر عاشق اور اس سے متعلق اور حیاتِ دنیوی میں اس کی عادی کام اس جسم کے آلات پر موقوف، یہ صفت اس کی سفلی ہے مگر اُس بلندی سے اس تنزل میں آنے کے بعد ہی وہ اپنے کمالات کو پہنچی ہے قلنا اھبطوا منھا[3] (ہم نے فرمایا تم جنت سے اُتر جاؤ۔ ت) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے باعث ہزاراں برکات وخیرات ہُوا۔

دوسرے یہ کہ انسان میں صفت ملکوتی وصفت بہیمی وصفت شیطانی سب جمع ہیں، اگر صفت ملکوتی پر عمل کرے ملک سے بہتر ہو اور اگر دوسری صفت کی طرف گرے بہائم سے بدتر ہو۔

---

[1] کنز العمال حدیث ۱۵۲۱۰ موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۵۶/۶
[2] القرآن الکریم ۸۹/ ۲۷ و ۲۸
[3] القرآن الکریم ۲/ ۳۸

حدیث میں آیا ہے :

قال اللہ تعالیٰ عبدی المومن احب الیّ من بعض ملٰئکتی[1] — اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرا بندۂ مومن مجھے اپنے بعض ملائکہ سے زیادہ پیارا ہے۔

اور کفار کے حق میں فرمایا :

اولٰئك کالانعام بل ھم اضل۔[2] — وہ چوپایوں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے۔

اور اُس کا کمال انھیں دو۲ صفت کے اجتماع سے کہ جب وہ باوجود موانع کہ صفت بہیمی اسے شہوات کی طرف بلاتی ہے اور صفت شیطانی خیرات سے روکتی ہے پھر ان کا کہنا نہ مانے اور اپنے رب کی عبادت وطاعت میں مصروف ہو تو اس کی بندگی نے وہ کمال پایا جو عبادتِ ملائکہ کو حاصل نہیں کہ ملائکہ بے مانع و بے مزاحم مصروفِ عبادت ہیں اور یہ ہزار جالوں میں پھنسا ہُوا ان سب سے بچ کر بندگی بجالاتا ہے ؎

فرشتہ گر بہ بیند جوھر تو
دگر رہ سجدہ آرد بر در تو

(فرشتہ اگر تیرے جوہر کو دیکھ لے تو پھر تیرے در پر سجدہ کرے۔ت)

شعر ششم :
دِکھتا ہے جو کہ خاکی آنکھوں سے سب فنا ہے
دِکھتا ہے کِس نظر سے وہ جگ اُجال بولو

الجواب : ظاہر ہے یہ کہ آنکھیں فانی ہیں اور فانی باقی کو نہیں دیکھ سکتا۔ لہذا دنیا میں دیدارِ الٰہی سوا حضرت سیّد عالم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے کسی نبی مقرب کو بھی نصیب نہ ہوا ہاں چشم رُوح باقی ہے ہم ابھی ذکر کر آئے کہ روح کے لئے تو اولیا نظر دل سے اُس جمال جہاں آرا کا مشاہدہ کرتے ہیں اور روز حشر وہ آنکھیں ملیں گی جنھیں پھر کبھی موت و فنا نہیں تو اس دن چشمِ جسم سے بھی مسلمان دیدارِ الٰہی تبارک و تعالٰے سے مشرف ہوں گے۔ اللّٰھم ارزقنا اٰمین !

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب اسرار الصوم دار الفکر بیروت ۴/ ۱۹۳
[2] القرآن الکریم ۷/ ۱۷۹

شعر ہفتم:

ہر چیز ذاتِ حق سے معمور ہے و لیکن
ملتا ہے کس محل میں ابرو ہلال بولو

الجواب: اس کا جواب وہ ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مروی ہوا انھوں نے اپنے رب عزوجل سے عرض کی: الٰہی! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا: عند المنکسرۃ قلوبھم لاجلی[1] اُن کے پاس جن کے دل میرے لئے ٹوٹے ہوئے ہیں۔ ایک شخص حضرت سیدنا بایزید بسطامی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا پنجوں کے بل گھٹنے ٹیکے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جگہ خون رواں ہے، عرض کی حضرت! یہ کیا حال ہے؟ فرمایا: میں ایک قدم میں یہاں سے عرش تک گیا عرش کو دیکھا کہ رب عزوجل کی طلب میں پیاسے بھیڑیے کی طرح منہ کھولے ہوئے ہے بانگے بر عرش زدم کہ ایں چہ ماجراست ہمیں نشان دیتے ہیں الرحمٰن علی العرش استوٰی (رحمٰن نے عرش پر اپنی شان کے مطابق استوا فرمایا۔ ت) میں رحمٰن کی تلاش میں تجھ تک آیا تیرا یہ حال پایا، عرش نے جواب دیا: مجھے ارشاد کرتے ہیں کہ اے عرش! اگر ہمیں ڈھونڈنا چاہے تو بایزید کے دل میں تلاش کر[2]۔

شعر ہشتم:

سب جسم ہے محمد موجود ذاتِ حق ہے
اسلام اور کفر کا پردہ سنبھال بولو

الجواب: حدیثوں سے ثابت ہے کہ اللہ عزوجل نے تمام عالم نورِ حضرت سید العالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پیدا کیا تو اصل ہر چیز کی نور سراپا حضور پُرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے پس مرتبۂ ایجاد میں بس وہی وہ ہیں۔ فقیر غفر اللہ تعالےٰ نے اپنے قصیدہ نونیہ نعتیہ میں بحمد اللہ تعالیٰ اس نفیس مضمون میں بہت ابیات رائقہ لکھے ہیں، ھٰھنا قولی ؎

خالق کل الورٰی ربک لا غیرہ   نورک کل الورٰی غیرک لم یس لن[3]

(کل کائنات کا خالق تیرا رب ہے نہ کہ اس کا غیر، تیرا نور ہی کُل کائنات ہے اور تیرے سوا لم لیس لن ہے یعنی ای لم یوجد ولیس موجودًا ولن یوجد ابدًا (یعنی کہیں نہیں پایا گیا، نہ موجود ہے اور نہ ہی کبھی ہوگا۔ ت)

اور مرتبہ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذاتِ پاک سے خاص ہے وحدتِ وجود کے جس قدر معنے عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد

---

[1] اتحاف السادۃ المتقین کتاب آداب الاخوۃ والصحبۃ الباب الثالث دار الفکر بیروت ۶/ ۲۹۰
[2] تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ذکر بایزید بسطامی رحمۃ اللہ مطبع اسلامیہ لاہور ص ۱۰۰
[3] بساتین الغفران منظومہ نونیہ فی مدح سید الانبیاء رضا دار الاشاعت لاہور ص ۲۲۳

موجود واحد باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود وہستی سے بہرہ نہیں رکھتے کل شیئ ہالك الا وجہہ[1] (ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔ ت) اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من و تو زید و عمرو ہر شئے خدا ہے یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہلِ توحید کا مذہب جو اہل اسلام و ایمان حقیقی ہیں۔ یہی کفر و اسلام کا پردہ سنبھالنا ہے۔

شعر نہم:

نکتہ نہیں علم کا قرآن میں سمایا
معنی علم کے نکتہ کے اب محال بولو

الجواب: علم کا نکتہ وہ باریک بات سمجھ میں نہ آئی یہاں اُس سے مراد ذات پاک باری عزوجل ہے کہ ہرگز اس کی کُنہ نہ فہم تصور میں آسکے نہ بیان و کلام میں سما سکے ادراک اس کا محال اور خوض اُس میں ضلال، والعیاذ باللہ ذی الجلال، قرآن اللہ عزوجل کا کلام اور اُس کی صفت ہے۔ صفت ذات میں ہوتی ہے ذات صفت میں نہیں آسکتی ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہ آں یار کجاست
ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

(کسی کو معلوم نہیں کہ اس دوست کی منزل گاہ کہاں ہے، بس اتنا جانتا ہے کہ کسی گھنٹی کی آواز آتی ہے۔ ت)

ھذا واللہ سبحٰنہ و تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم و احکم وصلی اللہ تعالٰی علٰی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔ اٰمین!

رسالہ
کشف حقائق و اسرار ودقائق
ختم ہوا

---

[1] القرآن الکریم ۲۸/۲۸

اوراد و وظائف و عملیات

مسئلہ ۳۱۶ ازصاحب گنج گیا مسئولہ چراغ علی صاحب ۲۵ ربیع الاول شریف

سوال یہ ہے: "السلام علیکم یا خواجہ عبدالکریم جانبِ مشرق، السلام علیک یا خواجہ عبدالرحیم جانبِ شمال، السلام علیک یا خواجہ عبدالرشید جانبِ جنوب، السلام علیک یا خواجہ عبدالجلیل" جانبِ مغرب۔ بعدہٗ یہ پڑھنا:

اللھم انت قدیم ازلی تنزیل العلل ولم تزل ولا تزال ارحمنی برحمتك یا ارحم الراحمین، اللھم اغفر لامة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، اللھم ارحم امة سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

بعدہٗ پڑھنا درودشریف کا بعدِ طاق جائز ہے یا نہیں؟ اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں بھی لکھا ہے اور نیز کیمیائے سعادت میں ہے۔

الجواب

دعائے مذکور جائز ہے اور اس میں بہت برکات ہیں۔ یہ چاروں حضرات جہاتِ اربعہ میں اوتادِ اربعہ ہیں۔ یہ اسمائے طیبہ ان کے اشخاص کے نہیں بلکہ عہدہ کے ہیں۔ جس طرح ہر غوث کا نام عبداللہ اور اس کے دونوں وزیروں کے نام عبدالملک اور عبدالرب ہیں۔ جو اس عہدہ پر مقرر ہوگا ظاہر میں کچھ نام رکھتا ہو یا باطن میں اس کا یہ نام رکھا جائے گا۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۱۷ ازسہسوان محلہ مستولی ٹولہ مرسلہ پرورش علی صاحب
نسیان کا مجرب علاج کیا ہے؟

الجواب

دفعِ نسیان کو ۲۱ بار سورۃ الم نشرح ہر شب سوتے وقت پڑھ کر سینہ پر دم کرنا، اور صبح ۲۱ بار پانی پر دم کرکے قدرے پینا، اور چینی کی رکابی پر یہ حروف اھ ظ م ف ش ذ لکھ کر پلانا نافع ہے۔ اور چالیس روز سفید چینی پر مشک و زعفران وگلاب سے لکھ کر آب تازہ سے محو کرکے پئیں۔ قسمیہ اس کے بعد فسھل یا الٰھی کل صعب ؛ بحرمۃ سید الابرار سھل۔ یا محی الدین اجب، یا جبرائیل بحق یا بدوح۔ والسلام۔

مسئلہ ۳۱۸ ازمقام سوروں ضلع ایٹہ۔ اللہ دیا وچندومنہار روز دوشنبہ ۱۳ صفر المظفر ۱۳۳۴ھ

رہنمائے دینِ متین، مرشدِ راہِ یقین بندہ دام فیضہ۔ بعد اظہار لوازم کے یہ عاصی پر معاصی بندہ خاکسار حضور کی خدمت میں عرض کرتا ہے، آج کل مجھ کو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضور مجھ کو ذکرِ قلبی بتلادیجئے، آپ حضور لکھ دیں فوراً خدمت میں حاضر ہوں۔ اور حضرت موسٰی علیہ السلام کی والدہ کا اسم شریف کیا ہے وہ مجھ کو تحریر کر دیجئے گا۔ اور ایک حافظ آئے تھے "سرائے ترین" سوداگر کنگھی والے، وہ مجھ کو ایک حاضرات بتلا گئے ہیں، حضور اجازت دیں تو عمل میں لاؤں۔ سورۃ رحمٰن کے دوسرے رکوع میں ہے: یا معشر الجن، حضور اس کا جواب بہت جلد دیجئے گا۔ اور خان حمید الدین شاہ صاحب مجھ کو ایک عمل ہمزاد تجربہ کار دے گئے ہیں وہ اب تک بغیر اجازت حضور کے نہیں کیا۔

الجواب

حاضراتِ جن سے جنوں کو بلانا اور ان سے صحبت وملاقات مقصود ہو محمود نہیں۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں: "کم سے کم وہ ضرر کہ جن کی ملاقات سے ہوتا ہے یہ کہ آدمی متکبر ہو جاتا ہے۔" یہ کتنا بڑا ضرر ہے جسے قرآن عظیم میں فرمایا: "کیا متکبروں کا ٹھکانہ جہنم نہیں۔"[1]

ذکر کے طریقے کثیر ہیں، تلاوتِ قرآنِ عظیم وکلمۂ طیبہ اور درود شریف کی کثرت رکھئے۔ اور جو اذکار بطریقۂ اشغال ہیں وہ بالمشافہ سیکھنے سے خوب آتے ہیں۔ سیدنا موسٰی علیہ الصلٰوۃ والسلام کی والدہ ماجدہ کا اسم شریف یوخانذ ہے۔ وھو تعالٰی اعلم۔

---

[1] القرآن الکریم ۳۹/ ۶۰

مسئلہ ۳۱۹ (سوال مذکور نہیں)

اجازت نامہ اوراد و وظائف و اعمال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم

فقیر غفرلہ المولی القدیر نے جملہ نقوش و تعویذات خاندانی جو فقیر کو اپنے مشائخ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم یا حضرت جناب سید شاہ ابوالحسین احمد نوری میاں صاحب قبلہ مارہری قدس سرہ العزیز یا ارشادات ائمہ کرام و اولیائے عظام و علمائے اعلام سابقین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سے پہنچے یا فقیر نے بفضلہ تعالٰی مجاز و ماذون ہو کر خود ایجاد کئے یا آئندہ ایجاد کروں اُن سب کی اجازت عامہ تامہ صحیحہ نجیحہ اپنے خواہرزادہ برخوردار حکیم علی احمد خاں سلمہٗ کو دی، مولٰی تعالٰی اپنے کرم سے برکت فرمائے شرط یہ ہے کہ کسی کام خلافِ شرع کے لئے نہ خود استعمال کریں نہ کسی ایسے کو دیں یا بتائیں جو کوئی کام خلافِ شرع چاہتا ہو۔

جس[1] طرح عورتیں اکثر تسخیر شوہر چاہتی ہیں کہ شوہر ہمارے کہنے میں ہوجائے جو ہم کہیں وہی کرے، یہ حرام ہے۔ حدیث میں اسے شرک فرمایا اللہ عزوجل نے شوہر کو حاکم بنایا نہ کہ محکوم۔ یا[2] یہ چاہتی ہیں کہ اپنی ماں بہن سے جدا ہوجائے یا[3] اُن کو کچھ نہ دے ہمیں کو دے، یہ سب مردود خواہشیں ہیں۔ مقدمات[4] فوجداری میں مسلمانوں کو نقوش حفاظت دیئے جائیں۔ دیوانی[5] و مال کے مقدمات میں جب تک معلوم نہ ہو کہ یہ حق پر ہے نہ دیں کہ ظالم کی اعانت حرام ہے حُبّ[6] و تسخیر عورت کے لئے نقش و عمل کسی کو نہ دیا جائے اس میں اکثر مقاصد فاسد بھی ہوتے ہیں اگر فی الواقع نکاح ہی کا طالب ہو جب بھی صریح اندیشۂ معصیت ہے کہ اجنبی کی محبت دلِ عورت میں پیدا ہونا ہم قاتل ہے ممکن کہ نکاح میں تعویق ہو یا اولیائے زن نہ مانیں اور محبت طرفین سے پیدا ہوچکی تو اس کا نتیجہ بُرا ہو۔ یونہی[7] اگر تسخیر زن نہ چاہے بلکہ اولیائے زن کی تسخیر کہ وہ اس سے نکاح کردیں اور یہ اُن کا کفو نہ ہو یعنی ایسا کم ہو کہ اس سے اس کا نکاح اولیائے زن کے لئے باعث مطعونی یا معصیت شرعی ہو جب بھی ہرگز نہ دیں کہ یہ مسلمانوں کو مضرت رسانی ہے بلکہ بہتر[8] یہ ہے کہ اس مقصد کے لئے مطلقاً دیا ہی نہ جائے نکاح خصوصاً ہندوستان میں عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے اور انجام کا علم اللہ عزوجل کو۔ ممکن کہ یہ رشتہ طرفین میں کسی کے لئے شر ہو تو شر کا سبب بنانہ چاہئے یہاں ایسوں کو ہمیشہ یہی ہدایت کیجاتی ہے کہ استخارہ شرعی کریں اور دُعا کہ

اللہ عزوجل وہ کرے جو بہتر ہو۔ نہ خود[۹] کسی مسلمان کی ضرر رسانی کا کوئی عمل کیا جائے نہ کسی کو بتایا جائے اگرچہ وہ اپنی کتنی ہی مظلومی اور اس کا ظالم و موذی ہونا ظاہر کرے، ہاں اگر ثبوت شرعی سے ثابت ہو جائے کہ وہ عام طور پر موذی و ظالم ہے تو اس کے لئے اُسی قدر ضرر کی خواہش روا ہے جس قدر کا شرعًا وہ مستحق ہے اس سے زائد حرام ہے اور اس کا صحیح معیار پر اندازہ خصوصًا اپنے معاملہ میں بہت دشوار ہوتا ہے لہٰذا ہمیشہ یہاں سپر ہی ہاتھ میں رکھی تلوار کام میں نہ لائی گئی اسی پر عمل رہے۔ مسلمانوں[۱۰] کو لوجہ اللہ تعویذات و اعمال دیئے جائیں دُنیوی نفع کی طمع نہ ہو جیسا آج تک بحمد اللہ تعالٰی یہاں کا دستور ہے۔ کفار[۱۱] کو اگر نقوش دیئے جائیں تو مضر، انھیں مظہر کی اجازت نہیں اور وہ بھی اُس امر میں ہو جس سے کسی مسلمان کا نقصان نہ ہو اور اُن سے معاوضہ لینے میں مضائقہ نہیں بلکہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ثابت ہے۔ جو کافر[۱۲] خصوصًا مرتد جیسے قادیانی، نیچری، وہابی، رافضی، چکڑالوی، غیر مقلد مسلمان کو ایذا دیا کرتا ہو اگرچہ رسائل کی تحریر یا مذہبی تقریر سے اس پر سے دفع بلا خواہ رفع مرض کا بھی نقش نہ دیا جائے اور ایسا نہ ہو اور اُس کام میں کسی مسلمان کا ذاتی نقصان بھی نہ ہو جب بھی مرتدوں کا مبتلائے بلا ہی رہنا بھلا۔ اور اگر دیں تو ضرور بمعاوضہ کہ اس میں دینی نفع تو تھا ہی نہیں دنیوی بھی نہ ہو تو آخر کس لئے۔ یہ بارہ[۱۲] باتیں بطور نمونہ ہیں، غرض ہر طرح مصلحت شرعیہ ملحوظ رہے اللہ عزوجل توفیق دے۔ آمین!

مسئلہ۲۰: از کیلاسپور ضلع سہارنپور مرسلہ عبداللہ صاحب امام مسجد منہاران ۸ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

میں سورۂ واقعہ کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہوں جس کا طریقہ یوں لکھا ہے کہ شروع چاند میں جو پہلی جمعرات کے دن بعد نماز مغرب، اول آخر درود شریف کے بعد چھ مرتبہ سورہ مذکورہ کی تلاوت کرے اور پھر دوسرے روز پانچ بار پڑھے اسی طرح دوسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھتا رہے دوسری جمعرات کو سورہ شریف پانچ بار پڑھ کر مع درود شریف کے اس ہفتہ کی تلاوت خدا کی نذر کرے۔ اس کے بعد فورًا پھر مع درود شریف چھ بار سورہ شریف کی تلاوت کرے اور بعدہٗ روزمرہ بدستور تیسری جمعرات آنے تک پانچ بار پڑھے اُس ہفتہ کا ثواب حضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بخشے۔ اور پھر فورًا از سرِ نو شروع کرے اور ترکیب بالا جمعرات تک کرے اُس ہفتہ کا ثواب جمیع ارواح مومنین کو ہدیہ، عمل تمام ہو۔ لہٰذا حضور اجازت اس عمل کی مجھے دیں اس میں جو کچھ غلطی ہو تو اصلاح فرما دیں، اور ایک شخص نے مجھ سے سوال کیا ہے کہ سورہ یٰسین میں اللہ تعالٰی

کے اسماء میں سے ایک اسم رکھا گیا ہے اور وہ اسم سورۂ یٰسین کے وسط میں ہے اس کے پانچ کلمے اور سولہ حرف ہیں چار حرف منقوط ہیں اور دو حرفوں پر اوپر نقطے ہیں اور دو حرفوں کے نیچے ہیں لہذا میں نے بہت تلاش کیا لیکن مجھے پتہ نہ چلا امید کہ آپ اس مشکل کو حل کریں۔

الجواب

کسی عمل کا ثواب مولٰی تعالٰی کی نذر کرنا محض جہالت ہے وہ غنی مطلق ہے اور حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام خواہ اور نبی یا ولی کو ثواب بخشنا کہنا بے ادبی ہے بخشنا بڑے کی طرف سے چھوٹے کو ہوتا ہے بلکہ نذر کرنا یا ہدیہ کرنا کہے، پہلے ہفتہ کی تلاوت کا ثواب نذر حضور اقدس علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کرے دوسرے کی تلاوت کا ثواب نذر باقی انبیاء و اولیاء، تیسرے کا ثواب ہدیہ ارواح جملہ مومنین و مومنات کرے، اس طرح کیجئے میں نے آپ کو اجازت دی، وہ سورۂ مبارکہ کی ایک پوری آیت ہے کارڈ میں آیت نہیں لکھی جاسکتی اس کا اول س ل م اور آخر ر ح ی م۔ اس سائل نے ۱۶ حرف یوں بتائے کہ سلام میں چار حرف سمجھے یہ غلط ہے مصحف کریم میں یہ لفظ بے الف ہے تو پندرہ ہی حرف ہیں اور اس میں چار حرف منقوط ہیں ق ن ب ی، مگر نون کے اوپر نقطہ کہنا چاہیے کہ وہ جوف میں ہے فقط۔

مسئلہ ۳۲۱ ازچوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۴ ربیع الاول ۱۳۳۷ھ

یکے ملا میگوید در دعاء گنج العرش و در دعا عکاشہ وغیرہ ادعیات عربی وفارسی و در نورنامہ ہندی کہ در آں ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم بالتفصیل است ثواب چنداں نوشتہ است کہ چہل شہید و حج وغیرہ امورات ثواب حاصل آید کہ بخواند آں ملا میگوید ہرچہ ثواب نوشتہ است آں حاصل نباشد و غلط نوشتند برائے فروختگی کتاب نوشتہ و ہیچ اصل نیست آیا گفتہ ملا بموجب شرع شریف است یا مخالف اگر ثواب ہمچناں ست کہ نوشتہ است براہ مہربانی

ایک ملا کہتا ہے کہ دعاء گنج العرش اور دعاء عکاشہ وغیرہ عربی وفارسی دعاؤں پر اور اسی طرح نورنامہ ہندی جو میلاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے تفصیلی ذکر پر مشتمل ہے، کو پڑھنے پر ثواب اس قدر لکھا ہے کہ چالیس شہیدوں اور حج وغیرہ نیک امور کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ ملا مذکور کہتا ہے یہ ثواب جو لکھا ہوا ہے حاصل نہیں ہوتا یہ غلط لکھا ہوا ہے صرف کتابیں فروخت کرنے کے لئے لکھا گیا ہے جس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کیا ملا کا قول شرع شریف کے مطابق ہے یا مخالف؟ اگر ثواب

سند وحوالہ کتاب کہ در ذکر تولد آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم چنداں ثواب ست تحریر فرمایند بلاحیثیت۔

ایسا ہی ہے جیسا کہ لکھا ہوا ہے تو براہ مہربانی سند اور حوالہ کتاب کے ساتھ تحریر فرمائیں کہ میلاد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا ذکر کرنے پر اس قدر ثواب ہے؟ (ت)

الجواب

رسالہ منظومہ ہندیہ کہ بنام نورنامہ مشہور ست روایتش بے اصل است خواندنش روانیست چہ جائے ثواب و برادعیہ در مطابع انچہ روایتہائے اسنادی نویسند اکثر بے اصل است و ثواب بدست رب الارباب یکبار سبحان اللہ میزان را پُر میکند و لا الہ الا اللہ پیستر از عرش نمی ایستد یک کلمہ ازینہا اگر مقبول شود جزائے او جز جنت نیست و ثواب اللہ اطیب واکثر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

ہندی زبان میں لکھا ہوا رسالہ جو نورنامہ کے نام سے مشہور ہے، اس کی روایت بے اصل ہے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ثواب کی جگہ پر اور دعاؤں پر مطبعوں میں جو اسنادی روایتیں لکھتے ہیں وہ اکثر بے اصل ہیں۔ اور ثواب تو اللہ تعالٰی کے دست قدرت میں ہے، ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا نیکیوں کے ترازو کو بھر دیتا ہے اور لا الہ الا اللہ کہنا عرش سے نیچے نہیں رُکتا، ان میں سے اگر ایک کلمہ بھی قبول ہوجائے تو اس کا ثواب جنت کے ماسوا نہیں ہوتا اور اللہ تعالٰی کا عطا کردہ ثواب بہت پاکیزہ اور بہت زیادہ ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ۳۲۲ از بریلی مدرسہ منظر الاسلام اہلسنت وجماعت مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب لکھنوی رضوی متعلم مدرسہ ۱۳ جمادی الاولٰی ۱۳۳۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ما قولکم یاحماۃ السنۃ السنیۃ البیضاء و یا محاۃ البدعۃ القبیحۃ الظلماء نصرکم اللہ تعالٰی بالتائیدات الرحمانیۃ وایدکم بالنصر السبحانیۃ فی ھذہ المسئلۃ ان اشرفعلی التھانوی الذی تفوہ بالکفر الجلی فی کتابہ حفظ الایمان

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے، آپ کا کیا ارشاد ہے اے روشن چمکدار سنتوں کے حامیو! اور اے تاریک قبیح بدعت کو مٹانے والو! اس مسئلہ میں کہ اشرفعلی تھانوی جس نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں کفر صریح کا قول کیا ہے۔ اور اللہ کی قسم وہ کتاب (دراصل) حبط الایمان (ایمان کی بربادی) ہے۔ اس میں تھانوی نے

وما هو والله الا حبط الایمان قد کتب عملا للامساك فی ص۱۰۹ فی کتابه المسمی باٰثار تبیانی الجزء الثالث من اعمال قرآنی المطبوع فی برقی پریس الواقع فی دھلی سنہ ۱۳۳۵ھ فقال ماترجمته عمل اٰخر للامساك، یکتب علی ورقة الکرم ویعلق علی الفخذ الایسر ابجد ھوز حطی کلمن سعفص قرشت ثخذ ضظغ وقیل یا ارض ابلعی ماءك ویٰسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر کلما اوقدوا نارا للحرب اطفأھا اللّٰہ امسك ایھا الماء النازل من صلب فلان بن فلانة بلاحول ولا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم[1] ھل فیه تعریض القراٰن العظیم للاھانة وللانجاس والتوھین والتلویث بالانجاس وقوله ھذا ھل فیه کفر ام ضلال ام لیس فیه شیئ من ھذه الاحوال۔ بینوا بالتفصیل توجروا عند الملك الجلیل۔

اپنی کتاب آثار تبیانی جزء ثالث از اعمال قرآنی کے حوالے سے امساک کے لئے ایک عمل لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے ایک اور عمل واسطے امساک کے۔ انگور کے پتے پر لکھ کر بائیں ران پر باندھے ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت، ثخذ، ضظغ۔ اور حکم فرمایا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل لے، اور اے آسمان! تھم جا، اور پانی خشک کردیا گیا اور کام تمام ہوا۔ جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا دیتا ہے۔ اے فلاں بن فلانہ کی پشت سے نازل ہونے والے پانی رک جا بسبب "لاحول ولا قوة الا باللّٰہ العلی العظیم" کے۔ کیا اس میں قرآن عظیم کی توہین اور اُسے گندگی میں ملوث کرنے کی پیشکش ہے؟ اور حفظ الایمان میں اس کا قول مذکور کفر ہے یا گمراہی یا ان میں سے کچھ نہیں۔ تفصیل کے ساتھ بیان کرو جلالت والے بادشاہ کے پاس اجر دیئے جاؤ گے۔ (ت)

الجواب

الامام الاجل سیدی محمد البوصیری قدس سرہ قال فی قصیدته الکریمة الھمزیة ام القرٰی فی حق ابی جھل

میرے آقا امام اجل محمد بوصیری قدس سرہٗ نے اپنے قصیدہ کریمہ ہمزیہ "ام القری فی مدح خیر الورٰی" میں ابوجہل لعین کے بارے میں فرمایا

---

[1] اعمال قرآنی حصہ سوم دار الاشاعت کراچی ص ۱۱۶ و ۱۱۷

اللعین ع
ماعلی مثلہ یُعدّ الخطاء[1]

"اس جیسے کی خطائیں شمار نہیں کی جاسکتیں"۔

واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی خوب جانتا ہے۔ (ت)

مسئلہ ۳۲۴: از شہر کہنہ ۱۶ رجب ۱۳۳۵ھ بارہ دری مسئولہ مصطفٰی علی خاں

(۱) کسی شخص کا غصہ بڑھ جائے تو اس کے لئے آپ کوئی تعویذ دیں اور کچھ پڑھنے کو بتائیں۔

(۲) ماں باپ میں یا بہن بھائی ہو یا میاں بیوی ہو محبت اور اتفاق پیدا ہو پڑھنے کو بتائیں یا کوئی تعویذ دیجئے۔

الجواب

(۱) دفعِ غضب کے لئے لاحول شریف کی کثرت کرے اور جس وقت غصہ آئے دل کی طرف متوجہ ہو کر تین بار لاحول پڑھے تین گھونٹ ٹھنڈا پانی پی لے، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، لیٹا ہے تو اُٹھے نہیں۔

(۲) سب گھر والوں میں اتفاق کے لئے بعد نمازِ جمعہ لاہوری نمک پر ایک ہزار ایک بار (۱۰۰۱) یا ودود پڑھیں، اول آخر دس دس بار درود شریف، اور اس وقت سے اس نمک کا برتن زمین پر نہ رکھیں، وہ نمک سات دن گھر کی ہانڈی میں ڈالیں سب کھائیں، مولٰی تعالٰی سب میں اتفاق پیدا کرے گا۔ ہر جمعہ کو سات دن کے لئے پڑھ لیا کریں۔

مسئلہ ۳۲۵: از مدرسہ منظر اسلام بریلی مسئولہ مولوی عبداللہ بہاری ۲ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس شخص کو دینی یا دنیوی بات یاد نہ رہتی ہو وہ کیا پڑھے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

سپید چینی کی تشتری پر لکھے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ا ھ ط م ف ش ذ اور اسے ذرا سے پانی سے دھو کر اس پر ۹۹۸ بار، اور نہ ہو سکے تو ۴۰۰ یا ۱۰۰ ہی بار یا حفیظ پڑھ کر دم کرے اور وہ پانی پی لے۔ روز ایسا ہی کرے، اور

---

[1] ام القرٰی فی مدح خیر الورٰی الفصل السادس حزب القادریہ لاہور ص ۱۶

سوتے وقت ۷ بار سورۃ الم نشرح شریف پڑھ کر سینے پر دم کرلیا کرے اور کلنگ ذبح کرکے ذبح کی گرمی میں اس کا مغز نکال کر ۴۰ بار اس پر یاحفیظ دم کرکے کھالے۔ واللہ تعالٰی اعلم

نوٹ

۲۶ویں جلد کتاب الفرائض سے شروع ہوکر کتاب الشتی کے حصہ اول پر اختتام پذیر ہوئی، ان شاء اللہ العزیز ۲۷ویں جلد کتاب الشتی حصہ دوم سے شروع ہوگی۔